تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود میں مباحثِ سیرت: تجزیاتی مطالعہ

(مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

حافظ محمد آفتاب خان

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: Phd/IS/F-18-790

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

ستمبر، 2023

تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود میں مباحثِ سیرت: تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

حافظ محمد آفتاب خان

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: Phd/IS/F-18-790

نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نمل، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن (2018ء–2023ء)

©حافظ محمد آفتاب خان 2023ء

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defence Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود میں مباحثِ سیرت: تجزیاتی مطالعہ**

Seerah Contents in Tafseer Al-Muharrer al-Wajeez and Tafseer Abi-al-Saud: An Analytical Study

Tafsīr Al-Muḥarrir al-Wajīz Awr Tafsīr Abī as-Saud Maīn Mabāḥith-i-Sīrat: Tajzīyātī Mūṭāli'ah

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: حافظ محمد آفتاب خان

رجسٹریشن نمبر: 790-Phd/IS/F-18

ڈاکٹر ریاض احمد سعید ________________

(نگرانِ مقالہ) دستخط نگرانِ مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی ________________

(صدر شعبہ اسلامی فکر وثقافت) دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان ________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) محمد جعفر (ہلال امتیاز ملٹری) ________________

(ریکٹر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد) دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں حافظ محمد آفتاب خان ولد حسن محمد خان

رول نمبر:PD-IS-18-457 رجسٹریشن نمبر:790-Phd/IS/F-18

طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ اسلامک تھاٹ اینڈ کلچر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود میں مباحثِ سیرت: تجزیاتی مطالعہ

Seerah Contents in Tafseer Al-Muharrer al-Wajeez and Tafseer Abi-al-Saud: An Analytical Study
Tafsīr Al-Muḥarrir al-Wajīz Awr Tafsīr Abī as-Saud Maīn Mabāḥith-i-Sīrat: Tajzīyātī Mūṭāli'ah

پی ایچ ڈی اسلامک فکر اور ثقافت کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلے میں پیش کیا گیا ہے اور ڈاکٹر ریاض احمد سعید کی زیر نگرانی تحریر کیا گیا ہے، یہ راقم الحروف کا اصل کام ہے اور مزید یہ کہ مذکورہ کام کہیں اور جمع کرایا گیا ہے نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: حافظ محمد آفتاب خان

دستخط مقالہ نگار: ______________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Seerah contents in Tafseer Al-Muharrer al-Wajeez and Tafseer Abi-al-Saud:
An analytical study

Abstract

The Holy Qur'ān and biography of Holy Prophet (PBUH) are source of guidance for all mankind till the day of resurrection. The practical picture of the Holy Qur'ān is in the blessed self of the Holy Prophet (PBUH). On this basis, Ḥaḍhrat 'Āiyshā (may Allah plesead with her) says "The morals of the Holy Prophet are Qur'ān" : As if the source of the biography of Holy Prophet (PBUH) is the Holy Qur'ān and blessed life of our Holy Prophet (PBUH) has global and universal dimensions in context of its comprehensiveness and perfection. The reason for this is that Allah(swt) has bestowed upon him the honorable position of public discourse and the seal of the Prophets. Since blessed personality of the Holy Prophet (PBUH) was having comprehensive attributes, his life has been praised by the words of gooddeeds.

The relationship between Holy Qur'ān and Sīrat-e-Ṭayyībah is very deep and the role of authentic interpretations is very important in the understanding of the Holy Qur'ān . In this regard, in this dissertation. An analytical study of the discourses have been done in the light of the authentic and common interpretations "Tafsīr-al-Muḥarr al-Wajīz" and "Tafsīr Abī as-Saud". The scholarly position and rank of "Tafsīr-al-Muḥarr al-Wajīz" is very high. In the same way the real name of " Tafsīr Abī as-Saud" is "Irshad-ul-Aql al Seleem Ela mazaya-al-Quran-ul-Karim" it is also a famous Tafseer full of practical Points. Although, there is a diversity of topics in the above mentioned interpretations in this "Dissertation" only the analytical study of discourse has been done.

This study adopts a qualitative research paradigm with analytical research methodology to reach a conclusion. Analyzing it in the light of discussion and interpretation of biographies and books of biographies has helped to clarify their authentic Status and there has also been an inducement to follow Seerat-e-Tayyaba.Ibn Atya and Qazi Abu al Saud have discussed the subject of biography according to popular scholars. There is a need to study the Seert al Nabi in the context of contemporary applications in the light of fIqh al seerah.

Keywords: Seerah contents, analytical study, Tafseer-al-Muharrel-al-Wajeez, Tafseer Abi-al-Saud.

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ	III
2	حلف نامہ	IV
3	ملخص(Abstract)	V
4	فہرست عنوانات	VI
5	اظہار تشکر	VIII
6	انتساب	IX
	مقدمہ	1
7	**باب اول: تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کا تعارف اور اصول و مناہج**	12
8	فصل اول: تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کا تعارف	14
9	فصل دوم: تفسیر المحرر الوجیز میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج	44
10	فصل سوم: تفسیر اَبی السعود میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج	75
11	**باب دوم: بشارات، قبل از بعثت اور مکی دور رسالت کے مباحث سیرت**	102
12	فصل اول: بشارات اور ولادت تا بعثت مصطفیٰ ﷺ مباحث سیرت	104
13	فصل دوم: آفتاب رسالت کا ظہور اور خفیہ دعوت کا دور	138
14	فصل سوم: اعلانیہ دعوت کا دور تا ہجرت حبشہ	156
15	فصل چہارم: سماجی مقاطعہ سے بیعت عقبہ ثانیہ تک کا دور	179
16	**باب سوم: مدنی دور رسالت کے مباحث سیرت (1ہجری تا 5ہجری)**	195
17	فصل اول: ہجرت، مؤاخات مدینہ، سریہ عبد اللہ بن جحشؓ اور تحویل قبلہ	197
18	فصل دوم: غزوات: بدر، بنو قینقاع، احد اور حمراء الاسد	221
19	فصل سوم: غزوات: بنو نضیر، بنی مصطلق (المریسیع)، احزاب (خندق) اور بنو قریظہ	253

272	**باب چہارم: مدنی دورِ رسالت کے مباحث سیرت (6ہجری تا 11ہجری)**	20
274	فصل اول: صلح حدیبیہ اور غزوہ خیبر اسباب وواقعات	21
290	فصل دوم: فتح مکہ اور غزوہ حنین اسباب وواقعات	22
305	فصل سوم: غزوہ تبوک، حجۃ الوداع اور وصال مبارک	23
321	**باب پنجم: شمائل وخصائص مبارکہ اور دلائل نبوت**	24
323	فصل اول: شمائل مبارکہ	25
339	فصل دوم: خصائص مبارکہ	26
359	فصل سوم: دلائل نبوّت (معجزات)	27
375	**خاتمہ البحث**	28
376	خلاصہ بحث	29
380	نتائج بحث	30
382	سفارشات	31
383	فہارس	32
396	فہرستِ مصادر ومراجع	33

اظہار تشکر

اللہ رب العالمین کا فضل و احسان اور کرم و امتنان ہے کہ اس نے ہمیں قرآن مجید جیسا صحیفہ انقلاب اور محمد رسول اللہ ﷺ جیسا عظیم رسول عطا فرمایا اور ہمیں آپ ﷺ کا امتی ہونے کا شرف عطا فرمایا اور یہ سعادت بخشی کہ قرآن مجید اور آپ کی سیرت طیبہ سے خوشہ چینی کر سکیں۔

میں شکر گزار ہوں اپنے محسن و مربی اور انتہائی مشفق و مہربان استاد ڈاکٹر ریاض احمد سعید (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) کا، کہ جن کی خصوصی توجہات سے یہ مقالہ بخیر و خوبی منزل آشنا ہوا آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود رہنمائی کے لئے بھرپور وقت عنایت فرمایا اور اہم بات یہ کہ آپ مسلسل رابطے میں رہے اور کام کی نوعیت اور رفتار پر ترغیب و ترہیب کے ذریعے توجہ دلاتے رہے جس پر تازیست میں ان کا عمیق قلب سے شکر گزار رہوں گا اور بارگاہ الوہیت میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے۔ (آمین)

میں شکر گزار ہوں پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان (ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)، پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)، ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری (سابق صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)، ڈاکٹر نور حیات خان (سابق صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) اور شعبہ کے جملہ اساتذہ کرام کا جو اس تحقیق کے عمل میں میری ہر اعتبار سے حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرتے رہے۔

اس موقع پر والد گرامی کی خدمت میں ہدیہ سپاس پیش کرتا ہوں کہ جن کی خصوصی دعاؤں سے یہ کاوش ثمر بار ہوئی اور اپنی رفیقہ حیات کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اس عرصہ میں امور خانگی کو بطریق احسن سرانجام دیا جس وجہ سے تحقیقی سرگرمیوں کو جاری رکھنے میں دشواری پیش نہ آئی۔ آخر میں ان تمام کرم فرماؤں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے دوران تحقیق کسی بھی طرح کا تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

حافظ محمد آفتاب خان

پی ایچ ڈی سکالر، نمل۔ اسلام آباد

ذی الحجہ، 1444AH / جون، 2023

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے نام کرتا ہوں کہ جن

کی اتباع و پیروی میں دارین کی سعادت مندی کا راز مضمر ہے۔

مقدمہ

1۔موضوع تحقیق کا تعارف:

الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین اما بعد:

قرآن مجید اور سیرت مصطفیٰ ﷺ جملہ انسانوں کیلئے تمام عصور و دہور میں باعث رشد و ہدایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو شارح قرآن "﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾[1] ترجمہ: وہ انہیں کتاب کی تعلیم دیتے ہیں" اور اس کی عملی تصویر ہونے کے مقام رفیع سے نوازا ہے اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ((فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ ﷺ كَانَ الْقُرْآنَ))[2] کے کلمات تحسین آپ کے اخلاق حمیدہ کی مدح میں فرمائے تھے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ اپنی جامعیت اور وسعتوں کے لحاظ سے عالم گیر اور ابد الآباد قابل عمل سیرت ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بعثت عامہ اور خاتم النبیین کے مقام پر فائز فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صاحب خلق عظیم ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے طرز زیست کو اسوہ حسنہ سے موصوف فرمایا ہے اور اس بات کی رہنمائی کی ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے گویا آپ ﷺ کا وجود ذی جود زندگی کے تمام شعبہ جات میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ آپ کی ذات بابرکات جامع الاوصاف ہے۔ دوسری طرف قرآن مجید اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کا باہمی تعلق انتہائی عمیق ہے اس خوبصورت تعلق کے پیش نظر قرآن مجید کی مستند اور متداول تفاسیر المحرر الوجیز اور تفسیر اَبی السعود کی روشنی میں مباحث سیرت کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

القاضی ابو محمد عبد الحق بن عطیۃ الاندلسی(546ھ-1152ء) کی تفسیر جس کا مکمل نام "المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز" ہے کا علمی مقام و مرتبہ انتہائی بلند ہے۔[3] اسی طرح تفسیر اَبی السعود جس کا اصل نام "ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا القران الکریم" ہے کے مؤلف قاضی ابو السعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی(متوفی 982ھ-1575ء) ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے اور آپ کی تفسیر علمی نکات سے معمور ہونے کی بدولت شہرہ آفاق تفسیر ہے۔[4]

مذکورہ تفاسیر کے علمی تنوع کے باعث صرف ان کے مباحث سیرت کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے جس کے ضمن

1۔البقرۃ:129

2۔ مسلم، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل، ح746

3۔تفسیرله قیمته العالیة بین کتب التفاسیر و عند جمیع المفسرین(الذہبی، محمد حسین، **التفسیر والمفسرون**، القاہرۃ: مکتبہ وہبۃ، س ط ندارد، 1/172)

4۔ومن أجل ذلک ذاعت شهرته هذا التفسیر بین أهل العلم و شهدله کثیر من العلماء بأنه خیر ما کتب فی التفسیر(الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/247)

میں قبل از بعثت اور مکی و مدنی دور کے مباحث سیرت کو زمانی ترتیب کے تحت زیر بحث لایا گیا ہے اور اس کے علاوہ اپ ﷺ کے شمائل اور دلائل نبوت کو بھی منفرد انداز میں زیر بحث لایا گیا ہے۔اس میں کچھ وقائع ایسے ہیں جو ترتیب زمانی کے تحت کتب سیرت میں تو منقول ہیں مگر مذکورہ کتب تفاسیر میں موجود نہیں ہیں ان کو زیر بحث نہیں لایا گیا ہے۔ تجزیاتی مطالعہ میں خاص طور پر تفسیر ابن کثیر اور تفسیر روح المعانی سے اخذ واستفادہ کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تفسیر ابن کثیر تفسیر بالماثور ہے جس میں روایات کے تجزیہ اور تحقیق کو بطریق احسن پیش کیا گیا ہے اور دوسرا تفسیر روح المعانی جو تمام تفاسیر کا نچوڑ و خلاصہ ہے [1] اور امام آلوسی نے دوران تفسیر قاضی ابوالسعود کی تفسیر پر کافی حد تک اعتماد کیا ہے۔مذکورہ دونوں تفاسیر کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ سے مباحث سیرت کو مستند انداز میں منظر عام پر لانے کا موقع میسر آیا ہے۔

2۔موضوع تحقیق کی اہمیت

قرآن مجید اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات سے عمل پیرا ہونے میں ہی حقیقی و دائمی فوز و فلاح ہے۔ قرآن مجید کے صحیح فہم کے حصول میں سیرت مصطفیٰ ﷺ کا کردار انتہائی اہم ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہاہوں اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رکھوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے [2] ایک طرف قرآن مجید سیرت طیبہ کے لئے بنیادی مصدر کا درجہ رکھتا ہے۔تو دوسری طرف حضور ﷺ کی سیرت قرآن ہی کی تفسیر ہے۔

> ”قرآنی آیات سیرت کے باب میں سب سے زیادہ درست جن میں آپ کی حقیقی سیرت وشمائل، نبوت کے دلائل اور اخلاق وخصائص کے متعلق بیان کیا گیا ہے“[3]۔

> ”قرآن مجید کی روشنی میں سیرت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ قرآن مجید کو سب سے پہلے رکھا جائے اور قرآن مجید کی روشنی میں روایات کی تشریح کی جائے“[4]۔

اور سیرت طیبہ کی تعلیمات کی اہمیت حضرت زین العابدینؒ کے اس قول سے واضح ہوتی ہے کہ ”ہمیں غزوات کی تعلیمات ایسے دی جاتی تھی جس طرح ہمیں قرآن کی کسی سورت کی تعلیم دی جاتی تھی [5]۔اسی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر مفسرین نے دوران تفسیر مباحث سیرت کو بھی بطور استشہاد اور استدلال مدنظر رکھا جس سے

1۔ محمود، واجد، ”**قبل از ولادت نبوی مباحث سیرت تفسیر روح المعانی کی روشنی میں**“، سیرت سٹڈیز، جلد 5، شمارہ 2020، ص 28

2۔مالک بن انس، **الموطا**، کتاب الجامع، باب النہی عن القول فی القدر، ح 1601

3۔البکری، محمد انور بن محمد، **مصادر تلقی السیرۃ النبویۃ**، (مدینۃ المنورۃ: مجمع الملک فہد، سن ندارد)، ص 21-22

4۔خالد مسعود، **حیات رسول اُمّی**، (بصیرہ: مجلس مرکزیہ حزب الانصار، 2020)، ص 20

5۔الخطیب البغدادی،، **الجامع لاخلاق الراوی**، تحقیق: محمد عجاج، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1416ھ)، ج 2/288

سیرت طیبہ کی اہمیت تفہیم قرآن کے حوالے سے واضح ہوتی ہے۔علاوہ ازیں سیرت طیبہ کا تجزیاتی مطالعہ بھی انتہائی ضروری واہم ہے جیسا کہ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقیؒ تحریر فرماتے ہیں"یوں تو پوری سیرت طیبہ کا اصل تجزیہ و تحلیل باقی ہے اور مدتوں رہے گا"[1] اس نقطہ نظر سے مصادر تفسیر میں مذکور مباحث سیرت کا تجزیہ و تحلیل بھی ضروری واہم ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر مستند اور متداول تفاسیر المحرر الوجیز اور تفسیر أبی السعود کے تجزیاتی مطالعہ سے مباحث سیرت کو زیر تحقیق لانے کی ضرورت ہے۔مذکورہ تفاسیر متنوع موضوعات سے متصف ہونے کی وجہ سے مباحث سیرت سے بھی لبریز ہیں۔

تفسیر المحرر الوجیز تفسیر بالماثور اور تفسیر أبی السعود تفسیر بالرائے رجحان کی نمائندہ اور مستند تفاسیر ہیں اور اگر مباحث سیرت کا دونوں تفاسیر کے مابین تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تفسیر أبی السعود میں تفسیر المحرر الوجیز کی طرح مباحث سیرت نقل کئے گئے ہیں۔ ابن عطیہ الاندلسی اور قاضی ابوالسعود عموماً اسباب نزول کے تحت مباحث سیرت کو نقل کرتے ہیں حالانکہ دونوں تفاسیر دو مختلف منہج کے تحت لکھی گئی ہیں اس لئے دونوں تفاسیر کے تجزیاتی مطالعہ سے مباحث سیرت کو مستند اور نئے انداز میں پیش کرنے کا موقع میسر آیا ہے جس سے وہ زیادہ لائق استفادہ ہو گئے ہیں۔ذیل میں چند امثلہ کی مدد سے موضوع کی اہمیت کو سامنے لایا جائیگا۔ابن عطیہ الاندلسی وقائع سیرت کو اختصار کیساتھ صحت روایت کا لحاظ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کی اس آیت مقدسہ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا﴾[2] کے تحت حضور ﷺ کی بعثت اور تشریف آوری پر بحث کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی ہے((أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى))[3] جبکہ قاضی ابوالسعود نے رؤیاأمی[4] کے **کلمات کا اضافہ کیا ہے۔**

اس کے علاوہ امام ابو السعود رسولاً سے حضور ﷺ کی ذات بابرکات پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی بعثت کیلئے دعا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام دونوں نے کی اور ان دونوں کی ذریت میں حضور ﷺ کے علاوہ کوئی نبی نہیں آیا[5]۔اس تقریر سے یہ پہلو سامنے آیا کہ اس نص سے آپ ﷺ کا اولاد اسماعیل سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔

1۔صدیقی، محمد یٰسین مظہر، **مکی اسوہ نبوی**، (کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی، دسمبر 2010ء)، ص 9-10

2۔البقرۃ:129

3۔ابن عطیۃ، ابو محمد عبد الحق، **المحرر الوجیز** (تحقیق: عبد السلام)، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1422ھ)، 1/212 /۔احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: شعیب ارناؤوط، (مؤسسۃ الرسالۃ، س ط ندارد)، ح17150

4۔ابو السعود، محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی، **ارشاد العقل السلیم**، تحقیق: محمد بن علی جیلانی، (القاہرۃ: المکتبۃ التوفیقیۃ، الطبعۃ الاولی، 2013م)، 1/235

5۔ ابو السعود **ارشاد العقل السلیم**، 1/235

ابن عطیہ الاندلسی نے غزوہ بدر پر تبصرہ کرتے ہوئے بدر کی وجہ تسمیہ، جغرافیہ اور اس کی اہمیت پر مختلف روایات پیش فرمائی ہیں اور یہ بحث بھی کی ہے کہ فرشتوں نے بالفعل جنگ میں حصہ لیا تھا یا پھر محض مسلمانوں کی تسلی اور تشفی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ابن عطیہ نے اس پر اپنا موقف واضح نہیں فرمایا لیکن روایات اور اقوال اس نوعیت کے پیش فرمائے کہ فرشتوں نے بالفعل جنگ میں مدد کی تھی [1] امام ابوالسعود نے بدر کی وجہ تسمیہ، تاریخ، سازوسامان اور فرشتوں کی مدد کو﴿اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ [2] کے ساتھ مشروط فرمایااور بعد ازاں فرشتوں کے گھوڑوں کی رنگت پر بحث کی [3] لیکن اس امر کی توضیح نہیں کی کہ فرشتوں نے بالفعل جنگ میں حصہ لیا تھا یا کہ نہیں۔ اس طرح مباحث سیرت کا تجزیہ کرنے سے حقیقت حال نکھر کر سامنے آتی ہے۔

ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے مباحث سیرت کو زیر بحث لاتے وقت صحیح روایات کو نقل کرنے کا بھی التزام فرمایا ہے یہ بات اس لئے اہم ہے کہ قرآنی آیات کے تناظر میں مباحث سیرت کو نقل کرنا اور پھر صحیح روایات کو ذکر کرنا یہ امر سیرتی مواد کے تجزیہ کو خوب سے خوب تر کرتا ہے اور اسی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر موضوع ''تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر اَبی السعود میں مباحث سیرت: تجزیاتی مطالعہ'' تحقیق کے لئے اختیار کیا ہے۔

3-جواز تحقیق:

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی شخصیت کو ہمہ صفت موصوف اور اوصاف حمیدہ سے بہرہ یاب فرمایا ہوا ہے۔ آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر ہر دور میں لکھا جاتا رہا ہے موجودہ دور میں تفاسیر قرآن کی روشنی میں آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر لکھنے کا رجحان سامنے آیا ہے جس سے سیرت کی تفہیم اور اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے لہذا یہ بات اس تحقیق کا محرک بنی کہ ''تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود'' کی روشنی میں مباحث سیرت کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تاکہ سیرت شناسی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب مل سکے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ابن عطیہ اختصار اور جامعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے مباحث سیرت کا جائزہ لیتے ہیں جب کہ ابوالسعود نے مباحث سیرت پر بحث کرتے وقت تقریبا صحیح روایات کو پیش فرمایا ہے۔

4۔دراساتِ تحقیق:

سابقہ کام کا جائزہ لینے سے یہ امر واضح ہوا کہ زیر تحقیق موضوع پر اس طرز کا کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا جس میں تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر اَبی السعود میں مباحث سیرت: تجزیاتی مطالعہ کو زیر بحث لایا گیا ہو اگرچہ مذکورہ تفاسیر کے بعض پہلوؤں پر تحقیقی کام ہوا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/502-503

2۔ آل عمران: 125

3۔ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/33

مقالہ جات

1۔ محمد موسیٰ عبدالرزاق ، **التوجیہات الاعرابیۃ فی تفسیر "المحرر الوجیز" لابن عطیۃ**'(مقالہ پی ایچ ڈی، جامعہ سوڈان 1431ھ،2010ء)

مذکورہ مقالہ میں التوجیہات الاعربیۃ کے مصادر، مصادر پر بحث کی ہے ان کے علمی مرتبہ کو بیان فرمایا ہے اور اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ اعراب کی توجیہ میں ان کی اہمیت کیا ہے۔ اور الاحکام المعیاریۃ اس کے تحت احکام پر روشنی ڈالی ہے اور التوجیہات الاعرابیۃ کے منہج پر بحث کی گئی ہے کہ وہ کون سے اصول ہیں جن کو اعراب کی توجیہ کے وقت ابن عطیہ نے مدنظر رکھا ہے۔مذکورہ مقالہ میں صرف لغوی پہلو پر کام کیا گیا ہے مباحث سیرت کے ضمن میں کوئی بحث نہیں کی ہے۔

2۔اسلام فرخ،**ابن عطیۃ ومنہجہ فی تفسیرہ المحرر الوجیز**،(مقالہ ایم اے،جامعہ خرطوم2007ء)

مقالہ ہذا میں ابن عطیہ کا زمانہ اور ان کی شخصیت پر تحقیق فرمائی ہے۔ اور تفسیر المحرر الوجیز کا جامع تعارف پیش فرمایا ہے کہ تفسیر مذکور ایک مستند اور متداول تفسیر ہے اور پھر علوم القرآن مثلاً: اسباب النزول، الناسخ و المنسوخ پر تحقیق فرمائی ہے کہ مذکورہ علوم قرآن مجید کی تفسیر میں بہت اہمیت کے حامل ہیں اور تفسیر کے عمومی منہج کو زیر بحث لایا ہے اس کے تحت ان تمام امور کو زیر بحث لایا گیا ہے جو انہوں نے دوران تفسیر ملحوظ خاطر رکھے ہیں۔ یہ مقالہ بھی صرف منہج پر روشنی ڈالتا ہے مباحث سیرت کا مواد اس میں ذکر نہیں کیا گیا۔ تفسیر اَبی السعود کے درج ذیل پہلوؤں پر تحقیقی کام ہو چکا ہے۔

3۔خالد سعید احمد البیونی، **منہج الامام اَبی السعود فی تفسیرہ المسمی ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا الکتاب الکریم**،(مقالہ پی ایچ ڈی، جامعہ الازھر،2016ء)

مقالہ ہذا میں امام ابو السعود کا مختصر تعارف، منہج کی تعریف اور مبحث سوم میں ابو السعود کا منہج جو انہوں نے دوران تفسیر اختیار کیا ہے کو زیر بحث لایا ہے۔ یہ مبحث پانچ مطالب پر مشتمل ہے جس میں دوران تفسیر علوم القرآن، فقہ،عقائد، لغت و بلاغت اور اسرائیلی روایات کا بہت کم ہونا کو زیر بحث لایا ہے یعنی امام ابو السعود نے اپنی تفسیر میں اسرائیلی روایات کو بہت کم بیان کیا ہے۔ اس مقالہ میں امام ابو السعود نے جو منہج اختیار کیا اس پر وضاحت پیش کی گئی مباحث سیرت کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔

4۔ محمد عبدالرحمٰن، **البلاغۃ فی تفسیر اَبی السعود**، اشحات،(مقالہ پی ایچ ڈی، جامعۃ الازہر،1984ء)

مذکورہ مقالہ میں امام ابو السعود کے علمی ذوق جو انہیں علم بلاغت سے تھا کو زیر تحقیق لایا ہے۔ تفسیر کی وجہ شہرت کا ایک پہلو بلاغی ہے کہ امام ابو سعود دوران تفسیر بلاغت کو کس درجہ کی اہمیت دیتے ہیں۔ مقالہ ہذا میں اس امر پر تحقیق کی گئی ہے۔علوم بلاغت بیان، بدیع اور معانی کا امام ابو السعود نے دوران تفسیر کس طرح اطلاق

کیا اور اس سے قرآن مجید کے اعجاز پر کس طرح روشنی ڈالی ہے ان امور کو مذکورہ مقالہ میں زیر بحث لایا گیا۔ مباحث سیرت کا ذکر اس میں نہیں ہے۔

5۔ وقاص احمد خان، **قاضی ابو السعود کی تفسیر "ارشاد العقل السلیم" کی نحوی مباحث کا تحقیقی جائزہ**، (مقالہ پی ایچ ڈی ، جامعہ کراچی، 2021ء)

مقالہ ہذا میں تفسیر کے نحوی منہج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مرفوعات، مبتداء اور خبر، نواسخ جملہ منصوبات، استثنا اور حال و تمیز ان پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مذکورہ مقالہ اس موضوع پر ایک اچھی کاوش ہے مگر مزید کچھ امور کو بیان کیا جاسکتا تھا اس میں مباحث سیرت پر کوئی بحث زیر تحقیق نہیں لائی گئی۔

7۔ عماد أحمد زین، **أبو السعود و منہجہ فی النحو من خلال تفسیرہ**، (رسالۃ ماجستیر، الجامعۃ الاردنیۃ عمان' الاردن، 2006ء)

مقالہ ہذا میں تفسیر أبي السعود کے نحوی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوران تفسیر امام ابو السعود جابجا نحوی مباحث کو بیان کرتے ہیں جس سے تفسیر کی علمیت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس امر کی وضاحت کی ہے کہ علم نحو تفسیر کے بیان میں کتنا اہم ہے۔ تفسیر کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام سے جہاں تفسیر أبي السعود کے علمی مقام و مرتبہ کا تعین ہوتا ہے وہاں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سیرت کے پہلوؤں پر تحقیقی کام تاحال تشنہ طلب ہے۔ پیش کردہ بحث تفسیر "المحرر الوجیز اور تفسیر أبي السعود" کے مختلف پہلوؤں کو لے کر تحریر کئے گئے تحقیقی مقالہ جات کی ہے جبکہ بعض دیگر کتب تفاسیر پر مباحث سیرت کے حوالے سے تحقیقی کام ہوا ہے جیسے:

8۔ حافظ عبد الرشید، **منتخب اردو تفاسیر میں مباحث سیرت**، (پی ایچ ڈی، نمل اسلام آباد، 2016ء)

مقالہ ہذا میں اردو تفاسیر تفہیم القرآن، احکام القرآن از کاندھلوی اور تفسیر ضیاء القرآن سے مباحث سیرت پر تحقیق کی گئی ہے۔ باب اول میں مفسرین اور ان کی تفاسیر کا تعارف کیا گیا ہے۔ باب دوم میں مکی دور میں وقائع سیرت کو مذکورہ تفاسیر کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ باب سوم میں مدنی دور کے مباحث سیرت، باب چہارم میں معجزات اور باب پنجم میں حضور ﷺ کے مقام کو بیان کیا ہے۔ مقالہ ہذا میں مذکورہ تفاسیر کے مابین تجزیہ کیا گیا تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کے مابین تجزیہ نہیں کیا گیا۔

9- Abdul Mohaimin, Modern Approaches in SIRAH writing with special Reference to Muslim International Law (AL SIYAR) A comparative and analytical study. 2015 , Allama Iqbal Open University(AIOU)

یہ عبد المہیمن کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جس میں آپ نے سیرت نگاری کے جدید مناہج پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً محدثانہ اسلوب، تاریخی، تجزیاتی اور کلامی وغیرہ اور اس کے اوپر بھی بحث کی ہے کہ بیسوی صدی میں قرآن کی روشنی میں سیرت نگاری کا رجحان بھی آیا ہے اور پھر بیسوی صدی میں لکھی جانے والی چند عربی اور اردو کتب سیرت کا تجزیہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فقہ السیرہ پر لکھی جانے والی کتب کا بھی تجزیہ کیا ہے لیکن اس

مقالہ میں تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کے تناظر میں کوئی بحث موجود نہیں ہے۔

10۔ سلطان بن غویزی، **السیرة النبویة من خلال تفسیر الثعلبی**، (درجة الماجستیر، جامعة ام القریٰ 1430ھ)

مقالہ ہذا میں ہجرت کے آغاز سے لے کر چوتھے سال تک کے وقائع سیرت پر بحث کی گئی ہے۔ مذکورہ مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے جن میں ہجرت کے اسباب اور دیگر واقعات کے علاوہ غزوہ بدر، احد، غزوہ بنی قینقاع، غزوہ بنی النضیر، تحویل قبلہ، آذان کا حکم اور اس کے علاوہ غزوات کے اسباب اور نتائج پر تحقیق کی گئی ہے اور ان آیات کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں غزوات پر بحث ہے اور جو سرایا حضور ﷺ نے بھیجے تھے مثلاً: سریہ وادی نخلہ، سریہ قتل کعب بن الاشرف، بعث الرجیع اور بعث بئر معونہ ان پر بھی تحقیق فرمائی ہے اور تمہید میں امام ثعلبی کے تعارف کے ساتھ ساتھ مصادر سیرت پر بھی تحقیق فرمائی ہے۔ مقالہ ہذا میں تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کے مابین مباحث سیرت کے ضمن میں تجزیاتی مطالعہ نہیں کیا گیا ہے۔

11۔ عبدالمحسن الحمیدان، **السیرة النبویة من خلال اہم کتب التفاسیر**، (باشراف مجمع الملک فہد، لطباعة المصحف الشریف / ربیع الاول 1425ھ)

مذکورہ تحقیق میں تفسیر طبری، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن کثیر سے مباحث سیرت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مذکورہ مقالہ تین مباحث پر مشتمل ہے۔ مبحث اول میں ان تمام آیات قرآنیہ کی فہرست پیش کی گئی جن میں مباحث سیرت کا بیان ہے دوسرے مبحث میں کتب تفاسیر اور مباحث سیرت کے تعلق پر بحث کی ہے۔ تیسرے مبحث میں مذکورہ تفاسیر کے درمیان تعارف کیا گیا ہے جس کے تحت اولاً ان کی اسنادی حیثیت، ثانیاً موضوعی اعتبار سے ان کا مطالعہ اور ثالثاً تاریخی تناظر میں ان کا مطالعہ ان تمام امور پر بحث کی ہے۔ مذکورہ مقالہ میں تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود میں مذکور مباحث سیرت کا تجزیاتی مطالعہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔

تحقیقی مقالات

1۔ واجد حسین، **قبل از ولادت نبوی مباحث سیرت تفسیر روح المعانی کی روشنی میں تحقیقی و تنقیدی مطالعہ**، سیرت سٹڈیز جلد 5، شمارہ 2020۔

مقالہ ہذا میں تفسیر روح المعانی کا مختصر تعارف اور تفسیر روح المعانی میں قبل از ولادت النبی ﷺ مباحث سیرت کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ مذکورہ تحقیقی مقالہ میں آپ ﷺ کے اس جہاں میں تشریف لانے سے قبل کے واقعات کا عنوان قائم کیا گیا ہے جس کیلئے انبیاء کرام کے عہد و میثاق اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت سے استدلال کیا گیا ہے۔ مقالہ ہذا میں تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کی روشنی میں مباحث سیرت کا تجزیہ نہیں کیا گیا ہے۔

2۔ عبد الرشید، **شق قمر سے متعلق مفسرین و محدثین کی آراء کا تحقیقی جائزہ**، معارف اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، جلد ۱۹، شمارہ ۱، جنوری ۲۰۲۰۔

مقالہ نگار نے اس مقالہ میں شق قمر سے متعلق روایات کو پہلے پیش کیا اور پھر یہ اعتراض پیش کیا کہ یہ واقعہ خود بخود ہوا تھا آپ ﷺ کا معجزہ نہیں تھا اور بعد ازاں اس پر دلائل پیش کئے کہ یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا اور نتائج میں دونوں اقوال کے مابین تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ بظاہر درست معلوم نہیں ہوتی ہے مقالہ ہذا میں اس بحث کا تجزیہ تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کے ساتھ نہیں کیا ہے۔

3۔ فیصل محمود، **غزوہ احد کے متعلق روایات سیرت میں اشکالات کا علمی جائزہ**، پشاور اسلامکس شمارہ 1، 2019۔

مقالہ ہذا میں ان روایات کو زیر بحث لایا گیا ہے جن پر کوئی اشکال وارد ہوتا تھا جیسے آپ ﷺ کا یہ مشورہ طلب کرنا کہ جنگ باہر کھلے میدان میں نکل کر لڑی جائے یا یہاں مدینہ میں ہی رہ کر تو جوانوں کی رائے یہ تھی کہ کھلے میدان میں نکل کر لڑا جائے جب کہ آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ شہر مدینہ میں رہ کر لڑیں مگر آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کی مخالفت کی وجہ سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ کیا حالانکہ آپ ﷺ نے ایسا اس وجہ سے نہ کیا تھا۔ مقالہ ہذا میں تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کا تذکرہ نہیں ہے۔

4۔ شاہ پرویز، **تفسیر فہم القرآن کی روشنی میں غزوہ تبوک سے متعلق روایات سیرت کا تجزیاتی مطالعہ**، نور معرفت، 2022

مذکورہ مقالہ اس لحاظ سے بہترین کاوش ہے کہ روایات سیرت کا تجزیہ علمی پیرائے میں کیا گیا ہے۔ میاں محمد جمیل نے اپنی تفسیر فہم القرآن میں غزوہ تبوک سے متعلق روایات سیرت کو مفصلاً نقل کیا ہے اور مقالہ نگار ان کو نقل کرنے کے بعد ان کی تحقیق اور تجزیہ پیش کرتے ہیں اور یہ ساری بحث تفسیر فہم القرآن تک محدود ہے۔ تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔

5۔ عاصفہ اسلم، **قرآنی سیرت نگاری کے مقاصد واسالیب: توضیحی مطالعہ**، ایقان شمارہ 2، جون 2022

مقالہ ہذا اس لحاظ سے اہم ہے کہ آپ نے قرآنی سیرت کے رجحان پر علماء کی آراء کو نقل کیا اور یہ جملہ لکھا ہے پس قرآن مجید سیرت کا اصل اصول اور روشنی کا سرچشمہ ہے اور آپ نے قرآنی سیرت نگاری کی نمایاں خصوصیات پر بحث کی ہے۔ المختصر مقالہ ہذا سے میری تحقیق جو کہ قرآنی تفاسیر کی روشنی میں ہے کو اس موضوع کی اہمیت اور حساسیت کے متعلق رہنمائی ملتی ہے۔

6۔ رخسار احمد، **امام ابن عطیہ کی تفسیر المحرر الوجیز فی الکتاب العزیز کا منہج و اسلوب**، اسلام آباد اسلامیکس، جلد 4، شمارہ: 2، جولائی تا دسمبر 2021

اس میں عمومی پیرائے میں تفسیر مذکور کے منہج پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ تفسیر روایت و درایت کی جامع ہے۔ زیر تحقیق مقالہ میں عمدہ طریق سے بحث کی گئی ہے میری تحقیق میں خاص طور پر مباحث سیرت کے اصول و مناہج پر کام کیا گیا ہے اس لئے میرا کام اس تحقیق سے مختلف ہے۔

7۔ وقاص احمد، **قاضی ابو السعود کا تفسیر "ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم" میں نحوی منہج استدلال**، مجلہ تعلیم و تحقیق اسلام آباد، جلد 3 شمارہ 2، 2021

تفسیر ابی السعود کا طرہ امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نحوی مباحث پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں مقالہ ہذا میں آپ کی اس کاوش کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے مباحث سیرت کے تناظر میں اس مقالہ میں بحث نہیں کی گئی ہے۔

8- Suhail Akhtar, *The Out standing Military command of Prophet Muhammad PBUH) and Role of His war Siratagies & Tactics in the success of Early Islamic Expeditions Historical Analysis*, Al-Aḍwā', vol. 36, no. 56, (2021): 1-14.

اس مقالہ میں مقالہ نگار نے آپ علیہ السلام کے آخری نبی ہونے اور آپ پر دین کی تکمیل ہونے کو بنیاد بنا کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آپ کی ذات زندگی کے ہر شعبہ میں قابل اتباع ہے اس کے بعد آپ علیہ السلام کی کامیاب جنگی حکمت عملی کو مختصراً مگر جامع انداز میں لکھا ہے اس مقالہ میں کتب تفاسیر سے تجزیہ نہیں کیا گیا ہے۔

9- Musadaq Majid Khan, *Prophet Muhammad (PBUH) From birth to Prophethood*, al-Qalam, VOL.22، NO.1, (2017) 1-15.

اس مقالہ میں آپ ﷺ کی تاریخ ولادت، آپ کے خاندانی پس منظر، رضاعت، تجارتی سفر کو بیان کرنے کے علاوہ آپ کی معاشرتی اور سیاسی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے جس کے لئے کتب سیرت کا حوالہ دیا ہے۔ کتب تفاسیر کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ نہیں کیا گیا ہے۔

کتب

1۔ عزہ دروزۃ، **سیرۃ الرسول ﷺ صور مقتبسۃ من القرآن الکریم**، (بیروت: المکتبہ العصریہ، ندارد)

اس میں آپ ﷺ کے ذاتی احوال قبل از بعثت، آپ کا خاندان، آپ کے اخلاق اور فضائل اور وحی کے متعلق امور جلد اول میں نقل کئے گئے جبکہ دوسری جلد میں آپ ﷺ کی دعوت کے ادوار اور مدنی دور رسالت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی سیرت کے سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مذکورہ کتاب میں عمومی پیرائے میں قرآن مجید کی آیات کے تحت وقائع سیرت نقل کئے گئے ہیں۔ مخصوص کتب تفاسیر کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہوئے بحث نہیں کی گئی ہے۔

2۔ شائستہ جبین، **خصائص مصطفیٰ ﷺ اور کتب سیرت**، (لاہور: بصیرت پبلی کیشنز، 2022ء)

اس کتاب کو امسال (2022) خواتین کیٹگری میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ یہ تصنیف ڈاکٹریٹ کے

حصول کے لئے تحریر کیا گیا ایک تحقیقی مقالہ ہے اس کی ترتیب اور عنوانات میں تحقیق و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

مذکورہ کتاب میں اردو کتب سیرت کا خصائص مصطفیٰ ﷺ کے حوالہ سے تجزیہ کیا گیا ہے اس میں اگرچہ آپ ﷺ کے خصائص کا اردو کتب سیرت کی روشنی میں گہرا مطالعہ کیا گیا ہے مگر میری تحقیق تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کی روشنی میں مباحث سیرت کے حوالے سے کوئی بحث موجود نہیں ہے۔

5۔ سابقہ تحقیق میں موجود خلا:

حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو قرآن مجید کی روشنی میں مرتب کرنے کے لئے بعض کتب تالیف کی گئیں جن میں کسی خاص تفسیر سے توضیح کے بجائے عمومی انداز میں سیرت کے مباحث پر تبصرہ کیا گیا۔ اسی طرح بعض عربی اور اردو کتب تفاسیر کی روشنی میں مباحث سیرت کو زیر بحث لایا گیا مگر دو مختلف منہج سے تعلق رکھنے والی تفاسیر کا تقابلی اور تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے سیرت طیبہ کو زیر تحقیق نہیں لایا۔ لہٰذا یہ وہ تحقیقی خلا ہے جس کو پر کرنے کے لئے یہ ادنی کاوش ہو گی جس میں تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر اَبی السعود کے مباحث سیرت کو دونوں تفاسیر کے مابین تقابل کرتے ہوئے تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ اپنی نوعیت کی منفرد تحقیق ہے جس سے مباحث سیرت کو ایک نئے رنگ اور آہنگ سے متعارف کروانے کا موقع میسر آئے گا کیونکہ ابن عطیہ اور امام ابو السعود کا منہج استدلال اپنی مثال آپ ہے اور آپ کی تفاسیر امتیازی خصوصیات سے متصف ہیں۔

6۔ مقاصد تحقیق:

موضوع تحقیق کے مقاصد درج ذیل ہیں:۔

1۔ تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر اَبی السعود میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج کا تجزیہ کرنا۔

2۔ مکی دور رسالت میں آپ ﷺ کی دعوتی حکمت عملی کا جائزہ لینا۔

3۔ مدنی دور رسالت کے مباحث سیرت کا تجزیہ و تحلیل کرنا۔

4۔ شمائل مصطفیٰ ﷺ اور دلائل نبوت کا سیرت کی تفہیم میں کردار کا جائزہ لینا۔

7۔ سوالات تحقیق:

زیر تحقیق موضوع سے متعلق بنیادی سوالات درج ذیل ہیں:۔

1۔ تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر اَبی السعود میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج کیا ہیں؟

2۔ مکی دور رسالت کے مباحث سیرت کو تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر اَبی السعود میں کیسے زیر بحث لایا گیا ہے؟

3۔ مدنی دور رسالت کے مباحث سیرت کو تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر اَبی السعود میں کس طرح بیان کیا گیا ہے؟

4۔ شمائل مصطفیٰ ﷺ اور دلائل نبوت سے مذکورہ تفاسیر کی روشنی میں سیرت کی تفہیم کے لئے کیوں کر

رہنمائی لی جاسکتی ہے؟

8۔ موضوع کی تحدید اور دائرہ کار:

حضور ﷺ کی سیرت پر مختلف جہات سے کام ہوا ہے اس میں کتب تفاسیر کی روشنی میں بھی مباحث سیرت پر کام ہوا ہے یہاں اس مقالے میں آپ ﷺ کی سیرت کے مباحث تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کے تجزیاتی مطالعہ تک محدود رہیں گے۔

9- منہج تحقیق:

1۔ مقالہ ہذا کے معیاری پیراڈائم (Qualitative Paradigm) میں رہتے ہوئے تجزیاتی منہج تحقیق اختیار کیا گیا۔

2- تجزیاتی منہج تحقیق میں Content Analysis کو اختیار کیا گیا اور تجزیہ کرتے وقت استقرائی اور تاریخی اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا۔

3۔ بنیادی مآخذ (قرآن مجید، صحیح بخاری و مسلم، جامع الترمذی، سنن ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ، المسند لاحمد بن حنبل، الصحیح لابن حبان، المستدرک للحاکم)، تفسیر کے بنیادی مصادر (تفسیر المحرر الوجیز، تفسیر أبي السعود) اور امہات کتب سیرت (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، دلائل النبوۃ للبیہقی، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

4- قرآنی آیات کا ترجمہ جمال القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز) سے کیا گیا ہے۔

4۔ ضرورت کے پیش نظر ثانوی ماخذ (السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ از اکرم ضیاء العمری، سیرت النبی ﷺ از شبلی نعمانی و سلیمان ندوی، رحمۃ للعالمین از منصور پوری، الرحیق المختوم از صفی الرحمٰن، سیرت انسائیکلوپیڈیا از طاہر گیلانی مدیر) کی طرف بھی رجوع کیا گیا۔

5۔ جدید تحقیق کے ذرائع، مثلاً علمی ویب سائٹس (مکتبہ شاملہ، اردو پوائنٹ، بیسٹ اردو بکس، ڈیلی پاکستان، کتاب وسنۃ، محدث لائبریری)، ای کتب تحقیقی مجلات اور آرٹیکلز سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

6۔ مقالہ کی تحریر و تسوید اور حوالہ جات کے لئے NUML کے منظور شدہ فارمیٹ کو اختیار کیا گیا۔

حافظ محمد آفتاب خان

پی ایچ ڈی سکالر

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نمل اسلام آباد

باب اول:

تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کا تعارف اور اصول و مناہج

فصل اول: تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کا تعارف

فصل دوم: تفسیر المحرر الوجیز میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج

فصل سوم: تفسیر اَبی السعود میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج

باب اول:

تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کا تعارف اور قبل از بعثت مباحث سیرت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور حضور ﷺ کو ابد الآباد انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا ہے۔ دونوں کی تعلیمات میں گہرا تعلق و وابستگی ہے جو ہر زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر نور ہدایت سے منور فرماتے ہیں قرآن مجید کے صحیح فہم کے لئے ہر دور میں کتب تفاسیر لکھی جاتی رہی ہیں جس سے لوگ استفادہ کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح صاحب قرآن حضور ﷺ کی شخصیت کے کئی پہلوؤں پر صدہا برس سے لکھا جارہا ہے قرآن مجید کی تفاسیر مختلف مناہج کے تحت لکھی جاتی رہی ہیں ہر صاحب تفسیر نے اپنے ذوق کے مطابق قرآن کے علمی نکات کو آشکار کرنے کی کوشش کی ہے کسی نے آثار و روایات کو دوران تفسیر التزام برتا تو وہ تفاسیر بالماثور ٹھہریں کسی نے لغوی، نحوی اور بلاغی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی کسی نے فقہی پہلو کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ اس میں یہ امر ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ قرآن مجید کی وہی تفسیر قابل قبول ٹھہری جو جمہور علماء کے مقرر کردہ اصول تفسیر کی روشنی میں لکھی گئیں ایسے ہی مستند اور متداول تفاسیر میں سے تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ارشاد العقل السلیم ہیں ان میں تفسیر المحرر الوجیز ابن عطیہ الاندلسی کا ایسا تفسیری شاہکار ہے جسے تفسیر بالماثور ہونے کا اعزاز حاصل ہے آپ نے اختصار اور جامعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح روایات کو نقل کرنے کی کوشش کی ہے ان کا تجزیہ بھی کرتے ہیں جب کہ قاضی ابوالسعود کی تفسیر "تفسیر بالرائے المحمود" کے رجحان کی نمائندہ تفسیر ہے آپ زیادہ تر بلاغت کے پہلوؤں کو زیر بحث لاتے ہیں لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس کے باوجود آپ کی تفسیر میں کافی تعداد میں روایات بھی منقول ہیں اگرچہ زیادہ تر ان کے مآخذ پر تبصرہ نہیں کرتے اور نہ ہی صحت و ضعف کا حکم لگاتے ہیں مگر صحیح روایات بھی نقل کی ہیں۔ اس لئے زیر تحقیق مقالہ میں آپ ﷺ کی ذات کریمہ کے متعلق وقائع اور مباحث کا مطالعہ ان دو مذکورہ تفاسیر کی روشنی میں سیرت کی تفہیم میں اہم کردار ادا کرے گا۔

اس باب میں تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کے مباحث سیرت کے اصول و مناہج اور ان کے مؤلفین کے احوال و آثار کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

فصل اول: تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ابد الآباد انسانوں کی رہبری و رہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے جو ہر زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر انسانوں کی رہنمائی کرنے کا خصوصی کمال رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایک مفسر کو یہ اعزاز عطا کرتا ہے کہ وہ عصری ضروریات کے پیش نظر معانی قرآن کی تطبیقات کو منصہ شہود پر لاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابن عطیہ الاندلسی کو یہ عظیم کارنامہ سرانجام دینے کی توفیق ارزانی مرحمت فرمائی جنہوں نے نقلی و عقلی دلائل کے ذریعے قرآنی ہدایات سے لوگوں کو روشناس کیا۔ آپ کی تفسیر اپنے علمی خصائص کی بدولت آج بھی مرجع خلائق ہے۔

مبحث اول: صاحب تفسیر المحرر الوجیز کے احوال و آثار

ابن عطیہ الاندلسی جہان علم کا وہ درخشندہ و تابندہ ستارہ ہیں جس کے علمی انوار سے عصر حاضر میں بھی تشنگان علم مستفید اور مستنیر ہو رہے ہیں۔ آپ کی شخصیت علمی میادین میں ہمہ صفت موصوف تھی۔ بحیثیت مفسر، محدث، فقیہ اور ادیب علماء کے مابین متعارف ہیں۔

1۔ نام و نسب

آپ کا اسم گرامی اور کنیت کتب تراجم اور طبقات میں بایں الفاظ مرقوم ہے:

”عبد الحق“[1] اور کنیت ”ابو محمد“ ہے[2]

نسب کو بیان کرتے وقت مترجمین اور مؤلفین میں قدرے اختلاف ہے۔ علامہ ابن فرحون المالکی آپ کا نسب اس ترتیب سے نقل کرتے ہیں:

”عبدالحق بن غالب بن عبدالرحمٰن بن عبدالرؤف بن تمام بن عبداللہ بن تمام ابن عطیہ بن خالد بن خفاف بن اسلم بن مکرم المحاربی“[3]

1۔ ابن فرحون، ابراہیم بن علی المالکی، **الدیباج المذہب فی معرفۃ أعیان المذاہب**، تحقیق: محمد الاحمدی (القاہرۃ: مکتبۃ دارالتراث، س ط ندارد) 57/2/۔ الصفدی، صلاح الدین خلیل بن ایبک، **الوافی بالوفیات**، تحقیق: احمد الأرناؤط (بیروت، لبنان: داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ 1420ھ-2000م) 40/18/۔ الداوودی، شمس الدین محمد بن علی بن أحمد، **طبقات المفسرین** (بیروت: دارالکتب العلمیۃ ط1، 1403ھ-1983م) 265/1/۔ الذہبی، الامام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، **سیر اعلام النبلاء**، تحقیق: شعیب الارناؤط (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ 1405ھ-1984م) 587/19/۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ، **کشف الظنون** (بیروت: لبنان: داراحیاء التراث العربی، ط ندارد) 337/2/۔ السیوطی، عبدالرحمٰن ابن ابی بکر، **طبقات المفسرین** (الکویت: دارالنوادر، ۱۴۳۱ھ) 61/۔ عمر رضا کحالۃ، **معجم المؤلفین** (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ 1414ھ-1993م) 59/2

2۔ **یکنی أبا محمد، حسن ولد زید بن محارب بن خصفۃ بن قیس بن مضر** (ابن فرحون المالکی، **الدیباج المذہب**، 57/2)

3۔ ابن فرحون المالکی، **الدیباج المذہب**، 57/2

علامہ الصفدی نے اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ''**غالب عبدالحق بن عبدالملک بن تمام بن عطیہ**''[1] اس ترتیب کے تحت آپ کے نسب کو رقم فرمایا ہے اور اس میں آپ کے ایک جد ''عبدالملک'' کو بیان کیا جب کہ ابن فرحون المالکی نے بالتفصیل آپ کا نسب نامہ تحریر کیا اس میں عبدالملک کا ذکر موجود نہیں ہے۔ علامہ شمس الدین الداوودی نے بھی آپ کے نسب کو اس ترتیب سے ذکر کیا ہے:

''عبدالحق غالب بن عبدالرحمٰن بن تمام بن تمام بن عبداللہ بن تمام بن عطیہ بن خالد بن خفاف بن اسلم بن مکرم بن ولد زید بن محارب بن حفصہ بن قیس عیلان بن مضر''[2]

مذکورہ نسب نامہ میں عبدالرحمٰن کے بعد عبدالرؤف کا تذکرہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مکرم کے بعد کس قبیلہ سے تعلق ہے اس کو بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابوحیان الاندلسی نے آپ کے اجداد کا تذکرہ کرتے ہوئے ''عبدالرؤف'' کا ذکر بن تمام کے بعد کیا ہے: ''**عبدالحق بن غالب بن تمام بن عبدالرؤف**''[3]

اس کے بعد کی ترتیب دیگر علماء کی طرح بیان کی ہے۔ علامہ احمد بن یحیٰی نے ''بن غالب'' کی جگہ ''بن عبدالرحمٰن'' لکھا ہے اور اس کے بعد ''بن غالب'' تحریر کیا ہے باقی ترتیب علامہ اندلسی کی طرح نقل فرمائی ہے:

''عبدالحق بن عبدالرحمٰن بن غالب''[4]

اختلاف کا سبب علماء تراجم کا اختصار اور تفصیل کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کے نسب کو بیان کرنا ہے جنہوں نے اختصار کو پیش نظر رکھا انہوں نے بعض اجداد کے ذکر کو حذف کر دیا مگر اہم بات ناموں کو تقدیم و تاخیر سے بیان کرنا ہے جیسے آپ کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے یا غالب اور آپ کے دادا کا نام گرامی عبدالرؤف ہے یا تمام۔ اکثر مورخین نے غالب کو آپ کا والد لکھا ہے۔ شمس الدین الداوودی نے عبدالرؤف کی جگہ عبداللہ کا نام رقم فرمایا ہے جس کی وجہ اختصار ہے۔ ابن فرحون المالکی نے عبدالرحمٰن بن عبدالرؤف کی ترتیب سے آپ کا نسب نامہ بیان کیا ہے جب کہ دیگر نے بن تمام بن عبدالرؤف کی ترتیب سے ذکر کیا ہے اور یہی جمہور کا موقف ہے۔

اسلام فرخ الخلیفہ اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے حقیقی نسب ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

''أن نسبه الحقیقی هو الامام القاضی و الفقیه الحافظ أبو محمد عبدالحق بن غالب بن عبدالرحمٰن بن غالب بن عبدالرؤف بن عبدالله بن تمام بن عطیه الداخل الی

1۔ الصفدی، **الوافی بالوفیات**، 18/ 40

2۔ الداوودی، محمد بن علی، **طبقات المفسرین**، 2/ 265

3۔ الاندلسی، ابوحیان محمد بن یوسف، **البحر المحیط** (بیروت: دار الفکر، 1432ھ۔1983م)، 1/ 1

4۔ ابن عمیرہ، احمد بن یحیٰی بن عمیرہ الضبی، **بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس** (مطبعۃ روخس، 1914م)، ص376

الاندلس بن خالد بن خفاف المحاربی[1]

ترجمہ: آپ کا نسب حقیقی یہ ہے۔ امام، قاضی، فقیہہ، حافظ، أبو محمد عبد الحق بن غالب الخ۔

ابن عطیہ الاندلسی کے نسب کی مناسبت سے پیش کردہ تمام عبارات میں جامع اور درست تحقیق اسلام فرخ کی معلوم ہوتی ہے۔

2۔ تاریخ ولادت

ابن عطیہ الاندلسی کی تاریخ ولادت مختلف فیہ ہے۔

علامہ صفدی، علامہ الذہبی اور امام السیوطی نے آپ کی تاریخ ولادت کے حوالے سے 480ھ کا قول نقل کیا ہے[2] جب کہ ابن فرحون المالکی، عمر رضا کحالۃ اور دکتور محمد حسین الذہبی نے 481ھ کا قول ذکر کیا ہے[3] فرخ الخلیفہ کا 481ھ کے قول پر مورخین کا اجماع نقل کرنا درست نہیں ہے[4] جیسا کہ پیش کردہ ائمہ کے اقوال سے ہوتا ہے 480ھ کا قول درست معلوم ہوتا ہے جسے علامہ ذہبی جیسے محدث اور مورخ نے نقل فرمایا ہے اور زیر تحقیق نسخہ کے محقق نے بھی ابن عطیہ کے ترجمہ میں 480ھ کا ہی قول ذکر کیا ہے[5] مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی تاریخ ولادت مختلف فیہ ہے جس حوالے سے مختلف اقوال ملتے ہیں اور تمام اقوال میں صحیح قول 480ھ-1088ء کا ہے۔

3۔ جائے ولادت

مورخین کا آپ کی جائے ولادت پر اتفاق ہے کہ غرناطہ[6] میں ہوئی۔ ابن الخطیب نقل فرماتے ہیں:

''أن میلادہ کان سنة (481ھ-1088م) فی غرناطة''[7] ترجمہ: آپ کی ولادت 481ھ-1088ء کو غرناطہ میں ہوئی۔

غرناطہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے آپ کو ''الغرناطی'' کی نسبت سے بھی موسوم کیا جاتا ہے[8]

آپ کے اجداد میں سے ابن عطیہ اندلس میں تشریف لائے تھے اور آپ کی ولادت اندلس کے قدیم و معروف

1۔ اسلام فرخ الخلیفہ سلیمان، **ابن عطیۃ ومنہجہ فی تفسیرہ المحرر الوجیز** (مقالہ برائے ایم اے جامعۃ الخرطوم، 2007م)، ص30۔

2۔ الصفدی، **الوافی بالوفیات**، 18/40/۔ شمس الدین الذہبی، **سیر أعلام النبلا**، 19/557/۔ الامام السیوطی، **طبقات المفسرین**، ص61۔

3۔ ابن فرحون المالکی، **الدیباج المذہب**، 2/57/ عمر رضا کحالۃ، **معجم المؤلفین**، 2/59/۔ محمد حسین الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، (القاہرہ: مکتبۃ وہبہ، س ط ندارد)، 2/170۔

4۔ اسلام فرخ، **ابن عطیہ ومنہجہ فی تفسیرہ**، ص23۔

5۔ ابن عطیہ، محمد عبد الحق بن غالب، **المحرر الوجیز**، مقدمۃ التحقیق: عبد السلام عبد الشافی محمد (بیروت۔ لبنان: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ 1422ھ) 1/26۔

6۔ غرناطہ اندلس کے قدیم شہروں میں سے ایک شہر ہے جو قرطبہ شہر سے تینتیس فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے (یاقوت بن عبد اللہ الحموی، **معجم البلدان**، بیروت: دار صادر 1397ھ-1977م) 4/195۔

7۔ ابن الخطیب، لسان الدین، **اللمحۃ البدریۃ** (بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، ط3، 1980م) ص38/ اسلام فرخ، **ابن عطیۃ ومنہجہ**، ص23۔

8۔ محمد حسین الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 2/170۔

شہر غرناطہ میں ہوئی۔

4۔ تعلیمی مشغولیات، مقام و مرتبہ اور خدمات

آپ کے آباء و اجداد کا تعلق اہم علمی گھرانے سے تھا جنہیں غرناطہ میں ان کے علم و فضل کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

''نزل جده عطية---غرناطة فانسل كثيراً لهم قدر و فيهم فضل''[1]

لہٰذا ابن عطیہ ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ علوم حدیث سے گہرا شغف رکھنے والے تھے۔ حافظ حدیث اور علوم حدیث میں اہم مقام رکھتے تھے[2]

ابن عطیہ الاندلسی نے اپنے علمی سفر کا آغاز اپنے والد گرامی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے سے کیا اور حدیث کا علم ان سے سیکھا[3] اپنے پدر بزرگوار کے علاوہ اندلس کے اطراف و اکناف میں موجود جید اور ممتاز علماء سے بھی اکتساب فیض کیا:

''رحل الى كل عواصم الاندلس و حوضرها يلتقى بالعلماء و ياخذ عن الشيوخ''[4]

ترجمہ: اندلس کے تمام صوبوں اور شہروں میں علماء اور شیوخ کی خدمت میں حصول علم کے لئے حاضر ہوتے رہے۔

اور اسی علمی اشتیاق نے بعد ازاں آپ کو وہ علمی مقام و مرتبہ عطا کیا کہ جس نے آپ کی تالیفات کا مطالعہ کیا اس نے آپ کو توصیفی کلمات سے متصف فرمایا[5]۔ آپ کا علمی رسوخ انتہائی گہرا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ آپ نے ممتاز علماء سے کسب فیض کیا تھا۔

5۔ فقہی مذہب

آپ کا فقہی مذہب مالکی تھا اور آپ کا شمار کبار فقہاء مالکیہ میں ہوتا ہے:

''كان ابن عطية اماماً من ائمة المالكية و فقهاً من كبار فقهاء لهم و ذكر فى تفسيره اقوال علماء المالكية فى المسائل الفقهة و قد سلک طرق المذهب المالكى فى

1۔ ابن فرحون المالکی، **الدیباج المذہب**، 2/57۔

2۔ والده الحافظ الناقد المجود ابوبكر غالب بن عبدالرحمٰن---كان حافظاً للحديث و طرقه وعلله عارفاً بالرجال---توفى سنة ثمان عشرة و خمسمائه (**سير أعلام النبلاء**)، 19/586-587۔

3۔ العلامہ الصفدی، **الوافی بالوفیات**، 18/41۔

4۔ ابن عطیۃ، ابو محمد عبد الحق بن غالب، **المحرر الوجیز**، تحقیق: الرحالی الفاروق (الدوحۃ: مؤسسۃ دار العلم، ط1، 1977م) 1/5۔

5۔ اسلام فرخ، **ابن عطیۃ ومنہجہ**، ص25۔

استنباط الاحکام الفقهیة فی تفسیره"[1]

ترجمہ: ابن عطیہ ائمہ مالکیہ میں سے تھے اور ان کے کبار فقہا میں شمار ہوتے تھے اور آپ نے اپنی تفسیر المحرر الوجیز) میں فقہی مسائل میں مالکی علماء کے اقوال نقل کئے ہیں اور فقہی احکام کے استنباط میں مالکی اصول کو مد نظر رکھا ہے۔

آپ کا شمار اگر کبار فقہاء میں ہوتا ہے تو یہ امر آپ کے علمی مقام و مرتبہ کو بھی واضح کرتا ہے۔ آپ کی علمی خدمات کا دائرہ کار تالیفات، تعلیم و تعلم اور شعر و ادب کے گرد گھومتا ہے[2] ان تمام میں آپ کو وجہ شہرت شہرہ آفاق تفسیر "المحرر الوجیز" کی وجہ سے ملی ہے۔ آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے جو علم و فضل میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ [3] جب کہ آپ سے منسوب اشعار کو ابن خاقان نے اپنی تصنیف میں نقل کیا ہے [4]۔ علاوہ ازیں ۵۲۹ھ کو "المریة"[5] میں منصب قضاء پر بھی فائز ہوئے: "**ولی القضاء بمدینة المریة ولما ولی توخی الحق و عدل فی الحکم**"[6] ترجمہ: مریہ شہر کے قاضی رہے اور حق کی پاسداری کرتے ہوئے فیصلوں میں عدل وانصاف کو قائم رکھا۔

المختصر ابن عطیہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے جنہوں نے اپنے علمی تنوع کے باعث مختلف شعبہ جات میں اپنی گراں قدر خدمات پیش کیں جو آپ کے علمی مقام و مرتبہ کی بھی ضامن ہیں۔

6۔ تاریخ وجائے وفات

ابن عطیہ الاندلسی کی تاریخ وفات مختلف فیہ ہے ابن فرحون المالکی نے 546ھ کا قول نقل کیا ہے:

"توفی رحمة الله فی سنة ست و أربعین و خمسائة لورقة[7]"[8]

ترجمہ: آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 546ھ کو "لورقة" کے شہر میں ہوئی۔

ابو حیان الاندلسی نے 25 رمضان 541ھ کو لورقة کے مقام پر آپ کے انتقال کو نقل فرمایا ہے[9]۔ علامہ شمس الدین

1۔ ابن عطیة، **المحرر الوجیز**، ج1، ص5، 7

2۔ اسلام فرخ، **ابن عطیة ومنہجہ**، ص31

3۔ ایضاً

4۔ الفتح بن خاقان، **قلائد العقیان**، تحقیق: محمد صالح اکرم (بولاق مصر: المطبعة الخدیویة، ط1283ھ)، ص209

5۔ المریة: اندلس کے بڑے شہروں میں سے ایک شہر جو کہ تجارتی مرکز کے طور پر بھی مشہور تھا (الحموی، **معجم البلدان**، 5/119)

6۔ الذہبی، **سیر اعلام النبلاء**، 19/588/۔ ابن فرحون المالکی، **الدیباج المذہب**، 2/57/۔ الداوودی، **طبقات المفسرین**، 1/266

7۔ لورقة لام کے پیش کے ساتھ اندلس کا وہ تاریخی شہر جس میں مضبوط قلعے ہیں (الحموی، **معجم البلدان**، 5/25

8۔ ابن فرحون المالکی، **الدیباج المذہب**، 2/58

9۔ ابو حیان الاندلسی، **البحر المحیط**، 1/10

الذہبی نے بھی ابو حیان الاندلسی کا قول ہی تاریخ و جائے وفات کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے[1] ابن عمیر الضبی نے 542ھ کا قول ذکر کیا ہے[2]۔ 542ھ کا قول فقط ابن عمیر الضبی نے بیان کیا ہے کسی اور مورخ یا مترجم نے بیان نہیں کیا ہے۔ علامہ زرکلی نے بغیر ترجیح کا قول کئے 541ھ اور 546ھ دونوں اقوال رقم فرمائے ہیں[3] جلال الدین السیوطی اور عمر رضا کحالۃ نے 541ھ کا ہی قول لکھا ہے[4] ابن عطیہ الاندلسی کی جائے وفات پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ "لورقۃ" میں ہوئی۔ جبکہ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ بشمول علامہ ذہبی کا موقف یہ ہے کہ آپ کا انتقال 541ھ کو ہوا اور اکثریت کا قول ہونے کے ناطے یہی قرین صواب ہے اور تفسیر المحرر الوجیز کا نسخہ جو عبد السلام کی تحقیق سے شائع ہوا ہے اس پر 546ھ کا قول مذکور ہے[5] پیش کردہ بحث سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ کی وفات 541ھ کو ہوئی۔

7۔ علماء کی آراء

علماء نے ابن عطیہ الاندلسی کے علمی مقام و مرتبہ اور جلالت علمی کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ کی مدح سرائی فرمائی ہے اور آپ کی توصیف و تحسین میں خوبصورت کلام فرمایا ہے اور آپ کو مفسر، محدث، فقیہہ اور ادیب کے القابات سے ملقب فرمایا۔ علامہ شمس الدین الذہبی رقم طراز ہیں:

"وکان اماماً فی الفقه و فی التفسیر و فی العربیة"[6]

آپ فقہ، تفسیر اور عربی لغت میں ادب کے امام ہیں۔ شمس الدین الداوودی تحریر پرداز ہیں۔

"وکانت له فی الانشاء والنظم و النثر و کان یتوقد ذکاءً"[7]

ترجمہ: ابن عطیہ الاندلسی کو مضمون، نظم اور نثر نگاری میں مہارت تامہ حاصل تھی اور آپ کا حسن فہم بھی کمال کا تھا۔

علامہ الصفدی نے آپ کو قدوۃ المفسرین اور الامام الکبیر کہا ہے:

"الامام الکبیر قدوة المفسرین----وکان فقیهاً عارفاً بالا حکام والحدیث

1۔ الذہبی، **سیر اعلام النبلاء**، 19/ 588

2۔ ابن عمیر الضبی، **بغیۃ الملتمس**، ص376

3۔ خیر الدین الزرکلی، **الاعلام**، (بیروت: دار العلم، الطبعۃ الخامسۃ عشر 2002)، 3/ 182

4۔ جلال الدین السیوطی، **طبقات المفسرین**، ص 61/۔ عمر رضا کحالۃ، **معجم المولفین**، 2/ 59

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، تحقیق: عبد السلام عبد الشافی (بیروت۔ لبنان: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1422ھ۔ 2001م)

6۔ الذہبی، **سیر اعلام النبلاء**، 19/ 588

7۔ الداوودی، **طبقات المفسرین**، 1/ 266

والتفسیر۔۔۔ولولم یکن له الاتفسیره لکفی"[1]

ترجمہ: الامام الکبیر، مفسرین کے قائد، فقیہہ، احکام، حدیث اور تفسیر کے علوم کی معرفت رکھنے والے اور اگر آپ کا کوئی اور علمی کام نہ بھی ہوتا تب بھی تفسیر "المحرر الوجیز" آپ کی جلالت علمی کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔

دیگر ائمہ کرام بھی آپ کے لئے کلمات تحسین نقل کرتے ہیں۔[2]

پیش کردہ اقوال اس امر کے غماز ہیں کہ ابن عطیہ الاندلسی کا علمی مقام ومرتبہ منفرد اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے کہ آپ کے علم کی ضیاء پاشیاں آج بھی جہان علم میں روشنی کا سبب ہیں۔ تفسیر کے مطالعہ سے ان اقوال کی تصدیق ہوتی ہے کہ بلاشبہ آپ ایک عالم نبیل کے منصب جلیل پر فائز ہیں۔

مبحث دوم: تفسیر المحرر الوجیز کا تعارف اور مقام ومرتبہ

تفسیر المحرر الوجیز تفاسیر بالماثورہ میں بیشتر صحیح روایات سے مزین ہونے کی بدولت معروف ومتداول ہے۔ تفسیر میں روایت کے ساتھ ساتھ درایت کا پہلو بھی موجود ہے۔ ابن عطیہ نے تفسیر مذکور میں جمہور مفسرین کے اصولوں کو مد نظر رکھا ہے۔ علمی قدروقیمت کے باعث کئی بار طبع ہو چکی ہے اور عصر حاضر میں بھی اہل علم کیلئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

1۔ تفسیر کا مقام ومرتبہ

ابن عطیہ الاندلسی ذہانت وفطانت اور حسن فہم میں یگانہ روزگار تھے۔ علوم وفنون میں منصب امامت پر براجمان تھے۔ آپ کی تفسیر مشہور ومتداول ہونے کے ساتھ ساتھ اہل علم کے نزدیک انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ابوحیان الاندلسی کے بقول تفسیر المحرر الوجیز کتب تفاسیر میں اہم مقام رکھتی ہے:

"ابن عطیة الاندلسی الغرناطی أجل من صنف فی علم التفسیر"[3]

ترجمہ: ابن عطیہ الاندلسی علم تفسیر میں سب سے زیادہ جلالت والا مقام رکھتے ہیں۔

اس کا سبب علامہ زمخشری[4] کی تفسیر[5] سے موازنہ کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں:

1۔ الصفدی، **الوافی بالوفیات**، 18/ 41

2۔ ابن فرحون المالکی، **الدیباج المذہب**، 2/ 57/۔ جلال الدین السیوطی، **طبقات المفسرین**، ص 61

3۔ ابوحیان محمد بن یوسف، **البحر المحیط**، 1/ 112

4۔ الزمخشری: ابوالقاسم محمود بن عمر خوارزمی زمخشری (467ھ-1075ء) کو پیدا ہوئے ایک معروف معتزلی عالم تھے (538ھ-1143ء) کو وفات پائی، مختلف علوم وفنون میں ماہر اور کئی کتب کے مصنف تھے (الداوودی، **طبقات المفسرین**، 2/ 315)

5۔ الکشاف عن حقائق التنزیل علامہ جار اللہ زمخشری کی تفسیر ہے 526ھ کو مکہ مکرمہ میں شروع کیا اور دو سال کے عرصہ میں مکمل کیا۔ تفسیر مذکور قرآن کریم کے اسلوب بیان اور فصاحت وبلاغت کا شاہکار ہے اور معتزلی منہج پر لکھی گئی ہے (حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، 2/ 268)

"و كتاب ابن عطية انقل و أجمع و أخلص"[1]

ترجمہ: ابن عطیہ کی کتاب تفسیر) زیادہ روایات پر مشتمل ہونے کے علاوہ زیادہ جامع اور ملخص ہے۔

یعنی تفسیر بالماثور بھی ہے اور غیر ضروری ابحات سے خالی بھی ہے جس سے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔علامہ الداوودی آپ کی تفسیر کی خصوصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وألف كتابه المسمى "بالوجيز فى التفسير" فأحسن فيه و أبدع و طار بحسن نيته كل مطار"[2]

ترجمہ: آپ نے ایک کتاب "الوجیز" کے نام سے تالیف کی جو اپنے طرز اسلوب میں احسن اور انوکھی ہے اور یہ آپ کی حسن نیت کی بدولت اطراف عالم میں مشہور و معروف ہے۔

الدکتور محمد حسین الذہبی نے تمام مفسرین کے نزدیک اسے قیمتی تفسیر گردانا ہے۔

"تفسير له قيمته العالية بين كتب التفسير و عند جميع المفسرين" [3]

ترجمہ: آپ کی تفسیر ہے جو کتب تفاسیر میں تمام مفسرین کے نزدیک بلند قدر و قیمت کی حامل ہے۔

ابن خلدون نے تفسیر المحرر الوجیز کو تفاسیر بالماثورہ میں زیادہ صحیح روایات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اہل مغرب کے ہاں مشہور اور متداول کہا ہے کہ جب لوگ تحقیق اور تدقیق کی طرف آئے تو:

"وجا أبومحمد---فلخص تلك التفاسير كلها- اى تفاسير المنقول---و تحرى ماهو أقرب الى الصحة منها و صنع ذٰلک فى كتاب متداول بين أهل المغرب و الاندلس"[4]

ترجمہ: تمام تفاسیر بالماثورہ میں صحت کے زیادہ قریب آپ کی یہی تفسیر ہے جسے اہل مغرب اور اندلس کے ہاں متداول کا درجہ دے رکھا ہے۔

آپ کی تفسیر کی قبولیت عامہ کا سبب روایت و درایت کا اس انداز سے جامع ہونا ہے کہ اس میں صحیح روایات کو نقل کرنے کا زیادہ تر اہتمام کیا گیا اور غیر ضروری ابحاث کو بھی درخور اعتنانہ سمجھا گیا۔ تفسیر مذکور ابن عطیہ کا وہ علمی فیضان ہے جو اپنے محاسن کی بدولت علماء کے لئے ہمیشہ رہنمائی کا سبب بنتی رہے گی۔

"وهذا خلف ابن عطية ثروة علمية ضخمة خلدت اسمه بين علماء الامة ---وهو

1۔ابو حیان الاندلسی، **البحر المحیط**، 1/112

2۔علامہ شمس الدین الداوودی، **طبقات المفسرین**، 1/266

3۔الدکتور محمد حسین الذہبی، **التفسیر المفسرون**، 1/171-172

4۔عبد الرحمٰن بن خلدون، **مقدمۃ ابن خلدون** (بیروت، لبنان: دار الفکر، 1421ھ۔2001م) 1/555

تفسیر قیم بعد من اهم التفاسیر و ذٰلک بشهادة العلماء"[1]

ترجمہ: ابن عطیہ نے اپنے پیچھے وہ ضخیم علمی ورثہ چھوڑا جو ہمیشہ علماء کو رہنمائی کرتا رہے گا اور یہ وہ قیمتی تفسیر ہے جو اہم تفاسیر میں شمار ہو گی اس کے گواہ علماء ہیں۔

الدکتور صلاح عبد الفتاح الخالدی تفسیر ابن عطیہ کا کئی پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہوئے اس کے مقام و مرتبہ پر مختلف علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں اور اپنا تبصرہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"و تفسیر ابن عطیة من افضل و أجود التفاسیر الاثریة النظریة"[2]

ترجمہ: ابن عطیہ کی تفسیر نقلی اور عقلی تفاسیر میں عمدہ اور افضل ترین ہے۔

الدکتور صلاح عبد الفتاح نے آپ کی علمی جلالت، فقاہت اور ثقاہت پر ایک اور پہلو سے روشنی ڈالی ہے:

"وله فیه اختیارات تدل علیٰ شخصیة القویة وعلیٰ قدرته علیٰ المناقشة والتوجیه وعلی الترجیح والاختیار وعلی الاستنباط و الاستدلال"[3]

ترجمہ: آپ کو مختلف علوم کو مد نظر رکھتے ہوئے تجزیہ کرتے وقت ایسا ملکہ حاصل تھا جو آپ کی شخصیت کے باکمال ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ مختلف اقوال نقد و جرح کرنے، ایک دوسرے پر ترجیح دینے اور مسائل کے استنباط و استدلال پر خوب ملکہ حاصل تھا۔

ابن عطیہ کی شخصیت کا یہ وہ علمی رسوخ تھا جو ان کی تفسیر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اس طرح آپ کی یہ تفسیر جملہ تفاسیر میں منفرد و ممتاز مقام سے متصف ہے۔

1.1۔ معتزلی ہونے کا الزام

دو بڑے اجل علماء نے آپ پر معتزلی ہونے کا الزام لگایا ہے۔ العلامہ ابن تیمیہ[4] نے جہاں تفسیر کشاف للزمخشری سے موازنہ کرتے ہوئے آپ کی تفسیر کو بہتر اور اہل سنت کے منہج کے قریب تر کہا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے

1۔ اسلام فرخ، **ابن عطیہ و منہجہ**، ص47

2۔ الدکتور صلاح عبد الفتاح، **تعریف الدارسین**، (دمشق: دار القلم، الطبعة الثالثة، 1429ھ)، ص324

3۔ الدکتور صلاح عبد الفتاح، **تعریف الدارسین**، ص324

4۔ احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابو العباس تقی الدین ابن تیمیہ: الامام، شیخ الاسلام حران میں 661ھ (1263ء) کو ولادت ہوئی مختلف علوم و فنون میں بے مثل کتب کثیرہ کے مصنف 728ھ (1328ء) میں دمشق کے قلعہ میں انتقال ہوا۔ (الزرکلی، **الاعلام**، 1/144)

کہ بعض اوقات کلامی مسائل میں معتزلہ[1] کے منہج واصول کے مطابق استدلال کرتے ہیں[2]۔ اور دوسرے ابن عرفۃ المالکی[3] ہیں جنہوں نے ابن عطیہ کی تفسیر کو زمخشری کی تفسیر کشاف سے زیادہ خطرناک کہا ہے:

"لأن الزمخشری اشتھر امره بین الناس بالاعتزال فکانو افی تفسیره علی حذر، اما ابن عطیة فعرف بأنه سنی و لکنه یدس الاعتزال فی تفسیره"[4]

ترجمہ: علامہ زمخشری لوگوں کے مابین معتزلی مشہور ہیں اس لئے لوگ ان کی آراء سے احتیاط کرتے ہیں جب کہ ابن عطیہ سنی مشہور ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر میں معتزلی عقائد کو داخل کرر کھا ہے۔

گویا ابن عطیہ کی تفسیر کے مطالعہ سے لوگ غیر محسوس طریقے سے اعتزال کے طریق پر گامزن ہوتے رہے ہیں اس لئے آپ کی تفسیر زمخشری کی تفسیر سے زیادہ خطرناک ہے۔

الزام کی حقیقت اور ابن عطیہ کا عقیدہ

قرآن مجید کی وہ آیت جس میں جمہور علماء رؤیت باری کے ثبوت پر بحث کرتے ہیں ابن عطیہ اس مقام پر اپنا نقطہ ء نظر اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق پیش کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾[5]

ترجمہ: جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کیلئے اچھی خبر جزاء ہے اور انکے علاوہ زائد اجر ہے۔

ابن عطیہ جمہور کا قول نقل کرتے ہیں:

"قالت فرقة وھی الجمھور الحسنی الجنة و الزیادہ النظر الیٰ وجه الله عزوجل"[6]

جمہور نے آیت میں "الحسنیٰ" سے مراد جنت اور "زیادۃ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار لیا ہے۔

ابن عطیہ مزید نقل کرتے ہیں کہ اس موقف کی تائید میں حدیث بھی ہے جسے حضرت صہیبؓ نے نقل کیا

1۔ المعتزلہ، اس فرقہ کی ابتداء 110ھ میں ہوئی واصل بن عطا اس کا بانی ہے جو امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ بعض معاملات میں آپ سے اختلاف کرکے الگ ہو گیا اس لئے معتزلی کہا گیا (عبد القاہر، **الفرق بین الفرق**، مکتبۃ ابن سینا، ص35)

2۔ ابن تیمیہ، احمد عبد الحلیم، **مجموعہ فتاویٰ التیمیۃ**، (الرباط: مکتبۃ المعارف، 3/361)

3۔ محمد بن محمد بن عرفۃ المالکی ابو عبد اللہ ولد تیونس سنہ 760ھ (1358ء) وتوفی سنۃ 803ھ (1397ء) امام وخطیب ومفتی، بجامع الزیتونۃ کان متبحراً فی الفقہ والاصول والکلام والنحو والتفسیر والحدیث والعربیۃ (الزرکلی، **الاعلام**، 7/43)

4۔ الہیثمی، احمد شہاب الدین، ابن حجر، **الفتاویٰ الہیثمیۃ** (بیروت: دار المعرفۃ، س ط ندارد)، ص49

5۔ یونس:26

6۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/115

ہے [1] اور حضرت صدیق اکبرؓ اور دیگر صحابہؓ کا بھی یہی قول ہے [2]۔ حضرت صہیبؓ سے مروی حدیث سے اہل جنت کا آخرت میں اپنے رب کو دیکھنے کا ثبوت ہے اور تمام اہل سنت کا یہی مذہب اور عقلاً اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے اس کے بعد ابن عطیہ "الحسنیٰ" اور "زیادۃ" کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرتے ہیں کہ الحسنیٰ سے مراد نیکی اور زیادہ سے مراد ان کا سات سو گنا تک اضافہ کہا جاتا ہے اور اس قول کی تائید میں یہ ارشاد باری تعالیٰ نقل کرتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [3]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ) جس کے لئے چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے۔

اور آپ کا اسی قول کو ترجیح دینا بظاہر معلوم ہوتا ہے:

"وهذا قول يعضده النظر و لولاعظم القائلين بالقول الاول لترجح هذا القول" [4]

۔

اور ترجیح کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ اس آیت میں نیک اور برے اعمال دونوں کے ارتکاب کا اکٹھا ذکر آیا ہے اور جو محسنین ہیں ان کے لئے حسنیٰ اور زیادہ اسی جنس میں سے ہوں گے [5] یعنی نیکی پر زیادہ سے مراد نیکیوں پر ثواب کا سات سو گنا تک بڑھا دینا ہے۔

بنظر غائر دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ابن عطیہ دوسرے قول کو ترجیح نہیں دے رہے ہیں بلکہ پہلے قول پر ہی یہ کہتے ہوئے اکتفا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

"لولاعظم القائلين بالقول الاول لترجح هذا القول"

یعنی اگر قول اول کے قائلین عظیم لوگ نہ ہوتے تو اس دوسرے قول کو ترجیح دی جاتی یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ آپ نے "ارجح" نہیں لکھا بلکہ "لترجح" کا کلمہ ذکر کیا اور پھر اس کا سبب بیان فرمایا گویا انہوں نے قول اول جو روایت سے ثابت شدہ ہے پر ہی سکوت فرمایا ہے اور پہلا قول معتزلہ کا قول نہیں ہے اور اس کے علاوہ اپنی تفسیر میں کئی اور مقامات پر معتزلی عقائد کی مخالفت کرتے ہوئے اہل سنت کے عقائد کو

1۔ مروی ہے کہ جب اہل جنت کو ندا دی جائے گی بے شک تمہارے لئے اللہ کا وعدہ ہے تو وہ کہیں گے کیا ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیے گئے اور دوزخ سے نجات نہیں دی گئ ندا دینے والے کہیں گے ایسا ہی ہے اور پردہ ہٹا دیا جائے گا پس اللہ کی قسم انھیں اس کی طرف دیکھنے سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہو گی (الترمذی، محمد بن عیسیٰ، **الجامع**، تحقیق: بشار عواد، (بیروت: دار العرب الاسلامی، البطعۃ الاولیٰ، 1996ء) کتاب صفۃ الجنۃ، باب ماجآء فی رؤیۃ الرب و تعالیٰ، ح2552، و **صحیح الترمذی** للعلامہ البانی، ح2068

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/115

3۔ البقرۃ:261

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/115

5۔ ایضاً

ثابت کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا-وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ﴾[1]

ترجمہ: تمام قوت اللہ ہی کیلئے ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عطیہ نقل فرماتے ہیں:

"وثبتت بنص هذا الآية القوة لله بخلاف قول المعتزلة فى نفيهم معانى الصفات القديمة"[2]

ترجمہ: اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے لئے قدرت واختیار کا ثبوت ملتا ہے معتزلہ کے برعکس جو اللہ کی قدیم صفات کے منکر ہیں۔

مزید بر آں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے رویت باری تعالیٰ کا صحیح ہونا ثابت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

ابن عطیہ اس آیت میں "ملاقوا" کی تفسیر کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

"ويصح أن تكون الملاقاة هنابا لرؤيا الهى عليها أهل السنة"[4]

ترجمہ: یہاں "ملاقاۃ" سے مراد رؤیت باری تعالیٰ مراد لینا صحیح ہے جو کہ اہل سنت کا نقطہ نظر ہے۔

اور اس پر متواتر احادیث موجود ہیں یہی وہ بحث ہے جس بنا پر ابن عطیہ کو معتزلی ہونے کا الزام سہنا پڑتا ہے اور یہاں اس موقف کو صحیح بھی کہہ رہے ہیں اور بطور تائید متواتر احادیث کا حوالہ دیتے ہیں گویا آپ معتزلہ کے عقائد کا رد کرتے ہوئے اہلسنت کے عقیدہ کو ثابت کر رہے ہیں پیش کردہ مثالیں اس بات کی رہنمائی کرتی ہیں کہ ابن عطیہ قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے اہل سنت کے اصول ومناہج کو مدنظر رکھتے ہوئے معتزلہ کے دلائل کا رد کرتے ہیں۔ اسی بحث کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام فرخ تحریر کرتے ہیں:

"وهذا نخلص الا أن ابن عطية لم يكن معتزلياً"[5]

ترجمہ: اس ساری بحث پر ہم یہی خلاصہ اخذ کرتے ہیں کہ ابن عطیہ معتزلی نہیں ہیں۔

اگر کسی مقام سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ آپ نے معتزلی نظریات کی تائید کی ہے تو آپ کے عمومی منہج کو

1۔ البقرۃ:261

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/235

3۔ البقرۃ:46

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، ج3، ص138

5۔ اسلام فرخ، **ابن عطیہ ومنہجہ**، ص47

دیکھتے ہوئے کوئی رائے قائم کی جائے گی اور وہ یہی ہے کہ آپ اہلسنت کے عقائد و نظریات کے ثبوت پر دلائل دیتے ہیں اور پھر بطور تائید ایسی روایات بھی پیش کرتے ہیں جن سے مسلک اہلسنت کی توثیق ہوتی ہو اس لئے تحقیق یہی ہے کہ آپ کی تفسیر اہلسنت کے اصول و مناہج کے تحت تحریر کی گئی تفسیر بالماثور ہے۔

2۔ تفسیر المحرر الوجیز کے مخطوطات وطباعتی مراحل

تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس کی بار بار طباعت سے بھی بخوب ہوتا ہے جو اس کے لائق مطالعہ ہونے کی جانب مشیر ہے تفسیر مذکور دس ۱۰) مخطوطہ کی صورت میں پائی جاتی ہے جس کے چار اجزاء دار الکتب المصریہ میں موجود ہیں[1] بعد ازاں اس کے متعدد نسخے جو قیروان[2] اور الخزانۃ الناصریۃ کے خزانے میں موجود تھے وزارت اوقاف مغربیہ نے مجلس تحقیق العلمی کے تعاون سے اس کی طباعت کا بیڑہ اٹھایا اور جو نسخے مراکش[3] میں تھے ان کو بھی زیر تحقیق لایا اور یوں 1395ھ میں سولہ جلدوں میں اس کی طباعت کی گئی اور بعد ازاں امیر قطر الشیخ خلیفہ بن حمد آل ثانی کے تعاون سے 1398ھ میں دوبارہ اس کی طباعت کی گئی اور پھر 13 جلدوں پر مشتمل الرحالی الفاروق اور ان کے رفقاء کے تعاون سے طبع ہوئی اور انہوں نے ان چھ مخطوطات کے نسخوں پر اعتماد کیا جنہیں وزارت اوقاف مصر نے الارشاد احمد الصادق الملاح کی تحقیق سے شائع کیا اور ان حضرات نے ان مخطوطات میں موجود اغلاط کی بھی تصحیح کی۔ تفسیر المحرر الوجیز کو دار ابن حزم نے الطبعۃ الاولیٰ 1423ھ۔2002م کو ایک جلد میں طبع کیا۔ تفسیر مذکور جو تقریباً آٹھ صدیاں مخطوطات کی صورت میں رہی اس کے بعد بار بار طبع ہوتی رہی اور مغرب میں بھی علماء مغرب کی تحقیق سے طبع ہوئی جس میں پہلا جز 1395ھ اور سولہواں جز جو کہ آخری ہے 1411ھ کو طبع ہوا جس طرح اس کی طباعت قطر اور دار الکتب العلمیۃ بیروت میں ہوئی[4]۔

تفسیر کا زیر بحث نسخہ عبد السلام عبد الشافی کی تحقیق سے دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ لبنان نے الطبعۃ الاولیٰ 1422ھ۔2001م طبع ہوا۔ تفسیر مذکور کے متعدد نسخے اور مختلف مقامات سے کئی بار طبع ہونا تفسیر کی علمی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

3۔ المحرر الوجیز کے مصادر

1۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/172

2۔ قیروان بر اعظم افریقہ کا وہ شہر جو 31 درجے طول بلد اور 30 درجے عرض بلد پر واقع ہے تاریخ اسلام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بسایا گیا (یاقوت الحموی، **معجم البلدان**، 4/420)

3۔ مراکش کاف کے ضمہ کے ساتھ مغرب کا عظیم شہر جسے یوسف بن تاشفین نے فتح کیا سب سے پہلے عبد المومن بن علی نے تین فرسخ لمبا باغ بنوایا (یاقوت الحموی، **معجم البلدان**، 5/94)

4۔ اسلام فرخ الخلیفہ، **ابن عطیہ ومنہجہ**، ص40/۔ تعریف الدارسین، ص325

تفسیر المحرر الوجیز اگرچہ تفسیر بالماثور ہے مگر اس کے باوجود جامع العلوم ہے مثلاً حدیث، فقہ، قراءات اور لغت کے مباحث سے بھی معمور ہے یہی وجہ ہے کہ تفسیر میں جہاں مصادر تفاسیر سے اخذ و استفادہ ہے وہاں مذکورہ علوم کے مصادر کا بھی تذکرہ ہے تفسیر میں اگر دیکھا جائے ابن عطیہ الاندلسی نے سب سے زیادہ جس تفسیر پر اعتماد کیا ہے وہ ابن جریر الطبری[1] کی "جامع البیان فی تفسیر القرآن" ہے۔ ابن عطیہ اگرچہ اپنی تفسیر میں امام طبری پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر اس کے باوجود علمی مناقشہ بھی کرتے ہیں[2]۔ دوسرا شفاء الصدور لابی بکر محمد بن الحسن الموصلی کی جو کہ اہل عراق کے ہاں قراءات و تفسیر کے امام تصور کئے جاتے ہیں، تیسرا مصدر "التحصیل لفوائد کتاب التفصیل لابی العباس احمد بن عمار المقری ہے اور چوتھا اہم مصدر تفسیر میں "الہدایۃ الیٰ بلوغ النہایۃ لمکی بن آبی طالب" ہے جو علوم القرآن اور عربی لغت کا بحر ناپید کنار ہیں[3]

کتب احادیث میں بشمول صحاح ستہ اہم کتب سے استفادہ کیا ہے اور کتب سیرت بھی چونکہ تفسیر میں مصدر کا درجہ رکھتی ہیں اس وجہ سے دوران تفسیر ان سے بھی بھرپور راہنمائی لی ہے مقالہ ہذا میں مباحث سیرت پر بحث کرنی ہے لہذا دوران تحقیق اس امر کی مزید توضیح ہو جائے گی۔ علم القراءات میں الفتح عثمان بن الجنی کی "المحتسب' آبو الحسن بن آحمد بن عبد الغفار کی "الحجۃ فی علل القراءات" اور ابو عمرو بن عثمان کی "التیسیر" بطور مصدر و مآخذ مستفاد ہیں۔ علم فقہ میں "الموطا"، "المدونۃ"، "الواضحۃ"، "التفریع" اور "الاشراف علی مذاہب آہل العلم" سے استفادہ کیا ہے دیگر مذاہب کے نقطہ نظر کو پیش کرتے ہوئے مالکی مذہب کی کتب کو خاص اہمیت دی ہے[4] علاوہ ازیں لغت، نحو اور علم المعانی میں معانی القرآن للفراء، معانی القرآن للزجاج، مجاز القرآن لابی عبیدہ، الکتاب لسیبسویہ، العین للخلیل بن آحمد کا بطور خاص تذکرہ ہے[5] ایسے مصادر علوم سے استفادہ تفسیر المحرر الوجیز کی اہمیت کو دگنا کرتا ہے تفسیر المحرر الوجیز کے بعض مصادر کی استنادی حیثیت پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے[6] مگر مجموعی طور پر ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں معروف و متداول مصادر سے خوشہ چینی کی ہے۔

1۔ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری جو کہ 224ھ (838ء) کو پیدا ہوئے اور 310ھ (923ء) کو وفات پائی جو کتاب اللہ کے حافظ، ناسخ و منسوخ، صحیح و سقیم روایات اور احوال صحابہ کے عالم تھے (شمس الدین الداوودی، **طبقات المفسرین**، 2/106)

2۔ ابن عطیہ الاندلسی، المحرر الوجیز، مقدمۃ التحقیق، 1/20-21/۔ اسلام فرخ، **ابن عطیہ و منہجہ**، ص48

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/20/۔ اسلام فرخ، **ابن عطیہ و منہجہ**، ص48

4۔ ایضاً، 1/21-25

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/23-24

6۔ ایضاً، ص20

4۔مابعد تفاسیر پر اثرات

تفسیر المحرر الوجیز کا مابعد تفاسیر اور دیگر علوم پر گہرے اثرات ہیں۔ مفسرین کرام اپنی تفاسیر میں اس سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں تفسیری ادب میں سب سے زیادہ جو تفاسیر متاثر ہوئیں ان میں سرفہرست ''الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن أحمد القرطبی[1] ہے۔ الدکتور صلاح عبد الفتاح اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''وقد اعتمد القرطبی علی تفسیر ابن عطیة فی تفسیره اعتمادًا کبیراً وأخذ منه کثیراً''[2]

ترجمہ: امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن عطیہ کی تفسیر پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہوئے اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ ''التسہیل لعلوم التنزیل'' لابی القاسم محمد بن جزی[3] ''البحر المحیط'' لابی حیان الاندلسی[4] اور ''الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن'' لابی زید عبد الرحمٰن بن محمد الثعالبی[5] یہ وہ تفاسیر ہیں جن پر تفسیر ابن عطیہ کے واضح اثرات ہیں[6]

مذکورہ تفاسیر علماء کے مابین مقبول اور متداول ہیں اور وقعت نظر کی حامل ہیں ان کے مؤلفین کا تفسیر ابن عطیہ پر اعتماد اس کی قدر و قیمت کو چار چاند لگاتا ہے۔ الجواہر الحسان المعروف تفسیر ثعالبی تو تفسیر ابن عطیہ کا اختصار ہے۔ امام ثعالبی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں رقم فرماتے ہیں:

''انی جمعت لنفسی لک فی هذا المختصر---فقد ضمنته بحمد الله المهم مااشتمل علیه تفسیر ابن عطیة''[7]

ترجمہ: بے شک میں نے اپنے اور آپ کیلئے اس مختصر تفسیر (ثعالبی) میں جو مواد جمع کیا اس کیلئے اللہ کی حمد سے ایسے اہم امور کا التزام کیا جن پر تفسیر ابن عطیہ مشتمل ہے۔

اور ابو حیان الاندلسی کا تفسیر مذکور کی بابت نقطہ نظر گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ان تفاسیر کے

1۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری الاندلسی القرطبی (1214ء-1273ء) آپ کا شمار صالحین میں سے ہے، مشرق کی جانب سفر کیا اور مصر میں سکونت اختیار کی۔ 671ھ میں وفات پائی آپ کا تعلق قرطبہ سے تھا آپ مفسر تھے ''الجامع لأحکام القرآن'' کے مؤلف ہیں (الزرکلی، **الاعلام**، 7/325)

2۔ الدکتور صلاح عبد الفتاح، **تعریف الدارسین**، ص325

3۔ محمد بن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن جزی الاندلسی الغرناطی 741ھ (1294ء-1340ء) کو شہید ہوئے اصول و لغت کے امام تھے التسہیل لعلوم التنزیل آپ کی تفسیر ہے (الزرکلی **الاعلام**، 5/325)

4۔ محمد بن یوسف بن علی ابن حیان الاندلسی (1256ء-1344ء)، تفسیر، حدیث، لغت اور تراجم کے کبار علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے آپ غرناطہ میں پیدا ہوئے مگر قیام قاہرہ میں کئے رکھا۔ 745ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ البحر المحیط آپ کی تالیف ہے (الزرکلی، **الاعلام**، 7/152)

5۔ ابو زید، بن عبد الرحمٰن بن مخلوف الثعالبی 784ھ میں وفات پائی۔ الجواہر الحسان آپ کی معروف تالیف ہے (الدکتور محمد حسین الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/177)

6۔ اسلام فرخ، **ابن عطیہ و منہجہ**، ص56

7۔ عبد الرحمٰن بن مخلوف، **الجواہر الحسان** (بیروت: دار الکتاب العلمیة، ط1، 1416ھ--1996م)، 1/20-21

علاوہ کئی اور تفاسیر میں بھی آپ کی آراء سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بعض اوقات آپ کی آراء سے مکمل اتفاق بعض اوقات جزوی اور بعض اوقات آپ کی آراء کو نقل کرنے کے بعد اس پر مزید تبصرہ کیا گیا۔ مفسرین کی ایک جماعت کا آپ کی تفسیر پر اعتماد اور اس سے اخذ واستفادہ اس کی اہمیت کو مزید ضوفشاں کرتا ہے۔

5۔المحرر الوجیز تفسیر بالماثور

ابن عطیہ الاندلسی کی تالیف المحرر الوجیز تفسیر بالماثور رجحان کی نمائندہ تفسیر ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر کا پہلا رجحان بالماثور ہی تھا اور "تفسیر بالماثور" کو عربی زبان میں تفسیر بالروایۃ یا تفسیر بالنقل سے موسوم کیا جاتا ہے"[1] ماثور کا لفظ "اثر سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز کا باقی رہنا"[2]

جیسے اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کے آثار پر چل رہے ہیں۔

تفسیر بالماثور کا انحصار روایات پر ہوتا ہے جس میں سب سے قرآن کی تفسیر قرآن سے پھر احادیث نبویہ سے اور پھر صحابہ کرام اور تابعین سے مروی روایات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اس رجحان کے بانی و مؤسس محدثین حضرات ہی ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوا اپنا نقطہ نظر یوں لکھتے ہیں:

> "مفسرین کی ایک جماعت قرآن کی تفسیر کرتے وقت آیات سے مناسبت رکھنے والے آثار روایت کرتی ہے خواہ وہ مرفوع حدیث ہو یا موقوف، کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایات یہ محدثین کا مسلک ہے"[4]

دکتور محمد حسین الذہبی نے تفسیر بالماثور کے مشمولات پر تبصرہ ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"یشمل التفسیر الماثور ماجاء فی القرآن نفسه من البیان والتفصیل بعض آیاته و ما نقل عن الرسولﷺ و ما نقل عن الصحابة رضوان الله علیهم و مانقل عن التابعین"[5]

ترجمہ: تفسیر بالماثور مشتمل ہے قرآن کی تفسیر قرآن سے ہی جو اس کی بعض آیات میں اس کی تفصیل ہو اور جو رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول ہو ایسی ہی بحث محمد علی الصابونی نے بھی کی ہے[6]۔

1۔الصابونی، محمد علی، **البیان فی علوم القرآن** (کراتشی: مکتبۃ البشریٰ، الطبعۃ الجدیدہ، 1432ھ) ص 91

2۔ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، **لسان العرب** (القاہرہ: دارالمعارف، سن طندارد) 1/25

3۔الزخرف:22

4۔شاہ ولی اللہ، **الفوز الکبیر فی أصول التفسیر** (کراتشی: بیت العلم، الطبعۃ الثالثۃ، 1426ھ) ص 92

5۔الصابونی، محمد علی، **البیان فی علوم القرآن**، ص 92

6۔محمد حسین الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/112

تفسیر بالماثور کا انحصار روایات اور آثار ہیں جس کی بنیاد پر نص قرآن کی تفسیر کی جاتی ہے اولاً قرآن مجید کے کسی مجمل حکم کی تفصیل کی دوسری آیت میں موجود اس کی تشریح سے کی جاتی ہے۔ دوسرا قرآن مجید کا نزول اجلال قلب مصطفی ﷺ پر ہوا اور آپ ﷺ کا ایک منصب قرآن کی تشریح و تعلیم ہے:

﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾[1]

ترجمہ: تاکہ آپ لوگوں کے لئے جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے وضاحت کریں۔

لہٰذا قرآن کی وہ تفسیر جو آپ ﷺ سے مروی ہو گی وہ حجت اور سند کا درجہ رکھتی ہے اس کے بعد صحابہ کرامؓ جو براہ راست بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کے فیض یافتگان تھے ان کا کسی آیت کی تفسیر میں کلام معتبر تصور ہو گا بعد ازاں تابعین جن کا شمار خیر القرون میں ہوتا ہے ان کی تفسیر بھی صحت و صواب کے زیادہ قریب ہو گی۔ تفسیر المحرر الوجیز ایسے ہی اسلوب اور رجحان کے تحت رقم کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ تفسیر بالماثور کی نمائندہ تفاسیر میں آپ کا تذکرہ موجود ہے۔ علامہ محمد حسین ذہبی نے تفاسیر بالماثورہ کی مشہور اہم اور سب سے زیادہ متداول آٹھ کتب تفاسیر میں "المحرر الوجیز" کا بھی ذکر کیا ہے۔[2]

المحرر الوجیز تفاسیر بالماثورہ کے رجحان کی صحیح معنوں میں عکاسی کرتی ہوئی نظر آتی ہے جو نقلی اور عقلی صفات سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ ذخیرہ کتب تفاسیر میں مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔

"الف الامام ابن عطية تفسيره---على أساس المنهج الاثرى النظرى وجمع فيه بين المنقول و المعقول والاثر والنظر و حتمل مركزاً مرحوقاً بين كتب التفسير و صار مرجعاً لمن بعده"[3]

ترجمہ: امام ابن عطیہ نے اپنی تفسیر "المحرر الوجیز" نقلی اور عقلی منہج کو بنیاد بناتے ہوئے تالیف فرمائی اور اس میں آپ نے منقول اور معقول، اثری اور نظری نکات کو جمع کیا۔

لہٰذا کتاب تفاسیر میں مرکزی حیثیت کی حامل اور مابعد تفاسیر کے لئے مرجع کی شان رکھتی ہے۔ آپ کی تفسیر سے بطور نمونہ مثالیں اگلے صفحات میں "مباحث سیرت کے اصول و مناہج" کے مبحث میں پیش کی جائیں گی۔ المختصر تفسیر المحرر الوجیز روایت و درایت کی جامع ہے جس میں تفسیر بالماثورہ کے اصول و قواعد کا درجہ حاصل ہے۔

مبحث سوم: صاحب تفسیر ابی السعود کے احوال و آثار

قرآن مجید کی ترجمانی ہر دور میں مفسرین کرام اپنے اپنے اذواق کے مطابق کرتے رہے ہیں جس پہلو سے جو

1۔ النحل:44

2۔ محمد حسین الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 147

3۔ الدکتور صلاح عبد الفتاح، **تعریف الدارسین**، ص320-321

زیادہ متاثر ہوا اس کی نمایاں جھلک اس کی تفسیر میں نظر آئی۔ قاضی ابو السعود قرآن مجید کے بلاغی پہلو سے متاثر تھے اور یہی رجحان آپکی تفسیر میں غالب نظر آتا ہے باقی اصول و مناہج بھی آپ کی تفسیر میں موجود ہیں صرف یہ بلاغی) نمایاں نظر آتا ہے روایتی ودرایتی ہر دو طرح کے مباحث بکثرت پائے جاتے ہیں اسی بنیاد پر اگر مباحث سیرت کا تفسیر مذکور کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو یہ گرانقدر معلومات سے لبریز ہے اور زیر نظر مقالہ میں ان تحقیقات کو منظر عام پر لایا جائیگا۔

1۔ نام و نسب

قاضی ابو السعود محمد مصطفیٰ العمادی علوم و فنون میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ اپنے بلند علمی مقام و مرتبہ کی بدولت متلاشیان علم کے لئے مرجع کی شان رکھتے ہیں آپ کی شخصیت ہمہ جہت تھی اور علم فقہ، تفسیر اور لغت و ادب میں مہارت تامہ کے حامل تھے۔ منصب قضاء اور افتاء پر براجمان ہونے کے باوجود ایک عدیم النظیر تفسیر بنام "ارشاد العقل السلیم" تالیف کی جس کے فیوضات علمیہ سے استفادہ کا سلسلہ آج بھی رواں دواں ہے۔ آپ کا نام و نسب ان الفاظ میں مرقوم ہے: "ابو السعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی"[1]

دیگر ائمہ کرام نے بھی آپ کا نام و نسب اسی طرح رقم فرمایا ہے[2]۔

آپ کی کنیت ابو السعود ہے[3] اور "العمادیۃ[4]" کی طرف نسبت کی وجہ سے اپ کو العمادی کہا جاتا ہے اور فقہی مذہب میں امام اعظم ابو حنیفہ کا پیروکار ہونے کی وجہ سے حنفی کہا جاتا ہے[5]

2۔ تاریخ ولادت

آپ کی تاریخ ولادت میں 893ھ، 896 اور 898 ہجری کے مختلف اقوال ہیں دکتور محمد حسین الذہبی نے 893ھ کا قول نقل فرمایا ہے۔ دکتور ذہبی نے مذکورہ تاریخ ولادت کو بلا حوالہ ذکر فرمایا ہے "المولود فی سنۃ 893ھ"[6] اور احمد بن محمد الادنروی نے 896ھ آپ کی تاریخ ولادت ذکر فرمائی ہے:

"وقد ولد المولی المذکور فی شهر صفر سنة ست و تسعین و ثمانمائة"[7]

1۔ ابن العماد، عبد الحی بن احمد بن محمد، **شذرات الذهب فی أخبار من ذهب** (دمشق: دار ابن کثیر، الطبعۃ الاولیٰ 1414ھ)، 10/584

2۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، 1/71/۔ الزرکلی، الاعلام، 7/59/۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/245/۔ الخالدی، **تعریف الدارسین**، ص 453

3۔ ابن العماد، **شذرات الذهب**، 10/584

4۔ العمادیۃ: جو کہ بہت بڑا ویران قلعہ تھا جسے عماد الدین زنگی نے آباد کیا اور اس کی نسبت کی وجہ سے اسے العمادیۃ کہا جاتا ہے (ابن الاثیر، **الکامل فی التاریخ**، بیروت: دار الکتاب العربی، الطبعۃ الاولیٰ 1417ھ، 9/124)

5۔ ابن العماد، **شذرات الذهب**، 10/584

6۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/245

7۔ الادنروی، احمد بن محمد، **طبقات المفسرین**، تحقیق: سلیمان بن صالح (المدینۃ المنورۃ، مکتبۃ العلوم والحکم، الطبعۃ الاولیٰ 1417ھ)، ص 398

ترجمہ: اور تحقیق مذکور آقا یعنی ابو السعود) صفر کے مہینہ میں 896ہجری کو پیدا ہوئے۔

آپ کی ولادت صفر کے مہینہ میں 896ھ کو ہوئی اور جب کہ دیگر اکثر ائمہ تراجم نے 898ھ کا قول نقل فرمایا ہے۔

"ولد سنة ثمان و تسعين و ثمانمائة "[1]

ترجمہ: آپ کی ولادت 898ھ کو ہوئی۔

انگریزی محقق R.C Repp نے 17 صفر 898ھ کا قول نقل کیا ہے۔[2]

مذکورہ ائمہ نے کسی قول کو ترجیح نہیں دی بلکہ مطلقاً اقوال نقل فرمائے اس لئے جو قول ترجیح کے لائق ہے وہ آخری 898ھ بمطابق 1493ء کا ہے جسے اکثر علماء نے ذکر فرمایا ہے۔

3۔ جائے ولادت

محمد بن مصطفیٰ العمادی کی ولادت قسطنطنیہ[3] جو کہ ترکیہ کا دار الحکومت تھا کہ قریب ایک گاؤں میں ہوئی ابن العماد اس بابت لکھتے ہیں:

"ولد سنة ثمان و تسعين و ثمانمائة بقرية قريبة من قسطنطنيه"[4]

آپ کی ولادت 898ھ 1493ء) کو قسطنطنیہ کے قریب گاؤں میں ہوئی تمام ائمہ تراجم آپ کی مذکورہ جائے ولادت پر متفق ہیں۔

4۔ علمی مشغولیات

محمد بن مصطفیٰ العمادی ایک علمی گھرانے کے چشم وچراغ تھے اس لئے اکتساب فیض کا سلسلہ اپنے والد گرامی سے شروع کیا اور متعدد کتب کا شرف تلمذ اپنے والد سے پایا اور علاوہ ازیں دیگر اجل علماء سے علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ آپ کے علمی مقام و مرتبہ کا اظہار آپ کی تالیفات کے مطالعہ سے بخوب ہوتا ہے اور تصنیفی و تالیفی خدمات کے علاوہ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور منصب قضاء اور افتاء پر بھی متمکن رہے اور اپنی علمی و فکری خدمات سے اس عالم کو منور کرتے رہے۔ ابن العماد اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں: "وقرأ على والده كثيراً"[5]

1۔ ابن العماد، **شذرات الذهب**، 10/ 584/۔ الزرکلی، **الاعلام**، 7/ 59/۔ عمر رضا کحالة، **معجم المؤلفين**، 3/ 693

2-R.C Repp, The Mufti of Istanmbul,(Oxford,Oxford University,1986),P-273

3۔ قسطنطنیہ عصر حاضر میں جسے استنبول کہتے ہیں اور جو خلافت عثمانیہ کا دار الحکومت تھا اور سلطان محمد فاتح نے 1453ھ میں اس کو فتح کیا تھا (الخالدی، **تعريف الدارسين**، ص 453) /۔ الصلابی، علی محمد محمد، **فاتح القسطنطنيه** (القاہرہ: دار التوزیع، الطبعة الاولیٰ، 1427ھ)، ص 110

4۔ ابن العماد، **شذرات الذهب**، 10/ 584، /۔ الزرکلی، **الاعلام**، 7/ 59، /۔ **معجم المؤلفين**، 3/ 693

5۔ ایضاً

آپ نے اپنے والد کے سامنے بہت سی کتب کی قراءت کی حتی کہ الشریف الجرجانی کی ''التجرید'' کاملاً پڑھی اور آپ کی کی کتاب ''شرح المفتاح'' کو دو مرتبہ آپ کے سامنے پڑھا اور ''شرح المواقف کی بھی قراءت کی[1]

یہی بحث عمر رضا کحالۃ نے بھی آپ کی بابت نقل کی ہے[2] کہ آپ نے بہت سی کتب اپنے والد سے پڑھیں اور اسی موضوع پر بحث محمد حسین الذہبی نے اس انداز میں کی ہے:

''وهومن بيت عرف أهله بالعلم وافضل حتى قال بعضهم فيه: تربى فى حجر العلم حتى ربى''[3]

ترجمہ: آپ کی ولادت ایسے گھر میں ہوئی جس کے اہل خانہ علم و فضل میں مشہور ہیں یہاں تک کہ بعض نے آپ کے بارے میں کہا کہ آپ نے آغوش علم میں پرورش پائی یہاں تک کہ آپ مالک یعنی علوم میں ماہر) ہوگئے۔

آپ مزید رقم طراز ہیں:

''قرأ كثيراً من كتب العلم على والده' وتتلمذ لكثيرمن جلة العلماء فاستفاد منهم علماً جما''[4]

ترجمہ: آپ نے کثیر علم کی کتب والد سے پڑھیں اور اس کے علاوہ بہت سارے اجل علماء کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا اور ان سے بہت زیادہ علمی استفادہ کیا۔

دکتور الناصری نے آپ کی علمی مشغولیات پر تبصرہ ان الفاظ میں نقل فرمایاہے:

''نشانشاةً علميةً تتلمذ على كبار العلماء هى استانبول وصار عالماً من كبار علمائها''[5]

ترجمہ: علمی ماحول میں پرورش پائی اور استنبول کے کبار علماء سے اکتساب فیض کیا اور اس وجہ سے آپ کا شمار بھی بڑے بڑے علماء میں ہونے لگا۔

خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ آپ کے علمی رسوخ کا سبب ایک علمی گھرانے میں تربیت اور اپنے زمانہ کے مایہ ناز علماء سے علم کا حصول ہے۔

5۔ علمی و دینی خدمات

1۔ ابن العماد، **شذرات الذهب**،10/584،/۔ الزرکلی، **الاعلام**،7/59،/۔ **معجم المؤلفين**،3/693

2۔ عمر رضا، **معجم المؤلفين**،3/693

3۔ الذہبی، **التفسیر المفسرون**،1/245

4۔ ایضاً

5۔ الخالدی، **تعریف الدارسین**، ص453

آپ نے تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور قضاء و افتاء کے ذریعے اپنی خدمات پیش کی ہیں اگر آپ کی تصنیفات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت طشت ازبام ہوتی ہے کہ آپ نے علمی نکات سے معمور علمی سرمایہ چھوڑا جس میں سر فہرست آپ کی تفسیر "ارشاد العقل السلیم" ہے جس پر تفصیلاً بحث آئندہ صفحات میں کی جائے گی اور اس کے علاوہ کئی اور کتب تالیف فرمائیں علامہ زرکلی نقل کرتے ہیں: "ومن کتبہ "تحفۃ الطلاب فی المناظرۃ" "ورسالۃ فی المسح علی الخفین" "ورسالۃ فی مسائل الوقوف" "فی أخریٰ و"تسجیل الاوقاف" "وقصۃ ہاروت وماروت"[1]

مذکورہ کتب کے علاوہ آپ کے ذوق شعر و سخن پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ زرکلی مزید نقل فرماتے ہیں:

"وشعره جيد خلص كثير منه من ركاكة العجمة"[2]

ترجمہ: آپ نے عمدہ اشعار کہے جو عجمی کمزوری اور ناموزونیت سے عاری تھے۔

آپ نے عربی زبان میں اشعار کہے جن میں چند صاحب العقد المنظوم نے نقل فرمائے ہیں[3] عمر رضا کحالۃ نے مذکوہ کتب کے علاوہ ان کو بھی آپ کی کتب کہا ہے:

"بضاعة القاضى، تهافت الالحاد فى فروع الفقه الحنفى، العقيده"[4]

آپ کی جملہ تالیفات میں شہرہ دوام فقط تفسیر کو حاصل ہوا ہے تصنیف و تالیف کے علاوہ درس و تدریس کے ذریعے بھی آپ نے چراغ علم کو فروزاں فرمایا۔ ڈکتور محمد حسین الذہبی تحریر فرماتے ہیں:

"وتولى التدريس فى كثير من المدارس التركية"[5]

ترکی کے بے شمار مدارس میں منصب تدریس پر فائز رہے۔ یہی بات عبد الفتاح الخالدی نے بھی ذکر فرمائی ہے کہ آپ نے متعدد مدارس میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے[6]۔

جہاں آپ نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے ذریعے علم کے موتی بکھیرے وہاں قضاء اور افتاء بھی آپ کے مشاغل حیات رہے سب سے پہلے آپ "بروسہ[7]" شہر کے قاضی رہے بعد ازاں "استنبول" اور "العسکر[8]"

1۔ الزرکلی، **الاعلام**، 59/7

2۔ ایضاً

3۔ الآیدینی، المولی علی بن بالی، **العقد النظوم فی ذکر أفاضل الروم** (تہران: مرکز اسناد مجلس شوریٰ اسلامی، طبع اول، 1389ھ)، ص119 تا134

4۔ عمر رضا کحالۃ، **معجم المؤلفین**، 693/3

5۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 245/1

6۔ الخالدی، **تعریف الدارسین**، ص453

7۔ بروسہ: موجودہ زمانے میں اسے "بروصۃ" کہا جاتا ہے جو موجودہ ترکی کے شمال مغرب میں واقع ہے (ابن العماد، **شذرات الذہب**، تحقیق: محمود الأرناؤط، 326/8)

8۔ یہ وہ قلعہ ہے جسے سلطان محمد فاتح نے بنوایا تھا اور جس نے قسطنطنیہ کی فتح کی راہ ہموار کی تھی (الصلابی، علی محمد محمد، **الدولۃ العثمانیۃ**، (القاہرہ: دار التوزیع و النشر، ط1، 1421ھ)، ص92

کے قاضی رہے اور "العسکر" میں آٹھ سال اس منصب پر متمکن رہے۔ ابن العماد نقل کرتے ہیں:

"ثم قلد قضا برسه ثم قضاء قسطنطنية ثم قضاء العسكر فى ولاية روم أيلى و دام عليه مرة ثمان سنين"

[1]ترجمہ: آپ بروسہ کے قاضی مقرر ہوئے بعد ازاں قسطنطنیہ اور پھر العسکر کے جو اَیلی روم کے ماتحت تھا آٹھ سال اس منصب پر فائز رہے۔

علامہ زرکلی نے بھی آپ کے منصب قضاء پر فائز رہنے کو اسی ترتیب سے بیان کیا ہے صرف "العسکر" کی جگہ "فالروم ایلی" کا تذکرہ کیا ہے[2] دیگر ائمہ نے بھی بطور قاضی آپ کا تعارف اسی طرح نقل فرمایا ہے:[3]

آپ نے اس منصب پر براجمان رہ کر خدمات دین پیش کیں جو آپ کی جلالت علمی پر دلالت کرتی ہے اور جب آپ کی عمر 52 سال کو پہنچی تو سعد اللہ بن عیسیٰ بن امیر خان[4] کے انتقال کے بعد مفتی کے مرتبہ پر فائز کر دیئے گئے جہاں آپ نے وفات تک مسلسل تیس سال اس خدمت میں بسر کئے۔ ابن العماد اس بابت یوں رقم طراز ہیں:

"ثم لماتوفى المولى سعدالله بن عيسىٰ بن أمير خان تولى مكانه الفتيا فقام بأعبائهاأتم قيام، و ذٰلک سنة اثنتين و خمسين و تسعمائة فى استمر علىٰ ذٰلک الىٰ أن مات"[5]

ترجمہ: جب مولی سعد اللہ بن عیسیٰ خان نے وفات پائی تو ابو السعود کو آپ کی جگہ مفتی بنایا گیا تو آپ نے اس منصب کے لوازمات کی مکمل پاسداری کی اور نو سو باون ہجری (952ھ) سے لے کر (مسلسل تیس سال) وفات تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔

آپ کے منصب افتاء پر فائز رہنے کی تفصیل دیگر علماء نے بھی مذکورہ تحقیق کے مطابق پیش کی ہے[6]

آپ نے اس منصب پر بیٹھ کر انتہائی علمی و دقیق مسائل پر فتاویٰ تحریر فرمائے جس میں آپ نے سائل کے ادبی ذوق کو بھی مد نظر رکھا اگر سوال شعر میں پوچھا گیا تو جواب بھی شعر میں دیا اور اگر نثر میں پوچھا گیا تو جواب بھی نثر میں تحریر فرمایا عربی اور ترکی دونوں زبانوں میں جوابات مرحمت فرمائے فتاویٰ جات کو علمی مقام و مرتبہ کی بدولت شہرہ آفاقی نصیب ہوئی[7]۔

1۔ ابن العماد، **شذرات الذہب**، 10/584

2۔ الزرکلی، **الاعلام**، 7/59

3۔ عمر رضا کحالہ، **معجم المؤلفین**، 3/693/۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/245/۔ الخالدی، **تعریف الدارسین**، ص 53

4۔ سعد اللہ بن عیسیٰ بن امیر خان، سعدی چلپی یا سعدی آفندی کے نام سے مشہور تھے آپ کا شمار روم کے علماء احناف سے ہے آپ قاضی بھی رہے اور کئی کتب بھی تالیف کیں۔ 945ھ (1539ء) کو وفات پائی (الزرکلی، **الاعلام**، 3/88)

5۔ ابن العماد، **شذرات الذہب**، 10/584

6۔ الزرکلی، الاعلام، 7/59/۔ عمر رضا، **معجم المؤلفین**، 3/693/۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/245، 246/۔ الخالدی، **تعریف الدارسین**، ص 453

7۔ ایضاً

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور قضا و افتاء کے ذریعے دیگر گوناگوں مصروفیات کے باوجود علمی و دینی خدمات کو پیش فرمایا۔

6۔ تاریخ وفات و مدفن

قاضی ابو السعود کی تاریخ وفات اور مدفن پر علماء تراجم کا اتفاق ہے کہ آپ کا انتقال پر ملال 982ھ کو ہوا اور آپ کو قسطنطنیہ میں میزبان رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ حاجی خلیفہ رقم طراز ہیں: "المولی ابی السعود بن محمد العمادی المتوفی سنۃ اثنتین و ثمانین و تسعمائۃ"[1]

ابوالسعود محمد بن العمادی نے 982ھ میں وفات پائی۔ ابن العماد نے 982ھ کو وفات پانے والوں میں آپ کا تذکرہ کیا ہے[2]۔ اس کے علاوہ دیگر علماء نے بھی آپ کی تاریخ وفات 982ھ نقل کی ہے[3]

مذکورہ بحث اس امر کی غماز ہے کہ جیسے آپ کی تاریخ ولادت مختلف فیہ ہے ویسے آپ کی تاریخ وفات مختلف فیہ نہیں ہے بلکہ اس پر اتفاق ہے کہ آپ کا سانحہ ارتحال 982ھ کو ہوا۔ علاوہ ازیں آپ کے مدفن قسطنطنیہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جوار پر بھی علماء کا اتفاق ہے۔ ابن العماد نقل کرتے ہیں:

"وتوفی بقسطنطنیة--- ودفن بجوار أبی ایوب الانصاری"[4]

آپ کی وفات قسطنطنیہ میں ہوئی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جوار میں دفن کئے گئے۔ دیگر علماء نے بھی آپ کے مدفن کو مذکورہ تحقیق کے مطابق نقل کیا ہے[5]

خلاصہ بحث یہ ہے کہ آپ کی تاریخ وفات 982ھ، جائے وفات قسطنطنیہ استنبول) اور حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کے مزار پر انوار کے پہلو میں دفن ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ تاریخ ولادت کی طرح یہ امر اختلافی نہیں ہے۔

7۔ علماء کی آراء

قاضی ابوالسعود جلالت علمی کے باعث علماء کی نگاہ میں ایک خاص قدر و منزلت رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کو شیخ الاسلام، مفتی الانام، خطیب المفسرین، القاضی اور المفتی کے القابات سے ملقب کیا گیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے آپ کی تفسیر "ارشاد العقل السلیم" کے ضمن میں تعارف کرواتے وقت آپ کے نام سے قبل "شیخ الاسلام" "مفتی

1۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، 1/ 73

2۔ ابن العماد، **شذرات الذہب**، 10/ 584

3۔ الزرکلی، **الاعلام**، 7/ 59/۔ عمر رضا کحالۃ، **معجم المؤلفین**، 3/ 693/۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 246، الخادی، **تعریف الدارسین**، ص 454

4۔ ابن العماد، **شذرات الذہب**، 10/ 586

5۔ الزرکلی، **الاعلام**، 7/ 59/۔ عمر رضا کحالۃ، **معجم المؤلفین**، 3/ 693/۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 246، الخادی، **تعریف الدارسین**، ص 454

الانام" اور بعد ازاں "خطیب المفسرین" کے القابات کا تذکرہ فرمایا ہے [1] اور عمر رضا کحالۃ نے آپ کیلئے ان القابات کو نقل فرمایا ہے:

"محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی ابو السعود) فقیه، أصولی، مفسر، شاعر، عارف باللغات العربیة و الفارسیة و الترکیة" [2]

ترجمہ: آپ فقیہہ، اصولی، مفسر، شاعر اور عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے ماہر ہیں۔

پیش کردہ القابات آپ کے علمی مقام و مرتبہ کا مظہر ہیں۔ امام آلوسی اپنی تفسیر میں آپ کے حوالے سے جب بات نقل کرتے ہیں تو بعض اوقات آپ کو مفتی الدیار الرومیۃ یا شیخ الاسلام کے القابات سے موسوم کرتے ہیں جیسے **"وذکر مولانا مفتی الدیار الرومیة"** [3] کسی موقع پر آپ کو "العلامہ" بھی کہا ہے [4] "تفسیر روح المعانی" کے محقق مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ امام آلوسی اپنی تفسیر میں جہاں "شیخ الاسلام" کا وصف استعمال کریں گے اس سے مراد قاضی ابوالسعود ہوں گے۔

"شیخ الاسلام، مفتی الدیار الرومیة، المولی، یقصد المصنف بهذه الاوصاف أبا السعود صاحب التفسیر" [5]

شیخ الاسلام اور مفتی الدیار الرومیۃ ان اوصاف سے مراد مصنف امام آلوسی) کے نزدیک قاضی ابوالسعود ہیں

قاضی شوکانی آپ کی تعریف میں نقل کرتے ہیں:

"برع فی جمیع الفنون وفاق الأقران----وتناهت عظمته فی الممالک الرومیة وصار المرجع فی جمیع ما یتعلق بالعلم" [6]

ترجمہ: جملہ علوم وفنون میں اپنے ہم زمانہ لوگوں میں فضیلت رکھتے تھے ممالک رومیہ میں آپ کی عظمت کو شہرہ نصیب ہوا اور علماء کا مرجع ہیں۔

احمد بن احمد الادنروی تحریر فرماتے ہیں:

"سلطان المفسرین، مقدمة جیش المتاخرین مفتی الانام مفنی البدع والآثام صاحب

1۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، 1/ 65

2۔ عمر رضا، **معجم المؤلفین**، 3/ 693

3۔ دیکھیے۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 1/ 444، 454، 495، 2/ 198

4۔ ایضاً، 2/ 257

5۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 1/ 39

6۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، **البدر الطالع** (القاہرہ: دار الکتاب الاسلامی، س ط ندارد)، 1/ 261

اذیال الافضال و الاسعاد"[1]۔

آپ کی حیثیت مفسرین کے سلطان، متاخر علماء کیلئے مقدمۃ الجیش[2]،لوگوں کے مفتی، بدعتوں اور گناہوں کو مٹانے والے، سعادتوں اور فضیلتوں کو طوالت کا شرف بخشنے کی ہے۔

قاضی ابو السعود کو ان کے علمی مقام و مرتبہ کے باعث القاضی، المفتی، شیخ الاسلام، خطیب المفسرین اور سلطان المفسرین جیسے القابات جلیلہ سے نوازا گیا۔ امام آلوسی اور قاضی شوکانی جیسے جلیل القدر مفسرین آپ کے خوشہ چین اور مدح سرا نظر آتے ہیں۔ المختصر آپ ایک جلیل القدر اور متبحر عالم ہیں جن کے علمی فیضان کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔

مبحث چہارم: تفسیر اَبی السعود کا تعارف اور مقام و مرتبہ

قاضی ابو السعود نے بلاغی اسرار ورموز اور سیاق قرآنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے عدیم النظیر تفسیر تالیف کی جو نہ اتنی طویل ہے کہ قاری کے مزاج میں اکتاہٹ پیدا کر دے اور نہ اتنی مختصر کہ مفہوم ہی نہ واضح ہو سکے۔ آپ کا یہ قلمی شاہکار بے شمار علمی نکات و اشارات سے معمور ہے یہی وجہ ہے کہ اطراف و اکناف عالم کے علماء میں اسے شرف قبولیت ملا اور حسن تعبیر و ادا کی وجہ سے قاضی ابو السعود کو "خطیب المفسرین" کے لقب سے موسوم کیا گیا۔

1۔ تفسیر کا مقام و مرتبہ

تفسیر کشاف اور بیضاوی کے بعد کسی اور تفسیر کو ایسا مقام و مرتبہ نہ ملا جو تفسیر اَبی السعود کا مقدر بنا۔ حاجی خلیفہ رقم طراز ہیں:

> **"فاشتهر صيته و انتشر نسخه فی الاقطار ووقع التلقی بالقبول من الفحول والكبار، لحسن سبكه و لطف تعبيره فصار يقال له خطيب المفسرين"**[3]
>
> ترجمہ: اس تفسیر کا عمدہ ہونا یوں مشہور ہوا کہ ملک کے اطراف میں اس کے نسخے پھیل گئے اور فضیلت رکھنے والے اور اکابر علماء نے اسے شرف قبولیت بخشا اور تفسیر کے حشو و زائد سے پاک ہونے اور حسن تعبیر کی وجہ سے آپ کو خطیب المفسرین کہا جاتا ہے۔

حاجی خلیفہ کی عبارت سے تفسیر کے محاسن قدرے واضح ہوتے ہیں کہ تفسیر مذکور لائق مطالعہ ہے اور قرآن مجید کی بلاغت کے اسرار و رموز کو واضح کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ محمد حسین ذہبی تفسیر کے مقام و مرتبہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> **"والحق أن هذا التفسير غاية فی بابه و نهاية فی حسن الصوغ و جمال التعبير**

1۔ الادنروی، **طبقات المفسرین**، ص398

2۔ مقدمۃ الجیش: پیش خیمہ، سپہ سالار، وہ شخص جو نہایت بہادری کے سبب لشکر کا پیش رو ہو

3۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، 1/65

كشف فيه صاحبه عن اسرار البلاغة القرآنية، بمالم يسبقه أحد اليه"[1]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیر اپنے اسلوب بیان، حسن ادا اور تعبیر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی ہے اور اس کے مولف نے قرآن مجید کی بلاغت کے اسرار و موز کو اس پیرائے میں واضح کیا جس میں کوئی اور نہ کر سکا۔

اسی سبب نے تفسیر کو علماء کے ہاں مقبول و متداول بنایا۔ انتہائی جامع تبصرہ محمد اللکھنوی نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"وهو تفسير حسن، ليس بالطويل الممل ولابالقصير المخل متضمن لطائف و نكات و مشتمل على فوائد واشارات"[2]

ترجمہ: یہ وہ عمدہ تفسیر ہے جو نہ اتنی طویل کہ بیزار کر دے اور نہ اتنی مختصر کہ مفہوم کو سمجھنے میں خلل پیدا کر دے اور علمی لطائف و نکات سے معمور اور فوائد و اشارات سے بھرپور ہے۔

قاضی ابوالسعود کا اسلوب تحریر عمیق و دقیق ہے جس کی تفہیم کے لئے بنظر غائر مطالعہ کی ضرورت پڑتی ہے قاضی ابوشھبہ فرماتے ہیں: آپؒ کی تفسیر کا اسلوب اکثر مقامات پر دقیق و عمیق عبارات پر مشتمل ہوتا ہے جن کا مطالعہ دقت نظر سے کرنا پڑتا ہے"[3]۔ تفسیر مذکور کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں بلاغت اور نظم قرآنی کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا اور حد درجہ فقہی و نحوی مسائل کو زیر بحث لانے سے اجتناب کیا گیا۔ قاضی ابوشھبہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

"وقدعنى فيه عناية بالغة بابراز وجوه البلاغة و اسرار الاعجاز فى القرآن الكريم، ولاسيما فى باب الفصل و الوصل ووجوه المناسبات بين الآيات"[4]

ترجمہ: آپ نے دوران تفسیر وجوہ بلاغت اور اعجاز القرآن کے اسرار و رموز کو بیان کرنے کا انتہائی اہتمام کیا اور خاص طور پر فصل اور وصل[5] کے باب میں اور آیات کے مابین مناسبت کو ذکر کرنے میں۔

قاضی ابوالسعود نے بذات خود تفسیر کے مقدمہ میں اپنے منہج پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے جس میں متقدمین اور متاخرین کے منہج پر بحث کرتے ہوئے تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی کے مناہج پر توصیفی کلمات نقل فرمائے کہ ان سے اعجاز القرآن کے وجوہ پر خوب روشنی پڑتی ہے اور پھر آپ نے اہل سنت کے منہج پر ایسے اسلوب پر قرآن مجید کی تفسیر تالیف کرنے کی خواہش کا اظہار کیا جو اسلوب بدیع اور نظم قرآنی پر قرآن مجید کی شان اور جلالت کے مطابق روشنی ڈالتی ہو آپ نقل فرماتے ہیں:

1۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 247

2۔ اللکھنوی، محمد عبدالحیی الہندی، **الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنیفۃ** (مصر: السعادۃ، س ط ندارد) ص 82

3۔ ابوشھبۃ، محمد محمد، **الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر** (القاہرۃ: مکتبۃ السنۃ، ط 40، 1421ھ)، ص 143

4۔ ایضاً، ص 143

5۔ وصل سے مراد ایک جملے کا دوسرے جملے پر واؤ کے ذریعے عطف جب کہ فصل میں واؤ کے بغیر عطف کرنا۔

”وأسلک خلالها بطریق الترصیع علی نسق أنیق و أسلوب بدیع حسبا یقتضیه جلالة شان التنزیل و یستدعیه جزالة نظمه الجلیل“[1]

ترجمہ: آپ نے دوران تفسیر ہم وزن الفاظ کو ذکر کرتے ہوئے بہترین ترتیب اور کلام کے لفظی و معنوی محاسن کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسے عمدہ اسلوب کو اختیار کیا جس کا تقاضا قرآن مجید کی جلالت شان اور اس کے عمدہ نظم کی بزرگی کرتی تھی۔

دوران تفسیر جہاں تفسیر کشاف سے بلاغت اور اعجاز قرآنی کے مباحث سے استفادہ کیا وہاں ان کے اعتزالی نظریات سے کامل اعراض بھی کیا جیسے محمد حسین الذہبی نقل فرماتے ہیں:

”قاضی ابوالسعود نے اہل سنت کے مذہب کا التزام کرتے ہوئے تفسیر تالیف فرمائی اور تفسیر کشاف میں جو معتزلی نظریات کا بیان ہے ان سے مکمل طور پر اجتناب برتا“[2]

اس تمام تر کوشش کے باوجود کشاف اور بیضاوی کی فضائل آیات اور سور کے باب میں مروی موضوع روایات کو نقل کرنے سے احتراز نہیں کیا اور آیات اور سورتوں کے فضائل میں موضوع روایات کو بھی نقل فرمایا جس کا ملاحظہ جابجا تفسیر کے مطالعہ سے ہوتا ہے[3]۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ تفسیر أبی السعود میں قرآن مجید کی بلاغت اور نظم وسیاق پر ایسے عمدہ طریق سے روشنی ڈالی گئی ہے جو اپنی مثال آپ ہے اس بہترین کاوش پر ”شیخ الاسلام“ اور ”خطیب المفسرین“ کے القابات آپ کو ملے۔ علاوہ ازیں کلامی مباحث پر بھی آپ نے طبع آزمائی کی ہے۔ آپ نے مرحلہ وار تفسیر کو تالیف فرمایا۔ جب آپ نے سورۃ ”ص“ تک تفسیر کو مکمل کیا تو زندگی کے مشاغل میں ایسے مصروف کار ہوئے کہ تفسیر کے کام کو جاری نہ رکھ سکے اور جو شعبان 973ھ تک جو لکھا تھا اسے سلطان سلیمان خان[4] کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے آپ کو کلمات تحسین سے نوازا اور روزانہ کی بنیاد پر پانچ سو درہم وظیفہ مقرر کیا بعد ازاں فرصت کے لمحات میسر آنے پر اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا[5]

پیش کردہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر ابی السعود ذخیرہ کتب تفاسیر میں اپنی منفرد خصوصیات کی بناء پر ممتاز مقام رکھتی ہے تفسیر مذکور گراں قدر علمی نکات سے معمور ہونے کی بدولت اہل علم کے ہاں مقبول و متداول ہے۔

1۔ ابوالسعود، محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی، **ارشاد العقل السلیم**، تحقیق: محمد بن علی جیلانی (القاہرۃ: المکتبۃ التوفیقیہ، الطبعۃ الاولی، 2013)، 1/ 9

2۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 248

3۔ دیکھیے: ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 36، 37، 76، 391، 394

4۔ سلیمان بن سلیم الاول: مغرب میں سلیمان العظیم اور مشرق میں سلیمان القانونی کے لقب سے مشہور ہوئے کیوں کہ آپ نے دولت عثمانی کے نظام قضاء کی اصلاح فرمائی اور 974ھ (1566ء) میں وفات پائی (الصلابی، **الدولۃ العثمانیۃ**، ص 200)

5۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 247

2۔ تعلیقات و حواشی

تعلیقات و حواشی سے جہاں کتاب کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے وہاں اس کتاب کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے کیوں کہ اس سے کتاب کا لائق مطالعہ و استفادہ ہونا بڑھ جاتا ہے۔ تفسیر اَبی السعود پر بھی تعلیقات و حواشی کا کام ایک حد تک ہوا۔ حاجی خلیفہ نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> "تفسیر اَبی السعود کی تعلیقات میں سے ایک الشیخ احمد الروحی متوفی 1041ھ کی ہے جو انہوں نے سورۃ الدخان تک تحریر فرمائی تھی اور دوسری ایک عظیم تعلیق ہے جسے الشیخ رضی الدین بن یوسف المقدسی نے تالیف فرمایا تھا جو تقریباً تفسیر کے نصف حصہ پر مشتمل ہے[1] دکتور محمد حسین الذہبی نے بھی مذکورہ تعلیقات کا ذکر کیا ہے اور مزید یہ فرمایا ہے کہ ان دو کے علاوہ مزید کسی کا علم نہیں ہے"[2]

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر اَبی السعود پر تعلیقات و حواشی کا کام زیادہ نہیں ہوا ہے حالانکہ جس سطح کی انتہائی اہم دقیق ابحاث اس میں مذکور ہیں وہ اس امر کی متقاضی ہیں کہ اس پہلو پر کافی کام ہونا چاہیے تھا جو کہ ابھی تشنہ تکمیل ہے۔

3۔ تفسیر اَبی السعود کے مصادر

تفسیر اَبی السعود بلاغت اور نظم و سیاق قرآنی کی تبیین و توضیح میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے اس لئے ان امور کی تشریح کرتے وقت جن کتب تفاسیر پر انحصار کیا ہے وہ جاراللہ الزمخشری کی "تفسیر کشاف" اور قاضی بیضاوی کی "تفسیر انوار التنزیل"[3] ہے۔ دکتور ذہبی نقل کرتے ہیں:

> **"ومن هنا يتبين لنا ،أن أبا السعود يعتمد فى تفسيره على تفسير الكشاف و البيضاوى"**[4]
>
> ترجمہ: اس مقام پر ہم واضح کرتے ہیں کہ بے شک ابوالسعود اپنی تفسیر میں تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی پر اعتماد کرتے ہیں۔

امام ابو السعود نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں خاص طور پر تفسیر کشاف اور انوار التنزیل کے لئے توصیفی کلمات نقل فرمائے ہیں کہ مذکورہ تفاسیر قرآن کی وجوہ اعجاز کو جلا بخشنے میں آئینہ کی حیثیت رکھتی ہیں[5]۔

1۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، 1/ 65، 66

2۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 247

3۔ یہ ابوالخیر عبداللہ بن عمر بن محمد البیضاوی کی تالیف ہے۔ آپ نے لغت عربی کے قواعد اور اہلسنت کے اصول کے پیش نظر متوسط حجم کی تفسیر لکھی اور اس کا شمار امہات کتب تفسیر میں ہوتا ہے (الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 216)

4۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 248

5۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 9

امام ابو السعود نے مذکورہ تفاسیر کو بطور مصدر قرآن مجید کی بلاغی اور اعجازی پہلو کے تناظر میں مد نظر رکھا اور زیادہ تر ان سے ہی استفادہ کیا مگر دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالتے وقت دیگر کتب سے بھی بھرپور خوشہ چینی کی جہاں کتب تفاسیر کو اپنے سامنے رکھا وہاں کتب احادیث اور سیرت کو بھی زیر مطالعہ رکھا۔ دوران تفسیر جہاں روایت کو نقل کرنے کی ضرورت پیش آئی وہاں آپ نے روایات کو بہ کثرت نقل فرمایا جس کے لئے زیادہ تر اعتماد کتب صحاح پر کیا اور دیگر کتب حدیث سے بھی استفادہ کیا ہے علاوہ ازیں ضعیف حتی کہ موضوع روایات بھی نقل فرمائی ہیں [1]۔

زیر تحقیق مقالہ میں دوران تحقیق اس امر کی وضاحت تفصیلاً کی جائے گی۔

کتب تفاسیر میں تفسیر طبری پر سب سے زیادہ اعتماد کیا اور جابجا ان سے روایات کو نقل فرمایا بطور نمونہ جلد اول کے ان مقامات کو ملاحظہ [2] کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر ابن ابی حاتم [3] اور تفسیر بغوی [4] سے بھی استفادہ کیا اور سیرت کی بنیادی کتب بھی آپ کے پیش نظر تھیں [5] کیوں کہ تفسیر میں وہ بھی ایک مصدر کا درجہ رکھتی ہیں اور کتب جغرافیہ جیسے ازرقی [6] کی اخبار مکہ اس سے بھی حوالہ جات ذکر کئے ایک مقام پر آپ نقل فرماتے ہیں:

"ذکرہ الازرقی بسندہ الیٰ وھب منبہ" [7])

ترجمہ: اسے ازرقی وہب بن منبہ کی سند سے ذکر کیا ہے۔

آپ کی تفسیر علوم قرآن کی جامع ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے دوران تفسیر کئی اور مصادر سے بھی استفادہ کیا جیسے: المصنف عبد الرزاق، مصنف لابن ابی الشیبہ، دلائل النبوۃ از امام بیھقی، تھذیب الاسماء واللغات از امام نووی، مثیر الغرام فی تاریخ البلد الحرام از امام الفاسی، الروض الانف از امام السھیلی [8] التوسل الوسیلۃ از علامہ ابن تیمیہ، تفسیر اللباب لابن عادل، اسباب النزول للواحدی [9]

1۔ دیکھئے، ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 71-76-90-353-378

2۔ دیکھئے، ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم 1**/، 111، 126، 130، 133، 138، 145، 149

3۔ ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی، متوفی 327ھ کی تفسیر ہے "التفسیر المسند" بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور تفسیر الماثور رجحان کی نمائندہ تفسیر ہے (الداؤدی، **طبقات المفسرین**، 1/ 285، 286)

4۔ اصل نام "معالم التنزیل" ہے جو محمد حسین بن مسعود البغوی کی تالیف لطیف ہے جو آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل متوسط حجم کی ایک متداول تفسیر ہے (الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 168، 169)

5۔ دیکھئے، ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 156، 157، 189، 232، 233، 251، 395، 449

6۔ آپ کا نام "ابو الولی محمد بن عبد اللہ بن احمد الازرقی المکی ہے 250ھ (837ء) میں آپ نے وفات پائی "اخبار مکۃ" آپ کی جامع تالیف ہے مکۃ المکرمۃ کی تاریخ پر لکھی گئی ہے (حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، 1/ 306)

7۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 233

8۔ ایضاً، 232-233

9۔ ایضاً، 280-284-318

خلاصہ بحث یہ ہے کہ امام ابوالسعود کی تفسیر ہر چند کہ بلاغت اور نظم قرآنی کے حوالے سے مشہور ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تفسیر مذکور متنوع موضوعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جس کا اظہار تفسیر کے مطالعہ سے بخوب ہوتا ہے آپ کی تفسیر اصول روایت و درایت کی اس انداز میں جامع ہے کہ آپ نے عقل و استدلال سے دوران تفسیر اگرچہ استفادہ کیا مگر اس کے باوجود کافی تعداد میں روایات کو بھی نقل کیا ہے۔

فصل دوم: تفسیر المحرر الوجیز میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج

قرآن مجید میں حضور ﷺ کی شخصیت کے کئی اوصاف کا بیان ہے۔ ابن عطیہ دوران تفسیر ان اوصاف پر کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں اجمالاً بحث کرتے ہیں اور اس میں بعض ایسے اوصاف بھی ہیں جن میں آپ علیہ السلام کی سیرت کا بیان ہے مگر آپ نے بحث نہیں کی لیکن اکثر و بیشتر آپ علیہ السلام کی سیرت سے متعلقہ موضوعات اور مباحث پر کلام کیا ہے۔

مبحث اول: مباحث کا مفہوم

مباحث مبحث کی جمع ہے جس کا مادہ "بحث" ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کی تحقیق و تفتیش اور ظہور علامہ راغب الاصفہانی تحریر فرماتے ہیں: "البحث: الکشف والطلب، یقال: بحثت عن الامر و بحثت کذا قال اللہ تعالیٰ:

﴿بَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ[1]﴾[2]

ترجمہ: البحث ظہور اور طلب کو کہتے ہیں: جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے ایک خاص امر کو تلاش کیا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پس اللہ تعالیٰ نے کوے کو بھیجا کھودتا تھا زمین کو۔

بحث مناظرہ کے دوران کسی چیز کو دلائل سے ثابت کرنے اور نفی کرنے کو بھی کہتے ہیں علامہ الجرجانی نقل فرماتے ہیں:

"البحث: لغة هو التفحص والتفتيش، و اصطلاحاً، هو اثبات النسبة الايجابية أو السلبية بين الشيئين بطريق الاستدلال"[3]

ترجمہ: بحث لغت میں تحقیق و تفتیش کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں دو چیزوں کے درمیان استدلال کے طریق سے ثابت کرنے یا پھر نفی کرنے کی نسبت کے لئے مستعمل ہے۔

مباحث جو مبحث کی جمع ہے مراد وہ بیان کردہ حقائق ہیں جن کی تحقیق و تفتیش کرتے ہوئے کسی موقف کو دلائل کے ذریعے ثابت کیا جاتا ہے یا پھر نفی کی جاتی ہے۔ زیر تحقیق مقام میں مباحث سے مراد وہ واقعات اور حقائق ہیں جو سیرت کے باب میں بیان ہوئے ہیں مولانا وحید الزمان قاسی "بحث" اور "مبحث" کا معنی یوں نقل کرتے ہیں:

"بحث فی الموضوع۔ بحثاً تحقیق کرنا، غور کرنا، چھان بین کرنا۔۔۔۔

مبحث: موضوع، موضوع تحقیق، موضوع مطالعہ ج: مباحث"[4]

1- المائدہ: 31

2- الاصفہانی، محمد حسین الراغب، **مفردات الفاظ القرآن**، (دمشق: دار القلم، الطبعۃ الرابعۃ 1430ھ-2009ء)، ص108

3- الجرجانی، علی بن محمد السید الشریف، **معجم التعریفات**، تحقیق: محمد صدیق المنشاوی (القاہرہ: دار الفضیلۃ، س ط ندارد)، ص39

4- قاسمی، وحید الزمان، **القاموس الجدید** (لاہور، کراچی: ادارہ اسلامیات، س ط ندارد)، ص36-37

پیش کردہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زیر تحقیق موضوع میں جس موضوع کا مطالعہ زیر بحث لایا جائے گا وہ سیرت ہے لہٰذا امباحث سیرت سے مراد وہ امور اور واقعات ہیں جو سیرت کے تناظر میں بیان ہوئے ہیں اور جن کا تعلق سیرت کے موضوعات سے ہے۔

مبحث دوم: سیرت کا مفہوم

لفظ سیرت لغوی اعتبار سے چلنا پھرنا، مسافت، سنت، طریقہ، مذہب اور ہیئت و حالت کے مفہوم کو متضمن ہے۔

علامہ ابن منظور الافریقی لفظ سیرت کی توضیح میں رقم طراز ہیں:

''السیر: الذهاب---والسيارة القافلة---والسيرة: القرب من السير---والسيرة: السنة---- الطريقة''[1]

ترجمہ: سیرت جس کا مادہ ''سیر'' ہے کا معنی ہے چلنا، سفر کرنا، قافلہ، سنت اور طریقہ علاوہ ازیں حدیث میں مسافت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

جیسے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((نُصِرْتُ بِالرُعبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ))[2]

ترجمہ: میری دشمن پر ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ذریعے مدد کی گئی ہے۔

اور حالت وہیت کے معنی میں قرآن مجید کی ایک آیت میں وارد ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى﴾[3]

ترجمہ: عنقریب ہم اسے اس کی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔

علامہ وحید الزمان قاسمی تحریر فرماتے ہیں: سیرت ج: سیر: چلن، طرز طریق، عادت، قصہ شخصی، سوانح حیات[4] پیش کردہ بحث میں سیرت کے لغوی مفاہیم کی وضاحت ہوتی ہے جبکہ اصطلاح میں سیرت کا مفہوم یہ ہے کہ جس میں حضور ﷺ سے متعلق احوال کو ابتداء سے لیکر وفات تک بیان کیا جائے اگرچہ متقدمین کے ہاں غزوات اور سراپا سے متعلق واقعات کے مجموعہ کو سیرت سے موسوم کیا جاتا تھا کسی بھی شخص کے حالات زندگی کو اس کی سیرت کہا جاسکتا ہے جیسے سیرت صحابہؓ سیرت عمر بن عبد العزیز وغیرہ مگر جب یہ لفظ مطلق بغیر اضافت کے استعمال کیا جائے تو اس وقت اس سے مراد حضور ﷺ کے مبارک احوال اور سوانح عمری ہو گی۔ جامع اور زیر تحقیق مقالہ سے مناسبت یہ تعریف رکھتی ہے۔

1۔ ابن منظور الافریقی، **لسان العرب**، 3/2169-2170/۔ عبد القاہر الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص106

2۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الصلوٰۃ، باب قول النبی ''ﷺ'' جعلت الارض مسجداً، ح438

3۔ طٰہٰ:21

4۔ وحید الزمان قاسمی، **القاموس الجدید**، ص351

مولانا ادریس کاندھلوی رقم طراز ہیں:

"آپ حضرت ﷺ کی اصل سیرت تو پوری حدیث ہے لیکن متقدمین کی اصطلاح میں فقط غزوات یا سرایا کے حالات اور واقعات کے مجموعہ کو سیرت کہتے تھے۔ حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ کا نام ہے اور سیرت اس کا ایک جزء ہے۔

سیر و آداب و تفسیر و عقائد

فتن اشراط و احکام و مناقب

لیکن اس زمانہ میں سیرت کا اطلاق سوانح عمری پر کیا جاتا ہے"[1]

مولانا ادریس کاندہلوی کی پیش کردہ تعریف میں لفظ سیرت کے تاریخی اور ارتقائی پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے بھی علوم سیرت کی تدوین کے ارتقائی پہلو پر تفصیلاً بحث کی ہے جس سے سیرت کے اصطلاحی مفہوم کا بھی جائزہ اخذ کیا جاسکتا ہے جو مولانا کاندہلوی کی پیش کردہ بحث سے مماثلت رکھتا ہے[2]

ماضی قریب کے ممتاز سیرت نگار ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی صاحب نے جہاں "سیرت" کو حدیث کا جزو قرار دیا ہے وہاں یہ بحث بھی کی ہے:

"سیرت نگاری کے اولین رجحانات میں ایک یہ تھا کہ سیرت کی جگہ لفظ مغازی کو اصطلاح کا درجہ یا جدید موضوع کا سرنامہ قرار دیا گیا۔"[3]

اس بحث پر مزید تبصرہ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

"کہ اس سے مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کتب میں صرف رسول اللہ ﷺ کے مغازی کا تذکرہ ہے بلکہ اکثر کتب پوری حیات نبوی اور سیرت رسول ﷺ پر حاوی ہوتی تھیں"[4]

پیش کردہ عبارات میں کتب سیرت کی تدوین اور آغاز و ارتقاء سے لفظ سیرت کا اصطلاحی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ عہد صحابہؓ میں حدیث کا لفظ استعمال ہوتا تھا بعد ازاں جب الگ الگ فنون مدون ہونے لگے تو سیرت کے لئے مغازی کی اصطلاح رائج رہی جو متاخرین کے ہاں لفظ سیرت سے متعارف ہوئی جس میں کسی شخص کے حالات زندگی بیان ہوں اسے سیرت سے موسوم کیا جائے گا اور جب یہ لفظ بلا اضافت استعمال ہو تو اس وقت یہ خاص ہو گا۔ حضور ﷺ کے معمولات حیات کے ساتھ اس امر پر روشنی ڈالتے ہوئے سید قدیر عبد الرحمٰن رقم طراز ہیں: "کہ جب لفظ "سیرت" استعمال ہو اس سے صرف آنحضرت ﷺ کی سوانح یا سیرت مراد لی جائے"[5]

1۔ کاندھلوی، محمد ادریس، **سیرۃ المصطفیٰ ﷺ** (کراچی: الطاف اینڈ سنز، ت ط ندارد)، ص 1/3

2۔ دیکھئے: ڈاکٹر محمود احمد غازی، **محاضرات سیرت** (لاہور: الفیصل ناشران، جنوری 2017)، ص 21-27

3۔ صدیقی، یٰسین مظہر، **مصادر سیرت** (لاہور: دار النواد، 2016)، ص 20

4۔ ایضاً

5۔ سید قدیر عبد الرحمٰن، **"بیسویں صدی میں ہند کے اردو سیرت نگاران رسول"** (مقالہ برائے پی ایچ ڈی کو ئمپو یونیورسٹی، 2002۔2003)، ص 40

ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ لغوی معنی کی بجائے اب یہ اصطلاحی معنی میں خاص ہو چکا ہے جیسے نعت جو کسی کی بھی تعریف و توصیف سے عبارت ہے اب رسول اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

"سیرت کا لفظ سنتے ہی ہمارا خیال اس ذات اقدس ﷺ کی طرف منتقل ہو جائے جن کی سیرت ہم سب کے لئے نمونہ عمل ہے"[1]

مختلف کتب سیرت کا مطالعہ بھی اس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ علم سیرت وہ علم ہے جس میں حضور ﷺ کے احوال مبارکہ قبل از ولادت سے تادم وصال کو ایک مربوط انداز میں پیش کیا جائے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کے معجزات، شمائل اور خصائص کو بھی زیر بحث لایا جائے۔ڈاکٹر عبد الرزق فرماتے ہیں:

"علم سیرت وہ علم ہے جس میں آپ کی ولادت سے وفات تک اور آپ کے آبا، نسب، پرورش، بعثت، معجزات، دعوت اور اخلاق کے متعلق پڑھایا جاتا ہے"[2]

پیش کردہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "سیرت" لغوی اعتبار سے اگرچہ مختلف مفاہیم رکھتا ہے اور بلاشبہ ان کا اطلاق ذات مصطفیٰ ﷺ پر بھی کسی نہ کسی اعتبار سے ہوتا ہے مگر اصطلاح میں "سیرت" کا لفظ حضور ﷺ کی ذات بابرکات کے احوال سے ہی عبارت ہے اور مطلقاً یا بلا اضافت جب بھی لفظ سیرت بولا جائے گا تو اس کا مصداق ذات مصطفیٰ ﷺ ہو گی۔

مبحث سوم: اصول و مناہج کا مفہوم

1۔ اصول کا مفہوم

اصول "اصل" کی جمع ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کی بنیاد، قواعد و ضوابط اور ایسی شے جس پر کسی دوسری چیز کی بنیاد قائم ہو۔ شعبان عبد العاطی تحریر پرداز ہیں:

"أصل الشئی: أساسه الذی يقوم عليه---الاصول: أصول العلوم: قواعدها التی تبیٰ عليها الاحكام"[3]

ترجمہ: کسی چیز کی اصل سے مراد وہ بنیاد ہے جس پر وہ شے قائم ہو اور اصول العلوم سے مراد وہ قواعد ہیں جن پر احکام کی بنیاد ہے۔

یعنی کسی بھی فن کے اصول سے مراد وہ قواعد ہوں گے جس پر اس کی بنیاد قائم ہے جیسے اصول الفقہ سے مراد وہ قواعد ہوں گے جن پر احکام کی بنیاد حلال و حرام اور فرض و واجب ہونے کے اعتبار سے قائم ہو گی" اور ایسے قواعد جاننا جس

1۔ قدیر، **بیسویں صدر میں ہند کے اردو سیرت نگاری**، ص40

2۔ ہرماس، عبد الرزاق، **مصادر السیرۃ النبویۃ بین المحدثین والمورخین** (السعودیۃ: کلیۃ الآداب جامعۃ بن زہر، الطبعۃ الاولیٰ 1428ھ)، ص13

3۔ شعبان عبد العاطی و آخرون، **المعجم الوسیط** (جمہوریہ مصر: مجمع اللغۃ العربیۃ، الطبعۃ الرابعۃ، 1415ھ۔2004م)، ص20

کے ذریعے فقہ تک رسائی حاصل ہو سکے"[1] اور ایسے ہی اصول تفسیر سے مراد وہ قواعد ہوں گے جن کو ایک مفسر دوران تفسیر ملحوظ خاطر رکھتا ہے:

"وأصل الشی قاعدته التی لوتوهمت مرتفعة لارتفع بارتفاعه سائره لذلک"[2]

ترجمہ: کسی چیز کی اصل سے مراد وہ بنیاد اور قاعدہ ہے کہ اس کے بلند ہونے پر عام شے کی بلندی منحصر ہو۔

عبدالقاہر الجرجانی نے بھی اصول کا مفہوم پیش کردہ مباحث کے مطابق کیا ہے[3]۔ المختصر اصول سے مراد وہ قواعد اور ضوابط ہوں گے جن کی بنیاد پر کسی عمارت، تحقیق اور علم و فن کو استوار کیا جائے۔

2۔ مناہج کا مفہوم

مناہج "منہج" کی جمع ہے جس کی اصل "نہج" ہے جس کا اطلاق ایسے راستے پر ہوتا ہے جو انتہائی واضح ہو اسماعیل بن حماد الجوہری رقم طراز ہیں:

"النهج: الطریق الواضح و کذلک المنهج و المنهاج و انهج الطریق ای استبان وصارنهجاً واضحاً بیناً"[4]

ترجمہ: "النہج" واضح راستے کو کہتے ہیں اور منہج اور منہاج کا لفظ بھی اسی سے ماخوذ ہے اور "انہج الطریق" واضح راستے کو کہا ہے۔

اور قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کو بھی بطور استدلال پیش کیا ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا[5]﴾[6]

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور واضح راستہ عمل کرنے کے لئے) متعین کر دیا ہے۔

معجم الوسیط کے مرتبین نے اس کی توضیح میں ایک اور پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے اگرچہ بقیہ بحث دیگر ائمہ لغت کی طرح نقل فرمائی ہے:

"(والخطة المرسومة محدثة) ومنه منهاج الدراسة و منهاج التعلیم و نحوهما"[7]

منہج سے مراد ایسا طے شدہ منصوبہ ہے جس کے مطابق کسی مطالعہ اور تعلیم وغیرہ کا منہاج تصور کیا جائے

1۔ الجرجانی، السید الشریف، **معجم التعریفات**، ص26

2۔ الاصفہانی، العلامہ الراغب، **مفردات فی الفاظ القرآن**، ص79

3۔ الجرجانی، عبدالقاہر، **معجم التعریفات**، ص26

4۔ الجوہری، ابونصر اسماعیل بن حماد، **الصحاح تاج اللغة** (بیروت: دارالعلم، الطبعة الرابعة، 1987م)، 1/346

5۔ المائدہ: 48

6۔ ابن منظور الافریقی، **لسان العرب**، 4554

7۔ مجمع اللغة العربیة، **المعجم الوسیط**، ص957

گویا منہج سے مراد ایسا راستہ ہوگا جو واضح ہونے کے ساتھ کثرت سے استعمال بھی کیا جائے جبکہ اصطلاح میں منہج سے مراد وہ قواعد ہوں گے جن کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک محقق اپنی تحقیق کو منظر عام پر لاتا ہے اور اپنے مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرتا ہے۔ڈاکٹر عبد الہادی اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

"المنهج مجموعة من القواعد العامة يعتمدها الباحث فی تنظیم مالدیه من افکار أو معلومات من أهل ان توصله الی النتیجة المطلوبة"[1]

ترجمہ: منہج ایسے قواعد عامہ کو کہتے ہیں جن کی بنیاد پر ایک محقق اپنے افکار اور معلومات کو منظم کرتا ہے جس سے اس کا مقصد اپنے مطلوبہ نتیجہ تک پہنچنا ہوتا ہے اور "المنہج: طریقۃ البحث"[2] یعنی تحقیق کا طریقہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصول و مناہج سے مراد ایسے قواعد وضوابط واضح راستہ اور عملی طرق ہیں جن کی بنا پر ایک محقق اپنی تحقیق کو منصہ شہود پر لاتا ہے اور مطلوبہ نتائج حاصل کرتا ہے۔

مبحث چہارم: مباحث سیرت کے اصول و مناہج

زیر تحقیق مبحث میں مباحث سیرت کے وہی اصول و مناہج رقم کئے گئے ہیں جو تفسیر کے اصول ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی تفاسیر ہیں لہذا ان میں انہی اصولوں کی پاسداری کی گئی ہے جس کی توضیح اس مبحث کے مطالعہ سے ہو جاتی ہے۔ اصول تفسیر میں مصادر تفسیر کو بیان کیا جاتا ہے اس تناظر میں مصادر سیرت میں یہ اصول بھی بیان کیے جاتے ہیں خاص طور پر قرآن و حدیث[3] ابن عطیہ الاندلسی نے تفسیر المحرر الوجیز کو تالیف کرتے وقت روایت و درایت کے اصول و مناہج کو مد نظر رکھا ہے اس سے اس امر کا بھی تعین ہو جاتا ہے کہ آپ نے وہ آیات کریمہ جن کے ضمن میں مباحث سیرت کا تذکرہ فرمایا ہے مذکورہ اصول و مناہج کو ہی پیش نظر رکھا ہے یعنی قرآن کی تفسیر اولاً قرآن سے ہی ثانیاً احادیث رسول اللہ ﷺ سے، ثالثاً آثار صحابہؓ، رابعاً تابعین کے اقوال اور علاوہ ازیں مباحث سیرت پر بحث کرتے وقت اکثر و بیشتر اسباب نزول کا ذکر کرتے ہیں لغوی و اصطلاحی امور اور قراءات پر بھی سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ بعض اوقات ماخذ حدیث کو مکمل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حدیث پر حکم بھی لگاتے ہیں اور بعض اوقات صرف کتاب کا نام ذکر کرتے ہیں اور اس کے علاوہ مصادر سیرت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

1۔ تفسیر القرآن بالقرآن

یہ وہ اصول ہے جس میں قرآن کی کسی مجمل آیت کی تفصیل کسی دوسری آیت سے کی جاتی ہے اور یہ امر

1۔ عبد الہادی، **اصول البحث** (بیروت: دار المورخ العربی، الطبعۃ 1417ھ۔1994م)، ص 51

2۔ ایضاً

3۔ شمس، محمد ہمایوں عباس، (لاہور: پروگریسو بکس، بار اول، نومبر 202ء) ص 52

آپ کی تفسیر میں جابجا نظر آتا ہے جیسے حضور ﷺ کی اس جہان رنگ و بو میں تشریف آوری کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے:

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ﴾[1]

ترجمہ: جس طرح ہم نے تم میں تم ہی سے رسول بھیجا۔

اس کی تفسیر کرتے وقت ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

"اجابةلدعوته فى قوله: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ[2]﴾[3]

ترجمہ: یہ آیت جواب ہے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا جس میں آپ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے وقت اللہ کے حضور یہ عرض کی تھی کہ اے ہمارے رب ان میں انہی میں سے رسول بھیج۔

ابن عطیہ الاندلسی نے آیت کی تفسیر کرتے وقت دوسری آیت کو بھی ذکر کیا ہے۔ ابوحیان الاندلسی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی بحث کی ہے:"والاتمام الثانى باجابة الدعوة الثانية فى قوله: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾[4]۔[5]

ترجمہ: حضرت ابراہیمؑ کی دوسری دعا کی یہ تکمیل ہے۔

جب کہ پہلی دعا﴿وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾[6] ہے۔ غزوہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ کے بدلے رہا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ--الخ﴾[7]

ترجمہ: کسی نبی کے یہ شایان شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے۔

اس آیت مقدسہ میں یَّغُلَّ کا فاعل نبی ہے۔ ابن عطیہ اس آیت کی تفسیر میں پانچ متفرق آیات پیش کرتے ہوئے یہ بحث کرتے ہیں کہ اور آیات بھی ایسی ہیں جہاں پر فعل کی اضافت فاعل کی طرف کی گئی ہے آپ فرماتے ہیں:

"أن ماجآء من هذا النحو فى التنزيل أسند الفعل فيه الى الفاعل على نحو﴿مَاكَانَ

1۔ البقرة:151

2۔ ایضاً:129

3۔ ابن عطیہ الاندلسی، **المحرر الوجیز**، 1/226

4۔ البقرہ:129

5۔ ابوحیان، محمد بن یوسف الاندلسی، **البحر المحیط**، 1/617

6۔ البقرة:149

7۔ آل عمران:161

لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ﴾[1] ﴿مَا کَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاہ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ﴾[2] ﴿وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ﴾[3] ﴿وَمَاکَانَ اللّٰہُ لِیُضِلَّ قَوْمًام بَعْدَ اِذْ ھدٰھُمْ﴾[4] ﴿وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ[5]﴾[6]

ترجمہ: اس طرح کی مثالیں قرآن مجید میں آئی ہیں جہاں فعل کی نسبت فاعل کی طرف کئ گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے نہیں روا ہمارے لئے کہ ہم شریک ٹھہرائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو، نہیں رکھ سکتے تھے وہ یوسف) اپنے بھائی کو بادشاہ مصر) کے قانون میں، اور نہیں ممکن کہ کوئی شخص مرے، اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا دستور کہ گمراہ کر دے، اور نہیں ہے اللہ کی شان) کہ آگاہ کہ تمہیں غیب پر، زیر بحث آیت کریمہ کا تعلق غزوہ بدر سے ہے جس میں معنی و مفہوم کے تعین میں ابن عطیہ نحوی استشہاد کے طور پر پانچ آیات کریمہ کو بطور مثال پیش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس آیت میں فاعل اگرچہ حضور کی ذات ہے مگر آپ ﷺ نے کوئی خیانت نہیں کی بلکہ خطاب امت کو ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾[7]

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعویدار ہو تو پس میری پیروی کرو۔

ابن عطیہ اس کی تفسیر میں اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ ایک جماعت کا یہ موقف تھا کہ:

"ان قوماً قالوا النبی ﷺ: یامحمد انا محب ربنا"[8]

ترجمہ: اے محمد ﷺ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یہ کونسی جماعت تھی جس کا دعویٰ یہ تھا اس پر بحث کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں:

"ویحتمل أن تکون الآیة عامة لاھل الکتاب الیھود و النصاریٰ لانھم کانو اید عون أنھم یحبون اللہ یحبھم"[9]

1۔ یوسف:38

2۔ یوسف:76

3۔ آل عمران:145

4۔ التوبۃ:115

5۔ آل عمران:179

6۔ ابن عطیہ الاندلسی، ***المحرر الوجیز***، 1/535

7۔ آل عمران:31

8۔ ابن عطیہ الاندلسی، ***المحرر الوجیز***، 1/422

9۔ ایضا

ترجمہ: اس آیت مقدسہ میں اس بات کا احتمال ہے کہ بالعموم اہل کتاب یہود و نصاریٰ مراد ہوں کیوں کہ وہ ایسی محبت کے دعویدار تھے۔

اور پھر اس پر ابن عطیہ بطور استشہاد یہ آیت نقل کرتے ہیں:

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ[1]﴾

ترجمہ: ہم اللہ کے بیٹے معاذ اللہ اور اس کے محبوب ہیں۔[2]

یہ آیت مقدسہ مقام نبوت و رسالت کو واضح کرتی ہے اور اگر ابن عطیہ کے موقف کا دیگر ائمہ کی آراء سے تجزیہ کیا جائے تو یہی بحث منظر عام پر آتی ہے[3] جس طرح آپ نے مختلف احتمالات پیش فرمائے اور یہود پر تبصرہ کرتے وقت ابن عطیہ کی طرح سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 31 کو بھی پیش فرمایا اس سے ابن عطیہ کا منہج تفسیر القرآن بالقرآن بھی واضح ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کئی اور مقامات[4] بھی اس کے شاہد ہیں کہ ابن عطیہ دوران تفسیر اس امر کو کتنی اہمیت دیتے ہیں اسی بنیاد پر آپ کی تفسیر کا شمار تفسیر بالماثور کی نمائندہ تفاسیر میں ہوتا ہے۔

2۔ تفسیر القرآن بالحدیث

قرآن مجید کی تفسیر میں دوسرا مصدر احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں اور ابن عطیہ نے قرآنی آیات اور الفاظ کی تفسیر اور معنی کے تعین میں احادیث سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور کتب صحاح ستہ پر بھی اعتماد کیا ہے زیادہ تر احادیث کی تخریج نہیں کرتے مگر بعض اوقات حدیث کی تخریج کرتے ہوئے اس پر حکم بھی لگاتے ہیں۔ دوران تفسیر صحیح روایات کو نقل کرنے کے التزام کے باوجود ضعیف اور موضوع روایات بھی آپ کی تفسیر میں مذکور ہیں جیسے ﴿اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھوَ-اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ-لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَانَوْمٌ[5]﴾ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے جو روایت پیش کی ہے[6] وہ ضعیف ہے امام قرطبی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ان الفاظ میں اپنا تبصرہ پیش کرتے ہیں:

1۔ المائدۃ:18

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/422

3۔ ابن الجوزی، عبد الرحمٰن بن علی بن محمد، **زاد المسیر فی علم التفسیر** (بیروت: المکتب الاسلامی، الطبعۃ الاولیٰ الجدیدہ، 1423ھ)، 1/188/۔ ابو حیان الاندلسی، **البحر المحیط**، 2/448/۔ الآلوسی، محمود بن عبد اللہ، **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم**، تحقیق: ماہر حبوش (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1431ھ)، 4/127

4۔ دیکھیے، ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/11-13-15-4/81-225-446-5/120-496

5۔ البقرۃ:255

6۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، ج1، 340-341

"ولایصح هذاالحدیث ضعفه غیر واحد منهم البیهقی"[1]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ضعیف قرار دینے والوں میں امام بیہقی بھی ہیں۔

امام ابن کثیر نے اسے اسرائیلیات سے کہا ہے:

"وهو من أخبار بنی اسرائیل"[2]

ترجمہ: یہ واقعہ اخبار بنی اسرائیل میں سے ہے۔

ابن عطیہ نے اس قسم کی روایات کو بھی اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے جو درجہ صحت میں نہیں ضعیف روایات کو نقل کرنے کے علاوہ موضوع روایات بھی آپ کی تفسیر میں درج ہیں جیسے اس آیت مقدسہ کے ضمن میں جو روایت آپ نقل کرتے ہیں وہ موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَالَّذِیْنَ اٰمَنُواالَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ﴾[3]

ترجمہ: تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

اس آیت کا سبب نزول ابن عطیہ یہ بیان کرتے ہیں:

"حضور ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو ایک مسکین سے ملاقات ہوئی آپ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کسی نے کچھ عطا کیا ہے تو اس نے کہا کہ ہاں اور اس شخص نے چاندی کی انگوٹھی دی ہے اور وہ رکوع کی حالت میں تھا اور حضور ﷺ نے جب اسے دیکھا تو وہ حضرت علیؓ تھے تو حضور ﷺ نے کہا اللہ اکبر اور یہ آیت لوگوں کے سامنے تلاوت کی"[4]

جب کہ ابن تیمیہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے آپ فرماتے ہیں:

"أنه موضوع باتفاق اهل العلم"[5]

ترجمہ: اہل علم کا اس واقعہ کا موضوع ہونے پر اتفاق ہے۔

امام ابن کثیر نے بھی مکمل طور پر اس واقعہ کو نادرست کہا ہے:

1۔ القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، **الجامع الاحکام القرآن**، تحقیق: الدکتور، عبد اللہ بن عبد المحسن (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1427ھ۔2006م)، 4/271

2۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم**، تحقیق: سامی بن محمد (الریاض: دار طیبہ، الطبعۃ الثانیۃ، 1420ھ۔1999م)، 1/678

3۔ المائدۃ: 55

4۔ ابن عطیہ الاندلسی، **المحرر الوجیز**، 2/208

5۔ ملیح آبادی، عبد الرزاق (مترجم)، **مقدمۃ فی أصول التفسیر لشیخ الاسلام ابن تیمیہ** (لاہور: المکتبۃ السلفیۃ، س ن دارد)، ص 46

"ولیس یصح شئی منھابالکلیۃ"[1]

ترجمہ: اس میں سے کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔

ابن عطیہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد روایت کی صحت اور ضعف پر بحث نہیں کی ہے کہ یہ روایت درست نہیں ہے بلکہ درایت کے اعتبار سے یہ کلام کیا ہے **"وفی ھذا القول نظر"**[2] یہ قول محل نظر ہے۔ یہ بحث اپنی جگہ پر مگر اس تمام کے باوجود آپ نے دوران تفسیر صحیح روایات کو نقل کرنے کا بھی التزام فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذْقَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾[3]

ترجمہ: اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنادے۔

ابن عطیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **و فی الصحیح عنه ((أنَّ إبْراهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وحَرَّمْتُ المَدِينَةَ))**[4] ترجمہ: حضور ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے اللہ بے شک ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا اور اس کے لیے دعا کی اور بے شک میں نے مدینہ کو حرم بنایا ہے۔

اس مقام پر ابن عطیہ حدیث پر حکم بھی لگا رہے ہیں اور جو احادیث کے مابین تعارض واقع ہو رہا ان کے درمیان تطبیق بھی پیدا کر رہے ہیں تعارض یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت والا کب بنایا" ایک قول حضور ﷺ کی طرف منسوب یہ تھا کہ جس دن آسمان اور زمین کو تخلیق کیا اس دن حرمت والا بنایا اور یہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا"[5] اور دوسرا قول اوپر مذکور ہے۔ تطبیق یہ کی ہے کہ اس کا حرمت والا ہونا حضرت آدمؑ کے دور سے ہی ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کی تجدید کی ہے اور اللہ کے حکم کو لوگوں تک پہنچایا۔ ابن عطیہ نے جس طرح اس آیت کے ضمن میں روایات لائے ہیں دیگر ائمہ نے بھی اپنی کتب میں ایسے ہی نقل فرمایا ہے[6]۔ دیگر مختلف مقامات بھی اس امر کے شاہد ہیں کہ آپ نے اپنی تفسیر میں صحیح روایات کو نقل کرنے کی بھی مساعی جمیلہ فرمائی ہے جیسے آپ نقل

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 3/139

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/209

3۔ البقرۃ: 126

4۔ ابن عطیہ، المحرر الوجیز، 1/209/۔ القشیری، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، (الریاض: دار طیبۃ، 1426ھ) کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینۃ، 1374

5۔ ابن عطیہ، المحرر الوجیز، 1/209/۔ محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، (دمشق: دار ابن کثیر، الطبعۃ الاولیٰ 1423ھ-2003)، کتاب جزاء الصید، باب لایحل انفال مکۃ، 1834

6۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل آی القرآن** (القاہرہ: دار ہجر، الطبعۃ الاولیٰ، 1422ھ۔2001م) 2/541-542/۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر **القرآن العظیم**، 1/422 تا 425

فرماتے ہیں: ''**وان کان فی صحیح مسلم فھو خبر احاد ثم ورد بالخبر التواتر**''[1]۔رجم کی سزا پر بات کرتے ہوئے ابن عطیہ نقل کر رہے ہیں کہ اگرچہ صحیح مسلم کی حدیث خبر احاد ہے مگر اس ضمن میں خبر متواتر بھی ہیں۔

دوران قتال مقتول سے سلب شدہ مال کیا حیثیت رکھتا ہے مال غنیمت متصور ہو گا قتل کرنے والے کو دیا جائے گا یا پھر اس کا خمس نکالا جائے گا۔ابن عطیہ اس ضمن میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر سلب شدہ مال تھوڑا ہو تو تمام قاتل کو ملے گا اور اگر زیادہ ہو تو اس کا خمس نکالا جائے گا پھر اس کی تائید میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے حدیث نقل کرتے ہیں: ''**وروی فی ذلک حدیث عن النبیﷺ ھو حدیث عوف بن مالک فی مصنف أبی داؤد**''[2]

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عطیہ نے تفسیر کے دوران اگرچہ ضعیف اور کمزور روایات کو بھی ذکر کیا ہے مگر اس کے باوجود صحیح روایات کا بیش بہا خزینہ بھی موجود ہے جس کا اندازہ مختلف مقامات کے مطالعہ سے بخوبی ہوتا ہے[3] اور اگر ان روایات کا ''دیگر تفاسیر سے تجزیہ کیا جائے تو یہی انداز نظر آتا ہے''[4] علاوہ ازیں آپ نے تفسیر کرتے وقت تفسیر طبری سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے''[5] ابن عطیہ نے مجموعی طور پر تین سو چالیس سے زائد مقامات پر امام طبری کے حوالے سے بات نقل کی ہے جس میں کہیں مطلقاً بات نقل کی اور کہیں ''**رجحه الطبری**'' اور ''**ضعفه الطبری**'' کا منہج اپنایا۔ابن عطیہ اگر مختلف ماخذ سے احادیث لیں تو ان میں سے کسی ایک پر تبصرہ ان الفاظ میں بھی کرتے ہیں جیسے: ''**والحدیث الاول فی صحیح البخاری**''[6]

حدیث اول صحیح بخاری میں ہے اور متعدد مقامات پر اس انداز میں صحیح بخاری اور مسلم کا حوالہ دیا:

''**ومما یضعف ھذا أن فی صحیح البخاری و مسلم**'' **وھو مروی فی البخاری و مسلم**''و **فی کتاب التفسیر من صحیح البخاری**''**ثبت فی صحیح البخاری**'' اور اس کے علاوہ کئی جگہوں پر ''**وفی صحیح البخاری**''[7] اور بعض اوقات صحاح ستہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں ''**وفی ھذا المعنی احادیث**

1۔ابن عطیہ، المحرر الوجیز،2/22/۔ مسلم، الجامع الصحیح، **کتاب الحدود**، باب حد الزنی،ح1690/۔ **سنن ابی داؤد**،ح4415، **سنن ترمذی**،ح1434

2۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،2/499/۔ **سنن ابی داؤد**، کتاب الجہاد، باب السلب،ح2721

3۔دیکھیے۔ایضاً،3/5-6-44-342-4/27-32-33-5/39-116-337-533

4۔الطبری، ابن جریر، **جامع البیان**،11/321/۔ابن کثیر، **تفسیر ابن کثیر**،4/104/۔الآلوسی، **روح المعانی**،10/214

5۔دیکھئے، ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،1/66-238-335-467-517-2/94-380-3/13-236-453-530-4/8-14-
511-444-115-112-37/5

6۔دیکھیے۔ایضاً،3/530

7۔ایضاً،3/236-373-531-4/69-113-423-540۔5/501

صحاح"وھی مشھورۃ فی الکتب الصحاح"[1]

المختصر آپ کی تفسیر میں تفاسیر بالماثورہ کے منہج کے مطابق احادیث رسول ﷺ کا قیمتی سرمایہ موجود ہے جس میں آپ نے بعض مقامات پر محدثین کے اسلوب کو اپناتے ہوئے حدیث بحوالہ نقل کرنے کیساتھ ساتھ اس پر حکم بھی لگایاہے مگر بعض دیگر مفسرین کے طرح غیر صحیح مواد بھی آپ کی تفسیر میں موجود ہے اور وہ روایات جن کے ضمن میں مباحث سیرت کو زیر بحث لایاہے کے تحت کتب احادیث کے علاوہ کتب سیرت سے بھی استفادہ کیاہے اور اس میں سب سے زیادہ سیرت ابن اسحٰق سے استفادہ کیااور اپنی تفسیر میں تقریباً ستر (70) مقامات پر ابن اسحٰق کا حوالہ دیااور ذکر کرتے وقت یہ منہج اپنایا جیسے "**الذی فی سیرۃ ابن اسحٰق" والصحیح من القول وھو الذی فی سیرۃ ابن اسحٰق" مانص ابن اسحٰق فی سیرہ" وأسند الطبری عن ابن اسحٰق، فی سیرۃ لابن اسحٰق"**[2]۔ سیرت ابن ہشام کا بھی تذکرہ موجود ہے[3] سیرت کا بہت سارا مواد اگرچہ سند اور ماخذ کے تذکرہ کے بغیر ہے مگر ایک حد تک بحوالہ اور صحیح مواد نقل کیاہے۔

3۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ رضی اللہ عنھم

ابن عطیہ نے قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت صحابہ کرامؓ کی آراء اور اقوال سے کثیر مقامات پر استشہاد اور استدلال کیاہے اور جن صحابہ کرامؓ کے اقوال کو زیادہ پیش کیاہے ان میں سر فہرست حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو العاص، ابی بن کعب اور زید بن ثابتؓ ہیں۔ قرآن کی تفسیر میں صحابہؓ کے اقوال کی اہمیت اس لئے خوب عیاں ہے کہ آپ نے بارگاہ مصطفیٰ ﷺ سے براہ راست شرف تلمذ پایا تھا ذیل میں چند مثالیں پیش کی جائیں گی کہ آپ نے کس طرح مباحث سیرت میں صحابہؓ کے اقوال سے استفادہ کیا جیسے حضور ﷺ کے وصال مبارک کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے کردار کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:﴿**سَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ**﴾[4]

ترجمہ: اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزاعطا فرمائے گا۔

کا مصداق حضرت ابو بکرؓ ہیں ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

"وذکر الطبری بسند عن علی ابن أبی طالب و ذکر غیرہ: أنہ قال فی تفسیر

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/390-5/198

2۔ دیکھیے۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/153-507-519-3/81-144

3۔ دیکھیے۔ ایضاً، 2/167-503-583

4۔ آل عمران: 144

هذا الآية: الشاكرون: الثابتون على دينهم ابوبكر واصحابه و كان يقول: ابوبكر أمير الشاكرين، وهذا عبارة من على بن أبي طالب رضی اللہ عنہ"[1]

ترجمہ: امام طبری نے حضرت علیؓ کی سند سے نقل فرمایا ہے کہ اس آیت میں الشاکرون سے مراد حضرت ابو بکرؓ اور دیگر صحابہ ہیں جو دین اسلام پر ثابت قدم رہے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ابو بکرؓ امیر الشاکرین ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کو امیر الشاکرین کہنے کا سبب یہ ہے کہ اس نازک صورتحال میں آپ کے فہم و فراست سے معمور کلمات نے امت کو غم واندوہ سے دوچار ہونے کی وجہ سے کسی فتنے اور آزمائش سے محفوظ کر لیا اور آپؓ کے شکر کی وجہ سے دیگر اصحاب بھی اس کیفیت میں آگئے۔ ابو حیان الاندلسی نے[2] ابن عطیہ کی طرح نقل فرمایا جبکہ ابن کثیر[3] نے حضرت ابو بکرؓ کا تذکرہ اس اعتبار سے کیا کہ جب آپ نے اس موقع پر اس آیت کی تلاوت کی تو صحابہ کرامؓ کے لئے یہ امر تسلی کا باعث بنا اور امام آلوسی[4] نے ابن عطیہ کی طرح اس روایت کو ابن جریر الطبری کے حوالے سے من و عن نقل کیا ہے۔ اس روایت کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک سے ہے۔ ابن عطیہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عبد اللہ بن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَاللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِىْ وَاثَقَكُمْ بِه﴾[5]

ترجمہ: اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا۔

ابن عطیہ اس آیت مقدسہ میں میثاق کے مفہوم پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"والميثاق المذكور هو اوقع للنبى ﷺ فى بيعات العقبة و بيعة الرضوان و كل وطن قال الناس ---سمعنا واطعنا هذا قول ابن عباس والسدى و جماعة من المفسرين"[6]

آیت میں مذکور میثاق سے مراد وہ عہد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت عقبہ رضوان اور ہر وہ مقام جس میں صحابہؓ نے "سمعنا و اطعنا" فرمایا پر لیا اور یہ حضرت ابن عباس، سدی اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے اس کے بعد آپ نے حضرت مجاہد کا قول نقل کیا کہ اس سے مراد وہ میثاق ہے جو عالم ارواح میں لیا گیا اس قول کو نقل کرنے کے بعد ابن عطیہ پہلے قول کو ان الفاظ کے ساتھ ترجیح دیتے ہیں "**والقول الاول أرجح وأليق بنمط الكلام**"[7]

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/517/۔ ابن جریر الطبری، **جامع البیان**، 6/97-98

2۔ الاندلسی، **البحر المحیط**، 3/75

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/129

4۔ الآلوسی، محمود بن عبد اللہ، **روح المعانی**، 5/27

5۔ المائدۃ: 7

6۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/165

7۔ ایضاً

ترجمہ: قول اول ظاہر کلام کے مطابق زیادہ راجح اور درست نظر آتا ہے۔

دیگر ائمہ حضرات نے اس مقام پر ابن عطیہ سے اتفاق کیا ہے[1]۔

مذکورہ بحث کا بنظر غائر مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ آیت میں مذکور لفظ میثاق عمومی نوعیت کا نہیں بلکہ خصوصی حیثیت کا حامل ہے اس کی وجہ اسی آیت میں مذکور ''واذکروانعمت اللہ'' کے کلمات ہیں جن کا اطلاق اہل ایمان پر ہوگا تو گویا۔۔۔اہل ایمان کے ساتھ میثاق کی بات ہو رہی ہے اور اس کے اولین مصداق حضرات صحابہ کرامؓ ہیں جو ''سمعنا و اطعنا'' کی اخلاقی سربلندی سے متصف ہیں۔ المختصر ابن عطیہ کا نقطہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔

ابن عطیہ نے ایسے ہی ''دیگر کئی مقامات پر وقائع سیرت کو زیر بحث لاتے وقت حضرات صحابہ کرام کے اقوال کو بطور استشہاد پیش کیا ہے''[2]۔ ابن عطیہ کا یہ منہج اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ آپ کی تفسیر صحابہ کرامؓ کے اقوال سے معمور ہے جو اس کی استنادی حیثیت کو مستند کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

4۔ تفسیر القرآن باقوال التابعین رحمۃ اللہ علیہم

ابن عطیہ نے تفسیر میں جابجا تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال کو بطور استدلال پیش کیا اور جن تابعین سے آپ نے استفادہ کیا ان میں یہ اسماء قابل ذکر ہیں الحسن بن ابی الحسن البصری، مجاہد بن جبر، سعید بن جبر، زید بن اسلم، ضحاک بن مزاحم، عکرمۃ مولی ابن عباس اور حضرت قتادہ وغیرہم۔ آپ تابعین کے اقوال کو پیش کرتے وقت ان کا تجزیہ بھی کرتے ہیں اور جو ان کے نزدیک صحیح ہو اسے ترجیح بھی دیتے ہیں اور بعض اوقات بغیر ترجیح قائم کئے مختلف اقوال کو ذکر کر دیتے ہیں جیسے سریہ عبداللہ بن جحش پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن عطیہ مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے ایک قول کو ضعیف قرار دیتے ہیں یہ سریہ چونکہ حرمت کے مہینہ رجب میں ہوا جس میں کفار کا ایک شخص قتل ہوا تو ماہ حرمت میں قتال کی حیثیت پر تابعین کے اقوال نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''وقال الزهری و مجاهد وغیرهما: ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾[3] منسوخ بقوله ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾[4] و بقوله﴿فَاقْتُلُواالْمُشْرِكِيْنَ﴾[5]وقال عطا لم تنسخ ولا ینبغی القتال فی الاشهر الحرم وهذا ضعیف)''[6]

1۔ الاندلسی، **البحر المحیط**، 3/454/۔ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی، **مدارک التنزیل و حقائق التاویل**، (بیروت: دارالکلم الطیب، الطبعۃ الاولی، 1449ھ)، 1/431/۔الآلوسی، **روح المعانی**، 7/82-83

2۔ دیکھئے۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/210-527-529-532-3/4-65-93-4/113-303-530-5/34-346-444-535

3۔ البقرۃ:217

4۔ التوبۃ:36

5۔ ایضاً:5

6۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/290

ترجمہ: زہری اور مجاہد کا فرمانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ اے حبیب ﷺ آپ فرما دیں کہ اس ماہ) میں قتال بڑا گناہ ہے اس فرمان کے ساتھ منسوخ ہے کہ تم تمام مشرکین سے قتال کرو اور عطا کا یہ قول ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے اور کافروں کے ساتھ حرمت کے مہینوں میں لڑائی نہیں کرنی چاہیے۔

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ یہ قول ضعیف ہے گویا ابن عطیہ کے نزدیک منسوخ ہونے کا قول زیادہ صحیح ہے آپ کے نزدیک حرمت کے مہینوں میں بھی قتال جائز ہے۔ ابن عطیہ جن آیات کے پیش نظر قتال کو حرمت کے مہینوں میں جائز قرار دے رہے ہیں ان میں عموم ہے کسی خاص زمان و مکان کی قید نہیں ہے اس پر ابو حیان الاندلسی کہتے ہیں:

''وبأن الآيات التی وردت بعد ها عامة فی الأزمنة وهذا خاص و العام لاينسخ الخاص باتفاق''[1]

ترجمہ: بے شک آیات جو اس کے بعد نازل ہوئی ہیں وہ زمان کے اعتبار سے عام ہیں اور یہ حکم خاص ہے اور عام خاص کو بالاتفاق منسوخ نہیں کر سکتا۔

یعنی یہ آیت ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ حرمت کے ماہ میں قتال کی ممانعت کے لئے خاص ہے لہٰذا اس کو ان آیات ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ اور ﴿فَاقْتُلُواالْمُشْرِكِيْنَ﴾ کے ذریعے منسوخ نہیں کیا جا سکتا اور اس کے علاوہ ابو حیان مزید نقل کرتے ہیں:

''واتفق الجمهور علی أن حكم هذا الآية حرمة القتال فی الشهر الحرام''[2]

ترجمہ: جمہور اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں شہر حرام میں قتال کی حرمت کا حکم ہے۔

پیش کردہ بحث اس امر کی غماز ہے کہ ابن عطیہ مباحث سیرت کو ذکر کرتے وقت تابعین کے اقوال نقل کرتے ہوئے ان کے مابین تجزیہ کرتے ہیں اور اقوال کی وضاحت کرتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بحث میں نظر آیا اور یہاں جس قول کو انہوں نے ضعیف کہا ہے یہ درست معلوم نہیں ہوتا اور اسی طرح اگر دیگر مقامات سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت مزید واضح ہوتی ہے[3]

5۔ لغوی و نحوی استدلالات اور مباحث سیرت

ابن عطیہ الاندلسی کا یہ بھی طرہ امتیاز ہے کہ وہ دوران تفسیر لغوی و نحوی مسائل کا کثرت سے تذکرہ کرتے ہیں اور یہ امر قرآن فہمی میں اساسی حیثیت کا حامل ہے اسی وجہ سے ائمہ حضرات نے ایک مفسر کے لئے لغت عرب

1۔ الاندلسی، ابو حیان، **البحر المحیط**، 155/2

2۔ ایضاً

3۔ دیکھیے۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/165-167-496/3-60-93/4-380-489/5-119-290-532

اور نحوی وصرفی مسائل سے آگاہی کو ضروری قرار دیا ہے جیسے مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول منقول ہے:

"وقال مجاهد لایحل لأحد یومن بالله والیوم الاخرمتکلم فی کتاب الله اذالم یکن عالماً بلغات العرب"[1]

ترجمہ: حضرت مجاہد بن جبیر فرماتے ہیں جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ جب تک وہ لغت عرب کا عالم نہ ہو کتاب اللہ کی تفسیر میں کوئی بات کرے۔

یہ اس لئے ضروری ہے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰ نًا عَرَبِيًّا ﴾[2]

ترجمہ: بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان) میں نازل کیا ہے۔

جب تک عربی زبان کے قواعد کی معرفت نہ ہو تو تفسیر میں خطا کا امکان قوی رہتا ہے لغت عرب کے ساتھ ساتھ علم نحو اور صرف سے آگاہی بھی مفسر کیلئے ضروری ہے علم صرف کے حوالے سے علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

"وهو من العلوم التی یحتاج الیه المفسر"[3]

ترجمہ: علم صرف کا تعلق بھی ان علوم سے ہے جن کی معرفت مفسر کیلئے ضروری ہے۔

اور اسی طرح علم نحو کے لئے آپ نے فرمایا ہے "کہ وہ بھی ضروری ہے"[4] قرآن مجید کی بھی وہ تفسیر بالرائے المحمود ہے جو تفسیر قرآن کے تمام اصولوں کی روشنی میں تحریر کی جائے ان میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ لغت عرب اور نحوی وصرفی مسائل کی پابندی کرتی ہو۔ ابن عطیہ نے اس اصول سے دوران تفسیر بہت استفادہ کیا جیسے آپ تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"وسردت التفسیر فی هذا التعلیق بحسب رتبة الفاظ الآیة من حکم أو نحواً ولغة"[5]

ترجمہ: مراتب الفاظ کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے حکم، نحو اور لغت کے تحت تفسیر کی ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[6]

1۔ الزرکشی، بدرالدین محمد بن عبداللہ، **البرہان فی علوم القرآن**، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم (القاہرہ: دارالتراث، الطبعۃ الثالثۃ، 1404ھ۔ 1984م)، 292/1

2۔ یوسف: 2

3۔ بدرالدین الزرکشی، **البرہان فی علوم القرآن**، ج 1/ 297

4۔ ایضاً، ص 301

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 34

6۔ آل عمران: 166

ترجمہ: دو فریقوں کے مقابلہ کے دن تم پر جو مصیبت آئی تھی پس وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لئے تا کہ اللہ مومنوں کو متمیز کر دے۔

ابن عطیہ "فا" اور "ما" کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں:

"ودخلت الفاء فی قوله {فباءذن الله} رابطة مشددة و ذلک للابهام الذی فی ما) فاشبه الکلام الشرط وهذا کما قال سیبویه[1]"[2]

باذن اللہ پر "فا" کے داخل ہونے سے کلام میں مضبوط ربط قائم ہوا اور یہ اس ابہام کی وجہ سے ہے جو آیت میں "ما" کے آنے کی وجہ سے آیا ہے پس "فا" کی وجہ سے کلام شرط کے مشابہ ہو گیا جیسے سیبویہ کا قول ہے **"الذی قام فله درهمان"**[3] جو کھڑا ہوا اس کے لئے دو درہم ہیں۔

آپ یہ بات اخذ کرنا چاہتے ہیں کہ غزوہ احد میں اگر مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو یہ اللہ کے اذن سے ہوا ہے اگر وہ نہ چاہتا تو ایسا ممکن نہ ہو سکتا تھا اس آیت کی توضیح میں نحوی مباحث کا تذکرہ تفسیر کے علمی مقام میں اضافہ کرتا ہے۔ ابن عطیہ لغوی و نحوی مباحث کو بیان کرتے وقت بعض اوقات امام لغت و نحو کا فقط نام لیتے ہیں جیسے قال سیبویہ، زجاج وغیرہ اور بعض اوقات کتب کا بھی ذکر کرتے ہیں جیسے آپ نقل کرتے ہیں:

"رواه عنه الخلیل [4] کرمردفین بفتح الراء وکسرالدال وشدها"[5]

ترجمہ: خلیل الفراہیدی نے اس شخص سے ایسے بھی روایت کیا ہے کہ "مردفین" "ر" کے فتحہ اور دال کی شد اور کسرہ کے ساتھ۔

یہ بحث اس آیت کے ضمن میں ہے:

﴿اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ﴾[6]

ترجمہ: بے شک میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کرنے والا ہوں پے در پے۔

"وقال الزجاج فی کتاب الانواء"[7]

1۔ سیبویہ: ابو بشیر عمرو بن عثمان 148ھ (760ء-796ء) کو ایران میں پیدا ہوئے، متقدمین و متاخرین میں نحو کے بہت بڑے عالم تھے اور نحو کا علم الخلیل بن احمد سے سیکھا (ابن خلکان، **وفیات الاعیان** (بیروت: دار صادر، 1398ھ۔1978م)، 3/463

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/538

3- ایضاً

4۔ الخلیل: ابو عبد الرحمٰن الخلیل بن احمد الفراہیدی 170 یا 175ھ (718ء-790ء) میں انتقال ہوا۔ علم نحو کے امام اور علم عروض کے موجد تھے (ابن خلکان، **وفیات الاعیان**، 2/244

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/504

6۔ الانفال: 9

7۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/233

یہاں آپ نے نام کے ساتھ کتاب کا بھی ذکر کیا ہے لغت ونحو کے ائمہ سے ابن عطیہ نے کتنا استفادہ کیا اس کا اظہار اس امر سے بخوب ہوتا ہے کہ تفسیر کی صرف پہلی جلد میں آپ نے دیگر ائمہ کے علاوہ الزجاج[1] سے تقریباً 33 اقوال نقل کئے ہیں[2]۔ یہ چیز آپ کے لغت نحو سے شغف کو ظاہر کرتی ہے اور اس کے علاوہ اشعار کو بھی بطور استدلال پیش کرتے ہیں جیسے "حنین" منصرف ہے یا غیر منصرف اس کی توضیح میں نقل فرماتے ہیں:

"(حنين)وادبين مكة والطائف قريب من ذى المجاز و صرف حنين أريد به الموضح و المكان ولو أريد به البقعة لم يصرف كما قال الشاعر حسان): الكامل)" نصروا نبيهم وشدوا أزره بحنين يوم تواكل الابطال"[3]

ترجمہ: حنین جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے اگر اس سے مراد جگہ اور مکان ہو تو منصرف اور اگر مخصوص قطعہ ہو تو غیر منصرف جیسے حضرت حسانؓ کا قول ہے کہ صحابہؓ نے اپنے نبی کی مدد کی اور خوب کمربستہ رہے حنین کے مقام پر جو کہ بہادروں کا اپنے رب پر توکل کا دن ہے۔

حضرت حسان نے یہاں پر حنین کو زیر کے ساتھ نہیں بلکہ زبر کے ساتھ غیر منصرف لکھا ہے اس کے علاوہ جابجا آپ اشعار سے استشہاد کیا ہے بلکہ کسی جگہ پر چار چار شعراء کا کلام بھی پیش کیا ہے جیسے ﴿شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[4] کے تحت آپ نے "شَطْرَ" کے معنی کو بیان کرتے ہوئے کیا ہے[5] اسی بنیاد پر دکتور محمد حسین الذہبی نے آپ کی تفسیر پر یوں تبصرہ کیا:

"کہ آپ کی تفسیر آپ کے لغت عربی اور دیگر مختلف علوم کے امام ہونے پر شاہد ہے"[6]

ابن عطیہ کے اس اسلوب سے جہاں بحث بعض اوقات طویل ہو جاتی ہے وہاں مباحث سیرت کی تفسیر و توضیح میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے۔

6۔ علم القراءات اور مباحث سیرت

علم القراءات جو اس امر پر بحث کرتا ہے کہ قرآن مجید کے کلمات کو کس طریق سے ادا کرنا ہے اور اس

1۔ الزجاج، ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد 241ھ (855ء-923ء) کو بغداد میں پیدا ہوئے علم و ادب میں مایہ ناز ہستی ہیں اور "معانی القرآن" شہرہ آفاق تصنیف چھوڑی ہے (ابن خلکان، **وفیات الاعیان**، 1/ 49)

2۔ دیکھیے۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/124-149-178-188-193-233-288-361-370-379-392-394-417-421-422-423-433-435-453-470-473-485-486-487-491-499-509-511-530-533-540-541

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/ 19

4۔ البقرۃ:144

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 222

6۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 172

کیفیت میں قراء حضرات کے مابین اتفاق ہو یا اختلاف ان امور کو بیان کیا جاتا ہے جیسے الفیروز آبادی نقل کرتے ہیں:

''أما علم القراءات فهو العلم الذی یعنی بکیفیة أدا کلمات القرآن الکریم، واختلافها معزواً الی ناقله''[1]

ترجمہ: قراءات وہ علم ہے جس میں قرآن کریم کے کلمات کی ادائیگی کی کیفیت پر بحث ہوتی ہے اور اس میں اختلاف اس کے ناقل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

قراءات قرآن سے بھی معانی کا تعیین ہوتا ہے اس لئے ابن عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تفسیر میں جو متواتر[2] قراءات ہیں یا شاذ[3] ہیں ان کو معانی کی تعین کے لئے بیان کیا ہے:

''وقصددت ایراد جمیع القراءات: مستعملها و شاذها و اعتمدت تبیین المعانی و جمیع محتملات الالفاظ''[4]

ترجمہ: میں نے تمام قراءات کو خواہ وہ مستعمل (متواتر) ہوں یا شاذ ان کو نقل کرنے کا ارادہ کیا ہے اور الفاظ کے جتنے معانی کا احتمال ہو سکتا تھا اسے ضبط تحریر میں لایا ہے۔

ابن عطیہ کی تفسیر میں مباحث قراءات کی بہتات ہے اور ایسے ہی جب سیرت کے کسی پہلو کو زیر بحث لاتے ہیں تو وہاں قراءات سے متعلقہ امور کا بھی بھرپور تذکرہ کرتے ہیں بطور وضاحت چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ﴾[5] کے تحت '' اَنْفُسِکُمْ '' کی قراءات پر یوں بحث کی ہے:

''وقرأ عبدالله بن قیسط المکی ''من انفسکم'' بفتح الفاء من النفاسة و رویت عن النبی ﷺ و عن فاطمة''[6]

ترجمہ: عبد اللہ بن قیسط نے ''اَنْفُسِکُمْ'' کو فا کی فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جو کہ نفاست سے ہے یعنی آپ ﷺ سب سے نفیس ترین انسان ہیں اور یہ قراءات حضور ﷺ سے مروی ہے۔

امام ابو حیان الاندلسی اور امام آلوسی نے دیگر تفسیری نکات کے بعد یہ قراءات بھی نقل کی ہے[7]۔ ایسے ہی ابن عطیہ

1۔ الفیروز آبادی، **القاموس المحیط**، ص62

2۔ متواتر قراءات کے صحیح ہونے کے تین ارکان ہیں 1۔ لغت عربی اور اس کے قواعد کے مطابق ہو۔ 2۔ رسم عثمانی کے مطابق ہو۔ 3۔ تواتر کے ساتھ منقول ہو (ابن الجزری، **النشر فی القراءات العشر**، بیروت: دار الکتب العلمیة، س ط ندارد، 1/ 9)

3۔ شاذ وہ قراءات ہے جس میں متواتر کے تین ارکان میں سے کوئی رکن فوت ہو (**النشر فی القراءات العشر**، 1/ 10)

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 34

5۔ التوبۃ: 129

6۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/ 100

7۔ ابو حیان الاندلسی، **البحر المحیط**، 5/ 121/۔ امام آلوسی، **روح المعانی**، 10/ 579

نے اس آیت کی تفسیر کا معروف قول بیان کرنے کے بعد اس قراءات کو بھی ذکر کیا جو کہ شاذ ہے [1]۔ قرآن مجید کی اس آیت ﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَة الدُّنْیَا﴾ [2] میں ''بِالْعُدْوَةِ ''کی تین قراءات نقل کی ہیں ان میں ''بِالْعُدْوَةِ''عین کی ضمہ کے ساتھ جو کہ جمہور کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عین کے فتحہ اور کسرہ ان قراءات کا بھی تذکرہ کیا ہے [3] اس کا معنی آیت کی تفسیر کے آغاز میں ہی تحریر کر دیا تھا {بِالْعُدْوَةِ } شفیرالوادی و حرفه'' [4]
وادی کا کنارہ اور بعد ازاں قراءات پر بحث کی ہے لیکن مختلف قراءات پر بحث کرتے وقت معانی و مفاہیم میں کس قدر فرق آیا ہے اس چیز کو ذکر نہیں کیا ہے اور بعض اوقات قراء حضرات کے اسماء بھی ذکر کرتے ہیں کہ فلاں نے ایسے پڑھا جیسے ''ورویت هذه القراءة عن عاصم''اور اگر تمام قراء سبعہ کسی پر متفق ہوں تو اسے ایسے ذکر کرتے ہیں ''وقراء جمیع السبعة الاحمزه'' [5]

تفسیر المحرر الوجیز میں وقائع سیرت پر بحث علم القراءات کی روشنی میں بھرپور ملتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جس میں بنو قریظہ کے کردار پر روشنی ڈالی گئی:

﴿وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اهلِ الْكِتٰبِ﴾ [6]

ترجمہ: اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار لیا۔

اس میں ''ظَاهَرُوْهُمْ ''کی تفسیر میں آپ بیان کرتے ہیں: ﴿ظَاهَرُوْهُمْ﴾معناه عاونوهم و قراء عبدالله بن مسعو آزروهم وهی بمعنی ظَاهَرُوْهُمْ [7]''

ظَاهَرُوْهُمْ کو عبداللہ بن مسعود نے ''آزروهم'' پڑھا اور اس کا معنی ہے کہ انہوں نے ان کی مدد کی اور پھر اسی آیت میں موجود لفظ '' تَاْسِرُوْنَ'' پر بحث کرتے ہیں:

''وقراء الجمهور و تأسیرون بکسر السین و قراءابوحیواة تأسرون بضم السین [8]۔ جمہور نے تاسرون کو سین کے کسرہ اور ابو حیواۃ نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

1۔ ابن خالویہ، **القراءات الشاذۃ** (القاہرہ: مکتبۃ المتنبی، س ط ند ارد)، ص56

2۔ الانفال:42

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 532/2

4۔ ایضاً

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 532/2

6۔ الاحزاب:26

7۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 380/4

8۔ ایضاً

المختصر تفسیر المحرر الوجیز میں قراءات پر عمدہ بحثیں ملتی ہیں جس میں متواتر اور شاذ دونوں قراءات کا تذکرہ موجود ہے جہاں ابن عطیہ اس بات کی وضاحت کر دیں کہ یہ متواتر قراءات ہے یا پھر جمہور قراء کا موقف ہے تو یہ امر لائق تحسین ہے۔ کہ اس سے تفسیر کے مطالعہ کے دوران قراءات کے نکات سے بھی آگاہی مل جاتی ہے مگر جہاں بہت سے قراءات کا ذکر کر دیں مگر یہ وضاحت نہ ہو کہ یہ متواتر ہے یا شاذ اس سے کئی طرح کے علمی مغالطے جنم لے سکتے ہیں کیوں کہ بعض اوقات قراءات کے بدلنے سے معنی بھی بدل جاتا ہے جیسے آغاز میں ''انفسکم'' کی قراءات میں بحث کی گئی ہے لہٰذا اس امر پر تحقیق کی ضرورت ہے۔

7۔ اسباب نزول اور مباحث سیرت

قرآن مجید کی وہ آیت جو کسی خاص واقعہ اور استفسار کے تناظر میں اتری ہو وہ واقعہ اور سوال اس کا سبب نزول کہلوائے گا ابن عاشور نقل کرتے ہیں:

''سبب النزول هو مانزلت الآية أو الآيات متحدثة عنه، أو مبينة لحكمة أيام وقوعه''[1]

سبب نزول وہ ہے جس میں کسی خاص آیت یا آیات کے نزول کے بارے کوئی حادثہ واقع ہو یا پھر وہ اس کے وقوع کے دنوں کی حکمت کو بیان کرنے والا ہو۔ سبب نزول وہ وجہ بیان کرتا ہے جس وجہ سے وہ آیت یا آیات کریمہ اتری ہوں ابن عطیہ نے المحرر الوجیز میں اسباب نزول پر سیر حاصل بحث کی ہے خاص طور پر جہاں واقعات سیرت کو بیان کیا ہے جس میں مستند اور غیر مستند دونوں طرح کا مواد موجود ہے جس پر بحث کی ضرورت ہے ذیل میں چند مثالوں کی مدد سے اس امر کی وضاحت کی جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الرُّعْبَ﴾[2]

ترجمہ: ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیں گے۔

اس آیت کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

''و سبب هذه الآية: أنه لما ارتحل ابوسفيان بالكفار بعث رسول اللهﷺ على بن ابى طالب وقال انظر القوم --الخ''[3]

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب ابوسفیان نے کفار کو لے کر غزوہ احد) سے کوچ کیا تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ دیکھو اگر وہ اونٹوں پر سوار ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ واپس مکہ جا رہے ہیں اور اگر گھوڑوں پر سوار ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ واپس مدینہ آ رہے ہیں حضرت علیؓ نے آکر خبر دی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہیں

1۔ ابوشھبہ، محمد محمد، الدکتور، **المدخل لدراسة القرآن الكريم** (الریاض: دار اللواء، الطبعة الثالثة، 1407ھ)، ص 132

2۔ آل عمران: 151

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/523

"فسر و سرالمسلمون ثم رجح رسول اللهﷺالی المدینة"[1]

ترجمہ:اس خبر پر حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور واپس مدینہ المنورۃ تشریف لے آئے۔

ابن عطیہ نے اس واقعہ پر تفصیلاً کلام کیا ہے جبکہ آغاز میں اس کا سبب نزول بھی بیان کیا ہے کہ کفار نے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر کے انہیں ختم کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ دوبارہ حملہ نہ کر سکے اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ دیگر ائمہ کا بھی یہی موقف ہے امام واحدی نے مختصراً یہی سبب نزول نقل فرمایا ہے[2]

ابو حیان الاندلسی نے ابن عطیہ جیسا ہی موقف بیان فرمایا ہے[3] امام آلوسی نے بھی سبب نزول یہی ذکر کیا ہے[4] ابن ہشام نے آیت مقدسہ کا تذکرہ نہیں کیا مگر واقعہ جس طرح ابن عطیہ نے نقل فرمایا ہے ایسے ہی رقم فرمایا ہے[5] ابن عطیہ کا بیان کردہ سبب نزول صحیح ہے جیسا دیگر ائمہ کی تصریحات سے بھی واضح ہوتا ہے سبب نزول کے بیان سے واقعات کا تجزیہ آسان ہو جاتا ہے اور آیت کا مفہوم کو صحیح سمجھنے میں مدد ملتی ہے ابن عطیہ ایک آیت کے مختلف شان نزول نقل کرتے ہیں اور آخر میں تمام اقوال کو آیت کے معانی سے مطابقت رکھنے کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ امواتا﴾[6]

ترجمہ:اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں ان کو مردہ نہ سمجھو۔

اس کا سبب نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

"لیتنانعلم ما فعل اخواننا الذین أصیبوا بأحد فنزلت هٰذه الآیة"[7]

ترجمہ:کاش ہم جان سکتے کہ ہمارے بھائیوں کو جو غزوہ احد میں تکلیف پہنچی اس پر ان کو کیا جزا ملی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک اور وجہ بھی بیان کرتے ہیں کہ شہداء نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ کیا کوئی قاصد ہمارے نبی

1۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 523

2۔الواحدی، ابوالحسن علی بن احمد، **اسباب النزول**، تحقیق: عصام بن عبد المحسن (الدمام: دارالاصلاح، الطبعۃ الثالثۃ، 1412ھ)، ص125

3۔ابو حیان الاندلسی، **البحر المحیط**، 3/ 83

4۔امام آلالوسی، **روح المعانی**، 5/ 54، 55

5۔ابن ہشام، عبد الملک، **السیرۃ النبویۃ**(بیروت: دار ابن حزم، الطبعۃ الثانیۃ، 1430ھ)، ص394

6۔آل عمران:169

7۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 541

کو اس سے آگاہ کر سکتا ہے کہ جو تم نے ہمیں انعام عطا کیا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل کو اس آیت کے ساتھ نازل کیا[1]۔
ابن عطیہ مزید نقل کرتے ہیں:

''وکثرت هذا الاحادیث فی هذا المعنی واختلفت الروایات و جمیع ذلک جائز علیٰ ما اقتضیته من هذه المعانی''[2]

ترجمہ: اس سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث اور مختلف روایات وارد ہوئی ہیں اور تمام روایات جائز ہیں اس بنیاد پر کہ وہ اس آیت کے معانی کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔

ابن عطیہ نے چند روایات کو نقل کرتے ہوئے باقی روایات کی کثرت کا اشارۃ ذکر کیا جب کہ امام واحدی نے مختلف روایات کو تفصیلاً بیان فرمایا ہے[3] اور یہ بات بھی تحریر فرمائی:

''وقال جماعة من أهل التفسیر ونزلت الآیة فی شهداء بئر معونة''[4]

ترجمہ: مفسرین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ یہ بئر معونہ کے شہداء کے بارے میں نازل ہوئی۔

جبکہ ابن عطیہ نے غزوہ احد کی مناسبت سے ہی مختلف روایات کا تذکرہ کیا تھا جبکہ جلال الدین السیوطی نے امام ابو داؤد کے حوالے سے ابن عطیہ جیسا موقف نقل فرمایا ہے[5]۔ عصام بن عبد المحسن بھی اس سبب نزول کو مختلف طرق سے نقل کرنے کے بعد بئر معونہ کے شہداء کے حوالے سے نزول پر تبصرہ ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

''والخلاصة: أن هذا السبب غیرصریح، فیقدم علیه السبب الاول الصریح''[6]

ترجمہ: اس سبب نزول میں تصریح نہیں ہے جبکہ دوسرے میں احد کے نام سے ساتھ صراحت موجود ہے لہٰذا اسے مقدم سمجھا جائے گا۔

ابن کثیر نے احد کی مناسبت سے روایات کے بارے میں کہا ''**وهذا أثبت**''[7]۔ اس واقعہ کو بیان کرنے والی روایات زیادہ ثابت شدہ ہے اس کے علاوہ ابن کثیر نے بئر معونہ کا بھی تذکرہ کیا مگر بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بئر معونہ والی روایات میں بیئر معونہ کی وضاحت نہیں ہے بلکہ عمومی تذکرہ ہے جبکہ احد والی روایات میں احد کا ذکر ہے جیسے ''**لما أصیب اخوانکم بأحد**'' لہٰذا یہ روایات احد کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے ابن

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/523

2۔ ایضاً

3۔ الواحدی، **اسباب النزول**، ص 128 تا 130

4۔ ایضاً

5۔ السیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، **لباب النقول فی اسباب النزول** (بیروت: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، الطبعۃ الاولیٰ 122ھ)، ص 66 / ۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داؤد**، تحقیق: شعیب الارنوط (دمشق: دار الرسالۃ العالمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 2009) کتاب الجهاد، باب فی فضل الشهادۃ، ح 2520

6۔ الحمیدان، عصام بن عبد المحسن، **الصحیح من اسباب النزول** (بیروت: مؤسسۃ الریان، الطبعۃ الاولیٰ 1420ھ)، ص 113

7۔ ابن کثیر، تفسیر **القرآن العظیم**، 2/162-163

عطیہ نے احد کے حوالے سے سبب نزول بیان فرمایا جو کہ زیادہ قرین صواب ہے۔ علاوہ ازیں ابن عطیہ سبب نزول کو بیان کرتے وقت حوالہ صحیح البخاری سے بھی دیتے ہیں جو اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ مستند دلائل نقل کرنا چاہتے ہیں آپ یہ بحث اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی روشنی میں نقل کرتے ہیں:

﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾[1]

ترجمہ: یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔

آپ اس کا سبب نزول یوں نقل کرتے ہیں:

"نزلت هذه الآية فى المتبارزين يوم بدر وهم ستة"[2]

ترجمہ: یہ آیت ان چھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوہ بدر میں ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی تھی۔

ان چھ میں تین صحابہ کرام تھے مثلاً حضرت حمزہ، علی اور عبیدہ بن الحارث ان تینوں نے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو چیلنج کیا تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں:

((أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَجْثُو بَيْنَ يَدَيْ الرَّحْمٰنِ لِلْخُصُومَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) 3

ترجمہ: میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لئے گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا جاؤں

اس کے بعد ابن عطیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وأقسم ابوذر على هذا القول ووقع أن الآية فيهم فى صحيح البخارى"[4]

ترجمہ: اور ابوذر نے اس بات پر قسم کھائی کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے اور یہ بات صحیح بخاری میں بھی ہے۔

ابن عطیہ کا اسباب نزول کو بیان کرتے وقت یہ منہج اپنانا اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے جس کے طفیل مباحث سیرت کو مستند انداز میں منصہ شہود پر لانے میں مدد ملتی ہے۔ دیگر ائمہ نے بھی اس آیت کے ضمن میں یہ سبب نزول بیان فرمایا ہے[5]۔ ابن عطیہ نے مباحث سیرت پر روشنی ڈالتے وقت اسباب نزول سے بہت استفادہ کیا جس

1۔ الحج:19

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/113

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، **کتاب التفسیر**، باب ھٰذان خصمان اختصموا فی ربھم، ح4744

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/113

5۔ الواحدی، **اسباب النزول**، ص308 /۔ السیوطی، **لباب النقول**، ص176 /۔ عصام بن عبد المحسن، **الصحیح من اسباب النزول**، ص239

کامشاہدہ تفسیر المحرر الوجیز کے کئی مقامات پر سے کیا جا سکتا ہے[1]۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ابن عطیہ نے تفسیر میں اکثر اوقات مباحث سیرت کا تذکرہ اسباب نزول کے تحت کیا ہے اور ایک آیت کے مختلف اسباب بھی بیان کئے بعض اوقات ترجیح کا قول کیا اور بعض اوقات مطلقاً ذکر کیا۔ سبب نزول نقل کرتے وقت اس کی صحت اور استنادی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے صحیح بخاری اور دیگر کتب صحاح ستہ سے بھی روایات کو لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر صحیح اور غیر مستند مواد بھی نقل کیا ہے۔ سبب نزول کے بیان سے آیت مقدسہ اور اس کی تفسیر کی تاریخی اور زمانی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے جو کئی اعتبار سے معلومات میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

8۔ناسخ ومنسوخ اور مباحث سیرت

قرآن مجید کی تفسیر میں ناسخ و منسوخ کا علم انتہائی اہمیت کا حامل ہے جس کی معرفت و ادراک کے بغیر کسی مفسر کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ قرآن مجید کی تفسیر کرے۔ اس اہمیت کے پیش نظر ابن عطیہ الاندلسی نے دوران تفسیر بے شمار مقامات پر ناسخ و منسوخ کے مباحث کو ذکر کیا ہے اور جس میں آپ نے نسخ کی تعریف، اقسام اور صحت کی شرائط پر سیر حاصل بحث کی ہے علاوہ ازیں حضور ﷺ کی سیرت پر تبصرہ کرتے وقت جہاں نسخ کی بحث ہو سکتی تھی اس کو بھی ضبط تحریر میں لایا ہے نسخ کی تعریف اور اقسام پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی روشنی میں رقم طراز ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ﴾[2]

ترجمہ: جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر لے آتے ہیں۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں نسخ کی دو جہتیں ہے:

"أحدهما النقل كنقل كتاب من آخر و الثانى الازالة، بأماالاول فلا مدخل له فى هذه الآية---وأما الثانى الذى هو الازالة فهو الذى فى هذه الاية"[3]

ترجمہ:ایک معنی نقل کرنا جیسے کسی دوسرے سے کتاب کو نقل کرنا اور دوسری معنی زائل کرنا رہا سوال پہلی جہت کا تو اس کا تعلق اس آیت میں بیان ہوا ہے۔

1۔ دیکھیے۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/ 371، 38، 5/ 113، 125، 135، 144، 346، 484، 492، 493، 497، 502، 527، 530، 532

2۔ البقرۃ:106

3۔ الاصفہانی، **مفردات الفاظ القرآن**، ص 801/۔ ابن منظور، **لسان العرب** (بیروت: داراحیاء التراث العربی 1995)، 14/ 121

اس طرح ابن عطیہ نے نسخ کا لغوی معنی ''الازالۃ'' اس کو بیان کیا ہے اور دیگر ائمہ لغت بھی نسخ معنی ہی بیان کرتے ہیں

''وحدالناسخ عند حذاق اھل السنۃ: الخطاب الدال علی ارتفاع الحکم الثابت بالخطاب المقدم علی وجہ''[1]

ترجمہ: نسخ کی تعریف اہلسنت کے ماہرین کے نزدیک یہ ہے کہ کسی ثابت شدہ حکم کو اٹھا دینا یعنی بعد والے حکم کے ذریعے پہلا حکم منسوخ کر دینا۔

جیسے امام شاطبی نقل فرماتے ہیں:

''رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متاخر''[2]

ترجمہ: حکم شرعی بعد والی شرعی دلیل سے اٹھا دینا نسخ کہلواتا ہے۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں ناسخ اللہ تعالیٰ ہے اور اس خطاب شرعی کو بھی ناسخ کہا جاتا ہے جس کے ذریعے نسخ واقع ہوتا ہے اور نسخ عقلاً اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے کیوں اس سے نہ محال لازم آتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت میں تغیر لازم آتا ہے اور نہ ہی اوامر کا تعلق ارادہ سے ہے کہ نسخ سے یہ لازم آئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بدل گیا اور اس نے پہلے حکم کو دوسرے سے بدل دیا بلکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ پہلا حکم کس وقت تک ہے اور دوسرے حکم کے ذریعے اس کے نسخ کو جانتا ہے[3]۔

ابن عطیہ اس ساری بحث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نسخ سے اللہ تعالیٰ کی صفات ارادہ اور علم پر حرف گیری ثابت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کا جب ارادہ بدلا تو اس نے پہلے حکم کو دوسرے سے بدل دیا یا پھر اس کے علم میں کمی تھی معاذ اللہ کہ پہلا حکم بہتر نہیں تھا اور اسے جب اس کا علم ہوا تو دوسرا حکم ارشاد فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ازل سے ان سب چیزوں کو جانتا تھا کہ کون سا حکم ہمارے لئے کب تک بہتر ہے اور کب تک نہیں اس سے اس کے احکام بدلتے ہیں علم اور ارادہ میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ ابن عطیہ نسخ اور بداء میں فرق کرتے ہوئے یہود کے اعتراض کو رفع کرتے ہیں جو نسخ اور بداء کو ایک ہی سمجھتے ہوئے نسخ کو ناجائز کہتے ہیں:

''البداء لایجوزعلی اللہ تعالیٰ لانہ لایکون الا لطرو علم أو لتغیر ارادۃ''[4]

ترجمہ: بداء اللہ کے لئے جائز نہیں کیوں کہ یہ قصور علم اور ارادہ کی تبدیلی کو مستلزم ہے۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/190

2۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، **الموافقات فی أصول الشریعۃ** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 1423ھ)، 3/520

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/191

4۔ ایضاً

اور یہ اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے یعنی بداء میں کوئی حکم دائمی نوعیت کا ہوتا ہے پھر کسی معاملہ کے پیش آنے کی وجہ اس حکم کو تبدیل کر دیا جاتا ہے نہ کہ سابقہ علم کی بنیاد پر اور دوسرا کسی خاص مقصد کیلئے حکم دیا جائے پھر بعد میں معلوم ہو کہ اس حکم سے یہ مقصد پورا نہیں ہو رہا تو حکم کو تبدیل کر دیا جائے یہ دونوں امور اللہ تعالیٰ کے لئے ناجائز ہیں جبکہ نسخ میں حکم دیتے وقت ہی اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہوتا ہے کہ کب تک اس میں آسانی اور مصلحت انسانی ہے پھر اس کے بعد حکم کو تبدیل کیا جاتا ہے لہٰذا ابداء اور نسخ دونوں میں فرق ہے۔ ابن عطیہ یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ اخبار میں نسخ جائز نہیں ہے یہ صرف اوامر اور نواہی کے ساتھ خاص ہے اور کسی عام حکم سے تخصیص کرنا یہ نسخ کی قسم میں سے نہیں ہے پھر آپ نے نسخ کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں اور یہ بحث کی ہے کہ قرآن کا نسخ قرآن سے، سنت کا سنت سے اس پر سب کا اتفاق ہے اور اجل ائمہ کے نزدیک قرآن کا نسخ سنت سے بھی جائز ہے اور پھر بطور تائید یہ حدیث نقل کی ہے:

((لَاوصيَّةَ لِوَارِثٍ))[1]

ترجمہ: وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں ہے۔

ان تمام امور کو زیر تحقیق لانا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ابن عطیہ کے نزدیک دوران تفسیر اس علم کی کتنی اہمیت ہے اور پھر آپ نے جابجا تفسیر کرتے وقت عملاً اظہار بھی کیا بطور تائید چند مثالیں پیش خدمت ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾[2]

ترجمہ: سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں خواہ ان سے اعراض فرمائیں۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہود مدینہ کے درمیان فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس کی تفسیر میں ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

”وقال عكرمة والحسن: هذا التخيير منسوخ بقوله:﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾[3] وقال ابن عباس و مجاهد: نسخ من المائدة آيتان﴿وَلَا الْقَلَآئِدَ﴾[4] نسختها آية

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، /۔ الترمذی، **الجامع الصحیح** کتاب الوصایا، باب ماجآء لا وصیۃ لوارث، ح 2120 /۔ النسائی، **السنن**، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، (الریاض: مکتبۃ المعارف، س ط ندارد) کتاب الوصایا، باب ابطال الوصیۃ، ح 3641 /۔ ابوداؤد، **السنن**، کتاب الوصایا، باب ماجآء فی الوصیۃ، ح 2870

2۔ المائدۃ: 42

3۔ المائدۃ: 49

4۔ ایضاً: 2

السیف و قولہ ﴿اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾[1] نسختها ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ[2]﴾[3]"

ترجمہ: عکرمہ اور حسن بصری کا قول ہے کہ اس میں اختیار اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے منسوخ ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں جیسا کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے کہ سورۃ مائدہ سے دو آیتیں منسوخ ہیں اور یہ کہ اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوں کہ اس میں مشرکین کو حج کرنے سے منع نہ کرنے کا حکم تھا یہ منسوخ ہے اس آیت سے جس میں جہاد کا حکم ہے اور آپ ﷺ ان سے اعراض فرمائیں یہ منسوخ ہے اس سے کہ آپ ان کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔

ابن عطیہ کے پیش کردہ موقف کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں اس طرح کی بحث کی ہے کہ تخییر والی آیت اس آیت سے منسوخ ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں[4]۔ ابن عطیہ نے اس آیت کے تحت جو نسخ کی بحث کی وہ اکثر ائمہ کا نقطہ نظر ہونے کی وجہ سے قرین صواب معلوم ہوتی ہے بعد ازاں آپ نے یہ بحث بھی کی ہے کہ چند صورتوں میں تخییر کے احکام باقی ہیں کہ جہاں ایک کا دوسرے پر ظلم واقع نہ ہو رہا ہو یا پھر ایسا معاملہ ہو جس کی صورت میں دار آخرت میں سزا بھگتنا پڑے جیسے شراب پینا) تو وہاں پر حاکم کو اختیار ہے[5]۔ علاوہ ازیں ابن عطیہ کسی ایسے قول پر جرح بھی کرتے ہیں جس کو کسی نے منسوخ کہا ہو مگر آپ کے نزدیک اس کا منسوخ ہونا درست نہ ہو جیسے اس آیت: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾[6] کے تحت آپ رقم طراز ہیں:

"وهذه الآية التی فی الانفال ناسخة لقوله فی سورة الحشر ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى[7]﴾

ترجمہ: سورۃ انفال کی یہ آیت سورۃ الحشر کی اس آیت سے منسوخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے۔[8]

المختصر یہ ہے کہ مال غنیمت میں پانچویں حصے کے علاوہ باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوتے ہیں جب کہ مال

1۔ المائدہ: 42

2۔ ایضاً: 49

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/194

4۔ القرطبی، **الجامع لأحکام القرآن**، 7/490/۔ الاندلسی، **البحر المحیط**، 3/501/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 7/6-208

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/194

6۔ الانفال: 41

7۔ الحشر: 7

8۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/528

فئے میں تمام مال حاکم وقت کی دسترس میں ہوتا ہے جسے وہ مصلحت دین و دنیا کہ تحت رعایا پر خرچ کرتا ہے اور اگر سورۃ انفال کی اس آیت کو منسوخ تصور کیا جائے تو یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مال غنیمت بھی تمام کا تمام حاکم وقت کے زیر اختیار ہوتا ہے اسی کے پیش نظر ابن عطیہ اس کے منسوخ ہونے کے قول کو ضعیف قرار دیتے ہیں:

"وهذا قول ضعيف نص العلماء على ضعفه"[1]

ترجمہ: یہ قول ضعیف ہے اور علماء نے بھی اس کے ضعف پر تحقیق کی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ الانفال سورۃ الحشر سے پہلے غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی اور دوسرا دونوں آیتوں میں حکم کی اس بنیاد پر یکسانیت ہے کہ خمس میں بھی اللہ کے رسول ﷺ قرابت داروں کے علاوہ بقیہ حصہ یتامیٰ، مساکین اور مسافروں پر خرچ کرتے تھے اور ایسے ہی مال فئے میں بھی ہوتا تھا تو منسوخ ہونے کے کیا معنی ہوئے اسی طرح ابن عطیہ اس آیت مقدسہ: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾[2] کے تحت "وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **"وقالت فرقة: هذه الآية منسوخة بآية القتال"**

ایک گروہ کا موقف ہے کہ یہ قتال کی آیت یعنی ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾[3] پس تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو) سے منسوخ ہے بعد ازاں ابن عطیہ اس کا تجزیہ کرتے ہیں کہ ایک گروہ اس آیت کو "**محکم**"[4] کہتا ہے پھر دونوں میں تطبیق پیدا کرتے ہیں کہ جب کفار کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہو تو پھر یہ منسوخ ہے اس وقت ان سے قتال کرنا چاہیے اور جب ایسا نہ ہو اور ان کے ایمان لانے کی امید ہو تو اس وقت یہ آیت قیامت تک محکم ہے[5] گویا ابن عطیہ محض قول نقل نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کا تجزیہ کرتے ہوئے اگر ممکن ہو سکے تو تطبیق بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابن عطیہ آیت سیف یعنی آیت قتال سے نسخ کی بحثیں کرتے ہیں:

"منسوخة بآية القتال"[6] "امانسخ بآية السيف"[7] "وهذا كله منسوخ بآيةالسيف"[8]

"وهما آية موادعة معاهده منسوخة بالسيف"[9]

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 529/2

2۔ ایضاً

3۔ التوبۃ:5

4۔ محکم وہ آیت ہوتی ہے جس کا مفہوم واضح ہونے کی بدولت ہر قسم کے شبہ سے پاک ہو (الاصفہانی، **مفردات فی الفاظ القرآن**، ص 251)

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 432/3

6۔ ایضاً، 83/5

7۔ ایضاً، 410/5

8۔ ایضاً، 454/5

9۔ ایضاً، 475/5

بعض اوقات ابن عطیہ شرائط نسخ کو مد نظر رکھتے ہوئے بحث کرتے ہیں جیسے اس آیت مقدسہ ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾[1] کے منسوخ ہونے کے قول پر کہ یہ اس آیت ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾[2] سے منسوخ ہے پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''وھذا لایصح عندی علی ابن عباس،لانہ خبر لاینسخ، ولأن شروط النسخ لیست ھنا''[3]

ترجمہ: میرے نزدیک حضرت ابن عباسؓ سے مروی یہ بات درست نہیں کہ یہ منسوخ ہے کیوں کہ اس آیت میں خبر دی جارہی ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوتی اور یہاں نسخ کی شرائط مفقود ہیں۔

جمہور علماء کا یہی نقطہ نظر ہے[4] کہ یہاں نسخ کا قول درست نہیں ہے۔

اس تمام بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ ابن عطیہ نے ناسخ و منسوخ کے علم میں جمہور علماء کا نقطہ نظر اپنایا ہے اور بحث کرتے وقت نسخ کی تعریف اور شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے دلائل دیئے ہیں جہاں ممکن ہو سکا مختلف اقوال میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی اور اگر ایسا نہ ہو سکا جو قول آپ کے نزدیک صحیح تھا اس کو ضبط تحریر میں لایا ہے اور آپ نے علمی انداز میں اس موضوع پر اپنی تفسیر میں بحث کی ہے۔ ابن عطیہ نے دوران تفسیر مباحث سیرت کو نقل کرتے وقت جمہور مفسرین کے اصولوں کو ہی مد نظر رکھا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ روایات کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ نقل کریں اور بعض مقامات پر ماخذ کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور سیرت ابن اسحٰق اور ابن ہشام کا حوالہ بھی دیا ہے۔ المختصر آپ کی تفسیر مباحث سیرت پر تحقیق کی مناسبت سے اہمیت کی حامل ہے۔

1۔ النجم:39

2۔ الطور:2

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/266

4۔ الاندلسی، **البحر المحیط**، 8/164/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 26/157

فصل سوم: تفسیر ابی السعود میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج

قاضی ابو السعود کی تالیف لطیف تفسیر بالرائے المحمود رجحان کی معروف و متداول تفسیر ہے تفسیر بالرائے المحمود میں ایک مفسر اصول تفسیر کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی اجتہادی کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآن مجید کی تفسیر کرتا ہے۔

مبحث اول: تفسیر بالرائے کا مفہوم

رائے سے مراد یہاں اجتہاد ہے کہ جب مفسر کلام عرب، عربی الفاظ اور ان کی وجوہ دلالات سے آگاہ ہونے کے بعد ضرورت کے پیش نظر شعر جاہلی سے استفادہ کرتے ہوئے اسباب نزول بمعہ ناسخ و منسوخ اور اس کے علاوہ دیگر ان تمام علوم کی معرفت کے حصول کے بعد جو تفسیر کیلئے ضروری ہیں کو سامنے رکھتے ہوئے تفسیر کرتا ہے [1]

تفسیر بالرائے المحمود کے لئے یہ بھی اہم ہے کہ مذکورہ امور سے واقفیت اور ان کی علمی تطبیق کے ساتھ ساتھ وہ تفسیر کتاب و سنت کے موافق بھی ہو قرآن و سنت کی تعلیمات کی روح کے مطابق ہو اسی بحث کے تحت محمد حسین الذہبی نقل فرماتے ہیں:

مع موافقة الكتاب والسنة و مراعاة سائر شروط التفسير وهذا القسم جائز لاشک فيه[2]

ترجمہ: کلام عرب کی موافقت کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت کے بھی موافق ہو اور تفسیر کی تمام شرائط کی بھی رعایت کرتی ہو ایسی تفسیر کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

تفسیر ابی السعود کا تعلق اسی جائز اور المحمود قسم سے ہے یہی وجہ ہے کہ دکتور ذہبی نے تفسیر بالرائے الجائز جسے وہ المحمود بھی کہتے ہیں کی اہم کتب تفاسیر کی فہرست کا تذکرہ ترتیب زبانی سے کیا ہے جس میں نویں نمبر پر تفسیر "ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم لابی السعود کو بیان کیا ہے [3]

بعد ازاں ہر ایک پر تفصیلاً بحث کی ہے۔ تفسیر ابی السعود میں قرآن مجید کے بلاغی اور جمالی پہلو پر ترجیحاً بحث کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں عقائد، فقہ اور علوم القرآن سے متعلقہ مباحث و مطالب پر بھی لائق مطالعہ ابحاث موجود ہیں۔ زیر تحقیق مقالہ میں تفسیر کے عمومی منہج پر بحث کی بجائے مباحث سیرت کے حوالے سے مناہج پر تحقیق کی جائے گی۔

1۔ الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 1/ 183

2۔ ایضاً، ص188

3۔ ایضاً، ص206

بلاشبہ تفسیر ابی السعود میں روایات بھی کثیر تعداد میں منقول ہیں اور سیرت طیبہ کی مناسبت سے بھی لائق تحقیق مواد موجود ہے جس طرح گزشتہ صفحات میں تفسیر المحرر الوجیز میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج کا تجزیاتی مطالعہ کیا اسی اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے تفسیر ابی السعود میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

مبحث دوم: مباحث سیرت کے اصول و مناہج

قاضی ابو السعود نے وہ آیات کریمہ جن کے ضمن میں سیرت پر بحث کی ہے دوران بحث روایات و آثار کو نقل کرنے کے علاوہ اسباب نزول ناسخ و منسوخ اور قراءات کو بھی موضوع تحقیق بنایا ہے سیرت پر تبصرہ کرتے وقت روایات پر انحصار کرنا پڑتا ہے اس لئے تفسیر ابی السعود میں مباحث سیرت کے مناہج پر بحث کرتے وقت اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ قاضی ابو السعود تفاسیر بالماثورہ کی طرح روایات و آثار صحابہؓ سے بھی بھرپور استشہاد و استدلال کرتے ہیں۔ کتب حدیث سے حوالہ جات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ کتب سیرت سے بھی روایات نقل فرماتے ہیں اور کتاب اور امام کا بطور ماخذ تذکرہ کرتے ہیں۔ وقائع سیرت کی توضیح میں اشعار بھی نقل کرتے ہیں مختلف قبائل کی لغت کو ذکر کرنے کے علاوہ معانی کی تعیین میں احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ذیل میں مذکورہ امور پر تفصیلی تبصرہ و تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔

1۔ تفسیر القرآن بالقرآن

یہ امر قابل توجہ ہے کہ تفسیر ابی السعود جو تفسیر بالرائے المحمود کی مناسبت سے معروف و متداول ہے تو اس کا منہج اس ترتیب سے کس طرح ممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زیر تحقیق مقالہ کا تعلق مباحث سیرت سے ہے جس میں عقلی دلائل کے ساتھ نقلی دلائل بھی پیش کئے جائے ہیں اور امام ابو السعود نے دوران تفسیر اس منہج کو اپنایا ہے جس کا اظہار تفسیر کا بغور جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے ذیل میں بطور نمونہ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں ایک اور آیت مقدسہ نقل کرتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾[1]

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعویدار ہو تو پس میری پیروی کرو۔

یہ آیت کس جماعت کی بابت نازل ہوئی جو یہ دعویٰ کر رہی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتی ہے تو اس جماعت سے اس دعویٰ کی صداقت پر بطور دلیل یہ مطالبہ کیا گیا کہ اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحیح معنوں میں پیروکار بن جاؤ۔ ایک قول کے مطابق وہ یہود کی جماعت تھی۔

1۔ آل عمران: 31

امام ابو السعود نقل کرتے ہیں:

"روی انھا نزلت لما قالت الیھود:﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُااللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ﴾[1]

ترجمہ: یہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا کہ ہم (اللہ تعالیٰ کے بیٹے معاذ اللہ) اور محبوب ہیں۔[2]

علاوہ ازیں آپ دیگر اسباب نزول بھی ذکر فرماتے ہیں:"و قیل نزلت فی وفد نجران لماقالوا: انا نعبد المسیح حبا للہِ تعالیٰ"[3]۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا سبب نزول وفد نجران ہے جب انہوں نے کہا کہ ہم مسیحؑ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں۔ اور یہ سبب نزول بھی بتلایا ہے کہ جب حضور ﷺ نے قریش کے گروہ کو کہا کہ تم نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی مخالفت کی ہے توجواباً انہوں نے کہا:

"فقالت قریش: انما نعبدھا حباً اللہ تعالیٰ لیقربونا الی اللہ زلفی"[4]

ترجمہ: قریش نے کہا کہ ہم نے ان کی عبادت اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں تاکہ وہ ہماری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کریں۔

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

﴿مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی﴾[5]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہودیوں کا دعویٰ کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور قریش کا یہ کہنا کہ ہم بتوں کی پوجا فقط اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمارے سفارشی بنیں یہ اقوال ذکر فرماتے ہیں اور ان دونوں کو قاضی ابو السعود نے:﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ کی تفسیر کے ضمن میں نقل فرمایا ہے۔اسی طرح قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ جو جمیع امم پر بطور گواہ لائے جائیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ م بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَابِکَ عَلٰی ھٰؤُلَآءِ شَھِیْدًا﴾[6]

ترجمہ: تو کیا حال ہوگا ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور اے حبیب ﷺ) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ۔

اس آیت کا تعلق خصائص مصطفیٰ ﷺ سے ہے اور اس کی تفسیر کے تناظر میں قاضی ابو السعود نے ان دو

1۔المائدہ:18

2۔ابو السعود،**ارشاد العقل السلیم**،1/422

3۔ایضاً

4۔ایضاً

5۔الزمر:3

6۔النساء:41

آیات کو بھی نقل فرمایا ہے:

﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ﴾[1]

ترجمہ: اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ کا کلام نقل فرمایا ہے اور دوسری یہ آیت قاضی ابو السعود نے ذکر فرمائی ہے:

﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا[2]﴾[3]

ترجمہ: تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو۔

قاضی ابو السعود نے اس مقام پر ایک آیت کی تفسیر میں دو اور آیات کو پیش فرمایا ہے جو کہ تفسیر القرآن بالقرآن منہج کی تعریف میں آتا ہے مزید بر آں اس آیت کی تفسیر میں بھی آپ نے یہی منہج اپنایا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾[4]

ترجمہ: تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

اس آیت مقدسہ میں حضور ﷺ کی تکذیب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کی تکذیب سے تعبیر فرمایا ہے اس کی تفسیر میں قاضی ابو السعود کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے غمزدہ ہونے پر آپ کو تسلی دی ہے اور آپ کی اپنی بارگاہ میں جلالت اور قدر و منزلت کو ظاہر فرمایا ہے"[5]۔ مزید بر آں آپ نے اس آیت کی تفسیر میں دو اور آیات کو رقم فرمایا ہے۔ اس بات کی توضیح میں کہ حضور ﷺ کی تکذیب اللہ تعالیٰ کی تکذیب کے مترادف ہے جیسے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾[6]"

ترجمہ: جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی۔

قاضی ابو السعود منصب رسالت کے درجہ کمال کو واضح کرنے کے لئے یہ آیت ضبط تحریر میں لاتے ہیں:

1۔ المائدہ:117

2۔ البقرہ:143

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 163/2

4۔ الانعام:33

5۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 439/2

6۔ النساء:80

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ[1]﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ) سے بیعت کرتے ہیں۔[2]

قاضی ابو السعود نے یہاں پر نبوت ورسالت کے مقام ومرتبہ کی توضیح کرتے ہوئے ایک آیت کی تفسیر میں دو اور آیات کو نقل فرمایا اور یہ چیز تفسیر القرآن بالقرآن کی مظہر ہے۔ مذکورہ مثالوں کے علاوہ تفسیر ابی السعود کے متعدد مقامات اس امر کے شاہد ہیں کہ آپ تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول و منہج سے بھی بھرپور استفادہ کرتے ہیں بطور نمونہ ”صرف جلد نمبر 3 سے مباحث سیرت سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے“[3]

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قاضی ابو السعود نے سیرت طیبہ سے متعلقہ آیات کی تفسیر کرتے وقت تفسیر القرآن بالقرآن کے منہج کو بھی اپنایا ہے آپ کے اس منہج کو منظر عام پر نہ آنے کا سبب یہ ہے کہ دوران تفسیر قرآن مجید کے بلاغی اور جمالی پہلو پر اتنے خوبصورت پیرائے میں روشنی ڈالتے ہیں کہ قاری اسی میں منہمک ہو کر تفسیر کے دیگر پہلوؤں سے صرف نظر کر لیتا ہے جب کہ ان دیگر پہلوؤں پر بھی قاضی ابو السعود نے سیر حاصل بحث کی ہوتی ہے جیسے آپ نے تفسیر القرآن بالقران کے باب میں کی ہے۔

2۔ تفسیر القرآن بالحدیث

تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ حضور ﷺ کی احادیث ہیں۔ تفسیر ابی السعود جو کہ تفسیر بالرائے المحمود ہے میں حضور ﷺ کے فرمودات و معمولات عالیہ بکثرت نقل ہوئے ہیں۔ احادیث کو نقل کرتے وقت قاضی ابو السعود نے کتب صحاح پر اعتماد کے علاوہ دیگر کتب حدیث پر بھی اعتماد کیا ہے۔ احادیث صحیحہ بھی بکثرت نقل فرمائی ہیں مگر اس کے باوجود ضعیف روایات بھی کثیر تعداد میں ذکر کی ہیں بلکہ موضوع روایات بھی ایک خاص تعداد میں موجود ہیں جنہیں آپ نے زیادہ تر تفسیر کشاف کے تتبع میں سورتوں اور آیات کے فضائل میں نقل فرمایا ہے بسا اوقات ماخذ کا حوالہ بھی دیتے ہیں مگر زیادہ تر بغیر ماخذ کے تذکرہ کے نقل کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں کتب سیرت سے بھی ان کا حوالہ دیتے ہوئے روایات پیش فرمائی ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جس سے آپ کا منہج تفسیر القرآن بالحدیث واضح ہو گا اولاً یہ امر کہ کتب صحاح سے کیسے احادیث کو نقل کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[4]

ترجمہ: اے حبیب ﷺ) آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔

1۔ الفتح:10

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/439

3۔ دیکھیے: ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/137، 142، 176، 218، 274، 333، 360، 461، 497

4۔ البقرہ:144

سیرت طیبہ میں اس بحث کا تعلق آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فضائل و مناقب سے ہے کی تفسیر میں قاضی ابو السعود نے متفق علیہ روایت نقل فرمائی ہیں: "حضرت براء ابن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مدینہ تشریف لائے تو سولہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرتے رہے پھر آپ کا رخ کعبہ کی طرف موڑا گیا"[1]

اسی طرح ایک اور مقام پر ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾[2] "الصلواۃ الوسطیٰ کی تفسیر میں جو روایت لاتے ہیں اس کا تعلق "غزوہ احزاب" کے دن سے ہے

1-"وهى صلوة العصر لقوله ﷺ يوم الاحزاب مَلأَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطَى)[3]

ترجمہ: الصَّلٰوۃ الْوُسْطٰی سے مراد نماز عصر ہے جیسے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غزوہ احزاب کے دن فرمایا کہ انہوں کافروں) نے ہمیں نماز عصر ادا نہ کرنے دی اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔

تفسیر ابی السعود میں مباحث سیرت کے ضمن میں "متفق علیہ" روایات کئی مقامات پر سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے[4] اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح روایات کو پیش کرنا آپ کے لئے کتنا اہم تھا علاوہ ازیں صحیح بخاری و مسلم سے متفق علیہ روایات کے علاوہ انفرادی نوعیت کی درجنوں احادیث ہیں جنہیں آپ نے دوران تفسیر نقل فرمایا ہے[5] اور دیگر کتب صحاح سے احادیث کو روایت کرنے کی بھی آپ نے خوب کاوش فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ﴾[6]

ترجمہ: اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمہارا ایمان۔

آپ اس آیت کا شان نزول یہ نقل کرتے ہیں کہ "جب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کعبہ کی جانب رخ کرکے نماز کی ادائیگی شروع کی تو یہودیوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس سے قبل جو مسلمانوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھی ہیں ان کا کیا ہوگا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی[7] کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/253 /۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب سیقول السفہاء، ح4486، مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب تحویل القبلۃ، ح525

2۔ البقرۃ:238

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/334 /۔ البخاری، **الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، ح 2981 /۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب المساجد و مواضع، الصلوٰۃ باب التغلیظ فی تفویت صلوٰۃ العصر، ح627

4۔ دیکھیے، ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/454، 456، 2/36، 91، 190، 209

5۔ ایضاً، 1/225، 230، 250، 295، 298، 378، 2/57، 60

6۔ البقرہ:143

7۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/252

کرے گا آپ نے سبب نزول پر جو روایت نقل کی ہے جامع الترمذی اور سنن ابی داوٗد میں ہے [1] اسی طرح ﴿**الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ**﴾ [2] کی تفسیر میں نجران کے عیسائیوں کے وفد کی بارگاہ رسالت میں تشریف لانے کا واقعہ بیان کیا ہے [3] جسے ابوداوٗد، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے [4]۔

صحاح ستہ سے چند مثالیں پیش کرنے کا مقصد اس امر کو واضح کرنا تھا کہ آپ نے دوران تفسیر کس حد تک احادیث کو پیش کیا۔ اس مقام پر مکمل تفسیر سے ان کا احاطہ کرنا قدرے مشکل ہے بس یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ نے کتب صحاح سے بھرپور استفادہ کیا۔

مذکورہ کتب سے روایات نقل کرتے وقت اکثر اوقات حوالہ جات کا تذکرہ نہیں کرتے آپ کا زیادہ تر یہی منہج ہے کہ آپ روایت کو نقل کر دیتے ہیں نہ ہی ماخذ کا بالتفصیل ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث پر حکم لگاتے ہیں جو اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ روایات کی تحقیق و تخریج آپ کے نزدیک اہم نہ تھا بلکہ قرآن کے بلاغی پہلو کو اجاگر کرنا آپ زیادہ ضروری سمجھتے تھے دوران تحقیق اس حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ بعض اوقات ماخذ کا ذکر تو کرتے ہیں مگر مکمل معلومات فراہم نہیں کرتے جیسے آپ نقل فرماتے ہیں: "**ماروی البخاری فی حدیث الرؤیا**" [5]

جسے امام بخاری نے حدیث رؤیا میں روایت کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نماز فجر پڑھنے کے بعد صحابہؓ سے پوچھا کرتے تھے کہ آج رات ہم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا اس مقام پر صرف اتنا حوالہ دیا کہ "روی البخاری" باقی کتاب اور باب کا ذکر نہیں کیا اسی طرح ایک اور مقام پر بیان کرتے ہیں

"**و فی صحیح البخاری**" [6] "**وروی الترمذی**" [7] "**وقد روی مسلم فی صحیحہ عن ابن مسعود مرفوعا**" [8]

1۔ الترمذی، **الجامع**، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان، ح4680

2۔ آل عمران:2

3۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/394

4۔ الترمذی، **الجامع**، کتاب الدعوات، باب جامع الدعوات، ح3478 /۔ ابوداوٗد، **السنن**، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء، ح1496 /۔ ابن ماجہ، **السنن**، کتاب الدعاء، باب اسم اللہ الاعظم، ح3856

5۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/225 /۔ البخاری، **الجامع**، کتاب الجنائز، باب 93 (اس کا الگ سے نام نہیں ہے بلکہ ماقبل باب "ماقیل فی اولاد المشرکین) کی فصل کے طور پر ہے بحوالہ (عسقلانی، **فتح الباری**، 3/252)، ح1386

6۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/226

7۔ ایضاً، 2/21

8۔ ایضاً، 6/457

مکمل معلومات نہیں نقل کی اسی انداز کی اور بھی مثالیں ہیں جسے آپ بیان کرتے ہیں:

"ذكره النووی فی تهذیب الاسماء واللغات و الازرقی فی تاریخه----و ذكره البیهقی فی دلائل النبوة"[1]

امام نووی نے اسے (یعنی کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بارے میں کہ اسے کتنی بار تعمیر کیا گیا) تہذیب الاسماء واللغات میں الازرقی نے اپنی تاریخ یعنی اخبار مکۃ میں اور امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں ذکر کیا ہے حوالہ جات کی نوعیت بس یہ ہے اور اس تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کتب صحاح کے علاوہ دیگر کتب سے بھی دوران تفسیر استفادہ کرتے ہیں روایت کرتے وقت صحابی کا تذکرہ کرتے ہیں اور زیادہ تر روایات "قوله ﷺ" "وروی" کے تمہیدی کلمات کے ساتھ ذکر کرتے ہیں سب سے زیادہ روایات تفسیر طبری سے لی ہیں اور مباحث سیرت سے متعلقہ روایات کو کتب حدیث سے نقل کرنے کے علاوہ کتب سیرت سے بھی نقل کیا ہے جیسے اس آیت ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾[2] کا شان نزول عبد اللہ ابن ابی کا صحابہ کرام کی جماعت سے منافقت پر مبنی مکالمہ سیرۃ ابن اسحٰق[3] کے حوالے سے ذکر کیا ہے[4]۔

اسی طرح دیگر کتب سیرت مثلاً: سیرت ابن ہشام، المغازی للواقدی، دلائل النبوۃ بیہقی، الروض الانف، ابن سعد اور ابو نعیم کی دلائل النبوۃ سے واقعات سیرت کو بیان فرمایا ہے اور ان سے نقل کرتے وقت بہت کم ان کا حوالہ دیتے ہیں روایات سیرت کو اخذ کرتے وقت سب سے زیادہ اعتماد تفسیر طبری اور تفسیر ابن ابی حاتم پر کیا ہے اور یہ بات بھی اہم ہے وہ واقعات سیرت ابن اسحٰق اور واقدی میں بھی مذکور ہوتے ہیں آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ تجزیہ کرتے ہوئے ان امور کو زیر بحث لایا جائے گا اور اگر کسی مبحث سیرت کو سبب نزول کے تحت بیان کرنا ہو تو زیادہ تر اسباب النزول للواحدی" سے روایت کرتے ہیں۔

المختصر خلاصہ بحث یہ ہے کہ تفسیر مذکور میں بکثرت روایات منقول ہیں جس میں کثیر تعداد میں صحیح روایات ہیں وہاں کافی حد تک ضعیف بلکہ موضوع روایات بھی پائی جاتی ہیں جن پر سیر حاصل بحث مباحث سیرت پر تحقیق کے دوران آمدہ ابواب وفصول میں کی جائے گی۔

3۔ تفسیر القرآن بأقوال الصحابۃ رضی اللہ عنہم

قاضی ابو السعود نے قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت صحابہ کرامؓ کے اقوال سے بھی استشہاد کیا ہے جو اس

1۔ ابو السعود، ارشاد العقل السلیم، 1/ 232

2۔ البقرہ: 14

3۔ ابن اسحٰق، السیرۃ النبویۃ، 1/ 332

4۔ ابو السعود، ارشاد العقل السلیم، 1/ 76

امر کا غماز ہے کہ آپ کی تفسیر بلاغی اور جمالی پہلوؤں کی توضیح کے ساتھ ساتھ آثار اور روایات سے بھی معمور ہے جو کہ تفسیر کی جامعیت کا بھی مظہر ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآئَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا﴾[1]

ترجمہ: اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے فتح مانگتے تھے کافروں پر اس نبی کے وسیلہ سے)۔

کی تفسیر میں آپ نقل فرماتے ہیں:

"قال ابن عباس--- نزلت في بني قريظه و النضير كانوا يستفتحون على الاوس و الخزرج برسول الله ﷺقبل مبعثه"[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو قریظہ اور بنو نضیر مدینہ المنورہ میں آباد یہود قبائل) کے بارے میں نازل ہوئی وہ اوس اور خزرج کے مقابلے میں آپ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ کے توسل سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا مذکورہ قول ان ائمہ تفسیر نے بھی بیان کیا ہے[3] تفاسیر بالماثورہ کی مانند صحابہ کرامؓ کے اقوال تفسیر ابی السعود میں منقول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾"[4]

ترجمہ: اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزاء عطا فرمائے گا۔

اس آیت مقدسہ میں حضور ﷺ کے انتقال پر ملال پر صحابہ کرامؓ کی کیفیات کا بیان ہے کہ حضور کے وصال کی خبر صحابہؓ کیلئے صدمہ جانکاہ کا باعث تھی مگر اس وقت بعض صحابہ کرامؓ کا عمل صبر و شکر والا تھا جسے قاضی ابو السعود تحریر کرتے ہیں:

"وروى عن ابن عباس أن المراد بهم الطائعون لله تعالىٰ من المهاجرين و الانصار"[5]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شاکرین سے مراد مہاجرین اور انصار کے وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

1۔ البقرہ:89

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 189

3۔ ابن عطیہ، المحرر الوجیز، 1/ 178، /۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 1/ 326

4۔ آل عمران، 144

5۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/ 51

آپ مزید حضرت علیؓ کا یہ قول ذکر کرتے ہیں:

"وعن علی ابوبکر و اصحابه أنه قال ابوبکر من الشاکرین"[1]

ترجمہ: اس سے مراد حضرت ابو بکرؓ اور آپ کے اصحاب ہیں اور آپ ہی سے مروی ہے کہ ابو بکر شاکرین میں سے ہیں۔

حضرت علیؓ کا یہ قول ابن عطیہ الاندلسی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں قلم بند فرمایا ہے[2]

قاضی ابوالسعود نے تفسیر کرتے وقت دیگر مفسرین کی طرح صحابہؓ کے اقوال کو پیش کرنے کی سعی جمیلہ بھی فرمائی آپ ایک اور مقام پر نقل کرتے ہیں:

" قال عمر: قدعرفنا ذلک الیوم والمکان الذی أنزلت فیه علی النبی علیه الصلوٰة والسلام"[3]

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اس دن اور مکان کو جانتے ہیں جس میں یہ آیت ﴿**اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ**﴾[4] نازل ہوئی۔

اور اس آیت مقدسہ

﴿**وَاذْکُرُوْا نِعْمَةَاللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَمِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ**﴾[5]

ترجمہ: اور تم پر اللہ کی جو نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا۔

کی تفسیر میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

" هو المیثاق الواقع لیلة العقبة فی بیعة الرضوان"[6]

ترجمہ: یہ وہ میثاق ہے جو بیعت عقبہ کی رات اور بیعت رضوان کے وقت لیا گیا۔

قاضی ابوالسعود نے اس آیت کی تفسیر میں صرف قول نقل فرمایا ہے اس کا حوالہ نہیں دیا کہ یہ کس کا قول ہے جبکہ ابن عطیہ نے اسی آیت کی تفسیر میں یہی قول "حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے"[7] تفسیر ابو السعود کا یہ پہلو تشنہ ہے کہ اس میں حوالہ جات کم مذکور ہیں قاضی ابوالسعود نے دوران تفسیر صحابہ کرامؓ کے اقوال کو

1-ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 51/2

2۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 517/1

3۔ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 283/2/۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 154/2

4۔المائدہ: 3

5۔المائدۃ: 7

6۔ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 289/2

7۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 165/2

وقائع سیرت کے ضمن میں جا بجا نقل فرمایا ہے جس کا ملاحظہ تفسیر کے متعدد مقامات پر سے کیا جا سکتا ہے[1] سب سے زیادہ اقوال حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرمائے ہیں اور اگر ایک آیت کی تفسیر میں ایک سے زیادہ اقوال نقل فرمائے تو ان کے درمیان ترجیح قائم نہیں کرتے۔

4۔ تفسیر القرآن باقوال التابعین رحمۃ اللہ علیہم

قاضی ابو السعود نے تفسیر کرتے وقت تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال بھی پیش فرماتے اگرچہ ان کا تناسب تفسیر المحرر الوجیز کی نسبت کم ہے آپ نے زیادہ تر اقوال حضرت مجاہد اور حضرت عکرمہؒ سے نقل فرمائے ہیں۔ اقوال نقل کرتے وقت ان کی صحت وضعف کا حکم نہیں لگاتے اور نہ ہی زیادہ تر ترجیح قائم کرتے ہیں اور نہ ہی تجزیہ کرتے ہیں صرف اس امر کی نشاندہی کر دیتے ہیں کہ زیادہ اقوال اس موقف کے تناظر میں ہیں جیسے حرمت کے کے مہینوں میں قتال کی ممانعت پر حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کرتے ہیں: ”لوگوں کے لئے حرم میں اور حرمت کے مہینوں میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے“[2]۔ مزید بر آں آپ حضرت عطاء کا یہ موقف نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ- قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ [3]

ترجمہ: وہ آپ ﷺ سے حرمت کے مہینوں میں قتال کے متعلق پوچھتے ہیں تو اے حبیب ﷺ) آپ فرما دیں کہ اس ماہ) میں قتال بڑا گناہ ہے۔

منسوخ نہیں ہے اس کے بعد قاضی ابو السعود رقمطراز ہیں:

”واكثر الاقاويل انها منسوخة بقول تعالى:﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَ جَدْ تُّمُوْهُمْ﴾[4]

ترجمہ: پس تم مشرکین سے قتال کرو جہاں تم انہیں پاؤ۔ اکثر اقوال یہ ہیں یہ اس آیت سے منسوخ ہے۔[5]

آپ کی اکثر اقوال سے مراد تابعین کے اقوال ہیں کیوں کہ ”ابن عطیہ نے ان کے اسماء کا تذکرہ کیا ہے“[6] جب کہ آپ نے صرف ”اکثر الاقوال“ لکھا ہے اور حضرت عطاء کے قول پر نہ ضعف کا حکم لگایا اور نہ ہی دیگر اقوال کے راجح ہونے پر کلام کیا اور اسی طرح آپ اس فرمان الٰہی:

1۔ دیکھئے، ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/135، 136، 153، 195، 209، 210، 410، 4/93، 116، 281، 340، 5/63، 108، 297، 362، 6/85، 177، 510

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/309

3۔ البقرہ: 217

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/309

5۔ التوبۃ: 05

6۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/290

﴿يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْ﴾[1]

ترجمہ: اور وہ اس سے قبل فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے)۔

کے تحت تابعین کا قول نقل کرتے ہیں

"قال ابن عباس و قتادة والسدی: نزلت فی بنی قریظه والنضیر"[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس، قتادۃ اور السدی کا قول ہے کہ یہ آیت بنی قریظہ اور بنی النضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ابن عطیہ اس آیت کے تحت بحث کرتے ہیں کہ بنو قریظہ اور بنو النضیر کا اوس و خزرج کے مقابلہ میں یہ طرز عمل تھا کہ وہ حضور کے توسل سے فتح مانگا کرتے تھے[3] باقی ابن عطیہ اس ضمن میں تابعین میں سے کسی کا قول ذکر نہیں کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہؒ کا مذکورہ قول نقل فرمایا ہے اور یہ بحث بھی کی ہے کہ:

"عن ابن عباس أن یهودا کانوا یستفحون علی الاوس والخزرج برسول الله ﷺقبل مبعثه"[4]

ترجمہ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہود اوس و خزرج کے مقابلے میں حضور ﷺ کے وسیلہ سے فتح مانگا کرتے تھے۔

تفسیر ابی السعود میں مباحث سیرت کے ضمن میں تابعین کے اقوال جابجا ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں[5] اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دوران تفسیر تابعین کے اقوال کو نقل کرنے کا منہج بھی اپنایا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ آپ نے تفسیر کرتے وقت اگرچہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال سے استفادہ کیا ہے مگر ابن عطیہ کی طرح زیادہ اقوال نقل نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے مابین صحت و ضعف کا حکم ترجیح اور تجزیہ و تبصرہ کرتے ہیں۔ مباحث سیرت کے علاوہ بعض مقامات پر آپ نے صحیح اقوال کی نشاندہی فرمائی ہے جیسے سات زمینوں کی تخلیق کی نوعیت کے حوالے سے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں آسمانوں کی طرح یا ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہیں آپ نے جمہور کا یہ الگ الگ ہیں موقف نقل فرمایا جب کہ ضحاک کا یہ موقف بیان فرمایا کہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں اس کے بعد آپ نقل کرتے ہیں:

1۔ البقرہ:89

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/189

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/178

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 1/326

5۔ دیکھیے، ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/220، 225، 2/27، 119، 185، 348، 381، 480، 3/410، 4/67، 136، 153، 262، 281، 430، 5/30، 63

"قال القرطبی والاول أصح"[1]

ترجمہ: امام قرطبی فرماتے ہیں کہ پہلا جمہور کا) قول صحیح ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر یہی اسلوب اختیار کرتے ہیں: "والصحیح هو الاول"[2]۔

قاضی ابوالسعود کا یہ منہج مباحث سیرت کے تحت نظر نہیں آتا۔ المختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے دوران تفسیر تابعین کے اقوال بھی پیش فرمائے ہیں۔

5۔ لغوی، نحوی استدلالات اور مباحث سیرت

قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت مفسرین لغوی و نحوی استشہادات کو بھی مد نظر رکھتے ہیں تاکہ قرآن مجید کا فہم صحیح معنوں میں حاصل ہو سکے۔ قاضی ابوالسعود نے لغوی و نحوی مباحث کو ترجیحی بنیادوں پر زیر تحقیق لایا ہے اور وقائع سیرت کے ضمن میں آپ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان[3] کی روشنی میں آپ تحریر کرتے ہیں:

"والملائکة جمع ملک باعتبار أصله الذی هو ملأک علیٰ أن الهمزة مزیدة کالشمائل فی جمع شمال"[4]

ترجمہ: ملائکہ ملک کی جمع ہے اپنے اصل کے اعتبار سے وہ ملاک ہے اسی بنیاد پر ہمزہ زائد ہے جیسے شمائل جو کہ شمال کی جمع ہے۔

آپ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ "ملائکہ" میں ہمزہ کا آنا اس وجہ سے ہے اس کے واحد ملاک میں ہمزہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جمع میں حروف اصلیہ لوٹ کر آجاتے ہیں اس مثال کو ذکر کرنے کا سبب لفظ "شمائل" ہے جو کہ سیرت طیبہ کا عنصر ہے۔ علاوہ ازیں ابوحیان الاندلسی نے بھی ملائکہ کی لغوی بحث اس طرح کی ہے[5]۔ اس آیت مقدسہ:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾[6]

ترجمہ: فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں۔

کے تحت نحوی استدلالات پیش کرتے ہیں:

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/259، 283/۔ القرطبی، **الجامع لأحکام القرآن**، 21/64

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/475

3۔ البقرہ:30

4۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/124

5۔ الاندلسی، **البحر المحیط**، 1/284

6۔ البقرہ:216

”حالية أي والحال أنه مكروه لكم طبعاً على أن الكره مصدر“[1]

یہ جملہ (وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ) حال ہے یعنی تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اس حال میں کہ تم اسے ناپسند کرتے ہو اور ”کرہ“ مصدر ہے۔ ابو حیان الاندلسی نے بھی ابو السعود کی طرح اس جملے کو حال اور ”کرہ“ کو مصدر کہا ہے[2] قاضی ابو السعود لغوی اور نحوی توضیحات کا تذکرہ کرتے وقت امام لغت یا نحو کا اکثر اوقات ذکر نہیں کرتے جس سے یہ ابہام باقی رہتا ہے کہ آپ نے یہ توضیح کہاں سے لی ہے اس بحث سے قطع نظر کہ آپ لغوی و بلاغی تشریح کرتے وقت تفسیر کشاف اور بیضاوی پر اعتماد کرتے ہیں اور بعض اوقات اماموں کے نام کا بھی تذکرہ کرتے ہیں جیسے ”لیس“ کی توضیح میں رقم فرماتے ہیں:

”أو اسم للسورة كما نص عليه الخليل وسيبويه“[3]

علاوہ ازیں دیگر کئی مقامات پر بھی آپ نے ایسا کہا ہے اور ”عند الکوفین“ اور جمہور البصرین“ کی تراکیب کو بھی استعمال کیا ہے[4]۔ قاضی ابو السعود کا یہ بھی منہج ہے کہ بعض اوقعات کسی لفظ کا معنی متعین کرتے وقت حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ﴾[5]

ترجمہ: (اور شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنہیں شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے۔

اس کی تفسیر میں مکلبین معنی کے تعین میں حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں:

”لأن كل سبع يسمى كلباً لقوله ﷺفي حق عتبة بن ابى لهب حين اراد الشام فقال النبى ﷺ اللهم سلط عليه كلباً من كلابک [6] فاكله الاسد“[7]

ترجمہ: بے شک ہر چیر نے پھاڑنے والے درندے کو کتا کہا جا سکتا ہے جیسے حضور ﷺ نے ابو لہب کے بیٹے عتبہ کے لئے کہا تھا جب اس نے شام جانے کا ارادہ کیا کہ اے اللہ اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط کر دے اور اسے شیر نے کھایا تھا۔

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/309

2۔ الاندلسی، **البحر المحیط**، 2/152

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/303

4۔ دیکھیے، ایضاً، 1/327، 2/208، 317، 364، 383، 527

5۔ المائدہ: 4

6۔ الحاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، تحقیق: مصطفی عبد القادر (لبنان: دار الکتب العلمیہ س ط ندارد) **المستدرک علی الصحیحین**، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورة ابی لہب، ح 3984، صحیح الاسناد

7۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/284

قاضی بیضاوی نے بھی قاضی ابو السعود کے مطابق تحقیق پیش کی ہے [1]۔ قاضی ابو السعود ایک اور مقام پر اس آیت

﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾[2]

ترجمہ: جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے۔

کی تفسیر کرتے ہوئے لفظ "الامی" کی لغوی و نحوی تشریح کرتے ہوئے حدیث سے استدلال کرتے ہیں آپ تحریر فرماتے ہیں:

"الامی بضم الهمزة نسبة الی الام کأنه باق علیٰ حالته التی ولد علیها من أمه او الی أمة العرب کما قال ﷺ" انا أمة لانحسبُ ولَانَكْتُبُ"[3]"[4]

ترجمہ: ہمزہ کے ضمہ کیساتھ ماں کی طرف نسبت ہے گویا آپ وقت پیدائش کی حالت پر ہیں کہ آپ نے ابھی تک کسی سے کچھ نہیں پڑھا یا اس کی نسبت "امۃ العرب" کی طرف ہے جیسے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم ایسی امی قوم ہیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔

اسی ضمن میں آپ مزید نحوی استدلال پیش کرتے ہوئے تحریر پرداز ہیں:

"والموصول بدل من الموصول الاول بدل الکل أو منصوب علی المدح"[5]

ترجمہ: اور اسم موصول اول اموصول کا بدل کل ہے یا یہ مقام مدح کی وجہ سے منصوب ہے۔

مذکورہ بحث کا لب لباب یہ ہے کہ قاضی ابو السعود نے لغوی و نحوی استدلالات کے ذریعے بھی دوران تفسیر مباحث سیرت پر روشنی ڈالی ہے جس پر تفسیر کے کئی مقامات شاہد و عادل ہیں [6] اس انداز کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک لفظ کا مکمل پس منظر اور دائرہ کار واضح ہو جاتا ہے جس سے اس کا فہم و ادراک آسان ہو جاتا ہے آپ نے جہاں مناسب سمجھا وہاں اس طرح کی بحثیں کی ہیں اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی تفسیر مباحث سیرت کے ضمن میں لغوی و نحوی تحقیقات سے بھی معمور ہے۔

6۔ بلاغت، نظم قرآنی اور مباحث سیرت

1۔ البیضاوی، ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد، **انوار التنزیل واسرار التاویل** (بیروت: دار الرشید، الطبعۃ الاولیٰ، 1421ھ)، 1/435

2۔ الاعراف: 157

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لا نکتب ولا نحسب، ح 1913، صحیح بخاری میں یہ ترتیب ہے (انا أمة لانحسبُ ولَانَكْتُبُ)

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/41

5۔ ایضاً

6۔ دیکھیے، ایضاً، 3/43، 89، 131، 183، 219، 279، 510، 4/64، 111، 115، ، 161، 215، 5/67، 163، 221، 303، 331

قاضی ابوالسعود نے قرآن مجید کی بلاغت[1] کے اسرار و رموز اور سیاق و نظم قرآنی[2] کی حکمتوں کو طشت ازبام کرنے کی سعی جمیلہ فرمائی ہے اور اسی بنیاد پر تفسیر کشاف و بیضاوی کے بعد تفسیر ابوالسعود اس پہلو میں منفرد و ممتاز مقام کی حامل ہے اور تفسیر مذکور بلاغت قرآنی کی توضیحات کا بہترین شاہکار ہے۔ آپ نے دیگر موضوعات کی طرح مباحث سیرت پر روشنی ڈالتے وقت ان امور کا خاص خیال رکھا ہے جس کا ادراک تفسیر کے مطالعہ سے خوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿أُولٰئِکَ عَلٰی هدًی مِّنْ رَّبِهِمْ﴾[3]

ترجمہ: وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی توفیق سے۔

ہدایت یافتہ حضرات کی فہرست میں قرآن مجید پر ایمان لانے والا طبقہ بھی ہے اس تناظر میں اس کا تعلق مباحث سیرت کے عنصر "خصائص" سے بنتا ہے اس آیت میں "علیٰ ھدی" پر تفسیر کرتے ہوئے قاضی ابوالسعود نے یہ بحث کی ہے "اوعلیٰ استعارۃالتمسکھم بالھدی استعارۃ تبعیۃ"[4]

اس آیت میں "ھدی" پر علیٰ کا صلہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ان کا ہدایت سے متصف ہونا ایسے ہے جیسے کوئی چیز پر غلبہ پا کر اس میں جس طرح چاہے تصرف کرلے یا ان کا ہدایت کے ساتھ ایک مضبوط تمسک ہے اور اس وقت یہ استعارہ تبعیہ[5] کے معنی میں ہوگا آپ نے اس بلاغی بحث سے ان کے مقام ہدایت کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اور اسی طرح "استعارہ تبعیہ" کی مثال آپ نے ایک اور مقام پر دی ہے"[6]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ﴾[7]

ترجمہ: اور جیسے وحی بھیجی دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کردیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے۔

کے تحت "رُسلاً" کے منصوب ہونے پر بحث ان الفاظ میں کرتے ہیں:

1۔ بلاغت سے مراد مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنا ہے اور حال سے مراد وہ امر ہے جو کسی خاص وجہ سے فصاحت کلام کا داعی ہو (الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص43)

2۔ نظم قرآنی: لغت میں نظم سے مراد موتیوں کو ہار میں پرونا ہے اور اصطلاح میں کلمات اور جملوں میں ایسا جوڑ پیدا کرنا ہے جو عقلی تقاضوں کے مطابق دلالت اور معانی میں مناسبت اور ربط پیدا کرے (الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص23) اور نظم قرآنی سے مراد آیات اور سورتوں کا باہمی ربط و تعلق ہے۔

3۔ البقرہ:5

4۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/58

5۔ استعارۃ تبعیہ سے مراد فعل کا اپنے مصدر کے معنی کے علاوہ کسی اور معنی میں تشبیہ کے طریق پر استعمال ہونا (الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص20)

6۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/87

7۔ النساء:164

"نصب بمضمر یدل علیه او حینا معطوف علیه داخل معه فی حکم التشبیه کما قبله أی و کما أرسلنا رسلاً"[1]

ترجمہ: رسلاً کو نصب اس امر مضمر کی وجہ سے دی گئی ہے جو "أوحینا" پر دلالت کرتی ہے اور معطوف علیہ حکم التشبیہ[2] میں داخل ہو گا جیسے اس سے پہلے ہے کہ جس طرح ہم نے رسولوں کو بھیجا۔

اسی طرح آپ ایک اور مقام پر تشبیہ کے فائدہ پر ان الفاظ میں کلام کرتے ہیں:'

'وأنت خبیر بأن مایشبه به العذاب المنذر لابد أن یکون محقق الوقوع معلوم الحال عند المنذرین اذبه تتحقق فائدة التشبیه"[3]

ترجمہ: آپ خبردار کرنے والے ہیں اور جس عذاب سے ڈرائے جانے کی تشبیہ دی گئی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا واقع ہونا یقینی ہو اور ڈرائے جاتے وقت حال معلوم ہو تب جا کر تشبیہ کا فائدہ ثابت ہوتا ہے۔

اس بحث سے آپ ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں انذار کی تاکید اور شدت بنو قریظہ اور بنو نضیر کیلئے ہے۔ تفسیر ابی السعود کا ایک اور اہم وصف یہ ہے کہ اس میں سیاق و نظم قرآنی کے تحت بھی تفسیر کرنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے اور قاضی ابوالسعود نے اس موقع پر غلو و مبالغہ آمیزی سے بھی احتراز برتا ہے کہ آپ نے ہر آیت کی سیاق و نظم کے تحت تفسیر نہیں کی ہے بلکہ جہاں ممکن تھا وہاں یہ کاوش فرمائی ہے جو کہ لائق تحسین ہے اور آپ کی یہ کوششیں مباحث سیرت کے ضمن میں بھی دکھائی دیتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت فرماتے ہیں:

﴿ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ[4] ﴾

ترجمہ: اے رسول اللہ ﷺ یاد کیجئے جب آپ مومنوں سے فرما رہے تھے کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کئے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے ہاں کیوں نہیں اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/263

2۔ التشبیہ سے مراد لغت میں مشترک وصف کی بنا پر کسی دوسرے امر پر دلالت کرنا جب کہ اصطلاح میں ایک چیز کو مشترک وصف کی وجہ سے دوسری کی مانند قرار دینا (الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص52)

3۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/35

4۔ آل عمران: 124، 125

قاضی ابو السعود زیر نظر آیات کے پیش نظر یہ بحث کرتے ہیں کہ فرشتوں نے بالفعل حضرات صحابہ کرامؓ کی مدد کی تھی یا کہ نہیں اور اس دوران اپنے موقف کی تائید میں نظم قرآنی سے بھی استدلال کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فرشتوں کے ذریعے مدد نہیں فرمائی تھی طویل بحث کے بعد تحریر کرتے ہیں:

"وأن الامداد الموعود کان مشروطاً بالصبر و التقوىٰ فلما لم یفعلوالم یتحقق الموعود کما قیل فلا یسا عده النظم الکریم"[1]

ترجمہ: اور بے شک جس مدد کا وعدہ کیا گیا تھا یعنی فرشتوں کی وہ صبر اور تقویٰ کے دامن کو تھامنے سے مشروط تھی پس جب انہوں نے ایسا نہ کیا تو وعدہ بھی متحقق نہ ہو گا۔

جیسا کہ کہا گیا ہے اور نظم قرآنی بھی اس کی تائید نہیں کرتی آپ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فرشتوں نے عملاً جنگ میں حصہ نہیں لیا اور مدد کا تذکرہ صرف بشارت اور اطمینان قلب کے لئے تھا:

"انما هو مجرد البشارة والاطمینان وقد حصلاو أما النصر الحقیقی فلیس ذلک"[2]

ترجمہ: بے شک اس مدد کا ذکر فقط بشارت اور اطمینان کے حصول کیلئے تھے جو کہ حاصل ہوئے جبکہ مدد حقیقی کا اس سے تعلق نہیں ہے۔

اس موضوع پر مفسرین نے معرکۃ الآراء بحثیں کی ہیں جن کا نچوڑ یہ ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک غزوہ بدر میں فرشتوں کے ذریعے مدد کی تھی جب کہ غزوہ احد میں فرشتوں کا تذکرہ محض مسلمانوں کی تسلی اور تشفی کیلئے تھا۔ ابن عطیہ الاندلسی نے حضرت عکرمہ اور ضحاک کے حوالے سے نقل فرمایا ہے:

"غزوہ بدر میں مدد کی گئی ہے جبکہ احد میں صبر نہ کرنے کی وجہ سے مدد نہیں کی گئی ہے"[3]

امام آلوسی نے بھی غزوہ احد کی مناسب سے یہی تحریر کیا ہے:

"کہ شرط کے عدم وقوع کی وجہ سے مدد نہیں کی گئی"[4]

دیگر مفسرین روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بحث کرتے ہیں جب کہ قاضی ابو السعود نے سیاق و نظم قرآنی کے تحت یہ نتیجہ اخذ کیا کہ غزوہ احد میں فرشتوں کے ذریعے مدد نہیں کی گئی آپ کا یہ موقف قرین صواب معلوم ہوتا ہے اور آپ نے اس مقام پر **"النظم الکریم"** کے ساتھ یہ الفاظ **"مع عدم دلالة السباق والسیاق علیه"**[5] کہ اس پر سیاق وسباق بھی رہنمائی نہیں کرتا نقل فرمائے ہیں مزید بر آں ایک اور مقام پر اس آیت:

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 36/2

2۔ ایضاً، ص 37

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1، ص 503

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 420/4

5۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 36/2

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: پس صرف اللہ کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے۔

کے تحت رقم طراز ہیں:

"والفاء لترتیب مضمون الكلام علىٰ ما ينبى عنه السياق"[2]

ترجمہ: فا مضمون کلام کی ترتیب پر دلالت کرتی ہے اور اس پر سیاق بھی آگاہ کرتا ہے اور آپ نے سیاق قرآنی کو مدنظر رکھتے ہوئے واقعہ ہجرت پر بحث کی ہے[3]۔

قاضی ابوالسعود کے اس منہج کی وساطت سے متن قرآن سے ہی حقائق کو جاننے میں مدد ملی ہے اور آپ نے بلاغت اور سیاق و نظم قرآنی سے ایک جائز حد تک استفادہ کیا ہے جو کہ لائق تحسین امر ہے اور آپ کا یہی طریقہ کار تفسیر سے جابجا ملاحظہ کیا جا سکتا ہے[4]

خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ تفسیر ابی السعود میں مباحث سیرت کو بلاغت اور سیاق و نظم قرآنی کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے اور اس منہج سے متن قرآن کی تفہیم میں آسانی ہوتی ہے۔ آیت مقدسہ کے لفظی و معنوی محاسن کے بیان سے اس کے تحت مجوزہ وقائع سیرت کی نوعیت و کیفیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

7۔ علم القراءات اور مباحث سیرت

قرآن مجید کی تفسیر میں علم القراءات بھی انتہائی اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ قراءات کے بدلنے کا اثر بعض اوقات معانی کے بدلنے پر پڑتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾[5]

ترجمہ: بے شک تشریف لایا تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے۔

اس آیت میں معنیٰ کا تبدل انفسکم کے قراءات سے ہوتا ہے اگر "فا" کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو معنیٰ ہوگا تمہارے خاندان سے اور اگر "فا" کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو معنیٰ ہوگا تم میں سب سے نفیس ترین انسان اور یہ دونوں قراءات کتب تفسیر میں مذکور ہیں قاضی ابوالسعود نقل کرتے ہیں:

1۔ آل عمران:159

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/64

3۔ ایضاً، 4/67

4۔ دیکھیے، ایضاً، 2/123، 148، 179، 3/114، 176، 300، 332، 4/17، 21، 149، 292، 363، 411، 5/10، 68، 110

5۔ التوبۃ:129

"من جنسكم عربي قريشي مثلكم و قرى بفتح الفاء أى أشرفكم و أفضلكم"[1]

ترجمہ: تمہاری جنس میں سے یعنی تمہارے مثل عربی اور قریشی ہیں۔

اور اس کو "أنفسكم" فا کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی تم میں سب سے زیادہ بزرگی اور فضیلت والا "ابن عطیہ الاندلسی نے بھی یہ قراءات نقل کی ہے"[2]۔ ابن عطیہ نے "النفاسة" کا معنی بتایا ہے جب کہ ابوالسعود نے تم میں سب سے زیادہ بزرگی اور فضیلت والا تحریر کیا ہے۔ قاضی ابوالسعود نے تفسیر کرتے وقت قراءات سے بھی استشہاد کیا ہے اور مباحث سیرت کے ضمن میں بھی اس امر کو مدنظر رکھا ہے پیش کردہ مثال کے علاوہ بطور نمونہ چند مثالیں پیش خدمت ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾[3]

ترجمہ: اے اہل کتاب! کیوں ملاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ۔

اس آیت کے تحت قاضی ابوالسعود "تلبسون" کی قراءات پر بحث کرتے ہیں:

"قرى تلبسون بالتشديدو تلبسون بفتح الباء اى تلبسون الحق مع الباطل"[4]

ترجمہ: "تلبسون" کو "با" کی شد اور "با" کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی تم حق کو باطل کے ساتھ، تشدید کے ساتھ معنی ہے چھپانا اور "با" کے فتحہ کے ساتھ ہے خلط ملط کرنا۔ اس مقام پر دونوں قراءات سے معنی میں جزوی فرق آیا ہے دونوں صورتوں میں یہی معنی ہے کہ اہل کتاب تم کمالات مصطفیٰ ﷺ کو جو تمہاری کتب میں محرر ہیں کیوں چھپاتے ہو اور خلط ملط کرتے ہو۔

"ابن عطیہ نے اس مقام پر "تلبسون" کی لغوی توضیحات تو پیش کی ہیں[5] مگر قاضی ابوالسعود کے موافق قراءات پر بحث نہیں کی ہے جب کہ امام آلوسی نے ابوالسعود کے موقف کے مطابق بحث کی ہے[6]۔ قاضی ابوالسعود نے اس آیت کریمہ:

﴿إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا﴾[7]

ترجمہ: جب تم وادی کے نزدیک والے کنارے پر تھے۔

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/226

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/100

3۔ آل عمران: 71

4۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/454

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/453

6۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 4/275

7۔ الانفال: 42

کے تحت "بالعدوۃ" کی دو قراءات ذکر کی ہیں جبکہ شروع میں نحوی بحث بھی کی ہے آپ تحریر کرتے ہیں:

"**بدل ثان من" "یوم الفرقان" و العدوۃ بالضم شط الوادی و کذا بالفتح والکسر و قد قری بھما ایضاً**"[1]

ترجمہ: یہ آیت یوم الفرقان غزوہ بدر کا بدل ثانی ہے اور "العدوۃ" ضمہ کے ساتھ اس کا معنی ہے وادی کا کنارہ اور فتحہ و کسرہ دونوں کے ساتھ اس کی قراءات کی گئی ہے۔

ابن عطیہ نے بھی تینوں قراءات نقل کی ہیں "عین کے ضمہ کے ساتھ جو کہ جمہور کی ہے اور فتحہ و کسرہ ان کا بھی ذکر کیا ہے[2]۔ بعض اوقات جس صحابی سے وہ قراءات منقول ہوتی ہے اس کا حوالہ دیتے ہیں جیسے آپ فرماتے ہیں "**واستدل علیه بقرأة ابن مسعود**"[3] جبکہ بیشتر اوقات امام قراءت کا حوالہ ذکر نہیں کرتے اور مختلف قراءات پر بحث کے دوران ترجیح کا قول بھی کرتے ہیں جیسے {فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ[4]} کے تحت رقم طراز ہیں:

"**وقری بالکسر والاولی آکد و اقوی فی الایجاب**"[5]

ترجمہ: خمسہ کو کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے جب کہ پہلا فتحہ کے ساتھ زیادہ مضبوط اور ثابت کرنے کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

اس کے علاوہ بھی آپ اس کی قراءات یعنی "س" کے ضمہ کے ساتھ اور "م" کے سکون کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ قاضی ابو السعود نے اپنی تالیف لطیف میں علم قراءات کو بھی مباحث سیرت کے تحت ترجیحاً پیش نظر رکھا جس کا اظہار تفسیر کے جابجا مقامات سے ہوتا ہے[6]

خلاصہ بحث یہ ہے کہ تفسیر ابی السعود میں علم قراءات کی مناسبت سے لائق تحقیق ابحاث موجود ہیں جو تفسیر کے مقام و مرتبہ کو بلند کرتی ہیں مگر اس میں اہم بات یہ ہے کہ قاضی ابو السعود دوران تفسیر متواتر قراءات جمہور امت کے موقف کی اکثر و بیشتر نشاندہی نہیں کرتے اور یہ امر قاری کے لئے مغالطے کا سبب بن سکتا ہے لہٰذا تفسیر کے اس پہلو کو وقت نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے تاکہ علمی مغالطوں سے محفوظ رہا جاسکے۔ مجموعی طور پر آپ نے قراءات کے باب میں علمی بحثیں کی ہیں۔

8۔ اسباب نزول اور مباحث سیرت

قرآن مجید کے صحیح فہم کیلئے اسباب نزول سے واقفیت ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ مفسر کیلئے یہ امر لازمی

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/110

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/532

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/82

4۔ الانفال: 42

5۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/108

6۔ دیکھیے، ایضاً، 3/59، 89، 178، 191، 197، 302، 359، 406، 5/225، 232

قرار دیا جاتا ہے کہ اس کو اسباب نزول سے آگاہی حاصل ہونی چاہئے اسی بنیاد پر مفسرین نے دوران تفسیر اس کو اہمیت دی ہے اور قاضی ابو السعود نے بھی اپنی تفسیر میں اسباب نزول پر کافی حد تک روشنی ڈالی ہے اور آپ کی یہ کاوش مباحث سیرت میں بھی جابجا نظر آتی ہے اور ویسے بھی وقائع سیرت کا اسباب نزول سے گہرا تعلق ہے آپ کی تفسیر میں اسباب نزول سے متعلق مستند اور غیر مستند دونوں طرح کا مواد نقل ہوا ہے آپ اس ضمن میں الامام الواحدی کی تصنیف ''اسباب نزول'' کو بطور مصدر و مرجع ذکر کرتے ہیں علاوہ ازیں صحاح ستہ اور تفسیر طبری سے بھی مواد لیا ہے اور واقعات کی تحقیق و تفتیش سے احتراز ہی برتا ہے ذیل میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ [1]

ترجمہ: کیا تم حکم کرتے دوسرے لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو۔

اس کے سبب نزول پر قاضی ابو السعود تحریر کرتے ہیں:

''عن ابن عباس أنها نزلت فی أحبار المدینة کانوا یأمرون سراً من نصحوة باتباع النبی ولا یتبعونه طمعاً فی الھدایا''[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ کے ان یہود علماء کے لئے نازل ہوئی جو تنہائی میں حضور ﷺ کی پیروی کی نصیحت کرتے جب کہ بذات خود تحفوں کی لالچ کی وجہ سے پیروی نہ کرتے۔

ابن عطیہ نے سبب نزول کے تذکرہ کے بغیر اس آیت کے تحت حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''علماء یہود اپنے پیروکاروں کو تورات کی پیروی کا حکم دیتے تھے جب کہ خود تورات میں مذکور حضور ﷺ کی صفت کی مخالفت کرتے تھے''[3] اسی طرح امام آلوسی نے قاضی ابو السعود کی عبارت کو من و عن نقل کیا ہے[4] الامام الواحدی نے یہی سبب نزول نقل فرمایا ہے[5] جلال الدین السیوطی نے بھی الامام الواحدی کے حوالے سے مذکورہ سبب نزول ہی تحریر فرمایا ہے[6] جبکہ عصام بن عبد المحسن نے اس کا سبب نزول کسی اور سند سے یہ بیان کیا ہے

''أخرج عبدبن حمید من طریق عبدالرزاق عن معمر عن قتادہ، قال: اولٰئک اھل الکتاب ---وھذا مرسل صحیح''[7]

1۔ البقرہ:44

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/148

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/136

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 2/150

5۔ الواحدی، **اسباب النزول**، ص24

6۔ السیوطی، **لباب النقول**، 14

7۔ عصام بن عبد المحسن، **الصحیح من اسباب النزول**، ص13

حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ یہ اہل کتاب کے لئے اتری ہے اور یہ روایت صحیح ہے۔ قاضی ابو السعود نے جس روایت کو لیا ہے وہ ضعیف ہے [1]

المختصر آپ نے اس مقام پر جس روایت کو لیا ہے وہ مستند نہیں ہے لیکن بعض مقامات پر آپ نے بخاری و مسلم سے بھی روایات کو لیا ہے اگرچہ بطور حوالہ ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [2]

ترجمہ: نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل۔

اس کا سبب نزول قاضی ابو السعود یہ نقل کرتے ہیں:

"جب عتبہ بن ابی وقاص نے غزوہ احد میں حضور ﷺ کے دندان مبارک کو زخمی کیا جس سے آپ کے دہن مبارک سے خون بہنے لگا تو اس وقت حضرت سالم مولی ابی خذیفہ جو آپ کے منہ مبارک سے خون دھو رہے تھے تو ساتھ ساتھ یہ کہنے لگے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہو گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگین کر لیا اور اس کے بعد حضرت سالمؓ ان کے لئے بد دعا کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی" [3]

امام بخاری نے مذکورہ واقعہ مختلف الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ امام واحدی نے اس کا یہی سبب نزول امام بخاری کے حوالے سے نقل فرمایا ہے [4]۔ علاوہ ازیں جلال الدین السیوطی اور عصام بن عبد المحسن نے بھی اس آیت کا یہی سبب نزول ذکر فرمایا ہے [5]۔ اسی طرح اس آیت:

﴿فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيهِمْ مِّنَ النَّبِيّنَ﴾ [6]

ترجمہ: وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء الخ۔

کا سبب یہ نقل فرمایا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ دنیا میں جب آپ کی زیارت کا اشتیاق ہوتا ہے تو ملاقات کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں جب کہ جنت میں آپ ﷺ اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہوں گے اور اگر وہاں یہ شوق ہوا تو کیا کروں گا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی [7]

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، تحقیق: محمد بن علی جیلانی، 1/148

2۔ آل عمران: 128

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/36/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب لبس البیضۃ، ح 2911، مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوہ احد، ح 1791

4۔ الواحدی، **اسباب النزول**، ص 123

5۔ السیوطی، **لباب النقول**، ص 62/۔ عصام بن عبد المحسن، **الصحیح من اسباب النزول**، ص 94

6۔ النساء: 69

7۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/190

امام واحدی، جلال الدین السیوطی اور عصام بن عبد المحسن نے اس آیت کا سبب نزول مذکورہ واقعہ کو ہی مختلف اسانید کے حوالے سے نقل فرمایا ہے [1] اور امام واحدی نے حضرت قتادہؓ سے مرسلاً جس کو روایت کیا ہے اس کو عصام بن عبد المحسن نے "واسنادہ صحیح" اور حضرت عائشہؓ سے مروی روایت کے بارے میں "**قال الضیاء المقدسی و اسنادہ لابأس بہ" و صححہ الھیثمی**" یہ نقل فرمایا ہے"[2]

قاضی ابو السعود نے صرف روایت نقل کی ہے کس صحابی سے مروی ہے اس کا ذکر نہیں کیا ہے مگر اسی ضمن میں بحث کرتے ہوئے آپ نے حضرت انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے """اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أحَبَّ""[3] آدمی کا انجام اس کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ قاضی ابو السعود نے اسباب نزول کو ذکر کرتے وقت "الامام الوحدی" کا حوالہ متعدد مقامات پر اس انداز سے دیا ہے "**قال الامام الواحدی**"[4] آپ نے صرف ان کا نام ذکر کیا ہے کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے قاضی ابو السعود نے دوران تفسیر مختلف موقعوں پر مباحث سیرت کے تحت اسباب نزول کو بھی بطور استشہاد و استدلال پیش فرمایا ہے[5]۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قاضی ابو السعود نے تفسیر کرتے وقت اسباب نزول کو بھی ممکنہ حد تک نقل فرمایا ہے جو تفسیر کی ہمہ جہتی پر روشنی ڈالتا ہے۔ روایات کو نقل کرتے وقت محدثانہ اسلوب کا زیادہ تر لحاظ نہیں کیا جس سے صحیح روایات کے ساتھ ساتھ غیر صحیح روایات کا بھی کافی حصہ تفسیر میں منقول ہو گیا مگر اس کے باوجود تفسیر مذکور کا یہ پہلو لائق تحسین ہے کہ اس سے آیت مقدسہ کو زمانی و مکانی اعتبار سے بھی جاننے کا موقع ملتا ہے آپ نے کتب احادیث کے علاوہ تفسیر طبری اور امام واحدی کی اسباب النزول سے بھی روایات کو پیش فرمایا ہے۔

9۔ناسخ و منسوخ اور مباحث سیرت

قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت ناسخ و منسوخ سے آگاہی ایک لازمی اور لابدی امر ہے اور قاضی ابو السعود نے دوران تفسیر اس علم سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی علمی تحقیقات پیش فرمائی ہیں نسخ کی تعریف اس کے جواز پر دلائل اور حکمتوں پر روشنی ڈالی ہے نسخ کی تعریف اور اس کے جواز کی حکمتوں پر کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

والنسخ فی اللغة الازالة والنقل یقاله نسخت الریح الاثر أی ازالته و نسخت

1۔الواحدی، **اسباب النزول**، ص165، 166 / ۔السیوطی، **لباب النقول**، ص83، عصام، **الصحیح من اسباب النزول**، ص131، 132

2۔عصام، **الصحیح من اسباب النزول**، ص131، 132

3۔ابو السعود، ارشاد **العقل السلیم**، 2/190 / ۔البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الادب، باب ماجاء فی قول الرجل، ح6168

4۔ایضاً، 2/12، 74

5۔دیکھیے، ایضاً، 1/207، 263، 309، 422، 2/40، 76، 57، 74، 231، 256، 495، 3/82، 95، 4/66، 158، 197، 237

الكتاب أي نقلته[1]

ترجمہ: لغت میں نسخ سے مراد کسی چیز کا زائل کرنا اور نقل کرنا ہے جیسے ہوا نے اثر زائل کر دیا اور میں نے کتاب کو نقل کیا۔

آیت کریمہ کا نسخ کیسے ہوتا ہے اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

ونسخ الآية بيان انتهاء التعبد بقراءتها أو بالحكم المستفاد منها أو بهما جميعاً"[2]

ترجمہ: آیت کی منسوخی یہ ہے کہ اس کی تلاوت جو کہ عبادت ہے اس کا منسوخ ہونا ہے یا پھر آیت کی تلاوت تو باقی ہے مگر اس سے مستفاد حکم کا منسوخ ہو جانا یا پھر دونوں یعنی تلاوت اور حکم کا منسوخ ہونا۔

قاضی ابوالسعود نے نسخ کی اصطلاحی تعریف دیگر مفسرین کی طرح نہیں کی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تحریر کیا گیا ہے مگر آپ نے اس کا مفہوم جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے اس کے بعد نسخ کی حکمت پر کلام کرتے ہیں:

"کہ یہ نص نسخ کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور نسخ کا جائز ہونا کس طرح نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام شریعت کا مدار انہیں آیات پر ہے اور احکام شریعت حکمتوں اور مصلحتوں کے متقاضی ہیں اور حکمتوں کے احوال زمانے کے تغیر و تبدل سے بدلتے رہتے ہیں جیسے احوال معاش ہیں اور کسی حکم کی حکمت ایک حال میں ایک تقاضا کرتی ہے جبکہ دوسرے حال میں اس کے برعکس اور اگر نسخ کو جائز نہ قرار دیا جائے تو احکام کی حکمت اور نظام زندگی میں خلل واقع ہو جائے گا"[3]

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی ابوالسعود کے نزدیک ناسخ و منسوخ کی بحث کس قدر اہم ہے اور بلاشبہ آپ نے تفسیر میں اس علم کی موشگافیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تحقیق کی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾[4]

ترجمہ: پس غلامان مصطفیٰ ﷺ معاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ بھیج دے اللہ اپنا حکم۔

آپ اس کی تفسیر میں تحریر پرداز ہیں: "**وعن ابن عباس أنه منسوخ بآية السيف**"[5]

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے جہاد کی آیت سے۔ اس کے ذریعے بنو قریظہ کے ساتھ قتال کا حکم ہے قاضی ابوالسعود نے اس مقام پر نسخ کی مناسبت سے مزید کلام نہیں کیا ہے ابن عطیہ نے بھی قاضی ابوالسعود کی طرح اس آیت کے منسوخ ہونے کا قول کیا ہے:

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 209

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً، 2010،209

4۔ البقرۃ: 109

5۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 213

وقال ابن عباس هذه الآية منسوخة بقوله تعالیٰ[1]﴿قَاتِلُواالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾[2]

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے منسوخ ہے ان سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔

قاضی ابوالسعود نے صرف "آیة السیف" سے منسوخ ہونے کی بات کی جبکہ ابن عطیہ نے وہ آیت بھی نقل فرمائی ہے اسی طرح ابن کثیر بھی نقل کرتے ہیں کہ "یہ منسوخ ہے اور مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے مشرکین کو معاف کرنا بھی منسوخ ہو گیا"[3] یعنی ان کی تکالیف پر صبر کرنا اور معاف یہ منسوخ ہے بلکہ اب ان سے قتال کرو۔

پیش کردہ بحث سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی ابوالسعود نے اس مقام پر جو نسخ کی بحث کی ہے دیگر مفسرین نے بھی اس طرح کلام کیا ہے اسی طرح اس آیت مقدسہ:

﴿لَا تُحِلُّوْا ----- وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾[4]

ترجمہ: بے حرمتی نہ کرو۔ اور نہ بے حرمتی کرو جو قصد کئے ہوئے ہیں بیت حرام کا کی بابت نقل کرتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے۔

﴿لَا تُحِلُّوْا﴾ "نسخ بقول تعالیٰ: ﴿فَاقْتُلُواالْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾[5] "فيعين النسخ كلا أو بعضاً"[6]

ترجمہ: یہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے پس تم مشرکین کو جہاں پاؤ وہاں قتل کرو اس بات نسخ ضرور متعین ہو جاتا ہے تمام منسوخ ہو گا یا پھر بعض۔

اس آیت میں ان مشرکین سے تعرض کا حکم تھا کہ جب وہ حج کے ارادہ کے لئے نکلے تو تم ان کو کچھ نہ کہو مگر بعد ازاں ان کی ریشہ دوانیوں کے پیش نظر ہر حال میں ان سے قتال کا حکم دیا گیا اس ضمن میں یہی بحث ابن عطیہ نے بھی کی ہے[7]۔ دیگر مفسرین بھی اس طرح کا کلام کرتے ہیں[8]۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/197

2۔ التوبۃ:29

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 1/383

4۔ المائدۃ:2

5۔ التوبۃ:5

6۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/280

7۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/147

8۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 3/11، /۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 7/21، 22

مذکورہ تحقیقات پیش کرنے کا مقصد قاضی ابو السعود کے اس منہج کی توضیح ہے جو وہ مباحث سیرت کے تحت ناسخ و منسوخ کی بحثیں کرتے ہیں اگرچہ بعض دیگر مفسرین کی طرح محاکمہ اور تجزیہ نہیں کرتے لیکن اس پر قدرے روشنی ضرور ڈالتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾[1]

ترجمہ: سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ کو اختیار ہے خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں خواہ ان سے اعراض فرمائیں۔

کے تحت یہ بحث کرتے ہیں اس میں یہود مدینہ کے درمیان فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کے حوالے سے وضاحت ہے:

"انه منسوخ وهو قول ابن عباس والحسن و مجاهد و عكرمه"[2]

ترجمہ: یہ آیت منسوخ ہے اور یہ حضرت ابن عباس، حسن بصری، مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔

اور یہ اس آیت سے منسوخ ہے:

﴿وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾[3]

ترجمہ: اور آپ ان کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔

قاضی ابو السعود کے موافق ابن عطیہ نے بھی بحث کی ہے[4]۔ علاوہ ازیں تفسیر ابی السعود کے مختلف مقامات اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ نے دوران تفسیر اس علم کی مناسبت سے سیر حاصل بحث کی ہے[5]

خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ قاضی ابو السعود نے اپنی تالیف میں ناسخ و منسوخ پر جابجا بحث کی ہے اور جمہور علماء کے مطابق اپنا نقطہ نظر پیش فرمایا ہے اور اگرچہ مختلف اقوال کے مابین تطبیق، ترجیح اور تجزیہ کا اہتمام نہیں کرتے۔ المختصر آپ نے اس موضوع پر لائق تحقیق مواد نقل کیا ہے اور مباحث سیرت کی مناسبت سے آپ کی تفسیر اہم معلومات رکھتی ہے اس لئے تفسیر مذکور کی روشنی میں ان کا تجزیہ و تحلیل سیرت شناسی میں اہم کردار ادا کرتے ہوئے اس پر عمل کی راہ ہموار کرے گا۔

1۔ المائدۃ:42

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/325

3۔ المائدۃ:49

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/194

5۔ دیکھیے، ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/166، 185، 203، 239، 311، 543، 4/97، 174، 465

باب دوم: بشارات، قبل از بعثت اور مکی دور رسالت کے مباحث سیرت

فصل اول: بشارات اور ولادت تا بعثت مصطفیٰ ﷺ مباحث سیرت
فصل دوم: آفتاب رسالت کا ظہور اور خفیہ دعوت کا دور
فصل سوم: علانیہ دعوت کا دور تا ہجرت حبشہ
فصل چہارم: سماجی مقاطعہ سے بیعت عقبہ ثانیہ تک کا دور

باب دوم:

بشارات، قبل از بعثت اور مکی دور رسالت کے مباحث سیرت

اللہ رب العالمین نے حضور ﷺ کے اوصاف کا بیان آپ کی ولادت سے قبل سابقہ کتب میں بھی بیان فرمایاہے اور گزشتہ انبیائے کرام بھی اپنی اپنی امتوں کو آپ ﷺ کے احوال مبارکہ سے آگاہ فرماتے رہے ہیں اور آپ کی حیات طیبہ قبل از بعثت بھی مثالی اور صداقت وامانت سے معمور تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں بعثت مبارکہ سے نوازااور اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال تک آپ ﷺ مکہ میں قیام پذیر رہے اس دور کو مکی دور رسالت کہاجاتاہے۔ آپ نے تین برس تک خفیہ طریق سے دعوت توحید کا سلسلہ جاری رکھا قابل اعتماد اور قریبی احباب کے سامنے حقانیت اسلام کو پیش فرمایا۔ بعدازاں علانیہ دعوت کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے والے، عزت واحترام سے پیش آنے والے آپ کے جانی دشمن بن گئے آپ کے سابقہ کردار کی عظمتوں و رفعتوں کے انکاری ہوگئے آپ پر بہتان طرازی وافتراء پردازی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اپنے قول وفعل اور ہر طریق سے آپ کو اس مشن سے روکنے کے لئے کوششوں میں لگ گئے جیسے جیسے لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرتے جاتے اسلام کی نور افشانیاں پھیلتی جاتیں تو کفار مکہ کا غیظ وغضب آتش شعلہ بن کر بھڑکنے لگتا ہے۔ آپ ﷺ اور آپ کے متبعین پر مصائب وآلام کا طوفان کھڑا کر دیا گیااس عرصہ میں آپ نے اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان مصیبتوں سے چھٹکارے کے لئے حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی تاکہ سکون کی فضامیں وہ اپنے دین پر کاربند رہ سکیں اور حبشہ میں یہ اس لئے ممکن تھا کہ حبشہ کا حکمران اصحمہ نجاشی ایک عادل اور منصف مزاج حکمران تھااور آپ کی بعثت کا ساتواں سال تھاجب اہل مکہ کی دریدہ دہنی اس حد کو پہنچی کہ آپ کے ساتھ سماجی مقاطعہ کر لیااور آپ شعب ابی طالب میں اس وجہ سے تین سال تک محصور رہے اور یہ دور آپ اور آپ کے اقرباء کیلئے سخت دشوار رہااس کے بعد مکہ سے باہر طائف والوں کو دعوت حق دی تو انہوں نے بھی انتہائی نامناسب رویہ اختیار کیا لیکن اس کے بعد آپ کی یہ کوشش رہی کہ مکہ سے باہر کے رہنے والوں کو دعوت دی جائے اس سلسلے میں آپ ایام حج میں لوگوں کو یہ پیغام دیتے اسی موقع پر بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ عمل میں لائی گئیں جو ریاست مدینہ کی تشکیل کا سبب بنیں اور آپ نے ان کی دعوت پر مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔

اس باب میں بشارات، قبل از بعثت مباحث سیرت اور آپ ﷺ کی دعوت اور اس پر پیش آمدہ مشکلات کو تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے زیر بحث لایا گیاہے۔

فصل اول: بشارات اور ولادت تا بعثت مصطفیٰ ﷺ مباحث سیرت

اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کی اس عالم جہاں میں تشریف آوری سے بہت پہلے خوب تشہیر فرما دی تھی۔ آسمانی کتب و صحیفے اور مذہبی نوشتے ایسی بشارات پر مشتمل ہیں جن میں آپ ﷺ کے تذکار جمیل اور اوصاف نبیل کا بیان ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی نبوت ورسالت کا شہرہ عالم ارواح میں یثاق انبیاء علیہم السلام کے روبرو بھی بتام و کمال نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت محیر العقول واقعات وحوادث رونما ہوئے جو اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ آج آشفتہ دلوں اور پریشان حالوں کی تسکین کا سامان مہیا کرنے والی اور عظیم اور برگزیدہ ہستی تشریف لا چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بعثت سے قبل بھی ایسے خوبصورت کردار سے متصف فرمایا کہ صدق وامانت آپ کی وجہ شہرت بنی اس فصل میں سیرت کے ان پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا۔ زیر تحقیق مقالہ میں چونکہ دو تفاسیر کے تناظر میں مباحث سیرت کا مطالعہ ہے لہٰذا ان کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔

مبحث اول: بعثت مصطفیٰ ﷺ اور بشارات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر اس امر کو بیان کیا ہے کہ سابقہ اقوام کو حضور ﷺ کی بعثت کی خبر تھی اور انہوں نے آپ کی بعثت کی بشارات کو الہامی کتب میں پڑھ رکھا تھا یا پھر اپنے انبیاء علیہم السلام کی زبان ترجمان سے سن رکھا تھا جیسے حضرت عیسیٰ ؑ کی بشارات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ [1]

ترجمہ: اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام نامی احمد ہو گا۔

اس مقام پر حضرت عیسیٰ ؑ نے بشارت کا ہی اسم مشتق استعمال فرمایا ہے۔ ابن عطیہ نے اس آیت کے تحت بشارت کے حوالے سے کلام نہیں فرمایا ہے فقط لفظ "احمد" کی نحوی و صرفی اور قراءات کے امور پر روشنی ڈالی ہے [2] جبکہ قاضی ابو السعود نے ابن عطیہ کے نسبت قدرے تفصیلی کلام کیا ہے آپ نقل کرتے ہیں:

"معطوف على مصدقاً أى داع الى تصديقه ﷺ مثله من حيث أن البشارة به واقعة فى التوراة" [3]

ترجمہ: مبشراً کا عطف مصدقا پر ہے یعنی آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنے والا ہوں جیسے اس پر بشارت تورات میں بھی موجود ہے۔

1۔ الصف:6

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/303

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/259

آپ مزید تحریر کرتے ہیں:

"ومبشراً لمن يأتي من بعدی من رسول{اسمه أحمد}ای محمد ﷺ"[1]

اور خوشخبری دینے والا ہوں ایسے رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا اسم گرامی احمد یعنی محمد ﷺ ہو گا۔ حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کا تذکرہ انجیل میں ہو گا جب کہ قاضی ابو السعود کے بقول حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق تورات کے حوالے سے بھی کر رہے ہیں یعنی تورات میں بھی آپ ﷺ کی نبوت کی بشارت موجود ہے اس آیت میں حضور ﷺ کا نام گرامی "احمد" بیان ہوا ہے اور آپ نے خود بھی جب اپنے ناموں کو بیان کیا تو اس میں "احمد" کو بھی ارشاد فرمایا:

"إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الخ[2]۔

ترجمہ: بے شک میرے نام ہیں: میں محمد، احمد اور ماحی ہوں۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں "بشارة عیسیٰ"[3] کا مصداق ہوں۔ آپ کے اوصاف حمیدہ کا بیان تورات و انجیل میں بھی مرقوم ہے۔ بائبل عہد نامہ قدیم میں تحریفات کے باوجود حضرت موسیٰؑ کا فرمان حضور ﷺ کی بعثت کے حوالے سے موجود ہے آپ فرماتے ہیں: "خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا"[4]

حضرت موسیٰؑ کی بشارت کا اطلاق حضور ﷺ پر ہوتا ہے جیسے رحمت اللہ کیرانوی نے اس سلسلے میں 10 توجیہات پیش کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "اس بشارت میں تیری مانند کا لفظ واقع ہوا ہے اور یوشع اور حضرت عیسیٰؑ موسیٰؑ کی طرح نہ تھے۔ کیونکہ یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے اور کتاب استثناء باب 34 فقرہ 10 کی نص کے مطابق بنی اسرائیل میں موسیٰؑ جیسا کوئی نبی برپا نہ ہوا اور صحیح یہ ہے کہ یہاں بھائیوں میں مراد حضرت اسماعیل بن ابراہیمؑ کی نسل ہے اور توریت میں بھائیوں کے لفظ کا اطلاق اسماعیلؑ کی نسل اور اسحٰقؑ کی نسل پر ہوا ہے"[5]

اس بحث سے واضح ہوا کہ حضرت موسیٰؑ نے آپ کی بعثت کی بشارت دی جو تورات میں مذکور ہے اور توجہ طلب امر یہ ہے کہ "انجیل" میں آپ ﷺ کی بشارت کس نام سے ہے کیوں کہ اس میں آج لفظ "احمد" مذکور نہیں ہے اس موضوع پر ابن عطیہ اور ابو السعود دونوں نے کوئی کلام نہیں کیا ہے جب کہ امام آلوسی نے ایک تحقیق پیش کی

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/259

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب یأتی من بعدی اسمه أحمد، ح4896/۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب فی أسمائه، ح2354

3۔ احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: شعیب الأرنوط وآخرون، حدیث العرباض بن ساریة عن النبی ﷺ، ح17150، حدیث صحیح لغیرہ

4۔ **بائبل**، (پاکستان بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، 2007)، کتاب استثناء 15-18

5۔ دیکھیے، کیرانوی، رحمت اللہ، **اظہار الحق**، تحقیق: محمد احمد محمد (الریاض: الادارة العامة للطبع والترجمة، 1410ھ)، ص1116 تا 1125

ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

"ایک بات تو یہ ہے کہ نصاریٰ کے چار اناجیل ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے رفع آسمانی کے بعد سریانی زبان میں تحریر کی گئیں اور جو ایک دوسری سے مختلف ہیں اور اس اختلاف اور تحریف کے باوجود انجیل یوحنا میں تحریر ہے

"قال یسوع المسیح أن فارقلیط روح الحق الذی یرسله أبی معاذ الله یعلمکم کل شئی"

یسوع مسیح کا قول ہے کہ فارقلیط حق کی وہ روح ہے جسے میرا باپ معاذ اللہ بھیجے گا اور وہ تمہیں ہر چیز سکھائے گا" اور فارقلیط کا ترجمہ نصاریٰ نے "حماد" اور بعض نے "حامدؐ" کیا ہے

"فیکون فی مدلوله اشارة الیٰ اسمه ﷺ احمد"[1]

ترجمہ: اس میں آپ ﷺ کے اسم احمد کی طرف اشارہ ہے۔

گویا انجیل میں تحریفات کے باوجود اگرچہ بالصراحت لفظ "احمد" موجود نہیں ہے مگر اس کے باوجود ایسے الفاظ ضرور موجود ہیں جو حضور ﷺ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ اناجیل اولاً سریانی زبان میں تالیف کی گئی تھیں حتی کہ جب مسلمانوں نے فلسطین کو فتح کیا اس وقت بھی وہ سیریانی زبان بول رہے تھے اور جب مذکورہ عبارت کو ابن ہشام نے سریانی سے عربی زبان میں ان الفاظ کے ساتھ ترجمہ کیا آپ **"صفة رسول الله ﷺ فی الانجیل"** کے تحت نقل کرتے ہیں:

"فلولقد جاء المنحمنا هذاالذی یرسله الله الیکم من عند الرب روح القدس---فهو شهید علی"[2]

ترجمہ: پس جب "المنحمنا" آئے گا جسے اللہ تعالیٰ تمہاری طرف بھیجے گا یعنی سچائی کی روح۔۔ تو وہ میری گواہی دے گا۔

ابن ہشام مزید نقل کرتے ہیں:

"المنحمنا یالسریانیة محمد ﷺ وهو بالرومیة البر قلیطس"[3]

"المنحمنا" سریانی زبان میں محمد ﷺ کو کہتے ہیں اور رومی زبان میں بر قلیطس کو کہتے ہیں اسی طرح انجیل یوحنا میں یہ بشارت موجود ہے۔

"لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ معاذ اللہ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی

1۔ دیکھیے، الآلوسی، **روح المعانی**، 27/105 تا 107

2۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 109

3۔ ایضاً

روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا"[1] آپ ﷺ کے اوصاف پر مشتمل تورات وانجیل میں متعدد بشارات موجود ہیں مگر اس مقام پر طوالت سے بچنے کے لئے ان ایک دو پر ہی انحصار کیا جاتا ہے اور ان بشارات کا اطلاق کسی نہ کسی طرح ذات مصطفیٰ ﷺ پر ہی ہوتا ہے اور اسی طرح انجیل برناس[2] میں صراحتاً حضور ﷺ کا نام مذکور ہے۔ ایک پادری نے حضرت عیسیٰؑ سے اس مسیحا کا نام اور علامات پوچھیں جن کی وہ بشارت دے رہے تھے تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا: "تحقیق اس کا مبارک نام محمد ﷺ ہے"[3]

خلاصہ بحث یہ ہے کہ سابقہ الہامی کتب اگرچہ تحریفات کا شکار ہیں مگر اس کے باوجود ان میں حضور ﷺ کی نبوت ورسالت پر دلالت کرنے والی ایسی بشارات موجود ہیں جن کا مصداق حضور ﷺ کا وجود ذی سعود ہی بنتا ہے قرآن مجید نے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے جیسے اس آیت میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ وہ یعنی اہل کتاب حضور ﷺ کے اوصاف کو تورات وانجیل میں پاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾[4]

ترجمہ: یہ وہ ہیں جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس کے ذکر کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اوصاف جلیلہ کا تورات وانجیل میں مرقوم ہونے کی تصریح فرمائی ہے اللہ کی طرف سے بھیجے جانے کی بدولت "رسول" اور مخلوق کی طرف مبعوث ہونے کی وجہ سے "نبی" فرمایا ہے۔ ابن عطیہ نے "الرسول" "النبی" اور "الامی" کے معانی ومفاہیم کو بیان کرنے کے بعد صحیح بخاری کا حوالہ دیتے ہوئے حضور ﷺ کے ان اوصاف کو بیان کیا ہے جو تورات میں مذکور ہیں:

"وفی البخاری أو غیرہ أن فی التوراۃ من صفۃ محمد ﷺ"[5]

ترجمہ: بخاری یا اس کے علاوہ کسی اور مصدر میں تورات کے حوالے سے حضور ﷺ کی یہ صفات بیان ہوئی ہیں۔

1۔ **انجیل یوحنا**، باب 15، آیت 26-27

2۔ قدیم عیسائی لٹریچر میں انجیل برنباس کا ذکر ایک گمشدہ کتاب کی حیثیت سے ملتا ہے لیکن 1709ء میں شاہ پروشیا کے ایک مشیر کو جس کا نام کرومر تھا ایمسٹرڈیم کے مقام پر کسی کتب خانہ سے ایک کتاب ہاتھ لگی جو اطالوی زبان میں تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ برناباس حواری کی لکھی ہوئی انجیل ہے (عثمانی، محمد تقی، **عیسائیت کیا ہے** (کراچی: دارالاشاعت، طندارد) ص 173-174

3۔ **انجیل برنباس**، مترجم: محمد حلیم انصاری (لاہور: ادارہ اسلامیات، پہلی بار طبع ربیع الاول 1424ھ۔2003)، باب 97، ص 261

4۔ الاعراف: 157

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/462

ابن عطیہ نے بعد ازاں ان تمام صفات کو ذکر کیا ہے آپ تحریر کرتے ہیں:

”اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا حالانکہ آپ شاہد اور مبشر اور نذیر ہیں اور امیین کی پناہ ہیں آپ میرے بندے اور رسول ہیں میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے آپ سخت مزاج اور درشت خو نہیں ہیں اور نہ بازار میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے ہیں لیکن معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کی روح ہر گز قبض نہ کرے گا حتی کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا کرے گا بایں طور کہ وہ کہیں گے ”**لا اله الا الله**“ اور آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا“[1]۔

ابن عطیہ نے یہ پوری روایت نقل کی ہے اور ان اوصاف کو لکھا ہے جو تورات میں مذکور ہیں موجودہ تورات میں مذکورہ تمام اوصاف کا تذکرہ نہیں ملتا مگر یہ موجود ہیں ”وہ نہ چلائے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی“[2]

ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت حضرت عطاء بن یسارؒ کے اس استفسار کے جواب میں جو انہوں نے عبد اللہ بن عمر بن العاصؓ سے کیا تھا کہ آپ مجھے رسول اللہ کے ان اوصاف سے آگاہ کریں جو تورات میں ذکر ہوئے ہیں اس کے جواب میں انہوں نے کہا تھا

”اجل والله انه لموصوف فی التوراة ببعض صفة فی القرآن“[3]

ترجمہ: ہاں اللہ کی قسم تورات میں حضور ﷺ کی بعض ان صفات کا بیان ہے جو قرآن میں بھی مذکور ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ایک یہ بات موقوفاً[4] کہی اور دوسرا آپ نے فرمایا کہ بعض صفات قرآن میں ہیں گویا تمام قرآن والی تورات میں نہیں ہیں اور تیسرا آپ نے یہ بات تورات کے حوالے سے کس مناسبت سے کی آپ نے خود تورات سے مطالعہ کی رسول اللہ کی زبان سے سنا یا پھر کسی یہودی عالم سے یہ تمام امور توجہ طلب ہیں البتہ یہ بات واضح ہے کہ بعض صفات موجودہ تورات کے متن میں بھی ثابت ہیں اور اس آیت میں انجیل میں بھی آپ کے اوصاف مذکور کا تذکرہ ہے جب کہ ابن عطیہ نے تورات کے حوالے سے تو بحث کی مگر انجیل میں آپ کے اوصاف کے مذکور ہونے پر کلام نہیں کیا اور قاضی ابو السعود نے اس آیت کے تحت اس نہج سے بحث نہیں کی کہ آپ نے تورات و انجیل کا حوالہ دیتے ہوئے حضور ﷺ کے اوصاف پر روشنی نہیں ڈالی البتہ الرسول،

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/ 462، 463/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب البیوع، باب کراہیۃ السخب فی الاسواق، ح2125

2۔ **تورات**، کتاب استثناء، باب 42، آیت نمبر 2، (لاہور: مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی، 1980)، ص694

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب البیوع، باب کراہیۃ السخب فی الاسواق، ح2125

4۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کو موقوف کہا جاتا ہے کہ اس میں سلسلہ سند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہوتا ہے (عائشہ عبد الرحمٰن، **مقدمۃ ابن صلاح و محاسن الاصطلاح** (دار المعارف، س ط ندارد)، ص194

النبی اور الامی کے معانی کی توضیحات کو پیش کیا۔

"وقیل عنوان الرسالة بالنسبة الیه تعالیٰ و عنوان النبوة بالنسبة الی الأمة"[1]

ترجمہ: رسول اللہ کی طرف سے بھیجے جانے کی وجہ سے اور نبی مخلوق کی طرف نسبت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

اور آپ نے "الامی" کے مفہوم کی توضیح میں زیادہ کلام کیا ہے جس پر بحث تفسیر ابی السعود میں مباحث سیرت کے اصول و مناہج کی فصل میں کر دی گئی ہے مزید براں آپ لکھتے ہیں:

﴿الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا﴾ بأسمه و نعوته بحيث لايشكون[2]

ترجمہ: یعنی تورات و انجیل میں آپ کا نام اور صفات دونوں کو اس حیثیت سے پاتے ہیں کہ جس میں انہیں شک نہیں ہے۔

مذکورہ تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ قرآن مجید اس پر صراحتاً بحث کرتا ہے کہ تورات و انجیل میں حضور ﷺ کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور ان اوصاف کا بیان آپ ﷺ کی اس جہاں میں تشریف لانے کی در حقیقت بشارات پر ہی مشتمل تھا اور موجودہ تورات و انجیل کے متون میں وہ اوصاف اس انداز میں ضرور پائے جاتے ہیں کہ جن کا انطباق حضور ﷺ کی ذات پر ہوتا ہے۔

ابن عطیہ اور ابو السعود کی آراء کا تجزیہ کیا جائے تو یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سابق اقوام کو حضور ﷺ کی بعثت کی بشارات ان کے انبیاء علیہم السلام ان کو دیتے رہے ہیں ابن کثیر اسی آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

وهذه صفة محمد ﷺ فی کتب الانبیاء بشروا اممهم ببعثه[3]

ترجمہ: حضور ﷺ کی یہ وہ صفات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی کتب میں مذکور ہیں اور انہوں نے اپنی امتوں کو حضور کی بعثت کی بشارات دی۔

ابن کثیر ایک روایت لائے ہیں کہ ان کے علماء ان صفات کو جانتے تھے مگر بچند وجوہ انہیں چھپاتے تھے جیسے جب حضور ﷺ ایک یہودی کے بیٹے کی عیادت کیلئے تشریف لائے تو اس یہودی کو کہا کہ کیا تو اپنی کتاب میں میری صفات اور ہجرت گاہ کو مذکور پاتے ہو تو اس یہودی نے کہا نہیں تو اس وقت اس کے بیٹے نے کہا ہاں اس ذات کی قسم جس نے تورات کو نازل کیا ہم اپنی کتاب میں آپ کی صفات اور جائے ہجرت کا تذکرہ پاتے ہیں[4]

علاوہ ازیں ابن کثیر نے اس روایت کو بھی نقل کیا جسے ابن عطیہ نے تحریر کیا تھا امام آلوسی نے ابن عطیہ

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 41/3

2۔ ایضاً

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 483/3

4۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح 23492، قال ابن کثیر: ہذا حدیث جید قوی لہ شاہد فی الصحیح عن انس (ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 483/3)

اور قاضی ابو السعود کی طرح ہی کلام کیا ہے مزید یہ کہا ہے کہ **"ولا فھو ﷺمکتوب فی الذبور ایضاً"**[1] مگر یہ کہ آپ ﷺ کے اوصاف کا تذکرہ زبور میں بھی بیان ہوا ہے۔ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو وحی کی

یا داؤود انه سیأتی من بعدک نبی اسمه أحمد و محمد[2]

ترجمہ: اے داؤدؑ آپ کے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد ہو گا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اوصاف کا بیان زبور میں بھی ہے اور دیگر آسمانی کتب و صحائف میں بھی ہے جیسے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنَّه لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ﴾[3]

ترجمہ: اور اس کا ذکر خیر پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت کی بشارات سابقہ کتب میں بھی مرقوم ہیں۔ ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

"ای فی کتبھم یرید القرآن أنه مذکور فی الکتب المنزلة القدیمة"[4]

ترجمہ: یعنی ان سابقہ اقوام کی کتب میں قرآن کی مراد یہ ہے کہ آپ کا تذکرہ سابقہ الہامی کتب میں ہے۔

ابن عطیہ مزید لکھتے ہیں:

"بنی اسرائیل کے علماء حضور ﷺ کو جانتے تھے جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور وغیرہ ہیں حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے اور حضرت ابن عباس کا یہ بھی قول ہے جسے امام ثعلبی نے بیان کیا ہے کہ اہل مکہ نے یثرب کے علماء سے حضور ﷺ کی بابت دریافت کرنے کیلئے کسی کو بھیجا تو یہود کے علماء نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کا زمانہ ہے اور انہوں نے حضور ﷺ کی صفات کو بیان کیا پھر انہوں نے حضور ﷺ کی صفات کو خلط ملط کرنا شروع کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی"[5]

اسی کو بنیاد بناتے ہوئے ابن عطیہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ آیت مکی ہے۔

قاضی ابو السعود نے اس مقام پر ابن عطیہ کی طرح کسی روایت کو نقل نہیں کیا لیکن بحث اسی نوعیت کی کی کہ "سابقہ کتب میں حضور ﷺ کے اوصاف کا تذکرہ تھا **"یعرفونه بنعوته المذکورة فی کتبھم"**[6] وہ حضور

1۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 9/406

2۔ البیہقی، احمد بن الحسین، **دلائل النبوۃ**، تحقیق: عبد المعطی (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1409ھ)، 1/380

3۔ الشعراء: 196

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/243

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/243، /۔ الثعلبی، **الکشف والبیان**، 4/463-464

6۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/65

ﷺ کو ان صفات کے ذریعے پہچانتے تھے جو ان کی کتب میں مذکور ہیں۔ گویا سابقہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو آپ کی بعثت کی بشارات دیتے رہے ہیں۔

ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی اس آیت کے تحت اسی طرح کا کلام کیا ہے حتی کہ امام آلوسی نے ابن عطیہ کی ہی روایت کو ثعلبی کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے وہی تبصرہ کیا ہے جو ابن عطیہ نے کیا ہے[1]۔ علماء بنی اسرائیل حضور ﷺ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بچوں کو پہچانتے تھے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ان کی کتب میں آپ ﷺ کے متعلق بشارات موجود ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ﴾ [2]

ترجمہ: جنہیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔

جب اہل مکہ نے اہل کتاب سے حضور ﷺ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے انکار کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ان کا انکار محض تعصب اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ہے۔ ابن عطیہ اس تناظر میں تحریر کرتے ہیں:

﴿الْكِتَابَ﴾ "معناه التوراة و الانجيل"[3]

"ترجمہ: اس آیت میں الکتاب سے مراد تورات اور انجیل ہیں۔

بعد ازاں ابن عطیہ عبد اللہ بن سلام سے مروی وہ روایت نقل کرتے ہیں جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی معرفت کس قدر تھی۔ "حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت عبد اللہ بن سلام سے پوچھا کہ مکہ میں یہ نازل ہوا کہ تم حضور ﷺ کو ایسے پہچانتے ہو جیسے اپنے بیٹوں کو تو تمہیں یہ معرفت کیسے ہے اس پر عبد اللہ بن سلام نے جواب دیا:

"فقال عبدالله بن سلام نعم اعرفه الصفة التی و صفه الله فی التوراة فلا أشک فيه و أما ابنی فلا أدری ما أحدثت أمه"[4]

ترجمہ: عبد اللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ ہاں میں حضور ﷺ کو اس صفت سے پہچانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے تورات میں بیان فرمائی ہے کہ مجھے اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں اور اللہ کی قسم میں اپنے بچے سے بھی زیادہ حضور کو پہچانتا ہوں کیوں کہ مجھے اپنے بچے کی ماں پر اتنا یقین نہیں ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کی حضور ﷺ کے متعلق بتائی ہوئی علامات پر ہے۔

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 6/163، /۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 19/280

2۔ سورۃ الانعام: 20

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/276

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 277/ /۔ الثعلبی، **الکشف والبیان**، 2/526

قاضی ابو السعود تحریر کرتے ہیں: '

'أی يعرفون رسول الله ﷺ بحلتيه و نعوته المذكورة فيها''[1]

ترجمہ: اہل کتاب حضور ﷺ کو اس حلیے اور صفات سے پہچانتے تھے جو ان دونوں تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔

بعد ازاں قاضی ابو السعود نے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ سے مروی مذکورہ کلام نقل فرمایا جسے ابن عطیہ نے بھی رقم فرمایا ہے[2]۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کا مذکورہ کلام اس حقیقت کو بھی واضح کرتا ہے کہ اس دور تک تورات میں حضور ﷺ کے محامد و محاسن بالصراحت مرقوم تھے یہی وجہ ہے کہ آپؓ نے اس اعتماد کے ساتھ کلام کیا اور دوسرا چونکہ تورات عبرانی میں تھی اور یہ عبرانی کو جانتے تھے[3] گویا تحریفات کا سلسلہ تراجم در تراجم کی صورت میں زیادہ ہوا اور یہ بھی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے اوصاف کو چھپاتے تھے یعنی تحریری صورت میں تو تھے یہود و نصاریٰ کے علماء انہیں بیان کرتے وقت ان کی اور مراد بیان کرنے کی کوشش کرتے جیسے گزشتہ صفحات میں اس یہودی کے بیٹے کا واقعہ گزر چکا جس کی عیادت کیلئے حضور ﷺ گئے تھے اور اس کے باپ نے اس بات کی نفی کی کہ آپ ﷺ کی صفات کا تذکرہ تو ان میں نہیں ہے تب اس کے بیٹے نے کہا تھا کہ صفات کا ذکر موجود ہے اور جیسے رجم کی سزا پر تفصیل بتاتے ہوئے یہودی علماء نے اس مقام پر ہاتھ رکھ لیا جہاں سزا کا تذکرہ تھا اس وقت حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا تھا کہ یہاں سے ہاتھ اٹھاؤ[4]۔ گویا حضور ﷺ کی صفات کو وہ ایسے ہی چھپانے کی کوشش کرتے تھے اور اگر بالصراحت علامات مذکور نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ بھی یہ کلام نہ کرتا کہ "وہ حضور ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو"

امام آلوسی نے بھی ابن عطیہ اور امام ابو السعود کی طرح اس آیت کے ضمن میں عبد اللہ بن سلام والی روایت نقل کی ہے[5]۔ قرآن مجید کی کئی اور آیات سے بھی یہ امر واضح ہوتا ہے کہ وہ حق کو باطل کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَلْبِسُو ا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[6]

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/428

2۔ ایضاً

3۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (550ء-663ء) حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے یہود کے علماء میں سے ایک عالم تھے جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اسلام قبول کیا اور 43ھ میں انتقال ہوا (ابن عبد البر، عمر یوسف بن عبد اللہ، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، تحقیق: علی محمد (بیروت: دار الجیل، الطبعۃ الاولیٰ، 1412ھ)، 922

4۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الحدود، باب رجم الیہود، اہل الذمۃ فی الزنی، ح1699

5۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 8/97

6۔ البقرۃ: 42

ترجمہ: اور مت ملایا کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم اسے جانتے ہو۔

تورات حضور ﷺ کے کمالات و اوصاف اور علامات کے تذکروں سے مزین تھی بنی اسرائیل کے علماء ان کی ناحق تاویلات کرتے یا انہیں چھپانے کی کوشش کرتے۔ ابن عطیہ اس تناظر میں مختلف اقوال تحریر کرتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے "کہ حق سے مراد تورات اور باطل سے مراد حضور ﷺ کے ذکر کو بدلنا ہے اور حق کو چھپانے سے مراد یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کے امر کو چھپاتے ہیں اور ﴿اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منع کیا کہ تم اس کو مت چھپاؤ جس کو تم جانتے ہو"[1]۔ قاضی ابو السعود نے اولاً ﴿وَلَا تَلْبِسُوا﴾ کا لغوی معنی بیان کیا ہے "واللبس الخلط، و قد يلزمه الاشباه من المختلطين"[2] "اللبس" کا معنی خلط ملط کرنا ہے جس سے دو مختلط چیزوں میں اشتباہ لازم آجاتا ہے یعنی حق اور باطل میں تمیز ختم ہو جاتی ہے لغوی معنی کے بیان میں ان کے کردار کی صحیح وضاحت ہوتی ہے۔ وہ حق کون سا تھا جس کو چھپاتے تھے اس پر آپ لکھتے ہیں:

"بل هو نعت النبی ﷺ الذی کتموه و کتبوا مکانه غيره کما سيجی فی قوله تعالی:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ﴾[3]

ترجمہ: بلکہ وہ حضور ﷺ کی نعت تھی جسے وہ چھپاتے تھے اور اس نعت کی جگہ کسی اور چیز کو لکھ لیتے تھے ان کے اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں مذمت کی ہے پس ہلاکت ہو ان کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب خود اپنے ہاتھوں سے۔[4]

اس میں یہود کے علماء کی اس کارستانی کا بیان ہے کہ انہوں نے آیات الٰہی کو سرے سے بدل ڈالا اور یوں بعد میں بھی کسی شخص کے لئے غور و فکر کا موقع نہ چھوڑا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت تک حضور ﷺ کی صفات کا تذکرہ ان کی کتب میں پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا اور جب آپ نے اعلان نبوت کیا تو اس وقت انہوں نے ازراہ تعصب اور حسد کے نبی آخر الزمان کی صفات کو بدلنا اور چھپانا شروع کر دیا اس بنا پر کہ ان کی بعثت بنی اسماعیل کے ہاں کیوں ہوئی بنی اسرائیل اس اعزاز اور شرف سے کیوں محروم ہوئے۔ اس آیت مقدسہ میں بھی ان کے اس مذموم فعل کا تذکرہ ہے کہ وہ کس طرح حضور ﷺ کی صفات میں تحریف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْكَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَه مِنْ م بَعْدِ مَاعَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾[5]

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/135

2۔ ابو السعود، ارشاد **العقل السلیم**، 1/147

3۔ البقرۃ: 79

4۔ ابو السعود، ارشاد **العقل السلیم**، 1/148

5۔ البقرۃ: 75

ترجمہ: اے مسلمانو! کیا تم یہ امید رکھتے ہو کہ یہ یہودی ایمان لائیں گے تمہارے کہنے سے حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سنتا تھا کلام الٰہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے خوب سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحریف خوب جاننے اور سمجھنے کے بعد کرتے ہیں گویا تورات میں آپ ﷺ کی صفات اس انداز میں مذکور تھیں جن میں شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

"وقال مجاهد و السدی: عنی بالفریق هنا الاحبار الذین حرفوا التوراة فی صفة محمد ﷺ"[1]

ترجمہ: حضرت مجاہد اور سدی کا قول ہے کہ یہاں یہود کے علماء کا وہ گروہ مراد ہے جس نے تورات میں حضور ﷺ کی صفت میں تحریف کر دی تھی"۔

قاضی ابو السعود نقل کرتے ہیں:

"هم الذین غیره نعت النبی ﷺ فی عصره"[2]

ترجمہ: یہ ان علماء کا گروہ تھا جس نے حضور کی نعت صفت کو ان کے زمانے میں بدل ڈالا تھا۔

قاضی ابو السعود کا یہ کلام توجہ طلب ہے **"فی عصره"** یعنی انہوں نے تورات میں مذکور حضور ﷺ کی صفات کو آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل نہیں بدلا تھا بلکہ آپ کے عہد رسالت میں انہوں نے تعصب اور عناد کی بنیاد پر سب کیا۔ قاضی ابو السعود نے حضرت عباسؓ سے مروی یہ قول بھی نقل کیا ہے اس سے مراد ان ستر افراد کا گروہ تھا جنہیں موسیٰؑ کوہ طور پر ساتھ لیکر گئے تھے اور انہوں نے اللہ کا کلام سنا جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام کیا"[3] جبکہ ابن عطیہ نے اسے ضعیف کہا آپ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے: **"وأذهب فضیلة موسیٰ و اختصاصه بالتکلیم"**[4]۔ اس نظریہ سے حضرت موسیٰؑ کی اللہ سے ہم کلام ہونے کی خصوصیت چلی جاتی ہے ابن عطیہ کا موقف بظاہر درست معلوم ہوتا ہے امام آلوسی یہی کہتے ہیں:

والمصحح أنهم لم یسمعوا بغیر واسطة و أن ذلک مخصوص به ﷺ[5]

ترجمہ: درست بات یہی ہے کہ ان ستر لوگوں نے بغیر واسطہ کے اللہ کو نہیں سنا یہ حضرت موسیٰؑ کیساتھ خاص ہے۔

ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے دیگر مقامات پر بھی یہود کے علماء کی ان حرکات پر بحث کی ہے کہ وہ

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 167، 168

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 174

3۔ ایضاً/۔ الطبری، **جامع البیان**، 2/ 142، 143

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 168

5۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 2/ 257

تورات میں مذکور حضور ﷺ کی صفات کو کس طرح تحریف و تلبیس کا نشانہ بناتے [1]۔ قاضی ابو السعود نے یہ بھی لکھا کہ وہ حضور ﷺ کے اوصاف کو کس طرح بدلتے:

"فعمدوا الی صفة النبی ﷺ فی التوراة و کانت ھی فیھا: حسن الوجه حسن الشعر اکحل العینین ربعة، فغیروھا و کتبوا مکانھا: طوال أزرق بسط الشعر"[2]

ترجمہ: جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اپنے اثر و رسوخ میں زوال کے خوف سے کہ کہیں ان کے پیروکار حضور ﷺ کے متبع نہ بن جائیں انہوں نے تورات میں موجود آپ کی صفات کو بدل ڈالا تورات میں تھا کہ آپ حسین چہرے والے، حسین زلفوں والے، سرمگین آنکھوں والے اور درمیانے قد کے ہیں انہوں نے ان اوصاف کو اس طرح بدلا لمبا قد، زرد رنگ اور لمبیں زلفیں۔

مذکورہ بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتب میں آپ ﷺ کے محامد و اوصاف کا ذکر خیر کرتے ہوئے آپ کی بعثت کی بشارات دی تھیں آپ کے اعلان نبوت تک وہ اوصاف ان کتب میں مذکور رہے اور جب آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور مدینہ طیبہ ہجرت کی اس وقت یہودی علماء نے خاص طور پر ذاتی عناد اور دنیاوی حرص و طمع کی بدولت آپ ﷺ کی نبوت کا نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کو دانستہ طور پر تحریف و تبدل کا بھی شاخسانہ بنادیا۔

مبحث دوم: حضور ﷺ کے توسل سے فتح و نصرت مانگنا

حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ سے قبل یہود کا یہ شعار تھا کہ کفار و مشرکین سے جب ان کی جنگ ہوتی اور فتح کے ظاہری امکانات معدوم نظر آتے تو ایسے پر آشوب وقت میں تورات کا وہ مقام کھول کر جہاں حضور ﷺ کی صفات کا ذکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھ کر دعا کرتے کہ اے اللہ اس نبی کے توسل سے تجھ سے التجا کرتے ہیں فتح عطا کر ان کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾[3]

ترجمہ: اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب قرآن جو تصدیق کرتی تھی اس کتاب کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر اس نبی کے وسیلہ سے تو جب تشریف فرما ہو ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے ماننے سے۔

ابن عطیہ نقل کرتے ہیں: "بنی اسرائیل حضور ﷺ کی بعثت سے قبل یہ جانتے تھے کہ آپ کہاں اور کب

1۔ دیکھیے، ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/168،170،454/۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/175، 4/37

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/179/۔ الثعلبی، **الکشف البیان**، 1/144

3۔ البقرۃ:89

تشریف لائیں گے اور یہ انہوں نے اپنی کتب میں حضور ﷺ کی صفات کے مطالعہ سے جانا تھا پس جب ان کی اوس اور خزرج سے لڑائی ہوتی اور عرب ان پر غالب آنے لگتے تو ان سے کہتے کہ نبی آخر الزمان کی بعثت کا وقت ہو چکا ہے پس وہ تشریف لائیں تو ہم ان کی معیت میں تم سے لڑیں گے اور ہم اس کے واسطہ سے تمہارے خلاف مدد طلب کریں گے [1]۔ آپ مزید لکھتے ہیں "بنو قریظہ، بنو نضیر اور حجاز کے تمام یہود سارے عرب کے خلاف حضور علیہ الصلوٰۃ کے توسل سے فتح طلب کرتے تھے اور وہ آپ کی جائے ہجرت سے واقف تھے۔ حضور ﷺ کے اس مقام پر تشریف لانے کے سبب کی وجہ سے انہوں نے حجاز کو اپنا مسکن بنایا بعد ازاں پہچاننے سے انکار کر دیا:

واظهرمن هذا الآيات العناد منهم و أن كفرهم كان مع معرفة و معاندة[2]

ترجمہ: ان آیات سے ان کا حضور ﷺ سے عناد ظاہر ہوتا ہے اور ان کا حضور ﷺ کو جاننا معرفت کے ساتھ اور عناد کی بنیاد پر تھا۔

قاضی ابو السعود اس مقام پر وہ دعا بھی نقل کرتے ہیں جو وہ کیا کرتے تھے آپ رقم طراز ہیں:

اللهم انصرنا بالنبى المبعوث فى آخر الزمان الذى نجد نعته فى التوراة" [3]

ترجمہ: اے اللہ ہمیں اس نبی کی برکت سے مدد عطا فرما جو آخری زمانے میں تشریف لائے گا اور جس کی تعریف ہم نے تورات میں مطالعہ کی ہے۔

اس عبارت سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ تورات میں بھی حضور ﷺ کا تعارف بحیثیت آخری نبی کروایا گیا ہے اس کے بعد قاضی ابو السعود اس کا سبب نزول بیان کرتے ہیں کہ یہ "بنو قریظہ اور بنو نضیر کے لئے نازل ہوئی کہ وہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اوس و خزرج کے مقابلے میں آپ ﷺ کے توسل سے فتح مانگا کرتے تھے"[4]۔ مزید برآں آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "وہ جانتے تھے کہ آپ کی بعثت قریب ہے اور علم نحو کی روشنی میں ان یہود کے عناد کو واضح کرتے ہیں:

"فالجملة حالية مفيدة لكمال مكابرتهم و عنادهم"[5]

ترجمہ: پس یہ جملہ حالیہ ہے جو ان کے کبر اور عناد کی انتہا کو واضح کرتا ہے۔

قاضی ابو السعود نے اس جگہ پر ابن عطیہ کی نسبت دعا کا تذکرہ بھی کیا ہے اور نحوی مباحث کی روشنی میں ان کے عناد کو بھی بیان کیا ہے۔ مذکورہ بحث کا اگر تفسیر ابن کثیر سے تجزیہ کیا تو یہی بحث امام ابن کثیر نے بھی کی ہے

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 178

2۔ ایضاً

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 189

4۔ ایضاً

5۔ ایضاً

انہوں نے ان کی دعا کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

"اللھم ابعث ھذا النبی الذی نجدہ مکتوباً عندنا حتی نعذب المشرکین و نقتلھم"[1]

ترجمہ: اے اللہ اس نبی کو بھیج جس کا ذکر ہم تورات میں پاتے ہیں یہاں تک کہ ہم مشرکین کو تکلیف پہنچائیں اور انہیں قتل کر دیں۔

امام آلوسی نے اس آیت کے تحت مذکورہ بحث کرتے ہوئے اس بات کا اضافہ کیا ہے:

"جب مشرکین اوران یہود کے درمیان جنگ شدت اختیار کر جاتی تو وہ تورات کو نکالتے اور جس مقام حضور ﷺ کا ذکر جمیل ہو تا وہاں ہاتھ رکھ کر یہ دعا کرتے۔ اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اس نبی کے واسطے سے سوال کرتے ہیں جس کا تو نے آخری زمانے میں مبعوث کرنے کا وعدہ فرمایا ہے تو آج ہمیں ہمارے دشمن کے مقابلے میں فتح عطا کر تو پس ان کی مدد کر دی جاتی"[2]

باقی ان کی بحث ابن عطیہ اور ابو السعود سے ملتی جلتی ہے اس سے واضح ہو تا ہے کہ سابقہ کتب میں حضور ﷺ کی بعثت کی بشارات اس انداز میں تھیں کہ جن میں آپ ﷺ کو آخری نبی بھی کہا گیا ہے۔

مبحث سوم: بشارات اور میثاق انبیاء علیہم السلام

قرآن مجید میں تین مواثیق کا بیان ہے ایک جب اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام بنی آدم سے اپنی توحید کا عہد لیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا﴾[3]

ترجمہ: اور پوچھا کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔

مذکورہ آیت میں اگرچہ لفظ "میثاق" کا ذکر نہیں ہے مگر اس میں بھی ایک عہد کا تذکرہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنی توحید اور الوہیت کا عہد لیا اسی طرح دوسرا میثاق تمام انبیاء سے خاص طور پر لیا گیا:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ--- الخ[4]﴾

ترجمہ: اور اے حبیب ﷺ یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا۔

یہ میثاق نبوت تھا کہ جب آپ کو منصب نبوت پر فائز کیا جائے گا تو اس وقت بار نبوت سے صحیح معنوں میں عہدہ برآں ہونے کی کوشش کرنا اور بلاشبہ ہر نبی نے اپنی ذمہ داری کامل طریقے سے نبھائی۔ تیسرا میثاق بھی انبیاء

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 1/ 326

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 1/ 305

3۔ الاعراف:172

4۔ الاحزاب:7

کرام سے ہی تھا اور وہ میثاق ان سے حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کا تھا زیر تحقیق مقالہ میں یہی موضوع بحث بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ﴾ [1]

ترجمہ: اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو صدیق کرنے والا ہو ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی۔

یہی وہ میثاق تھا جس کے تحت انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو حضور کی بعثت کی بشارات دیتے رہے ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

"وقال علی بن طالب: ما بعث الله نبیاً، آدم فمن بعده، الا أخذ علیه العهد فی محمد لئن بعث وهو حی لیومنن به و لینصرنه و أمره بأخده علیٰ قومه ثم تلاهذه الآیة" [2]

ترجمہ: حضرت علیؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور ان کے بعد جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا ان سے اس بات پر عہد لیا کہ جب حضور ﷺ کو مبعوث کیا جائے اور وہ زندہ ہوں تو حضور ﷺ پر ضرور ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور ہر نبی نے اپنی امت سے بھی اس پر عہد لیا اور پھر حضرت علیؓ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

ابن عطیہ اس ضمن میں مختلف اقوال پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

"وهذه الاقوال کلها ترجع الی ما قاله علی بن طالب و ابن عباس، لأن الاخذ علی الانبیاء أخذ علی الامم" [3]

ترجمہ: ان تمام اقوال کا مرجع حضرت علی اور ابن عباسؓ کا قول ہے اور انبیاء علیہم السلام سے عہد ان کی امتوں سے بھی یہ عہد تھا۔

گویا ہر نبی کے دور میں حضور ﷺ کے تذکرے ہوتے رہے ان کی نوعیت کیا تھی اس مقام پر ابن عطیہ نے کوئی کلام نہیں کیا۔ قاضی ابو السعود نے اس آیت کے تحت ابن عطیہ کی طرح کسی روایت کو نقل نہیں فرمایا ہے بلکہ میثاق کے اطلاقات پر کلام کیا ہے اور اس ضمن میں نحوی بحثیں بھی کی ہیں آپ نقل کرتے ہیں:

1۔ آل عمران:81

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 464

3۔ ایضاً

"جب یہ وعدہ انبیاء سے ہے تو ان کی امتیں بدرجہ اولیٰ اس میں شامل ہوں گی اور یہ بھی قول ہے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں دونوں مراد ہیں انبیاء کے ذکر کے بعد ان کی امتوں کے ذکر کی ضرورت نہ رہی[1]"

بعد ازاں نحوی بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"وقیل: اضافة المیثاق الی النبیین اضافة الی الفاعل و المغنیٰ و اذ أخذ الله المیثاق الذی و ثقه الانبیاء علی اممهم"[2]

ترجمہ: یہ بھی قول ہے کہ میثاق کی اضافت نسبت انبیاء کی طرف فاعل کی طرف اضافت ہے اس طرح معنی یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے وہ پختہ عہد لیا جیسے انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں سے لیا تھا۔

مذکورہ بحث کا لب لباب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت پر بشارات اور تذکرے انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے ادوار میں کرتے رہے ہیں۔ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت وہی روایت نقل کی ہے جسے ابن عطیہ نے بھی نقل کیا ہے[3]۔ امام آلوسی نے ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت کو ابن جریر کا حوالہ دیتے ہوئے بیان کیا ہے[4] مزید برآں آپ نے قاضی ابوالسعود کی طرح بحث کی ہے کہ "میثاق النبیین" میں مضاف محذوف ہے یعنی "امم النبیین" مراد ہے۔

"وقیل المضاف المخذوف اولاد، و المراد بهم علی الصحیح: بنو اسرائیل لکثرة اولاد الانبیاء فیهم"[5]

ترجمہ: مضاف محذوف ہے اور اس سے ان کی اولاد مراد لینا صحیح ہے کیوں کہ بنی اسرائیل بے شمار انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں۔

مذکورہ بحث پہ یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ پھر یہ میثاق کہاں لیا گیا آیت مقدسہ کا اسلوب تو بتاتا ہے کہ یہ عالم ارواح میں فقط انبیاء علیہم السلام سے ہوا جیسے آیت کریمہ میں آتا ہے:

﴿لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ﴾[6]

ترجمہ: قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب و حکمت۔

تو ان کی امتوں سے یہ میثاق کہاں لیا گیا تو اس پر امام آلوسی نے یہ کلام کیا ہے **"اذا کان ذلک الأخذ**

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/458

2۔ ایضاً

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/67

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 4/294/۔ الطبری، **جامع البیان**، 5/540

5۔ ایضاً، ص297

6۔ آل عمران: 81

عليهم فی کتبهم لا فی عالم الذر"[1] ان سے یہ عہد ان کی کتابوں میں لیا گیا ہے نہ کہ عالم ارواح میں گویا انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے عہد میں اپنی امتوں سے آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کا پختہ عہد و پیمان لیتے رہے۔ ابن اسحٰق اپنی سند کے ساتھ یہ بات نقل کرنے کے بعد اسی آیت کو پیش کرتے ہیں:

"ثم بعث الله عزوجل محمدًا ﷺ رحمة للعالمين، وكافة للناس، وكان الله قد أخذه ميثاقاً على كل نبى بعثه قبله بالايمان به"[2]

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت اور جملہ انسانوں کے لئے مبعوث فرمایا اور اللہ تعالیٰ آپ سے قبل تشریف لانے والے ہر نبی سے یہ پختہ عہد لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائے گا۔

گزشتہ صفحات میں ان علامات اور اوصاف کا تذکرہ ہے جو ان کی کتب میں حضور ﷺ کی بابت مذکور ہے۔ ابن عطیہ نے ایک اور مقام پر میثاق انبیاء کے تناظر میں حضور ﷺ کی نبوت و رسالت پر بحث کی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾[3]

ترجمہ: اور اے حبیب ﷺ یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے بھی اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا۔

پیش کردہ آیت میں اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام سے کار نبوت کو بحسن وخوبی سرانجام دینے کا عہد لیا گیا ہے مگر اس کے تحت ابن عطیہ حضور ﷺ کے زمانہ نبوت کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اس آیت میں آپ ﷺ کا تذکرہ پہلے کرنے کی وجہ یہ ہے کہ روحانی اعتبار سے آپ کی تخلیق سب سے پہلے ہوئی:

"ذكره الثعلبى، وقدم ذكر محمد ﷺ على مرتبته فى الزمن تشريفاً خاصاً له ايضاً وروى عنه ﷺ أنه قال: كنت اول الانبياء فى الخلق و آخرهم فى البعث"[4]

ترجمہ: ثعلبی نے اس کو ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے ذکر کو مقدم اس لئے رکھا گیا کہ آپ کو زمانی اعتبار سے وہ خاص شرف حاصل ہے جیسے آپ ﷺ سے مروی ہے کہ میں انبیاء علیہم السلام میں ازروئے خلق اول اور ازروئے بعثت آخر میں آیا ہوں۔

1۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 4/294

2۔ ابن اسحٰق، **السیرۃ النبویۃ**، ص 173

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/371

4۔ امام ثعلبی نے "اول الانبیاء" کی جگہ "اول النبیین" کے کلمات کو ذکر کیا ہے (الثعلبی، **الکشف والبیان**، 5/81)، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں "سعید بن بشیر" اس میں ضعف ہے اور سعید بن ابی عروبۃ نے اسے قتادہ سے مرسلاً اور بعض نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے (ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 6/382، 383)

قاضی ابو السعود نے اس آیت کے تحت ابن عطیہ جیسا کلام نہیں کیا ہے۔

پیش کردہ عبارات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے میثاق کی وساطت سے بھی آپ ﷺ کی بعثت کی بشارت دی گئی اس کے علاوہ ایک انتہائی مبارک مقام اور ساعتوں میں ایک مقدس ہستی حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی صورت میں آپ ﷺ کی بعثت کی بشارت دی اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ الخ﴾[1]

ترجمہ: اور یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل علیہ السلام بھی۔

حضرت ابراہیمؑ نے ایسے پر کیف لمحات میں خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران دامن طلب رب کریم کی بارگاہ میں پھیلاتے ہوئے عرض کی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾[2]

ترجمہ: اے ہمارے رب بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اس التجا کا مصداق ذات مصطفیٰ ﷺ ہے۔ ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

”هذا هو الذی أراد النبی ﷺ بقوله أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسَى[3]

ترجمہ: اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے جیسے آپ کا فرمان ہے کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت ہوں۔

قاضی ابو السعود تحریر کرتے ہیں:

”ولم یبعث من ذریتهما غیر النبی ﷺ فهو الذی أحبیب به دعوتهما ﷺ“[4]

ترجمہ: حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہوا پس ان دونوں کی دعا کی قبولیت اطلاق حضور ﷺ کی ذات پر ہی ہوتا ہے۔

اگر ان دونوں کا تجزیہ کیا جائے ان حضرات نے بھی اس آیت کے تحت: مذکورہ بحث ہی کی ہے[5]۔

مذکورہ تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کی بشارات ہر نبی کی وساطت سے ان کی امتوں کو دی جاتی رہی ہے اس طرح آپ ﷺ کا ذکر خیر تمام عصور کو اپنے دامن میں لیا ہوا ہے جو آپ کی نبوت کی آفاقیت اور

1۔ البقرۃ:127

2۔ البقرۃ:129

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/212/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: شعیب الارنوط، ح17150، **صحیح الاسناد** (الالبانی، محمد ناصر الدین (الریاض: مکتبۃ المعارف، س ط ندارد)، 4/60، ح51545

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/235

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 1/443، 444/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 2/449

خاتمیت کا بھی مظہر ہے۔

مبحث چہارم: ولادت باسعادت حضور علیہ التحیۃ والثناء

اللہ تعالیٰ نے اس جہان رنگ و بو میں ماہ ربیع الاول بروز پیر کو صبح صادق کی ضیاء بار سہانی گھڑی میں اپنے حبیب ﷺ کا ولود مسعود فرمایا آپ کی ولادت مبارکہ سے صرف جزیرہ عرب کا بخت خفتہ بیدار نہیں ہوا بلکہ جملہ عالم انسانیت جو صدہا برس سے متنوع قسم کے بحرانوں کا شکار تھا اسے ان سب سے گلو خلاصی کا مژدہ جاں فزا ملا آپ ﷺ کی ولادت باسعادت صحیح قول کے مطابق عام الفیل [1] کو ہوئی۔ ابن عطیہ نے سورۃ الفیل کی تفسیر میں حضور ﷺ کی ولادت پر بحث نہیں کی جب کہ قاضی ابو السعود نقل کرتے ہیں:

"روی أن القصة وقعت فی السنة التی ولد فیھا النبی علیه الصلوٰة والسلام" [2]

ترجمہ: واقعہ روایت کیا جاتا ہے جس سال حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔

اس کے بعد قاضی ابو السعود نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان فرمایا کہ جب ابرھۃ نے بیت اللہ شرف پر حملہ کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا کیا انجام کیا۔ قاضی ابو السعود نے جس سال یہ واقعہ ہوا اس سال کو حضور ﷺ کی ولادت کا سال کہا ہے اسی طرح ابن کثیر نقل کرتے ہیں:

"فانه فی ذلک العام ولد علی أشھر الاقوال" [3]

ترجمہ: بے شک مشہور ترین قول کے مطابق آپ ﷺ کی ولادت اس سال عام الفیل کو ہوئی۔

امام آلوسی مختلف اقوال نقل کرتے ہیں پہلا قول مذکورہ بحث کے مطابق ہے اس کے بعد آپ تمام اقوال پر تبصرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"وعلی الاول المرجح الذی علیه الجمھور قیل: ولادته الصلوٰة والسلام علیه فی الیوم الذی بعث اللہ تعالیٰ فیه الطیر علی أصحاب الفیل من ذلک العام" [4]

ترجمہ: پہلا قول راجح ہے جو کہ جمہور کا موقف بھی ہے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت اس سال کے اس دن ہوئی جس دن اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کے اصحاب پر پرندے بھیجے تھے۔

قاضی ابو السعود نے صرف "عام الفیل" کی بات کی دن کون سا تھا اس پر کلام نہیں کیا جب کہ امام آلوسی

1۔ جس سال ابرھۃ یمن کا بادشاہ جس کا نام "القلیس" تھا نے کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے کی غرض سے اس پر ہاتھیوں کے لشکر کے ذریعے حملہ کیا تھا اس سال کو "عام الفیل" کہا جاتا ہے (ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/503)

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/503

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/483

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/325

نے یوم پیدائش اسی دن کو نقل کیا ہے جس دن اصحاب فیل کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا امام ابن اسحٰق نے عام الفیل کی بات تو کی مگر دن کا نہیں لکھا:

''قال ولدت أنا رسول الله ﷺعام الفیل''[1]

ترجمہ: قیس بن مخزمہ نے کہا کہ میں اور رسول اللہ ﷺ عام الفیل کو پیدا ہوئے۔

ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے ماہ و سال کی بات کے ساتھ ساتھ دن کی بات بھی کی مگر یہ کہ وہ دن اصحاب فیل کے واقعہ کا دن ہے یہ کلام نہیں کیا ہے:

''ولد رسول الله ﷺیوم الاثنین لاثنتی عشرة لیلة خلت من شهر ربیع الاول، عام الفیل''[2]

آپ ﷺ کی ولادت پیر کے دن بارہ ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی۔ اس پر علماء کا تقریباً اتفاق ہے کہ پیر کا دن تھا ماہ ربیع الاول اور عام الفیل تھے۔ رمضان یا محرم کے اقوال اور عام الفیل کا واقعہ دس یا پندرہ یا تیس سال پہلے واقعہ ہوا تھا اس کو درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا ہے البتہ زیادہ اختلاف ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی اس پر ہوا اور عام الفیل کے کتنے دن بعد آپ کی ولادت ہوئی عام الفیل کے کون سے دن ہوئی اس پر مشہور قول یہ ہے:

''أنه ﷺولد بعد مجئی الفیل بخمسین یوماً وهو الاکثر و الاشهر''[3]

ترجمہ: آپ ﷺ کی ولادت اس واقعہ کے پچاس دن بعد ہوئی یہ واقعہ محرم کو ہوا تھا اور آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی تھی۔"

امام آلوسی چالیس دن کا قول نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

''والمشهور ما ذهب الیه السهیلی''[4]

ترجمہ: مشہور قول امام سہیلی پچاس دن بعد کا ہے۔

آپ ﷺ نے بذات خود پیر کے دن کو اپنی پیدائش کا دن کہا ہے:

عَنْ أبی قَتَادَةَ الانْصَارِیْ أن رَسولَ الله ﷺسُئلَ عَنْ صَوْم الْاثْنینِ؟ فَقَال: فِیْه وُلِدْت و فیه أنِزلَ عَلَیَّ[5]

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن کے روزہ کے بارے میں

1۔ ابن اسحٰق، **السیرة النبویة**، 1/99

2۔ ابن ہشام، **السیرة النبویة**، ص76

3۔ السہیلی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، **الروض الانف**، (بیروت: دار الکتب العلمیة، س ط ند ارد)، 1/283

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/325

5۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أیام من کل شهر۔۔۔۔ والاثنین، ح1162

پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی اتاری گئی۔

اور ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی جب آپ ﷺ اس جہان ہست و بود میں جلوہ بار ہوئے اس پر معرکۃ الآراء بحثیں موجود ہیں لیکن اس مقام کی نزاکتوں کا احساس کرتے ہوئے طوالت سے بچنے کے لئے مختصراً مگر جامع انداز میں تحقیق پیش کی جائے گی۔ ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود دونوں نے اس موضوع پر بحث نہیں کی ہے ابن ہشام نے بارہ ربیع الاول کی تاریخ لکھی ہے جیسے گزشتہ صفحات میں مرقوم ہے ابن کثیر نقل کرتے ہیں:

وعن جابر و ابن عباس أنهما قالا: ولد رسول الله ﷺعام الفيل يوم الاثنين الثاني عشر من شهر ربيع الاول۔۔۔الخ[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت عام الفیل بروز پیر بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔

ابن کثیر اس مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:'

'وهذا هو المشهور عند الجمهور واللهاعلم"

ترجمہ: جمہور علماء کے نزدیک یہی قول مشہور ہے۔

ابن کثیر نے دو، آٹھ، نو، دس اور سترہ ربیع الاول کے اقوال بھی نقل کئے ہیں لیکن صحیح قول آپ کے نزدیک 9 ربیع الاول ہے:

"والصحيح عن ابن حزم الاول أنه لثمان مضين منه نقله عنه الحميدى وهو أثبت'[2]

ترجمہ: ابن حزم کا پہلا قول صحیح ہے کہ آٹھ دن ربیع الاول سے گزر چکے تھے گویا تاریخ 9 تھی حمیدی سے بھی یہ منقول ہے اور زیادہ درست بھی یہی ہے۔

ابن اَبی شیبہ سے مروی روایت کی سند پر جناب طاہر گیلانی یوں تبصرہ کرتے ہیں: "اس کی سند بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے مگر حقیقتاً منقطع ہے"[3]۔ پیر کرم شاہ الازہری اس روایت کی سندی حیثیت پر یوں کلام کرتے ہیں: "یہ صحیح الاسناد روایت دو جلیل القدر صحابہ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے"[4]۔ آپ نے اس کی سند کے راویان کے مرتبہ پر بھی بحث کی ہے مگر کوئی حوالہ بطور ماخذ ذکر نہیں کیا[5]۔ ابن خلدون رقم طراز

1۔ ابن کثیر، محمد بن اسماعیل بن عمر، **السیرۃ النبویۃ**، (بیروت: دارالمعرفۃ، س ط ندارد) 1/199

2۔ ایضاً

3۔ گیلانی، طاہر (مدیر)، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، (الریاض: دارالسلام، 1433ھ) 2/104

4۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء النبی ﷺ** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز 1420ھ)، 2/38

5۔ ایضاً

ہیں: ”رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارک عام الفیل کو ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی“[1]۔ ابن سید الناس نے بھی آپ ﷺ کی تاریخ ولادت بارہ ربیع الاول لکھی ہے ”ہمارے سردار اور نبی محمد رسول اللہ ﷺ پیر کے روز بارہ ربیع الاول عام الفیل کو پیدا ہوئے“[2]

Muhammad ﷺ was born in Makkah, Arabia, on Monday, 12 Rabi'Al Awwal 2 August C.E [3]

آپ ﷺ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی یہ مشہور اور جمہور علماء کا قول ہے جن کا انحصار روایت پر ہے جس پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے لیکن اس کے علاوہ ممتاز اور معروف علماء کی رائے بارہ تاریخ کے برعکس آٹھ اور نو ربیع الاول کی بھی ہے امام قسطلانی نقل کرتے ہیں:

”اکثر محدثین نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی صحیح تاریخ پیدائش نو ربیع الاول ہی ہے ابن عباس اور جبیر بن مطعم سے بھی یہی قول منسوب ہے حمیدی اور ان کے شیخ ابن حزم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے“[4]

امام قسطلانی نو ربیع الاول کو محدثین کی اکثریت کا قول نقل کرتے ہیں جب کہ سیرت نگاروں کی اکثریت بارہ ربیع الاول کا قول بیان کرتی ہے اور نو ربیع الاول کے قول کے صحیح ہونے پر محمود پاشا فلکی کی تحقیق کو بھی پیش کیا جاتا ہے:

”مصر کے مشہور ہیئت دان محمود پاشا فلکی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت نو ربیع الاول کو ہوئی اسی تاریخ کو پیر کا دن بنتا ہے اسی دن اپریل کی بیس تاریخ تھی اور سن 571 تھا“[5]۔ شبلی نعمانی نے بھی محمود پاشا فلکی کے حوالہ سے نو ربیع الاول کا قول تحریر کیا ہے[6]۔ ان کی رائے بھی نو ربیع الاول کی ہے“[7]۔

مذکورہ آراء کو مد نظر رکھتے ہوئے محمد ابو زہرۃ اپنا تبصرہ یوں نقل کرتے ہیں آغاز میں لکھتے ہیں:

”الجمهرة العظمیٰ من علماء الروایة علی أن مولده الصلوٰة والسلام علیه فی ربیع الاول من عام الفیل فی لیلة الثانی عشر منه“[8]

1۔ ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد، **تاریخ ابن خلدون** (السعودیۃ: بیت الافکار الدولیۃ، س ط ندارد)، 492

2۔ ابن سید الناس، محمد بن محمد، **عیون الاثر** (المدینۃ المنورۃ: مکتبۃ دار التراث، س ط ندارد)، 1/79

3-Al Tuwaijiri, Muhammad A. Mohrim, **Prophet Muhammad (ﷺ) A Blessing for mankind**، (Soudi Arabia: International Islamic Publishing House), P:9

4۔ قسطلانی، احمد بن محمد، **المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ**، تحقیق: صالح احمد شامی (بیروت: المکتب الاسلامی، الطبعۃ الثالثۃ 1425ھ)، 1/140-141

5۔ گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 2/102

6۔ شبلی نعمانی، **سیرت النبی ﷺ**، (لاہور: ادارہ اسلامیات، اشاعت اول، 1423ھ)، 1/126

7۔ منصور پوری، محمد سلیمان، **رحمۃ للعالمین**، (فیصل آباد: مرکز الحرمین، اکتوبر 2007)، 69

8۔ ابو زہرۃ، محمد، **خاتم النبیین ﷺ**، (دار الفکر العربی، س ط ندارد)، 1/115، 116

علماء روایت کی عظیم اکثریت کا قول ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت عام الفیل ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔ مزید اقوال کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:'

'ولولا أن هذه الروية ليست هى المشهورة لأخذنا بها، ولكن علم الرواية لايدخل الترجيح فيه بالعقل"[1]

ترجمہ: یہ روایات جمہور علماء کے قول کے مقابلے میں مشہور نہیں ہیں اور علم روایت میں ترجیح کا مدار عقل پر نہیں بلکہ نقل پر ہوتا ہے۔

بارہ تاریخ کی روایت ابن اسحٰق سے مروی ہے دکتور ضیا العمری تاریخ ولادت پر تین اقوال نقل کرتے ہوئے پہلا قول ابن اسحٰق سے بارہ تاریخ کا ذکر کرتے ہیں اور پھر یوں تبصرہ کرتے ہیں:"وأبن اسحٰق أوثق الثلاثة"[2]۔ ابن اسحٰق تینوں الواقدی اور ابو محشر السندی کی نسبت زیادہ ثقہ ہیں۔

قاضی منصور پوری کا موقف بھی نو ربیع الاول کا ہے[3] جب کہ مبارکپوری نے بھی نو ربیع الاول منصور پوری اور محمود پاشا فلکی کے حوالے سے تحریر کی ہے[4]۔ تاریخ ولادت کی مناسبت سے آج تک جس نے جو بھی موقف اپنایا اس نے تقریباً مذکورہ دلائل پر ہی اپنے نقطہ نظر کی بنیاد رکھی جس کے پیش نظر خلاصہ بحث یہ ہے کہ جمہور سیرت نگار اگرچہ بارہ ربیع الاول کا قول نقل کرتے ہیں مگر اکثر محدثین نو کا قول لکھتے ہیں تو چونکہ محدثین کے اصول سیرت نگاروں کی نسبت زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں اس لیے ان کے قول کو ترجیح حاصل ہو گی۔

مبحث پنجم: نام و نسب مبارک

رحمت دو عالم ﷺ کے اس جہان میں تشریف لانے سے قبل ہی یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ خاتم النبیین ﷺ کی ولادت کا زمانہ قریب ہے اور آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کا مژدہ جانفزا جب آپ کے دادا عبد المطلب کو سنایا جاتا ہے تو آپ تشریف لاتے ہیں نومولود مسعود کو اپنی آغوش میں اٹھاتے ہیں اور نام گرامی "محمد ﷺ" سے موسوم کرتے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت آمنہ نے آپ کا نام رکھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چار مقامات پر اس مبارک نام سے اور ایک مقام پر "احمد" کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے نام اور منصب رسالت کا تذکرہ اس مقام پر فرمایا:

1۔ ابوزہرۃ، محمد، **خاتم النبیین ﷺ**' 1/115، 116

2۔ العمری، اکرم ضیاء، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**'(المدینۃ المنورۃ، مکتبۃ العلوم الحکم، الطبعۃ السادسۃ، 1415ھ)، 1/98

3- منصور پوری، رحمۃ للعالمین، 1/69

4- مبارکپوری، الرحیق المختوم، 83

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾[1]

ترجمہ: جانِ عالم محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید آپ ﷺ کے قلب و باطن پر نازل فرمایا اس تناظر میں اسم گرامی کا تذکرہ کیا:

﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ﴾[2]

ترجمہ: اور ایمان لے آئے جو اتارا گیا رسول معظم محمد ﷺ پر۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام نامی کا ذکر اس پہلو پر روشنی ڈالنے کیلئے کیا کہ آپ ﷺ فوق البشر شخصیت نہیں ہیں آپ نے بھی اس جہان فانی سے پردہ فرمانا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾[3]

ترجمہ: اور نہیں محمد مصطفیٰ ﷺ مگر اللہ کے رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول۔

درج ذیل مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم شریف کی تصریح اس طور پر کی کہ آپ ﷺ کے ہاں اولاد نرینہ بلوغت کی عمر تک نہیں پہنچ پائے گی:

﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ﴾[4]

ترجمہ: نہیں ہیں محمد فداہ روحی ﷺ کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے۔

"رجل" کا اطلاق عربی زبان میں بالغ مرد پر ہوتا ہے قاضی ابو السعود نقل کرتے ہیں: اس آیت مقدسہ میں طاہر، قاسم اور ابراہیم کے حضور ﷺ کے بیٹے ہونے کی عمومی نفی نہیں ہے کیوں کہ وہ سن بلوغت کو نہیں پہنچے تھے اور اگر وہ بالغ ہوتے تو تب جا کر ان پر رجل مرد کا اطلاق ہوتا، محمد ﷺ آپ کا ذاتی اسم عالی ہے اس پر تمام سیر نگار متفق ہیں۔ ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود دونوں نے اس لفظ کی تاریخی حیثیت پر روشنی نہیں ڈالی ہے[5]۔ امام آلوسی تحریر کرتے ہیں:

"محمد ﷺ علم نبينا منقول من اسم المفعول، من "حمد" المضاعف لغة سماه به جده عبدالمطلب بسابع ولادته"[6]۔

ترجمہ: محمد ﷺ ہمارے نبی کا علم ذاتی ہے جو "حمد" سے اسم مفعول ہے اور آپ کا یہ نام ولادت کے ساتویں دن

1۔ الفتح: 29

2۔ محمد: 2

3۔ آل عمران: 144

4۔ الاحزاب: 40

5۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/240

6۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 5/144

آپ کے دادا عبد المطلب نے رکھا۔

"اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ نام آپ کی والدہ نے رکھا"[1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی "احمد" کا تذکرہ بھی حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کی صورت میں کروایا ہے جس پر بحث گزشتہ صفحات میں "بشارات" کے مبحث میں کر دی گئی ہے۔ سر دست "محمد" اور "احمد" اسماء پر قاضی عیاض نے جو تاریخی بحث کی ہے اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

"احمد وہ اسم شریف جو کتب سابقہ میں مرقوم ہے جس کی بشارت سابقہ انبیاء نے دی ہے اس کی حکمتوں کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے کسی کو بھی یہ نام رکھنے کی توفیق نہ دی حتیٰ کہ اس کے دل میں یہ نام رکھنے کا ذرہ بھر خیال بھی نہ گزرا اور اس طرح "محمد" نام بھی عرب اور غیر عرب میں کسی نے نہیں رکھا حالانکہ یہ مشہور ہو چکا تھا کہ نبی آئے گا جس کا نام محمد ہو گا پس تھوڑے سے عرب کے لوگوں نے اپنے بچوں کے یہ نام اس امید سے رکھے کہ شاید ان کا بچہ نبی بن جائے۔۔۔ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا"[2]

قرآن میں آپ ﷺ کے ذاتی اسما یہ دو ہی مذکور ہیں جبکہ صفاتی متعدد نام منقول ہیں۔ آپ ﷺ کے اسم ذاتی "محمد" پر امام آلوسی نے بھرپور تبصرہ نقل کیا ہے جبکہ ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے اس نوعیت کی بحث نہیں کی ہے۔

مبحث ششم: عالی قدر نسب

آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیمؑ سے ملتا ہے حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے وقت جب یہ دعا کی تھی کہ اے ہمارے رب ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو مسلمان رکھنا اسی وقت آپ نے یہ دعا بھی کی تھی کہ ان میں یعنی اس اولاد میں سے انہی میں سے ایک رسول بھیج آپ کی دعا ہے:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾[3]

ترجمہ: اے ہمارے رب! بنا دے ہم کو فرماں بردار اپنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرماں بردار ہو۔

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾[4]

ترجمہ: اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے۔

1۔ ابن سید الناس، **عیون الاثر**، 1/ 88

2۔ قاضی عیاض، عیاض بن موسیٰ، **الشفاء بتعریف حقوق المصطفی** (ﷺ)، (الامارات العربیۃ المتحدۃ: جائزۃ دبی الدولیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1434ھ)، 286-287

3۔ البقرۃ:128

4۔ ایضاً:129

ابن عطیہ نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے:

"هذا هو الذى أراد النبى ﷺ"[1]

ترجمہ: آپ کی اس دعا کی مراد حضور ﷺ ہیں۔

اس کے تحت آپ نے دیگر تفسیری نکات تو قلم بند کئے ہیں مگر نسب مصطفیٰ ﷺ پر مزید تبصرہ نہیں کیا جب کہ قاضی ابو السعود نقل کرتے ہیں:

"ولم يبعث من ذريتهما غير النبى ﷺفهو الذى أجيب به دعوتهما عليهما السلام"[2]

ترجمہ: حضور ﷺ کے علاوہ ان دونوں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا پس آپ ﷺ کی ذات ہی ان کی مقبول دعا کا مصداق ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے اسحٰقؑ سے انبیاء مبعوث ہوئے تھے مگر آپ کا وہ بیٹا جو تعمیر کعبہ کے وقت آپ کے ساتھ تھا اس آیت میں اس کا نام بھی مذکور ہے:

﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ﴾.[3]

ترجمہ: اور یاد کرو جب اٹھارہے تھے ابراہیمؑ بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسماعیلؑ بھی۔

حضرت اسماعیلؑ کی آل میں آپ ﷺ کے علاوہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا گویا آپ کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیلؑ کی وساطت سے حضرت ابراہیمؑ سے جا کر ملتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیمؑ کی آل و اولاد کا تذکرہ کیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾[4]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر۔

ابن عطیہ اس کے تحت نسب پر تفصیلاً کلام کی بجائے محض یہ تقریر کرتے ہیں:

"محمداً ﷺ من آل ابراهيم"[5]

ترجمہ: محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

اس آیت مقدسہ کے تحت قاضی ابو السعود نے آل عمران کا نسب نامہ تو بیان کیا ہے مگر اس میں حضور

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 212

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 235

3۔ البقرۃ: 127

4۔ آل عمران: 33

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 423

ﷺ کے نسب کی بات نہیں کی ہے[1] ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے آباء کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: یا آئی تھی ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آتی تھی ان کے پہلے آباء واجداد کے پاس۔

اس کے تحت ابن عطیہ نے تو آپ ﷺ کے نسب پر بحث تو نہیں کی جب کہ قاضی ابوالسعود نے آپ کا نسب نامہ تحریر فرمایا ہے:

''مالم يأت آباءهم الاولين كاسماعيل و أعقابه من عدنان و قحطان و مضر و ربيعه و قيس و الحارث بن كعب و أسد بن خزيمة و تميم بن مرة''[3]

ترجمہ: جو آپ کے اجداد کے پاس نہیں آئی جس طرح اسماعیلؑ اور ان کے بعد عدنان، قحطان۔۔۔۔۔الخ۔

قاضی ابوالسعود نے یہاں آپ کے ان آباء کا ذکر کیا جو اہل ایمان تھے کیوں کہ ان کے ذکر کے بعد آپ لکھتے ہیں:

''فامنوا به تعالىٰ و بكتبه ورسله و أطاعوه''[4]

ترجمہ: یہ حضرات اللہ تعالیٰ اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے تھے اور اس کی اطاعت کی تھی۔

امام آلوسی ''ان مذکورہ شخصیات کا نام ایک روایت کے توسط سے پیش کرتے ہیں کہ ان کو برا بھلا نہ کہو یہ مسلمان ہیں''[5]۔ کتب سیر میں مذکورہ شخصیات کو آپ ﷺ کے نسب اور آباء واجداد میں ذکر کیا جاتا ہے۔ قاضی ابو السعود یہ دو روایات بھی لائے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

أنا النبيُّ لَا كَذِبَ أنا ابن عَبْدِالمطَّلِب[6]

ترجمہ: میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

قاضی ابوالسعود ایک روایت آپ کے والد ''عبد اللہ'' کے حوالے سے بھی لائے ہیں:

''لقوله ﷺ ''أنا ابن الذبيحين'' فاحد هما جده اسماعيل و الآخر ابوه عبدالله''[7]

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 425،426

2۔ المؤمنون: 68

3۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/ 450

4۔ ایضاً

5۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 18/ 114

6۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/ 326/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب من قاد دابۃ غیرہ، ح2864، مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب فی غزوہ حنین، ح1776

7۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/ 351/۔ لا أصل لہ: **آلالبانی، السلسلۃ الضعیفۃ**، ح1677

آپ ﷺ کا قول ہے کہ میں "ذبیحین"[1] کا بیٹا ہوں ان میں سے ایک حضرت اسماعیلؑ اور دوسرے آپ کے والد عبداللہ ہیں آپ کا نسب عالی قدر اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

کہ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں بے شک اللہ نے جب مخلوق کو تخلیق کیا تو مجھے ان میں جو سب سے بہتر تھا اس میں رکھا پھر جب گروہ بنائے تو سب سے بہتر گروہ میں اور جب قبیلے بنائے تو سب سے بہتر قبیلے میں رکھا اللہ نے مجھے سب سے بہتر گھر اور سب سے بہتر قبیلے میں پیدا فرمایا ہے[2]

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جہاں منصب نبوت و رسالت میں عظیم مقام عطا فرمایا تھا وہاں آپ کے نسب اور آباء واجداد کو بھی عظمتیں و رفعتیں عطا کر رکھی تھیں۔

مبحث ہفتم: یتیمی اور کفالت

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ جس کے سر پر ختم نبوت اور رسولوں کی سرداری کا تاج سجایا تھا اسے یتیم پیدا فرمایا کہ صحیح قول کے مطابق آپ ﷺ کی پیدائش اپنے والد عبداللہ کے انتقال کے بعد ہوئی قرآن مجید میں بھی آپ ﷺ کی یتیمی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى﴾[3]

"ترجمہ: کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر اپنی آغوش رحمت میں جگہ دی۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب آپ ﷺ شکم مادر میں تھے تو والد گرامی کی شفقت سے محروم ہو گئے جب پیدا ہوئے تو یتیم تھے ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

"كان فقد أبيه و كونه فى كنف عمه أبى طالب و قيل لجعفر بن محمد الصادق لم يتم النبى ﷺ من أبويه، فقال لئلايكون عليه حق لمخلوقٍ"[4]

ترجمہ: آپ ﷺ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور آپ کی کفالت آپ کے چچا نے کی تھی اور جعفر الصادق سے یہ قول بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ یتیم کیوں پیدا کئے گئے تھے تاکہ مخلوق میں سے کسی کا آپ پر کوئی حق نہ ہو۔

ابن عطیہ جعفر الصادق کا قول "قیل" کے ساتھ نقل تو کیا مگر اس کی صحت و ضعف پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

1۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ "وفدیناہ بذبح عظیم" تھا اور دوسرا عبدالمطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر زمزم کا کنواں آسانی سے کھودا گیا تو ایک بیٹا ذبح کروں گا یا جب دس بیٹے ہو گئے تو ایک کو ذبح کروں گا اس پر قرعہ عبداللہ کے نام نکلا تو آپ نے اس کے بدلے سو اونٹ قربان کئے (ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/351)، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور عبداللہ دونوں ذبح ہونے لگے تھے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے خود کو "ابن الذبیحین" کہا ہے۔

2۔ الترمذی، **الجامع الصحیح**، ابواب الدعوات، ح3609، ہذا حدیث حسن

3۔ الضحیٰ:6

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/494

قاضی ابو السعود تحریر پرداز ہیں: ”روایت کیا جاتا ہے کہ آپ کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ رحم مادر میں تھے اور چھ ماہ حمل کے گزر چکے تھے اور آپ کی والدہ کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ آٹھ سال کے تھے اس کے بعد آپ کی کفالت آپ کے چچا ابو طالب نے کی“[1]۔ مذکورہ بحث کا اگر ابن کثیر کی آراء سے تجزیہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے:

”جب آپ ﷺ اپنی والدہ کے بطن میں تھے تو والد کا انتقال ہو گیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت بعد میں ہوئی اور پھر جب آپ چھ سال کے تھے تو والدہ کا انتقال ہو گیا تو آپ کی کفالت کی ذمہ داری عبد المطلب نے اٹھائی اور آٹھ سال کے ہوئے تو دادا کے سانحہ ارتحال کے بعد چچا ابو طالب نے کفالت کی“[2]

قاضی ابو السعود نے والدہ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال تحریر کی ہے اور دادا کے انتقال اور ان کی کفالت کا تذکرہ نہیں کیا جب کہ ابن کثیر نے والدہ کی وفات کے وقت چھ سال عمر اور آٹھ سال کی عمر میں داد کی موت کا لکھا ہے اور باقی ابو السعود کی طرح ہی لکھا ہے ابن عطیہ نے یہ بحث نہیں کی ہے۔

امام آلوسی کی تحقیق ابن کثیر کی طرح ہے کہ آپ نے بھی وہی عمریں نقل کی ہیں[3] جو ابن کثیر نے کی ہیں اور کتب سیر میں بھی یہی مرقوم ہے[4] گویا ابو السعود کا والدہ کے انتقال کے وقد آپ کی عمر آٹھ سال لکھنا درست نہیں ہے اور آپ نے یہ آٹھ سال عمر کا قول تفسیر کشاف سے لیا ہے“[5]

مذکورہ تحقیق میں یہ بھی محرر ہے کہ دادا عبد المطلب کے سانحہ ارتحال کے بعد چچا ابو طالب نے کفالت کی یہ جمہور سیرت نگاروں کا موقف ہے[6]۔ جبکہ یٰسین مظہر صاحب لکھتے ہیں: ”یہ بھی حقیقت تھی کہ زبیر بن عبد المطلب ہاشمی نے عبد المطلب کے بعد آپ ﷺ کی کفالت کی تھی“[7]۔ دونوں کی تطبیق یوں کی جاتی ہے:

”یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نگہداشت زبیر اور ابو طالب دونوں کے ذمے تھی یہ دونوں رسول اللہ کے حقیقی چچا تھے زبیر جلد ہی فوت ہو گئے جب کہ ابو طالب طویل عمر پا کر فوت ہوئے اس لئے آپ ﷺ کو اپنے سایہ عاطفت میں رکھنے کی

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/470

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/426

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/117

4۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 80/۔ الصالحی، محمد بن یوسف، **سبل الهدیٰ والرشاد**، تحقیق: مصطفیٰ عبد الواحد (معشر احیاء التراث الاسلامی، 1418ھ)، 2/183/۔ شبلی نعمانی، **سیرت النبی ﷺ**، 1/128/۔ منصور پوری، **رحمۃ للعالمین**، ص 71/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/106

5۔ الزمخشری، جار اللہ محمود بن عمر، **تفسیر الکشاف** (بیروت: دار المعرفۃ، الطبعۃ الثالثۃ، 1430ھ)، 1209

6۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 85/۔ السہیلی، **الروض الانف**، 1/313/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 1/241/۔ شبلی نعمانی، **سیرت النبی ﷺ**، 1/128، 129

7۔ صدیقی، یٰسین مظہر، **خطبات سیرت**، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، طبع 1، 2017ء)، ص 43

سعادت صرف ابو طالب کو نصیب ہوئی"[1]۔

اس بنا پر سیرت نگار ابو طالب کی کفالت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ان کا وصال اس وقت ہوا جب آپ ﷺ کی عمر مبارک پچاس برس تھی گویا طویل عرصہ تک جس نے آپ کی سرپرستی اور نگہبانی کی وہ ابو طالب تھے۔

مبحث ہشتم: حضور ﷺ کے صدر مبارک کا چاک کیا جانا

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو چونکہ نبوت ورسالت کے منصب عالی پر فائز فرمانا تھا اس لئے بچپن سے ہی آپ کے وجود کو ہر قسم کی لغزشوں اور آلائشوں سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے سینہ اقدس کا چاک کیا جانا ایسے ہی لوازمات میں سے ایک لوازمہ تھا دو مرتبہ آپ کے صدر مبارک کو شق کیا گیا جس میں سے ایک بچپن میں صحیح قول کے مطابق جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چار برس تھی دوسرا معراج کے وقت اور ایک تحقیق چار مرتبہ شق صدر کی بھی ہے[2] اور یہی درست ہے۔ ایام طفولیت میں اس طرح محیر العقول واقعہ کا رونما ہونا ارھاصات[3] نبوت میں سے ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت کے تحت شق صدر پر بحث کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ[4]﴾ ترجمہ: کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔

ابن عطیہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وقال ابن عباس و جماعة هذا اشارة الى شرحه بشق جبريل عنه فى وقت صغره و فى وقت الاسراء"[5]

ترجمہ: ابن عباس اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اس آیت میں شرح کی طرف ہے وہ حضرت جبریلؑ کا بچپن اور معراج کے قوت آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو چاک کرنا ہے۔"

قاضی ابو السعود نے "انشراح صدر" کی حکمتوں پر کلام کرنے کے بعد یہ روایت بھی ذکر کی ہے۔ ابن عطیہ نے کوئی روایت نقل نہیں کی ہے جب کہ ابو السعود روایت بھی نقل کرتے ہیں: "روایت کیا جاتا ہے کہ جبریلؑ آپ کے پاس تشریف لائے آپ کے بچپن میں یا یثاق کے دن اور آپ ﷺ کے قلب مبارک کو نکالا اسے دھویا اور پھر اسے علم و ایمان سے معمور کر دیا"[6]۔ اس آیت میں آپ ﷺ کے "شق صدر" کی طرف اشارہ ہے یا نہیں اس پر

1۔ گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 162/2

2۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، ص103 / طاہر گیلانی (مدیر)، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 152/2

3۔ ارھاص ایسے خارق عادت کام کو کہتے ہیں جو کسی نبی سے قبل از نبوت ظاہر ہوتا ہے اور وہ اس کی نبوت پر دلالت کرنے والا ہوتا ہے (الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص17)

4۔ الانشراح:1

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 496/5

6۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 472/6

اگرچہ مفسرین نے کلام کیا ہے لیکن آپ ﷺ کے سینہ اقدس کا چاک ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ قاضی ابو السعود کی روایت سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ کتب حدیث میں مذکور ہے[1] معراج کے وقت شق صدر کے واقعہ کو "معراج" کی بحث میں زیر تحقیق لایا جائے گا۔ قاضی ابو السعود کا روایت میں یہ جملہ "یوم المیثاق" کسی صحیح روایت میں مذکور نہیں ہے جب کہ بچپن کے وقت شق صدر پر صحیح روایات موجود ہیں۔

مبحث نہم: کسب معاش

اہل عرب کسب معاش کے سلسلہ میں گلہ بانی اور تجارت کے مشاغل کو عموماً اپناتے تھے اسی تناظر میں آپ ﷺ نے جب عنفوان شباب میں قدم رکھا تو تجارت کی طرف مائل ہوئے خود کے پاس سرمایہ نہ تھا تو کسی اور کے مال کو فروخت کرنے میں اپنی دیانت اور فراست کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے مال کے مالک کو خوب نفع پہنچاتے اور خود بھی مالی فائدہ اٹھاتے۔ علاوہ ازیں آپ نے بچپن میں گلہ بانی بھی کی آپ ﷺ کے کسب معاش پر اس آیت کے تحت کلام کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى﴾[2]

ترجمہ: اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔

ابن عطیہ آغاز میں اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صبر اور قناعت کے ذریعے غنی کر دیا تھا اور اس کے بعد یہ بھی نقل کرتے ہیں:

"وقيل أغنى بالكفاف لتصرفه فى مال خديجة"[3]

ترجمہ: قول ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے مال میں تصرف نے آپ ﷺ کو لوگوں سے مستغنی کر دیا تھا۔

قاضی ابو السعود بھی ابن عطیہ کی طرح اس مقام پر تفسیر کرتے ہیں اور اس کے علاوہ ایک روایت بھی ذکر کی ہے۔ آپ نقل کرتے ہیں:

"فأغناک بمال خديجة او بمال حصل لک من ربح التجارة أو بما أفاءعليک من الغنائم قال ﷺ جُعِلَ رِزْقِيْ تَحْتَ ظِلِ رُمْحِيْ[4]

1۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: حضور ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے آپ کو پکڑ لیا زمین پر لٹا دیا پھر سینہ چاک کیا اور دل کو باہر نکالا اور دل میں ایک سیاہ لوتھڑا تھا اس کو باہر نکالا اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے۔۔۔وہ لڑکے جو حضور کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت حلیمہ کے پاس آئے اور آکر بتایا کہ محمد کو قتل کر دیا گیا واپس پہنچ کر دیکھا تو حضور کھڑے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے سینے میں اس کا اثر دیکھا (مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب الاسراء، ح162/۔ وہذا اسناد جید قوی، ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 1/229

2۔ الضحیٰ: 8

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/494

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/470/۔ رواہ البخاری تعلیقاً، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب (88) ما قیل فی الرماح، جعل رزقی تحت ظل رمحی

ترجمہ: پس آپ کو حضرت خدیجہؓ کے مال یا وہ مال جو آپ کو تجارت میں نفع کی صورت میں ملا یا پھر مال غنیمت کے ذریعے غنی کر دیا غنائم کے مال کے حوالے سے آپ کا فرمان ہے: میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں ہے یعنی جنگ میں۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ نے بچپن میں گلہ بانی یعنی بکریوں کو چرایا آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ﷺ بھیڑ بکریاں چراتے رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! ہر نبی نے بھیڑ بکریاں چرائی ہیں [1] ایک اور روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا اس نے گلہ بانی ضرور کی۔ صحابہؓ نے آپ سے پوچھا کیا آپ نے بھی گلہ بانی کی آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں چند قراریط کے عوض اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا [2]۔ امام آلوسی نے بھی اس مقام پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال تجارت سے نفع حاصل کرنے کی بات کی ہے [3]

آپ ﷺ کے کسب معاش پر مختلف پہلوؤں پر کلام کیا جا سکتا ہے مگر ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے حضرت خدیجہؓ کے مال تجارت اور غنائے قلب پر تبصرہ کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کوئی روایت نقل نہیں کی جبکہ قاضی ابو السعود نے روایت بھی پیش کی اور آپ کے ذریعہ معاش میں مال تجارت اور غنائم کا ذکر کیا ہے۔

حضور ﷺ کے معاش اور ذرائع آمدن پر ڈاکٹر یٰسین مظہر صاحب نے جامع اور تحقیقی کتاب تالیف کی ہے جس میں آپ ﷺ کے خاندانی ترکہ سے لے کر اموال غنیمت و ہدایا تک کو موضوع تحقیق بنایا ہے اور یہ نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ کی معیشت اعتدال پر مبنی تھی۔ فقر و افلاس کے اس معیار پر نہ تھی جو کہ رہبانیت تک لے کر جائے۔

> "مگر آپ ﷺ نے اس دنیاوی زندگی میں غریبانہ و شریفانہ زندگی بسر کی۔ نہ زہد و فقر کی وہ زندگی اختیار کی جو رہبانیت کی طرف لے جاتی اور نہ عیش و عشرت کی جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتی ہے۔ نبوی معیشت اعتدال کے جادہ قرانی پر مبنی تھی... دراصل وہ قناعت و صبر و توکل پر مبنی معیشت تھی جو بقدر کفالت ضروریات کی تکمیل کرتی تھی" [4]

آپ نے تمام قسم کی روایات کا تجزیہ کرنے کے بعد آپ ﷺ کے کسب معاش کے متعلق یہ خلاصہ رقم فرمایا ہے جو حقائق کے تناظر میں درست نظر آتا ہے۔

مبحث دہم: معصوم و پاکیزہ کردار

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الأطعمة، باب الكباث وهو ورق الاراک، ح5453 / ۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الأشربة، باب فضیلة الأسود، ح2050

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الاجارة، باب رعی الغنم علی قراریط، ح2262

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/121

4۔ صدیقی، مظہر یٰسین، **معاش نبوی ﷺ**، (کراچی۔ لاہور: کتب خانہ سیرت، 2015)، ص122

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت ورسالت کے اعلیٰ وارفع مقام سے شرف یاب کرنا تھا اس لئے بچپن سے لے کر بعثت تک بت پرستی اور اخلاق رزیلہ میں تلویث سے محفوظ ومعصوم رکھا یہی وجہ ہے کہ جب نبوت کا دعویٰ کیا تو بطور دلیل اپنا چالیس سالہ کردار ان کے سامنے رکھا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [1]

ترجمہ: میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر کا ایک حصہ اس سے پہلے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

کفار کو کہا جارہا ہے کہ زندگی کی چالیس بہاریں تم میں گزاری ہیں میری امانت وصداقت تمہارے سامنے ہے اگر کسی اور معاملہ میں تم سے غلط بات نہیں کی تو وجود باری تعالیٰ اور قرآن کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے میں کیسے غلط بات کر سکتا ہوں تو میری بات یہ مان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

"ای الاربعین سنة "قبل بعثته ﷺ" [2]

ترجمہ: یعنی اعلان نبوت سے قبل جو چالیس سال گزارے ہیں۔

قاضی ابو السعود نے اپنا موقف اس طرح پیش کیا:

"والمغنی قد أقمت فیما بینکم دهرً مد یدًا مقدار اربعین سنة تحفظون تفاصل احوالی طراً و تحیطون بما لدی خبراً" [3]

ترجمہ: مراد یہ کہ میں تمہارے درمیان ایک لمبا عرصہ جو کہ چالیس سال پر مشتمل ہے تمہارے درمیان رہا ہوں تم میرے احوال کے اطراف کو تفصیلاً جانتے ہو اور تم جو آگے اس کا احاطہ کر سکتے ہو یعنی ماضی کو دیکھتے ہوئے مستقبل کا اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ خبر بھی درست دے رہا ہو گا۔

ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کے موقف کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہی حقیقت منظر عام پر آتی ہے کہ آپ ﷺ کا کردار اعلان نبوت سے قبل بھی معصوم تھا جیسے ابن کثیر اس آیت کے تحت حضرت جعفر طیارؓ کا وہ بیان نقل کرتے ہیں جو انہوں نے نجاشی کے روبرو دیا تھا آپ فرماتے ہیں: "اللہ نے ہم میں ایک ایسا رسول بھیجا جس کے نسب اور اس کی صداقت وامانت کو ہم جانتے ہیں اور آپ ﷺ نے ہمارے سامنے قبل از بعثت چالیس سال گزارے ہیں سعید بن مسیب سے تینتالیس سال مروی ہیں جب کہ صحیح اور مشہور پہلا چالیس کا قول ہے" [4]

امام آلوسی نے قاضی ابو السعود کی عبارت کو تقریباً من وعن نقل کیا ہے [5]

1۔ یونس:16

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/110

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/247

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/254

5۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 11/68

آپ ﷺ نے بعثت سے قبل کبھی بھی کسی بت کی پرستش نہیں کی ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

"**ورسول الله ﷺ لم يعبد صنماً قط**"[1]

ترجمہ: آپ ﷺ نے کبھی کسی بت کی عبادت نہیں کی۔

دکتور ضیا العمری "**صيانة الله له قبل البعثة**" کا عنوان قائم کرتے ہوئے حضور ﷺ کی عصمت پر بحث کرتے ہیں اور تمام بحث کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں:

"**وقد حلف زيد بن حارثة بأن رسول الله ﷺ مامس منها صنماً حتى اكرمه الله بالوحى**"[2]۔

ترجمہ: زید بن حارثہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے کبھی کسی بت کو چھوا تک نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے اعزاز سے مشرف فرمایا۔

آپ یہ بھی لکھتے ہیں:

"**وقد بين الشراح بهذه المناسبة أن النبى ماكان يأكل ما يذبح على النصب**" [3]

ترجمہ: اسی مناسب سے شارحین نے وضاحت کی ہے کہ آپ ﷺ اس ذبیحہ کو تناول نہ فرماتے تھے جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اعلان نبوت سے قبل بھی اس دور جاہلیت میں خود کو بت پرستی اور برے کاموں سے روکے رکھا باقی اخلاق و کردار میں ایسے عالی مرتبت انسان تھے کہ اس بے راہ رو دور میں بھی الصادق اور الامین کے القابات جلیلہ سے ملقب تھے۔ ولادت تا بعثت اگر آپ علیہ السلام کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو ہر پہلو میں آپ کا شخصی کردار ایسا باوقار اور بلند نظر آتا ہے جو اخلاقی قدروں سے معمور تھا حتی کہ آپ کا بچپن اور لڑکپن بھی مثالی نوعیت کا تھا جس پر اگرچہ ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے مفصلاً کلام نہیں کیا مگر اس حوالے سے اہم مواد موجود ہے۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/494

2۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 2/34/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، ص 117، وہو الصحیح لأن فی اسنادہ محمد بن عمر

3۔ ایضاً

فصل دوم: آفتاب رسالت کا ظہور اور خفیہ دعوت کا دور

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسے اوصاف جمیلہ اور کمالات جلیلہ سے مشرف فرمایا تھا کہ جن کی تابانیوں سے عالم انس و جان تا ابد منور ہوتا رہے گا اور آپ ﷺ کی شخصیت کا ہر ہر گوشہ مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اس وقت عمر مبارک چالیس برس تھی آپ نے نبوت کا ابتدائی تیرہ سالہ دور مکۃ المکرمہ میں گزارا جس میں تین سال تک خفیہ طریق سے لوگوں کو دعوت حق دیتے رہے اس کے بعد کوہ صفا[1] پر کھڑے ہو کر اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت کا سلسلہ شروع کیا جس سے مصائب و آلام کا انتہائی سخت صبر آزما دور شروع ہو گیا اور حج کے موقع پر مدینۃ المنورۃ سے تشریف لائے ہوئے حضرات کو عقبہ اولی و ثانیہ کے موقع پر دعوت پیش کی جو ایک لحاظ سے ہجرت مدینہ کا پیش خیمہ تھی اور آپ ﷺ کیلئے مدینہ طیبہ تشریف لانے کیلئے ماحول کو ساز گار بنایا۔

مبحث اول: آفتاب رسالت کا ظہور

اللہ تعالیٰ نے جب آپ ﷺ کو نبوت و رسالت کی امانت عظمیٰ کیلئے تیار کرنا چاہا تو بعثت سے تین سال پہلے آپ کیلئے خلوت نشینی کو محبوب بنا دیا آپ ﷺ مکہ سے تقریباً دو میل مسافت پر جبل نور میں واقع غار حرا[2] میں ستو اور پانی لے کر تشریف لے جاتے اور استغراق اور مراقبہ کے عالم میں وقت گزارتے اور آپ کی یہ تنہائی پسندی بھی حکمت خداوندی کا حصہ تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نبوت کے کار عظیم کیلئے تیار کر رہا تھا جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچی جو کہ پیغمبروں کی بعثت کی عمر ہے تو آثار نبوت آپ کی زندگی کے افق پر ظاہر ہونا شروع ہو گئے جو کہ سچے خوابوں کی صورت میں تھے آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ سپیدہ صبح کی طرح ظاہر ہوتا یہ عرصہ چھ ماہ پر مشتمل ہے اور یہ عرصہ نبوت کی کل مدت تئیس برس کا چھیالیسواں حصہ بنتا ہے۔ ابن عطیہ الاندلسی حضور ﷺ پر وحی کے آغاز کے تناظر میں نقل کرتے ہیں:

فِیْ صَحِیحِ الْبُخَارِیْ فِیْ حَدِیث عَائِشَہ، قَالَ: اَوَّلُ مَابُدِیْ بِہ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ مِنَ الْوَحیْ الرؤیَا الصَالِحَۃ، فَکَانَ لَایَرَای رُؤیاً اِلَّا جَآءَتْ مِثْل فَلَقِ الصُّبْح، ثُمَّ حُبِّبَ إلَیْہ التَحَنُّثُ فِیْ غَارِ حِرَا[3]

ترجمہ: صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ذریعے ہوا آپ جو خواب بھی دیکھتے

1۔ کوہ صفا: جبل ابی قبیس پر واقع ایک بلند مقام ہے جس کے اور مسجد حرام کے درمیان ایک وادی ہے (الحموی، **معجم البلدان**، 3/411)

2۔ کوہ حرا میں واقع ایک مختصر سا غار جس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے اور یہ نیچے کی جانب گہرا نہیں ہے (صفی الرحمٰن، **الرحیق المختوم**، ص96)

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/501، البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح3

وہ صبح کے اجالے کی مانند ظاہر ہو جاتا پھر غار حرا میں خلوت کو آپ کے لئے محبوب بنا دیا گیا۔

قرآن مجید کے نزول سے قبل آپ ﷺ پر وحی خفی کا سچے خوابوں کی صورت میں سلسلہ شروع ہوا یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں "من الوحی الرؤیا الصالحة" کے الفاظ موجود ہیں۔ قاضی ابو السعود نے اس مقام پر یہ بحث نہیں کی کہ آپ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ذریعے ہوا۔ ابن کثیر نے ابن عطیہ کی روایت جو کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کو ہی نقل کیا ہے [1]۔ علاوہ ازیں ابن اسحٰق [2]، ابن ہشام [3] اور اکرم ضیاء العمری [4] نے بھی اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ آپ ﷺ پر نزول قرآن سے قبل وحی کا آغاز الرؤیا الصادقة یعنی سچے خوابوں کے ذریعے ہوا اور یہ عرصہ چھ ماہ پر مشتمل ہے [5]۔

موضوع پر ابن عطیہ نے صحیح البخاری کا حوالہ دیتے ہوئے بحث کی جیسا کہ اوپر مذکور ہے جب کہ قاضی ابو السعود نے اس بابت گفتگو نہیں کی ہے۔ کتب تفسیر اور سیر میں ابن عطیہ کے موافق بحثیں کی گئی ہیں جس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ابن عطیہ کی تحقیق صحیح اور مستند ہے۔

مبحث دوم: قرآن مجید کے نزول کا آغاز

حضور ﷺ غار حرا میں محو استغراق و عبادت تھے کہ حضرت جبریلؑ کا نزول اجلال ہوتا ہے اور قرآن مجید کی پہلی آیت مقدسہ تلاوت کرتے ہوئے آپ کو بھی پڑھنے کا کہتے ہیں۔ اس ضمن میں ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

"وكان يخلوفيه فيتخنث فيه الليالى ذوات العدد ثم ينصرف حتىٰ جاءه الملك وهو فى غار حرا، فقال له ﴿اِقْرَاْ﴾ فقال: مأانا بقارىءٍ قال: فأخذنى فغطنى ثم كذٰلك ثلاث مرات، فقال له فى الثالثة: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ- خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ الى قوله ﴿مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾" [6]

ترجمہ: آپ ﷺ غار میں چند روز خلوت گزین ہو کر مصروف عبادت رہا کرتے تھے اور پھر گھر لوٹ جاتے تھے اور ایک دفعہ آپ اسی غار میں ذکر و فکر میں مشغول تھے کہ ایک فرشتہ جبریلؑ تشریف لاتے ہیں اور آپ ﷺ سے کہتے ہیں آپ پڑھیے حضور ﷺ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں جبریلؑ نے آپ کو سینہ سے لگا کر خوب زور سے دبایا اور پھر کہا پڑھیے یہ عمل آپ ﷺ سے تین مرتبہ دہرایا اور پھر جبریلؑ نے کہا آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے سب کو پیدا فرمایا، پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے اور

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/436

2۔ ابن اسحٰق، **السیرة النبویة**، ص167

3۔ ابن ہشام، **السیرة النبویة**، ص110

4۔ العمری، **السیرة النبویة الصحیحة**، 1/123

5۔ الصلابی، علی محمد، **السیرة النبویة (دروس وعبر)**، (بیروت: دار ابن کثیر، الطبعة السابعة 1436ھ-2015ء) 1/82

6۔ العلق: 1 تا 5

اللہ تعالیٰ کے اس وقت تک تلاوت کی جو وہ نہیں جانتا تھا۔[1]

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سب سے پہلے یہی پانچ آیات اترتی ہیں ابن عطیہ یہ ساری بحث "اول مابدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی" کے تحت ذکر کرتے ہوئے مذکورہ پانچ آیات کے نزول کا تذکرہ کرتے ہیں۔ قاضی ابو السعود اس کے تحت رقم طراز ہیں:

"والاقرب أن هذا الى قوله تعالىٰ: ﴿مَالَمْ يَعْلَمْ﴾[2] اول مانزل ﷺ كما ينطق به حديث الزهرى [3] المشهور"[4]

ترجمہ: قرین صواب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "جو وہ نہیں جانتا تھا" تک رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سب سے پہلے قرآن نازل ہوا جس طرح مشہور حدیث زہری سے بھی واضح ہوتا ہے۔

قاضی ابو السعود نے حدیث صحیح کا حوالہ دیتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی مذکورہ پانچ آیات نازل ہوئی ہیں۔ ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کے نقطہ نظر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہی درست معلوم ہوتا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سب سے پہلے قرآن مجید کی یہ پانچ آیات نازل ہوتی ہیں جیسے ابن کثیر لکھتے ہیں:

"وهذا الحديث مخرج فى الصحيحين من حديث الزهرى-----فأول شيءٍ ﴿نزل﴾ من القرآن هذه الآيات الكريمات المباركات"[5]

ترجمہ: یہ حدیث جس کا حوالہ مذکورہ بالا ہے امام زہری سے مروی ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ قرآن مجید کی اولاً یہی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں۔

امام آلوسی نے بھی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہی موقف پیش کیا ہے کہ "سب سے پہلے یہ پانچ آیات نازل ہوئی ہیں"[6] عبد الوحید خان بھی مذکورہ موقف ہی نقل کرتے ہیں:

"These five verses were the very first which were revealed" [7]

مزید بر آں ان اقوال میں یہ تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ سب

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/501

2۔ العلق: 5

3۔ ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب جد اعلیٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے الزہری کہا جاتا ہے (عسقلانی، **فتح الباری**، (الریاض: المکتبۃ السلفیۃ، س ط ندارد)، 1/22، ابن شہاب الزہری سے یہ حدیث مروی ہے جس میں اولاً نازل ہونے والی "اقراء" تا "مالم یعلم" کا ذکر موجود ہے (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح3، کتاب التفسیر، باب سورۃ اقراء باسم، ح4953/ مسلم، **الجامع الصحیح**، ح160

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/478

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/437

6۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/163

7-Khan, Abdul Waheed, **The life of Prophet Muhammad**,(Riyadh: International Islamic Publishing House), Page,16

سے پہلے ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل ہوئی اس کی توضیح میں آپ تحریر کرتے ہیں:

''الصواب أن مانزل ﴿اِقْرَاْ﴾ أی مطلقاً وأول مانزل بعد فترة الوحی: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ''[1]

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے اقرأ نازل ہوئی اور ''فترۃ الوحی'' کے بعد ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل ہوئی۔

ابن عطیہ نقل کرتے ہیں: **''وقال الزهری والجمهور هو ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ وهذا هو الاصح''**[2]

ابن شہاب زہری اور جمہور کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سب سے پہلے ﴿اِقْرَاْ﴾ نازل ہوئی اور یہی صحیح ہے۔ ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کے موقف کے مطابق کہ قرآن مجید کی ابتدائی نازل ہوئی ہوئی آیات ''﴿اِقْرَاْ تا مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾'' ہیں ان سیر نگار کا بھی یہی موقف ہے[3]۔

پیش کردہ بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ آپ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کی صورت میں ہوا جو چھ ماہ پر مشتمل تھا اور اس کے بعد عالم بیداری میں قرآن مجید کے نزول کی پہلی وحی صحیح قول کے مطابق سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔

1۔ قرآن مجید کے نزول کی تاریخ

حضور ﷺ پر قرآن مجید کے نزول کا آغاز صحیح قول کے مطابق رمضان المبارک کے مہینہ کی اکیس تاریخ کو قلب مصطفیٰ ﷺ پر ہوا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾[4]

ترجمہ: ماہ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن۔

قرآن مجید کی یہ نص اس امر کو واضح کرتی ہے کہ قرآن مجید کا نزول رمضان کے مقدس مہینہ میں ہوا اسی طرح ایک اور مقام پر یہ بیان کیا گیا کہ یہ شب قدر کو نازل ہوا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾[5]

ترجمہ: بے شک ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے شب قدر میں۔

ابن عطیہ کے بقول قرآن مجید کا نزول رمضان کی چوبیس تاریخ کو ہوا آپ نقل کرتے ہیں:

''حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ پورا قرآن مجید ایک ہی دفعہ آسمان دنیا پر رمضان کی چوبیس تاریخ کو اتارا گیا

1۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/164

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/392

3۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 111/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/126/۔ شبلی نعمانی، **سیرت النبی ﷺ**، 1/143/۔

4۔ البقرۃ: 185

5۔ القدر: 1

پھر جبریلؑ تھوڑا تھوڑا لے کر نازل ہوتے رہے"[1]۔

ابن عطیہ نے اس موضوع پر بحث ایک اور مقام پر ان الفاظ میں کی ہے:

"وقدروی أن نزول الملک فی حراء کان فی العشر الاواخر من رمضان"[2]

ترجمہ: روایت کیا جاتا ہے کہ فرشتہ جبریل ؑ رمضان کے آخری عشرہ میں حرا کے مقام پر آپ ﷺ کے پاس تشریف لایا۔

ابن عطیہ نے اس مقام پر نزول قرآن کے دوسرے مرحلہ پر روشنی ڈالی ہے یعنی آسمان دنیا سے حضور ﷺ کے پاس حضرت جبریلؑ رمضان کے آخری عشرہ میں قرآن لے کر نازل ہوئے۔ ابن عطیہ کے نزدیک قرآن مجید کے نزول کا آغاز رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی چوبیس تاریخ کو ہوا۔ ابن عطیہ نے چوبیس رمضان کے حوالے کے ساتھ ساتھ یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((فَالْتَمِسُوهَا فِى الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِمِنْ رَمَضَانَ))[3]

ترجمہ: شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔

ابن عطیہ نے اس جگہ وہ روایت نقل نہیں کی جس میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو آپ ﷺ کا قول مبارک ہے:

((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ))[4]

ترجمہ: رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

اس روایت کی روشنی میں ابن عطیہ کا رمضان کی چوبیس تاریخ کا قول درست معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ چوبیس کا تعلق طاق راتوں سے نہیں ہے۔ اس ضمن میں زیادہ تر اقوال رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں کی مناسبت سے ہیں۔ قاضی ابوالسعود کی تحقیق نزول قرآن کی تاریخ کے حوالے سے اس طرح ہے آپ نقل کرتے ہیں:

"قرآن مجید کے نزول کی ابتداء رمضان میں شب قدر کو ہوئی اور پورا قرآن رمضان میں آسمان دنیا پر اتارا گیا اور بعد ازاں اللہ کی منشا کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا"[5]

اس کے بعد آپ نے یہ روایت نقل کی ہے: ابراہیمؑ پر صحیفے رمضان کی پہلی رات کو، تورات چھ رمضان کو، انجیل تیرہ اور قرآن مجید چوبیس رمضان کو نازل ہوا[6]

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 254

2۔ ایضاً، 504

3۔ ایضاً/ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الصیام، باب فضل لیلۃ القدر، ح1169

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب فضل لیلۃ القدر، باب تحری لیلۃ القدر، ح2017

5۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/ 478

6۔ ایضاً/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح16984، (وہذا اسناد حسن، رجالہ ثقات /۔ الالبانی، **السلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ**، 4/ 104، ح1575)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد قاضی ابوالسعود نے مزید کوئی تبصرہ نہیں کیا اسی طرح ایک اور مقام پر آپ لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کے نزول سے یہ مراد ہے کہ سارا کا سارا قرآن جس طرح مروی ہے کہ شب قدر کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا گیا اور پھر حضور ﷺ پر حسب ضرورت تیئس برس کے عرصہ میں نازل ہوا"[1]

قاضی ابوالسعود اس مقام پر یہ تو واضح کرتے ہیں کہ شب قدر کو نازل ہوا اور پھر شب قدر کس تاریخ کو ہے اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"فاکثرھم علیٰ أنھا فی شھر رمضان فی العشر الاواخر فی أوتارھا و اکثر الاقوال انھا السابعۃ"[2]

ترجمہ: اکثر اقوال یہ ہیں کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے اور طاق راتوں میں اکثر کا قول ستائیس کا ہے۔

قاضی ابوالسعود نے اس پر کوئی روایت نقل نہیں کی جب کہ گزشتہ تحقیق میں آپ نے روایت چوبیس رمضان کی بیان کی تھی اور یہاں اپنا موقف بیان کیے بغیر ستائیس پر اکثر اقوال بلا روایت نقل کیے ہیں جو باہم متعارض نظر آتے ہیں لیکن دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کرنے سے آپ کا رجحان جمہور کی طرف نظر آتا ہے کہ قرآن مجید رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی میں نازل ہوا ہے۔"امام آلوسی نے نزول قرآن کے حوالے سے قاضی ابوالسعود کی نقل کردہ روایت کو ہی بیان کیا ہے"[3] اور ترجیح کا قول بھی نہیں کیا ہے۔

مذکورہ بحث کے تناظر میں لائق توجہ امر یہ ہے کہ حضور ﷺ پر قرآن مجید کی آیات کا نزول کس تاریخ کو ہوا کیوں کہ شب قدر میں پورے قرآن کے نزول کا تذکرہ ہے جیسے گزشتہ صفحات میں بحث کی گئی کہ پورا قرآن شب قدر کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اترا اور جب کہ حضور ﷺ پر فقط پانچ آیات کا نزول ہوا تھا لہذا قابل غور پہلو یہ ہے کہ یہ کس تاریخ کو ہوا ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے خاص طور پر اس تناظر میں بحث نہیں کی ہے

طاہر گیلانی نے اس حدیث پاک کی روشنی میں تاریخ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

أَنَّ رَسولَ اللهِ ﷺ سُئِلَ عن صَوْمِ يومِ الاثْنَيْنِ، قالَ: ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ، أُنْزِلَ عَلَيَّ [4]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے پیر کے روز کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میری ولادت ہوئی تھی اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہوا۔

1۔ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/483

2۔ ایضاً

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 3/132

4۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام۔۔۔ الاثنین، ح1162

مذکورہ حدیث میں پیر کا دن نزول قرآن کے آغاز کے حوالے سے واضح ہے رہا سوال تاریخ کا تو اس پر طاہر گیلانی لکھتے ہیں:

"صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے جب ہم آیت ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾[1] "ترجمہ: بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ اور پیر کے دن والی روایت کو ملا کر دیکھتے ہیں تو یہ 21 اکیس رمضان کی ہی رات بنتی ہے جو شمسی حساب سے 10 اگست 610ء تاریخ تھی رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت قمر حساب سے 40 سال، چھ ماہ اور بارہ دن تھی جب کہ شمسی حساب سے 39 سال، 3 ماہ اور بیس دن تھی"[2]

مذکورہ عبارت میں غار حراء میں قلب مصطفیٰ ﷺ پر نزول قرآن کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے جس کیلئے بطور استدلال شمسی کیلنڈر کو بھی مد نظر رکھا گیا یہ اس لئے ہوا کہ غار حراء میں نزول قرآن کی تاریخ پر کوئی مستند روایت موجود نہیں ہے۔ اس لئے پیش کردہ بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر قرآن مجید کے نزول کے آغاز ماہ رمضان کی اکیس تاریخ کو ہوا نزول قرآن کے آغاز کیلئے رمضان کی سترہ تاریخ کا بھی قول ہے جس کیلئے استدلال اس آیت مقدسہ سے کیا جاتا ہے۔

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ﴾[3]

ترجمہ: اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے محبوب بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر۔

اس آیت مقدسہ میں غزوہ بدر کا تذکرہ ہے اور جس میں یہ بھی کہا گیا کہ نزول قرآن کا بھی یہی زمانہ ہے اور غزوہ بدر کے واقع ہونے پر اکثریت کا قول سترہ رمضان کا ہے جیسے ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

"وكانت يوم الجمعة السابع عشر من رمضان فی السنة الثانية من الهجرة هذا قول جمهور الناس---- والصحيح ماعليه الجمهور"[4]

ترجمہ: غزوہ بدر جمعہ کے دن سترہ رمضان سن دو ہجری کو واقع ہوا اور یہ جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے۔

ابن عطیہ نے اس مقام پر نزول قرآن کی مناسبت سے کلام نہیں کیا۔

قاضی ابو السعود اس آیت کے تحت تحریر کرتے ہیں:

"والمراد ما أنزل ﷺ يومئذ من الوحی والملائكة والفتح"[5]

1۔ القدر: 1

2۔ گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 3/47

3۔ الانفال: 41

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/532

5۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/109

ترجمہ: اس آیت میں آپ ﷺ پر جو نازل ہوا اس سے مراد یہ ہے کہ غزوہ بدر کے دن آپ ﷺ پر جو وحی، فرشتے اور نصرت نازل ہوئی۔

گویا اس آیت سے غار حرا کے موقع پر نازل ہونا مراد لینا درست نہیں ہے اس میں بدر کے دن کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ قرآن مجید کے نزول آغاز کا تذکرہ اس میں نہیں ہے لہٰذا اس آیت سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ غزوہ بدر سترہ رمضان کو ہوا تھا گویا پہلی وحی بھی سترہ رمضان کو حضور ﷺ پر اتری تھی اس ساری بحث کے پیش نظر یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ پر پہلی وحی کا آغاز اکیس رمضان کو ہوا۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری نقل کرتے ہیں:

"ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی 21 تاریخ کو دوشنبہ کی رات میں پیش آیا"[1]

تمام تر روایات اور اقوال کو مد نظر رکھتے ہوئے یہی رائے قابل ترجیح ہے۔

2۔ نزول وحی کی کیفیات

آپ ﷺ پر وحی کے نزول کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً سچے خواب[2]، فرشتے کا انسانی صورت میں تشریف لانا[3]، فرشتے کا اصلی شکل میں حاضر ہونا[4]، اور ایک گھنٹی کا بجنا[5]، ان تمام میں جو صورت آپ ﷺ کے لئے سخت شاق ہوتی تھی وہ گھنٹی کا بجنا ہے اس وقت آپ ﷺ پر ایک خاص کیفیت طارق ہو جاتی اور سخت جاڑے کے موسم میں پسینے کے قطرے جبین ناز سے ٹپکنے لگتے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا﴾[6]

ترجمہ: بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام۔

اس آیت مقدسہ میں جو "ثقیلًا" کا لفظ ہے کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

﴿ثَقِیْلًا﴾ فقالت جماعة من المفسرين: لما كان يحل فى رسول الله من ثقل الجسم حتى أنه كان اذا اوحى اليه وهو على ناقته بركت به، و حتى كادت فخذه أن ترض فخد زيد بن ثابت"[7]

1۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 97

2۔ آپ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ذریعے ہوا (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح 3)

3۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعض اوقات فرشتہ کسی آدمی کی شکل میں آتا مجھ سے کلام کرتا اور میں اسے یاد کر لیتا (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح 2)

4۔ آپ ﷺ کا فرمان کہ مجھے ندا دی گئی دائیں بائیں دیکھا تو کچھ نہ تھا اوپر نظر اٹھائی تو فرشتہ زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا تھا یہ اپنی اصلی حالت میں تھا (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، سورۃ المدثر، ح 4922)

5۔ آپ ﷺ پر یہ کیفیت سخت ترین ہوتی تھی (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح 2)

6۔ المزمل: 5

7۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/387/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، 41/362، ح 24868، حدیث صحیح

ترجمہ: مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد آپ ﷺ کے جسم کا بوجھل پن ہے کہ آپ ﷺ پر وحی اترتی حتی کہ اگر آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھ جاتی اور اسی طرح ایک موقع پر جب آپ ﷺ کی ران حضرت زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی اسی دوران وحی کا نزول ہونے لگا تو حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ مجھے یوں لگا جیسے میری ران ٹوٹ نہ جائے۔

قاضی ابوالسعود اس کے تحت رقم طراز ہیں: ”**عن ابن عباس کان اذانزل علیه الوحی ثقل علیه وتر بدله جلده**“[1]

ترجمہ: حضرت عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو مشکل محسوس ہوتی اور آپ کی جلد کی رنگت متغیر ہو جاتی۔

اسی ضمن میں قاضی ابوالسعود ایک اور روایت نقل کرتے ہیں:

((قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ، وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا))[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہوتی اور جب آپ سے وحی منقطع ہوتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔

پیش کردہ بحث اس امر کی مظہر ہے کہ آپ ﷺ پر وحی کی یہ کیفیت جس میں آپ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو جاتا سخت جاڑے میں پسینہ سے شرابور ہو جاتے یہ شدید ترین ہوتی تھی اس آیت کے تحت ”ابن کثیر نے بھی مذکورہ روایت کو نقل کیا ہے“[3] امام آلوسی نے بھی مذکورہ آیت کے تحت ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کی طرح بحث کی ہے[4]۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول آخر الزمان پر وحی کا نزول مختلف کیفیات اور صورتوں کے ساتھ کیا جن میں خاص طور پر فرشتہ کا انسانی صورت میں تشریف لانا، اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہونا اور صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹیوں کا بجنا قرآن مجید کے نزول کے ساتھ خاص ہے۔

3۔ فترت وحی کا دور

قرآن مجید کی پہلی وحی جو حراء کے مقام پر بصورت ﴿**اقراء تا مالم یعلم**﴾ نازل ہوئی کے بعد ایک عرصہ تک وحی کے نزول کا سلسلہ منقطع رہا اسے وحی کا دور فترت[5] کہتے ہیں جس کی مدت اہل علم کے مابین مختلف فیہ ہے چند ایام سے لے

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/344

2 - ایضاً/۔ البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح2

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/251

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 28/15

5۔ فترت کا معنی انقطاع ہے جیسے دو رسولوں کے مابین کا وہ زمانہ جس میں رسالت منقطع رہی ہو اسے فترت کہتے ہیں (الافریقی، **لسان العرب**، 341)، فترت وحی سے مراد وہ وقت ہے جو پہلی اور دوسری وحی کے درمیان کا ہے جس میں وحی کے نزول کا انقطاع رہا۔

کر تین سال تک کے اقوال ہیں جس میں چالیس دن کا قول صحت کے قریب ہے اس عرصہ میں آپ ﷺ حزین و غمگین رہتے اور حرا میں تشریف لے جاتے اور محو استغراق و عبادت ہو جاتے جمہور مفسرین کے نزدیک پہلی وحی کے بعد دوسری وحی سورۃ المدثر کا نزول ہے ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

"فقال جمھور المفسرین بما ورد فی البخاری من أنه لما فرغ من رؤیة جبریل علیٰ کرسی بین السما والارض فرعب منه ورجع الی خدیجة فقال زملونی زملونی نزلت﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾[1]

ترجمہ: جمہور مفسرین کا قول ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جبریلؑ کو آسمان اور زمین کے مابین کرسی پر تشریف فرما دیکھا تو آپ مرعوب ہو گئے اور گھر لوٹ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اے چادر لپیٹنے والے۔[2]

پہلی اور دوسری وحی کے مابین انقطاع یا فترت کا تعین اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دوسری صورت کون سی نازل ہوئی ابن عطیہ کے بقول جمہور مفسرین کے نزدیک سورۃ المدثر ہے بطور تائید صحیح بخاری سے بھی استدلال کیا ہے۔ قاضی ابو السعود نے صحیح بخاری سے استدلال کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی ہے۔

"حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں غار حرا میں تھا تو مجھے ندا دی گئی۔۔۔ پس جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا﴿**یاایھا المدثر**﴾[3]

قاضی ابو السعود ایک روایت اور نقل کرتے ہیں:

"عن الزھری أن اول مانزل سورة اقرأ الی قوله: {مالم یعلم}فخزن رسول الله ﷺ و جعل یعلو شواھق الجبال فأتاه جبریل وقال انک نبی الله فرجع الیٰ خدیجة فقال دثرونی وصبوا علی ماءًا بارداً فنزل جبریل فقال﴿یاایھاالمدثر﴾[4]

ترجمہ: ابن شہاب زہری سے مروی ہے کہ سب سے پہلے سورۃ "اقرأ" نازل ہوئی پھر وقفہ وحی کی وجہ سے آپ ﷺ غمزدہ ہو گئے اور پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے تاکہ معاذ اللہ خود کو گرا دیں پس جبریلؑ آپ کے روبرو حاضر ہوئے اور فرماتے کہ بے شک آپ اللہ کے نبی ہیں اس کے بعد آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لا کر کہتے کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو پس اس وقت جبریلؑ ﴿**یاایھاالمدثر**﴾ "یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔

مذکورہ حدیث کو پیش کرنے کا سبب یہ ہے کہ "اقرأ" کے نزول کے بعد جو وقفہ وحی ہوا تھا اس کے بعد سورۃ

1۔ المدثر:1

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،5/ 392/۔ البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح4

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**،6/ 349/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح4

4۔ ایضاً/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب تعبیر الرؤیا، باب اول مابدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی، بلفظ مختلف، 6982، کتاب التفسیر، باب سورۃ المدثر، ح 4922

الْمُدَثِّرُ کی یہ آیات نازل ہوئی تھیں ان دونوں کے نزول کے درمیان کے وقفہ کے تعین سے فترت وحی کی مدت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے یہ بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور دو اہم امور کی وضاحت مختصراً پیش خدمت ہے ایک یہ کہ آپ ﷺ کا مایوس ہو کر خود کو پہاڑ سے گرانے کی کوشش کرنا یہ پہلو عصمت انبیاء کے منافی ہے اور دوسرا جبریلؑ کا آپ کو ان الفاظ کے ساتھ تسلی دینا "انک نبی اللہ" اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کو اپنے نبی ہونے پر یقین نہ تھا جبریلؑ کے اس قول کے بعد آپ کو اطمینان حاصل ہو جاتا حالانکہ جس طرح ایک امتی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نبی پر ایمان یقینی ہو تردد اور اضطراب نہ ہو اسی طرح ایک نبی کا اپنے نبی ہونے پر بھی یقین و ایمان ضروری ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔

اس اشکال پر ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود دونوں نے بحث نہیں کی ہے جب کہ ابن حجر عسقلانی ان الفاظ کو جو عصمت مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ہیں کہتے ہیں کہ یہ ابن شہاب زہری کا کلام ہے جو روایت میں شامل کر دیا ہے آپ لکھتے ہیں:

"و معنی الکلام ان فی جملتنا ما وصل اِلینا من خبر رسول اللہ ﷺ فی ھذہ القصة و ھو من بلاغات زھری و لیس موصولا"[1]

ترجمہ: کلام کا معنی جو ہمارے جملے میں ہے اس قصہ کے متعلق جو رسول اللہ ﷺ کی خبر سے ہم تک پہنچا ہے وہ بلاغات (اضافہ) زہری میں سے ہے کلام مرفوع نہیں ہے۔

جب یہ زہری کا اپنا کلام ہے حدیث مرفوع میں یہ الفاظ مذکور نہیں ہیں تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اس مسئلہ کی بہترین عقدہ کشائی شیخ عرجون نے کی ہے جس کو مختصراً طوالت سے بچتے ہوئے موقع محل کی مناسبت سے پیش کیا جاتا ہے آپ نقل کرتے ہیں

"سند کے صحیح ہونے کیساتھ ساتھ متن کا صحیح ہونا بھی شرط ہے یعنی ضروری ہے کہ وہ حدیث ایسے راویوں سے مروی ہو جو ثقہ اور ضابط ہوں اور اس کیساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ متن بھی صحیح ہو یعنی ایمان کے وہ اصول جو ائمہ دین کے نزدیک متفق علیہ ہیں ان اصولوں میں سے کسی اصول کیساتھ یہ متن ٹکرا نہ رہا ہو اور ان قوی دلائل کے مخالف نہ ہو"[2]

یہ بحث کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

"یہ روایت عصمت انبیاء اور رسل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر و باطن، افکار و خیالات اور اعمال کی ایسی کامل حفاظت کی ہوتی ہے "**فلایقع منھم قط مایشکک فی نبوتھم ورسالتھم**"[3]

1- عسقلانی، فتح الباری، 12/359

2۔ عرجون، محمد الصادق ابراہیم، **محمد رسول اللہ ﷺ** (دمشق: دار القلم، الطبعة الثانیة، 1415ھ)، 1/387

3 - ایضاً

ترجمہ: پس وہ اپنی نبوت ورسالت کے متعلق کبھی شک میں مبتلا نہیں ہوتے۔

علاوہ ازیں آپ نے اس حدیث کی سند پر بھی بحث کی ہے اور اس بحث کے آغاز میں یہ جملہ نقل کیا ہے:

''ھذا البلاغ اللصیق بحدیث بدءالوحی باطل زایف وذلک من وجوہ''[1]

ترجمہ: یہ الفاظ جو بدءالوحی والی حدیث کے ساتھ باہر سے چسپاں کر دیے گئے ہیں کئی وجہ سے باطل اور کھوٹے ہیں۔

آپ پہلی وجہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''قاضی عیاض جو علوم حدیث کے ماہر اور سنت نبویہ مطہرہ کے ائمہ کے سردار ہیں انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی نسبت معمر کی طرف ہو یا زہری کی طرف یہ مرفوع نہیں ہے درمیان میں دو تین واسطوں کا تذکرہ نہیں ہے معمر اور زہری تو ثقہ ہیں یہ بات تسلیم شدہ ہے مگر جنھوں نے ان سے روایت کیا ہے ان کے نام معلوم نہیں ہیں جس سے یہ واضح ہو سکے کہ وہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ اور بعض اوقات غیر ثقہ راویوں سے بھی ثقہ راوی روایت کرتے ہیں''[2]۔

اس احتمال کے پیش نظر یہ روایت ساقط الاعتبار ہوگی یعنی اس روایت پر اعتماد نہیں کیا جائیگا دوسری وجہ آپ یہ لکھتے ہیں:

''اس روایت کے ضعیف ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ وقفہ وحی فترت وحی کے متعلق جو روایت مرفوعاً آپ ﷺ سے مروی ہے اس میں ان الفاظ کا ذکر موجود نہیں ہے[3] مرفوع حدیث مرسل حدیث سے یقیناً راجح ہے اور یہ حدیث بھی خود کو پہاڑ سے گرانا امام زہری کے واسطہ سے مروی ہے ہمارے سامنے امام زہری کی دو روایتیں ہیں ایک مرفوع متصل اور دوسری مرسل مقطوع لہٰذا مرفوع متصل کو ترجیح حاصل ہوگی جس میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں''[4]۔

اکرم ضیاء العمری لکھتے ہیں:

''ولکن بلاغ الزھری لایصلح لاثبات الحادث لتعارضہ مع عصمۃ النبی ثم انہ مرسل ضعیف''[5]

ترجمہ: ابن شہاب زہری کی روایت عصمت نبی ﷺ کے معارض ہونے کی بدولت اس حادثہ خود کو پہاڑ سے گرانے کی روایت کو صحیح ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور یہ روایت مرسل اور ضعیف ہے۔

پیش کردہ بحث کا لب لباب یہ ہے کہ وہ حدیث جس میں آپ ﷺ کے خود کو پہاڑ سے گرانے کا تذکرہ ہے سنداً اور متناً قابل قبول نہیں ہے باقی رہا سوال سورۃ مدثر کا اقراء کے بعد نازل ہونا دیگر کئی روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ اولاً سورۃ اقراء اور ثانیاً سورۃ مدثر نازل ہوئی ہے لہٰذا اس کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا باقی رہا یہ سوال کہ

1۔ عرجون، **محمد رسول اللہ ﷺ**، 1/ 386

2۔ دیکھیے، ایضاً /۔ القاضی عیاض، **الشفاء بتعریف حقوق المصطفی**، 615، 616

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب بدءالوحی، باب کیف کان بدءالوحی، ح3

4۔ دیکھیے، عرجون، محمد الصادق ابراہیم، **محمد رسول اللہ ﷺ**، 1/ 389۔ تا 394

5۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/ 126

فترت وحی کا دور کتنا ہے تو اس ضمن میں ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے کلام نہیں کیا اور اس موضوع پر مختلف اقوال میں جو راجح اور صحیح قول ہو سکتا ہے وہ اڑھائی یا تین سال کے بجائے چند ایام کا قول ہے۔ امام سہیلی نے اڑھائی سال کا قول کیا ہے:

"وقد جاء فی بعض الاحادیث السندة أنها کانت سنتین ونصف سنة"[1]

ترجمہ: بعض احادیث میں یہ مدت اڑھائی سال مذکور ہے۔

اڑھائی سال کی مدت امام شعبی سے مرسلاً روایت ہے جو کہ ابن عباسؓ کی چند ایام کی مرفوع روایت سے معارض ہے جیسے ابن حجر عسقلانی تحریر کرتے ہیں:

"قد یتمسک به من یصحح مرسل الشعبی فی أن مدة الفترة کانت سنتین و نصفاً کما نقله فی اول بدءالوحی ولکن یعارضه ما أخرجه ابن سعد من حدیث ابن عباس بنحو هذا ابلاغ الذی ذکره الزهری وقوله مکث ایاماً بعد مجیء الوحی"[2]

ترجمہ: جس کے نزدیک اڑھائی سال کی مدت کا قول صحیح ہے وہ امام شعبی کی مرسل روایت سے استدلال کرتا ہے جیسا کہ بدء الوحی کے آغاز میں نقل کیا ہے لیکن یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے معارض ہے جس میں آپ نے چند ایام کا قول نقل کیا ہے اور جسے ابن سعد نے ان سے روایت کیا ہے۔

اس پر پیر کرم شاہ الازہری رقم طراز ہیں: "اور یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کیوں کہ مرفوع ہے اس لئے شعبی کی روایت سے اقوای اور ارجح ہے"[3]

چند ایام سے مراد کتنے ایام ہیں اس پر امام زرقانی یہ نقل کرتے ہیں: "حضرت ابن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ یہ مدت چالیس روز تھی"[4]

آپ نے اس قول کو بلاحوالہ نقل فرمایا ہے جب کہ روایت میں چالیس کی بجائے **"مکث ایاماً"** یعنی چند روز کا ذکر ہے اس کو بنیاد بنا کر صفی الرحمٰن مبارکپوری دس دن کا قول نقل کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیتے ہیں:

"اہل سیر کی تمام روایات کے مجموعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے تین سال حراء میں ماہ رمضان کا اعتکاف کیا تھا اور نزول وحی والا رمضان تیسرا یعنی آخری رمضان تھا اور آپ کا دستور تھا کہ آپ رمضان کا اعتکاف مکمل کر کے پہلی شوال کو سویرے ہی مکہ آجاتے تھے مذکورہ روایت کے ساتھ اس بات کو جوڑنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ﴿**یاایها المدثر**﴾ والی وحی پہلی وحی کے دس دن بعد یکم شوال کو نازل ہوئی تھی یعنی بندش وحی کی کل مدت دس دن تھی"[5]

1۔ السہیلی، **الروض الانف**، 1/420

2۔ عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، **فتح الباری**، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی (المکتبۃ السلفیۃ، س ط ندارد)، 12/360

3۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء النبی ﷺ** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، بار چہارم ربیع الاول، 1420ھ)، 2/215

4۔ الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، **شرح العلامۃ الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولی 1417ھ-1996م) 1/402

5۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص102

آپ کے نزدیک حضور ﷺ پر وحی کا آغاز 21 رمضان کو ہوا تھا اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق[1] آپ پر سورۃ المدثر حراء سے واپسی پر تشریف لاتے ہوئے اتری تھی اس لئے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے مبارکپوری نے فترت وحی کی مدت دس دن نکالی ہے لیکن اس نقطہ نظر پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس کے بعد دس دن آپ مسلسل غار حراء میں رہے حتی کہ یکم شوال کو آپ ﷺ جب گھر تشریف لانے لگے تو "يَاأَيُّهَا الْمُدَثِّرُ" یہ آیات نازل ہوئیں حالانکہ اس پر روایات موجود ہیں کہ جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوتی ہے تو ایک رعب کی کیفیت آپ پر طاری ہوتی ہے جس کے تناظر میں حضرت خدیجہؓ آپ کی تسلی و تشفی فرماتی ہے[2]۔ ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر جاتی ہیں تو یہ تمام روایات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں اگر یہ مان لیا جائے کہ پہلی وحی کے بعد دس دن تک غار حراء میں رہے یہاں تک کہ دوسری وحی نازل ہوئی اس لئے تمام روایات کا جائزہ لینے سے یہ بات تو درست معلوم ہوتی ہے کہ وحی کا وقفہ کچھ ایام پر مشتمل تھا۔ چھ ماہ، اڑھائی یا تین سال پر محیط نہ تھا۔ ان تمام اقوال کو ابن حجر عسقلانی نے بھی نقل کیا ہے۔

> "شعبی سے فترۃ الوحی کی مدت تین سال منقول ہے ابن اسحٰق نے اس پر اعتماد کیا ہے اور امام بیہقی نے چھ ماہ کی مدت بیان کی ہے۔۔۔ بعض روایات میں یہ مدت اڑھائی سال بیان ہوتی ہے[3]۔ مزید آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ سورۃ اقراء اور مدثر کے مابین تین سال کا وقفہ مراد نہیں ہو سکتا"[4]۔

> چھ ماہ پر کلام ابوزہرۃ نے بھی کیا ہے

> **"بعد أن فترالوحی نحوستة أشهرأ و دون ذلک"**

> "ترجمہ: فترت وحی کا زمانہ چھ ماہ یا اس سے کم ہے۔[5]

اکرم ضیاء العمری تحریر کرتے ہیں:

"ولایعلم علی وجه التحدید کم دامت مدة انقطاع الوحی، ولکن یبدو أنها لم تدم طویلاً"

ترجمہ: وحی کے انقطاع کی مدت کی تعین کو نہیں جانا جا سکتا ہے لیکن یہ بات تو ظاہر ہے کہ یہ مدت طویل نہیں تھی۔[6]

خلاصہ تحقیق یہی ہے کہ فترۃ الوحی کا زمانہ چند دنوں پر مشتمل تھا اور حضرت ابن عباسؓ کے دونوں اقوال

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح4

2۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی تنہا نہ چھوڑے گا کیوں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں کمزور کا بوجھ اٹھاتے ہیں الخ (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ح3)

3۔ عسقلانی، **فتح الباری**، 1/27

4۔ ایضاً

5۔ ابوزہرہ، **خاتم النبیین** ﷺ، ص385

6۔ العمری، **السیرة النبویة**، 1/127

"مکث ایاماً" چند دن کا وقفہ اور دوسرا چالیس دن قول کو اگر "مَکَثَ ایاماً" کی تفسیر کے تناظر میں دیکھا جائے تو زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا وقفہ ہو سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں لہٰذا یہی چالیس دن کا قول قرین صواب نظر آتا ہے اور پہلی اور دوسری وحی کے مابین انقطاع اور وقفہ میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کو وحی کے بار کو اٹھانے کا کماحقہ متحمل بنایا جاسکے اور آپ کی استعداد اور اشتیاق کو جلا بخشی جاسکے جیسے ابن حجر عسقلانی نقل کرتے ہیں:

"وکان ذلک لیذھب ما کان ﷺ وجدہ من الروع ولیحصل له التشوف الی العود"[1]

ترجمہ: وقفہ وحی اس لئے تھا تا کہ آپ ﷺ کا خوف ختم ہو جائے اور فرشتے اور وحی کے دوبارہ آنے کے شوق کو جولانی عطا کی جاسکے۔ علاوہ ازیں:

﴿مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی﴾[2]

ترجمہ: نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا۔

کے تناظر میں وقفہ وحی پر بحث کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں اس کا تعلق پہلی اور دوسری وحی کے وقفہ سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کسی اور مرحلہ سے ہے۔ ابن عطیہ اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

"اس آیت کے سبب نزول کے متعلق اختلاف ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ پر وحی کا سلسلہ رک گیا اور آپ مکہ میں تھے اور اس کی مدت میں بھی مختلف روایات ہیں اور یہ آپ ﷺ پر وحی کا نہ اترنا شاق گزرا کفار کی ایک خاتون ام جمیل ابو لہب کی بیوی آکر آپ ﷺ کو کہتی ہے کہ اے محمد ﷺ میں نے آپ کے شیطان معاذ اللہ کو نہیں دیکھا اس نے آپ کو چھوڑ دیا ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے"[3]

ابن عطیہ نے آغاز میں ہی یہ نقل فرمایا ہے کہ اس کے سبب نزول کے بارے میں اختلاف ہے قاضی ابو السعود نے بھی اس کا سبب نزول ذکر کیا ہے اس میں ام جمیل کی جگہ مشرکوں کا تذکرہ کیا ہے آپ تحریر پرداز ہیں:

"روی أن الوحی تأخر عن رسول الله ﷺ ایاماً---فقال المشرکون' أن محمدً ﷺ ودعه ربه وقلاه فنزلت رداً علیھم تبشیراً له علیه الصلوٰۃ والسلام"[4]

ترجمہ: مروی ہے کہ چند روز آپ ﷺ پر وحی نہ اتری اس وجہ سے مشرکوں نے کہا کہ بے شک محمد ﷺ کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے اور آپ سے ناراض ہو گیا ہے اس وقت ان کا رد کرتے ہوئے اللہ نے یہ آیت نازل کی کہ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا۔۔۔ الخ اور آپ ﷺ کو بشارت دی۔

1۔ عسقلانی، **فتح الباری**،

2۔ الضحیٰ:3

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/493

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/468

ابن عطیہ کی نسبت قاضی ابو السعود کی روایت صحیح ہے اور امام مسلم نے اس کو نقل فرمایا ہے۔[1]

اور دونوں حضرات نے یہ بحث نہیں کی کہ یہ تاخیر کس مرحلہ پر ہوئی پہلی وحی کے بعد یا پھر کسی اور وقت پر ہوا آیت کے اسلوب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا تھا جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا۔ امام آلوسی اس کے تحت یہ روایت نقل کرتے ہیں: "حضور ﷺ کسی عارضہ کے باعث دو یا تین راتیں قیام نہ کر سکے تو ایک خاتون نے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں"[2]

امام آلوسی کی نقل کردہ روایت بھی صحیح ہے[3] ان تمام کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب چند دن وحی نہ اتری تو اس پر آپ ﷺ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان میں یہ آیات اتاریں۔ لیکن یہ کس مرحلہ میں ایسا ہوا اس پر ابن کثیر روایت کرتے ہیں:

"بعض حضرات کا یہ گمان ہے کہ فترت وحی کے بعد سورۃ الضحیٰ کی یہ آیات نازل ہوئیں والضحیٰ الخ۔۔۔ لیکن یہ بات بعید از فہم ہے کیوں صحیحین کی روایات یہ ہیں کہ پہلی وحی کے نزول کے وقفہ کے بعد "یٰاَیُّھَا الْمُدَثِّرُ۔قم فأنذر یہ آیات نازل ہوئی تھیں رہا سوال سورۃ الضحیٰ کے نزول کا تو یہ کسی اور موقع کی فترت وحی کا جو چند راتوں پر مشتمل تھا"[4]

وہ دو یا تین راتیں تھیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں المسند لابن حنبل اور صحیح بخاری کی مناسبت سے نقل کیا گیا ہے اور دوسرا یہ اس فترت وحی کا تعلق کسی اور زمانہ سے ہے تحقیق یہی ہے کہ اقراء کے نزول کے بعد جو وقفہ وحی آیا تھا اس کے بعد صحیح قول کے مطابق سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور پہلی اور دوسری وحی کے مابین انقطاع کا دورانیہ صحیح قول کے مطابق چند ایام پر مشتمل ہے چھ ماہ، اڑھائی یا تین سال کے اقوال درست معلوم نہیں ہوتے ہیں۔

مبحث سوم: دعوت حق کا آغاز خفیہ مرحلہ

غار حراء کی پر انوار فضاؤں میں وحی الٰہی سے فیضیاب ہوئے اور منصب نبوت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد اب یہی مقصد پیش نظر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام حق کو کس حکمت اور اسلوب کے تحت بندوں تک پہنچایا جائے اس کے لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ یہ صحیفہ انقلاب محرم راز احباب و اشخاص کے سامنے کھولا جائے تاکہ راز داری سے

1۔ جب جبریل علیہ السلام وحی لے کر تشریف نہ لائے تو اس وقت مشرکوں نے کہا کہ محمد ﷺ کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں {وَالضُّحٰی۔ تا۔ مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی} (مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین والمنافقین، ح1797

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/106 /۔ ابن حنبل، **المسند**، ح18801، اسنادہ صحیح علیٰ شرط الشیخین /۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب سورۃ الضحیٰ، ح4950

3۔ حضور ﷺ کسی تکلیف کے باعث دو یا تین راتیں قیام نہ کیا تو ایک عورت نے (طنزاً) یہ کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے تو اس وقت یہ آیاتنازل ہوئیں (ابن حنبل، **المسند**، ح18801، اسنادہ صحیح علیٰ شرط الشیخین /۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب سورۃ الضحیٰ، ح4950)

4۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 1/413-414

اس عظیم مشن کے لئے ایسی فضا ہموار کی جاسکے جو کہ بعد ازاں سنگ میل کی حیثیت رکھے اور اس دعوت حق کا آغاز آپ نے ﴿يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ- قُمْ فَأَنْذِرْ﴾[1] کی آیات بینات کے نزول کے بعد کیا اور یہ خفیہ دعوت کا دور "تین سال کے عرصہ پر محیط تھا"[2] ابن عطیہ سورۃ المدثر کی ان آیات کے تحت رقم طراز ہیں:

﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾بعثة عامة الیٰ جمیع الخلق"[3]

ترجمہ: یعنی آپ ڈرائیں اور اس دین اسلام کو بیان کریں اور یہ بھی قول ہے کہ اپنی قوم کو ڈرائیں۔

ابن عطیہ اور ابو السعود ان دونوں حضرات نے اس مقام پر سیرت کے ان پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی کہ اس دعوت کی نوعیت کیا تھی اور کتنا عرصہ یہ سلسلہ قائم رہا۔ اس موقع پر امام آلوسی نے ایک اور پہلو کی طرف رہنمائی کی ہے۔

"وعبر بعضهم عن هذا بقوله: اول مانزل للنبوة ﴿اقرأ باسم ربک﴾ واول ما نزل للرسالة﴿يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾[4]

ترجمہ: بعض حضرات نے اس قول "سب سے پہلے نازل ہوا" کی یہ تعبیر کی ہے کہ منصب نبوت کے لئے اولاً اقراء کی آیات نازل ہوئی ہیں اور منصب رسالت کے لئے اولاً يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کی آیات نازل ہوئی ہیں۔

گویا نبوت کا اظہار سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات سے اور رسالت کا سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات کے نزول کے ساتھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملتے ہی آپ ﷺ نے ظلمت کدہ عالم کو نور حق سے منور کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔ ہر طرح کی شورشوں، سازشوں، مخالفتوں اور مزاحمتوں کے باوجود آپ ﷺ کی مساعی جمیلہ میں کسی بھی قسم کا فرق نہ آیا اور جو بالآخر تادم واپسیں پوری آب و تاب سے جاری رہی اور اس دعوت حق کا آغاز آپ نے قابل اعتماد احباب و حضرات سے کیا دکتور علی الصلابی نقل کرتے ہیں: **"بعد نزول آیات المدثر، قام رسول الله ﷺ یدعوالی الله، والی الاسلام سراً، وکان طبیعیاً أن یبدأ بأهل بیته، وأصدقا ئه وأقرب الناس الیه"**[5]

ترجمہ: سورۃ المدثر کی آیات کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے کمربستہ ہو گئے اور

1۔ المدثر: 1-2

2۔ ابن ہشام نے ابن اسحٰق کے حوالے سے تین سال کا قول لکھا ہے (ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 120)، جب کہ ابن اسحٰق میں مطلقاً یہ بات ہے "فلبث سنین من مبعثه" (ابن اسحٰق، **السیرۃ النبویۃ**، ص 188)، صحیح قول تین سال کا ہے جسے اکثر سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے۔ (طاہر گیلانی، **سیرت انسائیکلو پیڈیا**، 3/72)

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/392

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/349

5۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 1/96

آپ کی طبعی منشایہ تھی کہ اس کا آغاز اپنے گھر والوں، دوستوں اور قرابت داروں سے کیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی یہ حکمت عملی انتہائی کامیاب رہی کہ جب تک یہ دعوت عام ہو جاتی آپ نے سر فروشان اسلام کی ایسی جماعت تیار کر لی تھی جو اسلام کی ترویج و اشاعت میں تمام قسم کی قربانیاں دینے کی استعداد رکھتے تھے۔ اس طریق سے دعوت کا سلسلہ اکثر سیرت نگاروں کے مطابق تین سال پر مشتمل ہے اور اس دورانیہ میں مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے تقریباً افراد دولت اسلام سے شرف یاب ہو چکے تھے۔ تین سال کے عرصہ میں کتنے لوگ کس کس قبیلہ سے مشرف باسلام ہوئے تھے مولانا مودودی نے اس پر ایک جامع فہرست مرتب کی ہے جس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً تمام قبائل سے ہی لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اور آپ نے ان کی تعداد 133 لکھی ہے:

"اس طرح ابتدائی چار مسلمانوں کے ساتھ ان 129 کے ملنے سے ان لوگوں کی کل تعداد 133 بن جاتی ہے"[1]

آپ ﷺ کا اس دعوت حق کو پیش کرنے کے لئے کمربستہ ہو جانا اس امر کو مستلزم تھا کہ حالات چاہے جیسے بھی ہو جائیں حقانیت اسلام لازماً پیش کی جائے گی:

"A carefull study of the Ayat revealed in Makkah from the early days of the Dawah provides us with a clear picture that the objective of the Prophet ﷺ was to establish Islam" [2]

قرآن مجید کی ان آیات کا مطالعہ جو آغاز میں مکہ مکرمہ میں دعوت کے حوالے سے اتری تھیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ آپ کا مقصد حیات ہی یہ تھا کہ اسلام کی حقانیت کو واضح کیا جائے۔ اس عرصہ کے دعوتی اثرات سے، ایک جماعت اسلام تشکیل پا چکی تھی اور یہ بھی تھا کہ کثیر تعداد نے ازراہ تعصب اور عناد اسلام کو قبول کرنے سے اعراض برتا ہوا تھا اور دعوت اسلام کا کام آپ ﷺ کی جانب سے مسلسل رواں دواں تھا۔ اس عرصہ میں آپ علیہ السلام نے دعوت کو خاص خاص لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

"رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا آغاز خود اپنے گھر سے کیا اور پھر رفتہ رفتہ قریبی دوست احباب اور ایک دوسرے کے جاننے والے افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے"[3]

آپ علیہ السلام نے یہ اسلوب دعوت حکمت اور منشاء الٰہی کے مطابق اختیار کیا تھا اس میں کسی قسم کا کوئی خارجی یا داخلی خوف و ڈر نہ تھا کیونکہ اعلانیہ دعوت کے بعد آپ کی پوری زندگی اس کی گواہ ہے کہ دعوت حق کو پیش کرتے وقت آپ نہ کبھی خوف زدہ ہوئے اور نہ اس کے ترک کا ارادہ کیا۔

1۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، **سیرت سرور عالم**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1989ء)، 2/161

2-**Selections from the Seerah of Muhammad** (London: Al-Khalifa Publications), Page14

3۔ شفیق، محمد سہیل، **"دعوت نبویؐ اور مخالفت قریش: مکی اور مدنی عہد کے تناظر میں"**، ہزارہ اسلامکس، جلد 9، شمارہ 1، جنوری۔ جون 2010، ص 39

فصل سوم: اعلانیہ دعوت کا دور تا ہجرت حبشہ

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے سر مبارک پر بعثت عامہ کا تاج سجایا تھا اس لئے آپ ﷺ نے کار نبوت کا جو سلسلہ راز دارانہ طریق سے شروع کیا تھا اب وہ اس نہج پر پہنچ چکا تھا کہ اعلانیہ طور پر اس کا آغاز کیا جائے تا کہ کفر و شرک کے خوگر معاشرہ کو نور توحید سے منور کیا جائے اور یہ دعوت روح بن کر ان کے رگ و پے میں سرایت کر جائے بلاشبہ یہ ایک جاں گسل مرحلہ تھا کہ صنم آشناؤں کو صرف وحدہ لاشریک لہ ذات کی بارگاہ میں جھکنے والا بنایا جائے اور آپ ﷺ نے دوران دعوت حق کئی صبر آزما مراحل کو بحسن وخوبی عبور بھی فرمایا اور آپ کے متبعین نے بھی راہ حق پر چلنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور جب ان پر ایذار سانیوں کا سلسلہ نقطہ عروج پر پہنچنے لگا تو آپ ﷺ نے چند جانثاروں کو حبشہ [1] کو ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مبحث اول: اعلانیہ دعوت

اور اعلانیہ دعوت کا دور اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے شروع ہوتا ہے ارشاد گرامی ہے:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔

حضور ﷺ نے قرابت داروں کو دعوت دینے کے لئے دو مرتبہ ضیافت کا اہتمام فرمایا پہلی دفعہ آپ کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ ابن عطیہ اس ضمن میں نقل کرتے ہیں:

"اور جب آپ ﷺ کو انذار کا حکم دیا گیا جو کہ ایک عظیم اور مشکل کام تھا آپ ﷺ نے اس کام کے لئے مختلف قسم کی کوششیں کی جن میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ ایک دعوت کا اہتمام کریں جس میں اپنے جد عبد المطلب کی اولاد کو دعوت دیں تا کہ ان کو ڈرا سکیں اس دعوت میں انہوں نے کھانے میں برکت کا معاملہ مشاہدہ فرمایا کہ بقول حضرت علیؓ اس دعوت میں کم و بیش چالیس لوگ تھے اس چیز کو ابولہب نے حضور ﷺ کا جادو کہا اور بات کرنے کا موقع نہ دیا جس سے وہ منتشر ہو گئے اور آپ ان سے کلام نہ کر سکے اور آپ نے انہیں دوبارہ جمع کیا انہیں ڈرایا وعظ و نصیحت کی لیکن وہ ہنستے رہے اور آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور یہ بھی ہے کہ آپ نے الگ سے اپنے چچا حضرت عباس، پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ میں تم کو اللہ کی ذات سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا بے شک میں آپ کو آنے والے عذاب سے ڈرانے والا ہوں"[3]

1۔ حبشہ، عصر حاضر میں اسے ایتھوپیا کہا جاتا ہے، مشرقی افریقہ میں واقع الباتن قوم اس سے بہتر اس کے پرانے نام حبشہ سے جانا جاتا ہے (http://uralomayme.com)

2۔ الشعراء: 214

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/245

اعلانیہ دعوت کے آغاز میں آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے قرابت داروں کو دعوت دی اور اس کے لئے اپنے گھر میں ضیافت کا بھی اہتمام کیا اور یہ کاوش آپ نے دو مرتبہ کی بعد ازاں کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی قوم کے دیگر افراد کو دعوت دی۔ ابن عطیہ اس بابت نقل کرتے ہیں:

"مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ کوہ صفا یا جبل ابی قبیس پر قیام فرما ہوئے اور یہ نداء کی کہ اے بنی عبد مناف میری پکار سنو! پس اہل مکہ جمع ہونے لگے اور آپ کہہ رہے تھے اے بنی فلاں یہاں تک کہ قریش کے قبائل میں سے لوگ آنے لگے اور تقریباً ہر قبیلے کی شاخ سے بہت بڑی تعداد جب مکمل ہو گئی تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ اگر میں تم کو یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دامن سے دشمن کے سواروں کا دستہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تم میری تصدیق کرو گے تو انہوں نے کہا ہاں بے شک ہم نے آپ کو کبھی غلط بیانی کرتے ہوئے نہیں سنا تو آپ ﷺ نے ان سے کہا بے شک میں آپ کو آنے والے عذاب سے ڈرانے والا ہوں یہ سن کر ابو لہب نے گستاخانہ لب و لہجہ میں کہا کہ آپ نے ہمیں یہ بات بتانے کے لئے جمع کیا ہے معاذ اللہ آپ کا سارا دن برباد ہو جائے پس اس وقت سورت لہب نازل ہوئی"[1]

ابن عطیہ نے یہ بحث سورۃ لہب کی تفسیر کے ضمن میں بھی کی ہے روایت کے الفاظ میں قدرے اختلاف ہے آپ نقل کرتے ہیں:

"حدیث میں مروی ہے کہ جب ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾[2] نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اے صفیہ بنت عبد المطلب، اے فاطمہ بنت محمد ﷺ میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں البتہ تم میرے مال میں سے جس چیز کا چاہو سوال کر لو پھر آپ ﷺ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے قبیلہ قریش کی شاخوں کو پکارنے لگے اے بنی فلاں، اے بنی فلاں تو ہر طرف سے لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے کہا پہاڑ کے دامن سے لشکر حملہ کرنے لگا ہے الخ۔ تو یہ سورت نازل ہوئی"[3]

ابن عطیہ نے اعلانیہ دعوت کے آغاز کے تناظر میں جن روایات کو نقل کیا ہے ان کو المسند لامام احمد بن حنبل، صحیح بخاری و مسلم میں قدرے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔[4]

ابن عطیہ نے کوہ صفا جبل ابی قبیس کا تذکرہ کیا ہے جب کہ صحیحین کی روایات میں صرف کوہ صفا کا ذکر ہے اور قاضی ابو السعود اس آیت مقدسہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ کے تحت نقل کرتے ہیں:

"روایت کیا جاتا ہے کہ جب یہ آیت ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو حضور ﷺ کوہ صفا پر براجمان ہوئے اور ان کو نداء دی یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے کہا کہ اگر میں کہوں کہ پہاڑ کے

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،

2۔ الشعراء:214

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/534

4۔ ابن حنبل، **المسند**، ح8726، 8402، اسنادہ صحیح علیٰ شرط الشیخین، باب وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ، ح4770/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب سورۃ ابی لہب، ح4971/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، ح204-ح205-ح206-ح207-ح208

پیچھے سے گھڑ سوار دستہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کروں گے سب نے کہا ہاں الخ۔۔۔یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے کہا اے بنی عبد المطلب، اے بنی ہاشم، اے بنی عبد مناف، تم اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے محفوظ کرو بے شک میں تم کو اللہ کی گرفت سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا پھر آپ نے کہا اے عائشہ بنت ابی بکر، اے حفصہ بنت عمر، اے فاطمہ بنت محمد، اے صفیہ محمد ﷺ کی پھوپھی جان تم دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ بے شک میں تم کو اللہ کی پکڑ سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا"[1]

ابو السعود کی نقل کردہ روایات بھی صحیحین میں ہیں مگر ان میں حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر نہیں ہے ابن عطیہ نے انتہائی قرابت داروں اور اپنی قوم کی دعوت کو ترتیب سے بیان کیا ہے کہ اولاً قرابت داروں کو دو دفعہ گھر میں دعوت دی اور ضیافت کی بعد ازاں قوم کے دیگر افراد کو جا کر کوہ صفا پر دعوت دی اور "حقیقت میں آپ ﷺ کی دعوت کی یہی ترتیب تھی"[2] جب کہ ابو السعود نے بالا اختصار مطلقاً روایات کو نقل کیا ہے ترتیب پر بحث نہیں کہ کہ قریبی رشتہ داروں کو کس مقام پر اور کب دعوت دی۔ اس ضمن میں ابن عطیہ کی نقل کردہ بحث قرین صواب ہے۔ قاضی ابو السعود نے سورۃ لہب کے تحت بھی اختصار کے ساتھ یہی بحث کی ہے کہ جب ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ تک الخ یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے کوہ صفا پر دعوت حق دی تو ابو الھب نے اس وقت ہرزہ سرائی کرتے ہوئے یہ گستاخی کی تو اس وقت سورۃ لہب نازل ہوئی"[3]

حضور ﷺ نے جب گھر میں اپنے قرابت داروں کو دعوت حق سنانے کیلئے دو دفعہ جمع کیا تو ابو لہب وہاں بھی شریک تھا لیکن وہاں اس نے براہ راست حضور ﷺ کو اس انداز میں مخاطب نہیں کیا اگرچہ اس کا رویہ نامناسب تھا مگر کوہ صفا کے مقام پر اس نے دیدہ دلیری کرتے ہوئے تمام حدود کو پار کرتے ہوئے جب آپ ﷺ کو اس بے ادبی کے ساتھ مخاطب کیا تو اللہ تعالیٰ کی شان جلالت بڑھ گئی اور اپنے حبیب لبیب ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے یہ سورت نازل فرمائی۔ ابن عطیہ نے اس ضمن میں جو حضور ﷺ کا کھانے کی دعوت کا تذکرہ کیا ہے وہ حصہ صحیحین میں مروی نہیں ہے بلکہ اسے ابن اسحٰق نے نقل کیا ہے[4] اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بیان کیا ہے[5] کہ آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ کھانے کا اہتمام کریں روایات کا باقی حصہ صحیحین میں منقول ہے جیسا کہ گزشتہ صفحہ میں تحریر کیا گیا ہے ابن عطیہ اور اگر ابو السعود کی تحقیقات کا تجزیہ کیا جائے دیگر تفاسیر میں بھی اس آیت کے تحت یہی بحث ملتی ہے جیسے "ابن کثیر نے اس آیت کے تحت پانچ احادیث نقل کی ہیں اور ساتھ ان کی تحقیق و تخریج بھی کی

1۔ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 65/5

2۔ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 391/1

3۔ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 517/6

4۔ابن اسحٰق، **السیرۃ النبویۃ**، ص188

5۔البیہقی، **دلائل النبوۃ**، ص179/2

ہے ان میں احادیث نمبر پانچ کے علاوہ باقی کا تعلق صحیحین سے ہے حدیث نمبر پانچ میں ذکر ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے اپنے گھر میں تیس لوگوں کو جمع کیا انہوں نے کھایا پیا اور آپ ﷺ نے انہیں دعوت دی کہ کون مجھے میرے دین اور عہد کی پابندی کی ضمانت دیتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا اس بحث میں حضرت علیؓ نے کہا کہ میں ضمانت دیتا ہوں"[1] حدیث نمبر پانچ کو آپ نے دیگر طرق سے بھی روایت کیا ہے جس کیلئے آپ یہ کلمات تحریر کرتے ہیں:

"طریق اخری بأبسط من هذا السباق---طریق أخری أغرب و أبسط من هذا السیاق بزیادات أخر" قال الحافظ ابوبکرالبیهقی فی دلائل النبوة"[2]

ابن کثیر نے اس روایت کی تخریج تو کی مگر اس پر حکم نہیں لگایا اسی طرح "امام آلوسی نے بھی اس آیت کے تحت ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کی طرح بحث کی ہے"[3]۔ کتب سیرت میں بھی علانیہ دعوت کے مراحل کو گزشتہ تحقیق کے مطابق پیش کیا گیا ہے[4] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[5]

ترجمہ: سو آپ اعلان کر دیجیے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجیے مشرکوں سے۔

اے میرے حبیب ﷺ آپ ﷺ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس کو علی الاعلان لوگوں کے سامنے پیش کیجئے اس آیت مقدسہ میں بھی علانیہ دعوت کا اشارہ ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض سیرت نگاروں نے اس باب میں اس کو بطور استدلال پیش کیا ہے جیسے ابن اسحٰق تحریر کرتے ہیں:

"آپ ﷺ درپردہ دعوت دے رہے تھے کے بعد یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾**[6] **وقال﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾**[7]

ابن ہشام اور مبارکپوری نے بھی اس آیت کو علانیہ دعوت کے آغاز کے مرحلہ میں نقل کیا ہے[8]

1۔ دیکھیے، ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،6/ 168/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح883، اسنادہ ضعیف، ح 1371، اسنادہ ضعیف

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،6/ 168/۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، ص2/ 179/۔ العمری نے اس روایت کو منکر کہا ہے (العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، ص142)

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**،19/ 299-300

4۔ ابن اسحٰق، **السیرۃ النبویۃ**، ص188، 189/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 1/ 389 تا 392/ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 112 تا 114، آپ نے ضیافت میں شریک لوگوں کی تعداد بیتالیس بلاحوالہ نقل کی ہے۔

5۔ الحجر:94

6۔ الحجر:94

7۔ الشعراء:214

8۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص120/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص114

اس ضمن میں اہم بات یہ ہے کہ ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود دونوں نے اس آیت کی روشنی میں اس موضوع پر کلام نہیں کیا ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد علانیہ دعوت کا سلسلہ شروع کیا بلکہ وہ صرف یہ تحریر کرتے ہیں:

"وقال مجاهد نزلت فی أن یجهر بالقرآن فی الصلوٰة"[1]

ترجمہ: حضرت مجاہد کا قول ہے کہ اس کا شان نزول یہ ہے کہ نماز میں بلند آواز سے قرآن کی قراءات کی جائے۔

ابن کثیر اور امام آلوسی ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کا نقل کردہ قول نقل کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

"ولم یزل ﷺ مستخفاً کما روی عن عبدالله بن مسعود قبل نزولها فلما نزلت خرج هوو اصحابه علیه الصلوٰة والسلام"[2]

ترجمہ: آپ ﷺ خفیہ طریق سے مصروف عبادت و تبلیغ تھے جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے دعوت علانیہ کو شروع کر دیا۔

اس مقام پر حضرت مجاہدؒ کا قول کہ اس سے مراد نماز میں بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرنا ہے صحیح ہے جیسا کہ منقول ہے:

"أخرج آدم ابن أبی ایاس بسنده الصحیح عن مجاهد﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ قال اجهر بالقرآن فی الصلوٰة"[3]

ترجمہ: آدم بن ابی ایاس نے اپنی صحیح سند سے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں نماز میں بلند آواز سے قرآن کی تلاوت مراد ہے۔

مذکورہ موقف کی تائید اس آیت کے اگلے حصے کی تلاوت سے بھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[4]

ترجمہ: سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے۔

اس آیت میں مشرکین سے جو اعراض کرنے کا حکم ہے یہ اشارہ کرتا ہے کہ اس کا تعلق علانیہ دعوت کے آغاز کے ساتھ نہیں بلکہ بعد کے ساتھ ہے کیوں کہ آغاز سے قبل تو دعوت کا حکم خفیہ تھا اس لئے علانیہ دعوت کے شروع میں ان سے روگردانی کرنے کا حکم نہیں ہو سکتا بلکہ بعد ازاں جب یہ سلسلہ شروع ہوا مشرکین کی مخالفت اور مخاصمت بڑھنے لگی جو آپ ﷺ کی دل آزادی کا سبب بننے لگا تو تب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فرمایا کہ ان سے منہ

1۔ دیکھیے۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/375/۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/38

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/551/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 13/555

3۔ بن یاسین، حکمت بن بشیر، **التفسیر الصحیح**، (المدینة النبویة: دار المآثر، الطبعة الاولیٰ، 1419ھ)، 3/171

4۔ الحجر: 94

پھیر لیجئے یعنی مشرکین کی کارستانیوں پر برافروختہ نہ ہوں لہٰذا اس آیت کے تحت ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کا سیرت نگاروں کے برعکس علانیہ دعوت کے شروع کی بحث نہ کرنا صحیح ہے۔

پیش کردہ بحث کا لب لباب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حکمت کے تحت جس دعوت حق کو خفیہ رکھا ہوا تھا اب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے علانیہ شروع فرمارہے ہیں جس کے لئے اولاً قرابت داروں کو اپنے گھر میں مدعو کیا ان کی جانب سے خاطر خواہ جواب موصول نہ ہوا تو قوم کے افراد کو یہ پیغام سنانے کے لئے کوہ صفا پر صدائے حق بلند کی جس پر اپنی قوم کی جانب سے مخالفت کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوگیا مگر آپ نے ذرہ پرواکئے بغیر تادم واپسیں اس پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

مبحث دوم: مصائب و شدائد کی روح فرسا داستانیں

حضور ﷺ نے جب اپنے رب کی توحید کی دعوت کا اعلان خلوت و جلوت میں پیش کرنا شروع کردیا تو جہاں ایک طبقہ مخلصین و محبین کا آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ ﷺ کا گرویدہ ہورہا تھا وہاں اکثریت ایسے طبقہ کی بھی تھی جو آپ ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے جوروجفا کی داستانیں رقم کررہے تھے حتی کہ اس اذیت رسانی میں آپ کا حقیقی چچا ابولہب بھی پیش پیش تھا اور ان ظلم و ستم کے روح فرسا واقعات کا سلسلہ صرف آپ ﷺ کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ آپ کے پیروکاروں کو بھی انتہائی صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا ان تمام آزمائشوں کے باوجود آپ ﷺ نے حق کا علم بلند کیے رکھا۔

1۔ابولہب اور اس کی بیوی کا ناروا سلوک

ابولہب اور اس کی بیوی کے ناروا سلوک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی تہدید و تذمیم فرمائی ہے۔ابن عطیہ سورۃ لہب کا سبب نزول بیان کرنے کے بعد ابوالہب کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں:

"ابولهب: هو عبدالعزىٰ بن عبدالمطلب، وهو عم النبى ﷺ ولكن سبقت له الشقاوة"[1]

ترجمہ:ابولہب جس کا اصل نام عبدالعزٰی بن عبدالمطلب تھا اور وہ حضور ﷺ کا چچا تھا لیکن بدبختی میں حضور ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے سب پر سبقت لے گیا تھا۔

مزید براں ابن عطیہ ابولہب کی بیوی کے کردار پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

"هى أم جميل أخت أبى سفيان بن حرب عمة معاوية بن أبى سفيان و عطف قوله: {وامرأته}--- وكانت أم جميل هذه مؤذية لرسول الله ﷺ وللمؤمنين بلسانها و غاية قدرتها، وقال ابن عباس: كانت تجئى بالشوك فتطرحه فى طريق النبى ﷺ و طريق اصحابه

1۔ابن عطیہ،*المحرر الوجیز*،5/534

لیعقرھم"[1]

ترجمہ: اس کا نام ام جمیل تھا اور وہ حضرت ابو سفیانؓ کی بہن اور حضرت معاویہؓ کی پھوپھی تھی اور اس کا عطف "وامرأته" پر ہے جو کہ ام جمیل ہے اور وہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو اپنے قول و فعل کے ذریعے شدت سے اذیت دینے کی کوشش کرتی تھی اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ وہ کانٹے لاتی اور حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے راستے میں پھینکتی تھی تاکہ وہ انہیں زخمی کرے۔

گویا ابو لہب اور اس کی بیوی حضور ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے لئے سر توڑ کوششیں کرتے تھے۔ قاضی ابو السعود اس کے تحت تحریر کرتے ہیں:

"رقی رسول اللہ ﷺ الصفا وجمع أقاربه فأنذرهم فقال أبو لهب: تباً لک ألهذا دعوتنا؟ وأخذ حجراً لیرمیه ﷺ به"[2]

ترجمہ: آپ ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور اپنے اقارب کو جمع کر کے ان کو ڈرایا تو ابو لہب نے کہا کہ ہلاکت ہو آپ کے لئے معاذ اللہ اور ایک پتھر اٹھایا تاکہ اس کے ذریعے آپ ﷺ کو مارے۔

مجمع کے روبرو حقیقی چچا کی یہ جسارت دوسروں کو بھی جرأت دے رہی تھی قاضی ابو السعود ابو لہب کی بیوی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"وهی أم جمیل بنت حرب أخت أبی سفیان وکانت تحمل حزمةً من الشوک و الحسک والسعدان فتنشرها باللیل فی طریق النبی علیه الصلوٰة والسلام"[3]

ترجمہ: ابو لہب کی بیوی اس کا نام ام جمیل بنت حرب جو کہ ابو سفیان کی بہن تھی وہ رسی سے کانٹوں، باریک کانٹے دار پودا اور گھاس سے گٹھڑا باندھ کر رات کو حضور ﷺ کے راستے میں پھیلا دیتی تھی۔

تاکہ آپ ﷺ کو تکلیف ہو۔ سورۃ لہب در حقیقت ابو لہب اور اس کی بیوی کی کارستانیوں کو واشگاف کرتی ہے جس کی شدت اور بغض و عناد اتنا زیادہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بھرپور مذمت کی۔ ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کی آراء کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ان کے موقف کی تائید ہوتی ہے جیسے ابن کثیر لکھتے ہیں:

"فأبولهب هذا هو احد أعمام رسول اللہ ﷺ واسمه: عبدالعزی بن عبدالمطلب، و کنیته ابو عتبه، وانماسمی "أبا لهب" لاشراق وجه وکان کثیر الاذیة لرسول اللہ ﷺ والبغضة له"[4]

ترجمہ: ابو لہب حضور ﷺ کے ایک چچا تھے اس کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب اور کنیت ابو عتبہ تھی اس کو ابو لہب چہرے کے چمکنے

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/535

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/517

3۔ ایضاً، 6/518

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/514

کی وجہ سے کہا جاتا تھا وہ آپ ﷺ کو بہت زیادہ اذیت دینے والا اور آپ سے بغض رکھنے والا تھا۔

ابن کثیر نے ابو لہب کی بیوی کا اصل نام لکھا ہے ''وھی: أم جمیل، واسمھا اروای بنت حرب بن أمیة''[1]

مزید براں اس کے کردار پر کلام کرتے ہوئے تحریر پرداز ہیں:

''کانت تضع الشوک فی طریق رسول اللہ ﷺ و اختارہ ابن جریر''[2]

ترجمہ: وہ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھی۔ یہ ابن جریر کا مختار قول ہے۔

ابن کثیر نے ایک اور قول نقل کرنے کے بعد مذکورہ پہلے قول کو ''والصحیح الاول'' لکھا ہے[3]۔ گویا ابو لہب کی زوجہ جہاں زبان درازی کے ذریعے آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے لئے تکلیف کا ساماں بنتی وہاں اپنے فعل کے ذریعے بھی آپ کو اذیت و تکلیف پہنچانے میں پیش پیش رہتی تھی۔ ابو السعود نے ''اخذ حجراً'' ابو لہب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو مارنے کے لئے پتھر اٹھایا یہ کلام امام آلوسی نے بھی تحریر کیا ہے:

''ویروی أنه مع ذلک القول أخذ بیدیه حجراً الیرمی بھا رسول اللہ ﷺ''[4]

ترجمہ: اس کے ساتھ یہ قول بھی مروی ہے کہ اس ابو لہب نے آپ ﷺ کو مارنے کے لئے پتھر اٹھایا۔

اس کے علاوہ امام آلوسی نے ابو لہب کی اس حرکت کو بھی ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں کو دھمکایا کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیوں کو طلاق دو تو ان دونوں عتبہ اور عیتبہ نے طلاق دے دی اور عتبہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

''فقال لاتین محمداً ﷺ و أوذینه''[5]

ترجمہ: پس عتیبہ نے کہا کہ میں حضور ﷺ کے پاس جا کر ان کو لازماً تکلیف پہنچاؤں گا۔

جب اس نے آپ ﷺ کے پاس آکر بے باکی اور گستاخی کی تو آپ ﷺ نے اس کے لئے دعائے ضرر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اللھم سلّط علیه کلباً من کلابک''[6]

ترجمہ: اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر یعنی اس کو ہلاک فرمادے۔

ابو لہب کے کردار پر مولانا مودودی کا تبصرہ لائق مطالعہ ہے:

''اس نے نہ صرف انسانیت کی بلکہ عرب کی معروف و مسلم اخلاقی روایات کی بھی ساری حدیں توڑ ڈالیں اور حضورؐ کی

---

1 - ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 515/8

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، /۔ ابن جریر، **جامع البیان**، 721/24

3۔ ایضاً، 515/8

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 406/29

5۔ ایضاً، 411/29

6۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 411/29

دشمنی میں آدمیت اور شرافت سے گر کر کمینہ پن پر اتر آیا دراں حالیکہ آپ کا اور اس کا خون کا رشتہ تھا اور اس رشتہ داری کی وجہ سے اس کی مخالفت دوسروں کی مخالفت کی بہ نسبت دین کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن گئی"[1]

المختصر راہ حق کی دعوت و تبلیغ میں ابولہب اور اس کی بیوی نے آپ ﷺ کو خوب تنگ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ہر قسم کی خست و کمینگی کا بھرپور مظاہرہ کیا لیکن آپ ﷺ ان کی چیرہ دستیوں کی ذرہ بھر پرواہ کیے بغیر دعوت و تبلیغ کے کام کو فزوں سے فزوں تر فرماتے گئے۔

2۔ عبادت سے روکنا

حضور ﷺ جو کہ سراپائے حلم و عفو تھے کفار کی ایذا رسانیوں کا صبر و تحمل سے دفاع کر رہے تھے اور وہ نابکار کفار اسے کمزوری پر محمول کرتے ہوئے آپ ﷺ کی دل آزاریوں میں اضافہ کرتے جاتے یہاں تک کہ ایک روز وہ شقاوت و بدبختی کی انتہا کو پہنچ گئے اور حالت سجدہ میں آپ ﷺ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجڑی پھینکنے کی جسارت کی۔ ابن عطیہ قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى﴾[2]

ترجمہ: ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے۔

ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

"الآیة نزلت بعد مدة من شأن أبی جهل بن هشام و ذلک أنه طغیٰ لغناه و لكثره من يغشى ناديه من الناس فناصب رسول الله ﷺ العداوة و نهاه عن الصلوٰة فی المسجد"[3]

ترجمہ: یہ آیت ایک مدت کے بعد ابوجہل بن ہشام کے حوالے سے نازل ہوئی ہے کہ اس نے مال کی فراوانی اور ایک طاقت ور طبقہ کی پیروکاری کی وجہ سے سرکشی کی اور عداوت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور آپ کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکا۔

اس کے بعد ابن عطیہ ان روایات کو بھی ذکر کرتے ہیں کہ جن میں ابوجہل کی اس دریدہ دہنی کا تذکرہ ہے کہ اس نے نذر مانی ہوئی کہ سجدہ کی حالت میں اگر حضور ﷺ کو دیکھے گا تو العیاذ باللہ وہ حضور ﷺ کی گردن کو روندے گا آپ نقل کرتے ہیں:

"روایت کیا جاتا ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ اگر میں حضور ﷺ کو کعبہ کے پاس سجدہ کی حالت میں دیکھوں تو نعوذ باللہ آپ ﷺ کی گردن پر پاؤں رکھوں گا۔۔۔۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک دن ابوجہل آیا تو اس وقت حضور ﷺ نماز ادا کر رہے تھے تو وہ آگے بڑھتا ہے تاکہ اپنی قسم پوری کرے جب اس بری نیت سے حضور ﷺ کے نزدیک پہنچا کہ آپ

1۔ مودودی، **سیرت سرور عالم**، 2/498

2۔ العلق: 6

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/502

کو نماز سے روکے تو لوگوں نے دیکھا کہ پیچھے ہٹ رہا ہے اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے تو کہتا ہے جب میں نزدیک ہوا تو مجھے ان کے درمیان اور اپنے درمیان آگ سے بھری ہوئی ایک خندق دکھائی اور اس سے شعلے بھڑک رہے تھے حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ میرے نزدیک آنے کی جرأت کرتا تو فرشتے اس کا انگ انگ جدا کر دیتے"[1]

اللہ تعالیٰ نے اس سے اگلی آیات میں ارشاد فرمایا:

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يَنْهٰى- عَبْدًا اِذَا صَلّٰى﴾[2]

ترجمہ: اے حبیب! آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

اس کی تفسیر میں ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"ولم يختلف احد من المفسرين فى أن الناهى: ابوجهل' وأن العبد ----محمد ﷺ"[3]

ترجمہ: مفسرین میں سے کسی کا اس پر اختلاف نہیں ہے مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں منع کرنے والے سے مراد ابو جہل اور عبد سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔

قاضی ابو السعود نے اس آیت کریمہ ﴿اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يَنْهٰى الخ﴾ کے تحت ابن عطیہ کے موافق ابو جہل کا واقعہ نقل فرمایا ہے: "ابو جہل نے باغی قریش سرداروں کی مجلس میں کہا تھا کہ اگر میں نے حضور ﷺ کو نماز ادا کرتے دیکھا الخ"[4] اس آیت ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَه﴾[5] "ترجمہ: پس وہ بلالے اپنے ہم نشینوں کو اپنی مدد کے لئے۔

کے تحت ابن عطیہ نے اس موضوع پر کلام نہیں کیا جب کہ قاضی ابو السعود نے یہ روایت نقل کی ہے:

"روى أن أبا جهل مر برسول الله ﷺوهو يصلى فقال ألم أنهك فأغلظ رسول الله ﷺفقال: أتهددنى و أنا اكثر أهل الوادى نادياً نزلت"[6]

ترجمہ: روایت کیا جاتا ہے کہ ابو جہل حضور ﷺ کے پاس سے گزرا اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل کہنے لگا: یا محمد ﷺ کیا میں نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تو حضور ﷺ نے اسے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ابو جہل نے کہا آپ مجھے کس چیز سے ڈرا رہے ہیں اس وادی کے اکثر لوگ میری مجلس میں بیٹھنے والے ہیں اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

ابن کثیر نے مذکورہ بحث کے مطابق اپنا تبصرہ نقل کیا ہے:

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/ 502/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب کلا لئن لم ینتہ لنسفعاً بالناصیۃ، ح4958/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب صفۃ القیامۃ، باب قولہ: ان الانسان لیطغیٰ، ح2797

2۔ العلق: 9-10

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/ 502

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/ 480

5۔ العلق: 17

6۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/ 482، الترمذی، **الجامع**، کتاب تفسیر القران، باب من سورۃ اقرأ باسم ربک، ح3349، قال حدیث حسن غریب صحیح

﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی﴾ نزلت فی أبی جھل لعنة اللہ“[1]

ترجمہ: یہ آیت ابو جہل کے حوالے سے نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔

اس کے بعد ابن کثیر نے ابو جہل کا وہ واقعہ نقل کیا صحیح بخاری کے حوالے سے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے[2]۔ امام آلوسی نے بھی مذکورہ آیت کے تحت ابن عطیہ اور ابو السعود کے مطابق تفسیر کی ہے“[3]

گویا آپ نے علانیہ دعوت کا آغاز حرم کعبہ میں نماز کے ذریعے کیا۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

”احادیث کی معتبر کتابوں میں اس واقعہ کی جو تشریح کی گئی کہ نماز پڑھنے والے رسول اللہ ﷺ تھے اور آپ کو روکنے والا ابو جہل تھا اس پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے اپنے دین کا اظہار سب سے پہلے حرم میں اسلامی طریقے سے نماز پڑھ کر کیا“[4]

سیرت نگاروں نے بھی اگرچہ پیش کردہ واقعات کے مطابق مباحث سیرت کو نقل کیا ہے مگر اس میں ایک اور واقعہ کا اضافہ بھی کیا ہے جسے ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے تحریر نہیں کیا ہے وہ یہ کے آپ ﷺ سجدے میں تھے تو ابو جہل کے اکسانے پر عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی پشت پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی اس واقعہ کو امام بخاری و مسلم نے بھی ذکر کیا ہے:

عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کعبۃ اللہ کے پاس مصروف عبادت تھے اور ابو جہل اور اس کے ہمراہی بھی وہاں بیٹھے تھے ابو جہل نے کہا کہ کیا تم اس ریاء کار کو دیکھتے ہو معاذ اللہ تم میں سے کون جیالا ہے جو قصابوں کے محلے میں جائے اور وہاں سے اونٹنی کی اوجھڑی گوبر اور خون سمیت اٹھالائے اور پھر انتظار کرے جب آپ ﷺ سجدے میں چلے جائیں تو سب کچھ ان کے کاندھوں پر رکھ دے تو ان میں بدبخت ترین شخص عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو اس قسم کا گند اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈال دیا اس بے ہودگی پر وہ بدبخت ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا مگر اس پوزیشن میں نہ تھا کہ آپ کے مبارک کندھوں سے اسے ہٹاتا آپ ﷺ سجدے میں ہی تھے یہاں تک کہ جاکر آپ ﷺ کے گھر میں اطلاع دی گئی تو حضرت فاطمہؓ ابھی چھوٹی بچی تھیں دوڑتی ہوئی تشریف لاتی ہیں اور اسے آپ کی پشت مبارک سے پڑے ہٹاتی ہیں اور ان کو شرم و عار دلاتی ہیں پس جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو بارگاہ خداوندی میں ان بدبخت افراد کی ہلاکت کے لئے ہاتھ اٹھالئے اور تین مرتبہ آپ نے کہا اے اللہ قریش کو پکڑ پھر آپ ﷺ نے ان بدبختوں کے نام لے کر دعائے ضرر کی کہ اے اللہ ابو جہل، عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، الولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن الولید ان سب کو پکڑ اور سخت گرفت میں لے

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/438

2۔ ایضا

3۔ دیکھیے، الآلوسی، **روح المعانی**، 29/175، 177، 188

4۔ مودودی، **سیرت سرور عالم**، 2/493

جب ان کافروں نے حضور ﷺ کی دعا کا یہ انداز دیکھا تو حواس باختہ ہوگئے کیوں کہ وہ مانتے تھے کہ حضور ﷺ کی ہر بات پوری ہو جاتی ہے اور جو آپ ﷺ نے کہا ہے وہ اب ہو کر رہے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مجھے اس ذات کی قسم جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں نے ان اشخاص کو جن کا نام لے کر آپ نے دعا کی تھی بدر کے میدان ذلت کے ساتھ پڑا پایا ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں"[1]

مذکورہ واقعہ سرداران قریش کی بد تہذیبی اور بد اخلاقی کی اعلیٰ مثال تھا مگر آپ ﷺ نے ان اوچھے ہتھکنڈوں کے باوجود حق کی دعوت کو نہ چھوڑا۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کے خلاف دعا فرمائی تھی جب وہ آپ کی دعوت کو توجہ سے نہیں سن رہے تھے۔ ابن عطیہ نے اس آیت:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾[2]

ترجمہ: پس آپ انتظار کریں اس دن کا جب ظاہر ہو گا آسمان پر صاف نظر آنے والے دھواں۔

کے تحت آپ ﷺ کی ایک اور دعائے ضرر پر اجمالاً بات لکھی ہے واقعہ کا سبب کیا ہے اس پر روشنی نہیں ڈالی ہے آپ لکھتے ہیں:

"وقالت فرقة منهم عبدالله بن مسعود: هوالدخان الذى رأته قريش حين دعا عليهم النبى ﷺ يسبع كسبع يوسف"[3]

ترجمہ: ایک گروہ جس میں عبد اللہ بن مسعودؓ بھی ہیں وہ کہتے ہیں اس آیت میں دھوئیں سے مراد وہ دھواں ہے جسے قریش نے اس وقت دیکھا تھا جب آپ ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی تھی کہ اے اللہ ان پر قحط کے ایسے سال مسلط کر دے جیسے حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں کیے تھے۔

قاضی ابو السعود نے بھی اس آیت کے تحت مذکورہ روایت کو کچھ اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے:

"عربی میں غالب شر کو بھی دھواں کہا جاتا ہے کہ قریش نے جب آپ ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ مضر پر سختی فرما اور ان پر حضرت یوسفؑ کے زمانہ کی طرح قحط مسلط فرما"[4]

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الصلوۃ، باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیاء، ح520/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب مالقی النبی من المشرکین، ح1794، العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/213، الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 1/213

2۔ الدخان:10

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/69

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/53/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الاستسقاء، باب دعا النبی اجعلہا علیہم، ح1007/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الفتن، باب فی الایات التی تکون۔۔۔۔ الساعۃ، ح2901

اس آیت کے ضمن میں ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کی طرح ابن کثیر [1] اور امام آلوسی [2] نے بھی روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ ان پر قحط مسلط فرما جس طرح حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں قحط مسلط کیا تھا۔

مذکورہ واقعہ جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ گزشتہ صفحہ میں متفق علیہ روایت منقول ہے اس کو پیش کرنے کا مقصد مشرکین مکہ کی ہرزہ سرائی کی شدت کو واضح کرنا ہے کہ اگر ان کی مخاصمت معمولی ہوتی تو آپ ﷺ جو پیکر حلم وعفو ہیں ان کے خلاف دعا نہ کرتے آپ ﷺ کا ان کے خلاف دعا کرنا اس امر کو بیان کرتا ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو بہت تکلیف واذیت میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

3۔ استہزاء کے ذریعے تکلیف پہنچانا

مشرکین مکہ نے آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو صرف جسمانی اذیت میں ہی نہیں مبتلا کیا بلکہ ذہنی وفکری حوالے سے بھی ہراساں کیا اس کے لئے آپ ﷺ کا مذاق اڑانے کی کوشش کرتے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کے اس کردار کو یوں نقل فرماتا ہے:

﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ [3]

ترجمہ: ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کو کسی کافر سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو آپ پر زبان طعن دراز کرے گا ہم خود اس کے لئے کافی ہیں ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں: ''کفار مکہ میں سے وہ لوگ جو آپ ﷺ کا استہزاء فرماتے تھے عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ وہ پانچ لوگ تھے قریش جو یہ مذموم حرکت کرتے تھے الولید بن المغیرہ، العاص بن وائل، الاسود بن عبد المطلب ابو زمعہ، الاسود بن عبد یغوث اور خراعۃ میں سے الحارث بن الطلاطلۃ'' [4]

اللہ تعالیٰ نے ان پانچ لوگوں کو مختلف قسم کے عذاب سے دوچار کیا جیسے ابن عطیہ مزید نقل کرتے ہیں:

''روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ حضرت جبریلؑ آپ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان کی شکایت کی اسی اثناء میں الولید بن مغیرہ آپ کے پاس سے گرا تو آپ نے اسے حضرت جبریلؑ کو دکھایا تو حضرت جبریلؑ نے اس کے ہاتھ کی اندرونی رگ کی طرف اشارہ کیا آپ نے فرمایا اے جبریلؑ آپ نے کیا کیا تو جبریلؑ نے کہا کہ میں نے آپ کا بدلہ لے لیا پھر آپ نے انہیں عاص بن وائل کو دکھایا جبریل نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میں

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 7/247

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 24/456

3۔ الحجر: 95

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/375

نے آپ ﷺ کا بدلہ لے لیا پھر ابوزمعۃ گزرا تو جبریلؑ نے اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا میں نے آپ کا بدلہ لے لیا پھر الاسود بن یغوث گزرا تو آپ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میں نے آپ کا بدلہ لے لیا پھر حارث گزرا تو آپ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میں نے بدلہ لے لیا اس سب کا اثر یہ ہوا کہ ولید بن مغیرہ خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے گزرا تو وہ اپنا تیر درست کر رہا تھا وہ تیر اس کو لگ گیا اور اس کے ہاتھ کی رگ کٹ گئی اسود بن عبد المطلب وہ اندھا ہو گیا، اسود بن یغوث اس کے سر میں پھنسیاں ہو گئیں جس سے وہ مر گیا۔ حارث کے پیٹ میں پانی پڑ گیا اور وہ اسی مرض سے مر گیا اور رہا عاص بن وائل اس کے پیرے کے تلوے میں کانٹا چبھ گیا جس سے اس کا زخم پورے پاؤں میں پھیل گیا اور وہ اس مرض سے مر گیا"[1]

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تمام استہزاء کرنے والوں کو عبرت ناک انجام سے دوچار کیا گیا۔ قاضی ابوالسعود اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

"کانوا خمسة من اشراف قریش-----یبالغون فی ایذاء النبیﷺ والاستهزاء به"[2]

ترجمہ: آپ ﷺ کا استہزاء کرنے والے قریش کے پانچ سردار تھے نام وہی مذکور ہیں جن کو ابن عطیہ نے نقل کیا ہے یہ لوگ آپ کو بہت زیادہ تکلیف پہنچاتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

قاضی ابوالسعود نے یہ چیز لکھنے کے بعد "ابن عطیہ کا نقل کردہ واقعہ ہی مزید نقل کیا ہے کہ ان پانچ لوگوں کا انجام ذلت کی موت کی صورت میں ہوا تھا"[3]۔ ابن کثیر نے بھی اس آیت کے تحت ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کے موافق بحث کرتے ہوئے اس میں کچھ اضافہ کیا ہے اور مذکورہ پانچ لوگوں کا تعلق کس قبیلہ سے تھا اس پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس کے بعد تحریر کرتے ہیں:

"فلما تما دوا فی الشر و اکثر الرسول الله ﷺ الاستهزاء' أنزل الله تعالیٰ : ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ-اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾[4]

ترجمہ: جب مشرکین کی شر انگیزیاں اور آپ ﷺ کیساتھ استہزاء حد سے تجاوز کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل کیا سو آپ اعلان کر دیجیے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کیلئے۔[5]

بعد ازاں ابن کثیر نے پانچ مشرکین مکہ کی رسوا کن موت کا تذکرہ کیا ہے جیسے ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،3/ 375-376

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**،4/ 38

3۔ ایضاً/۔ الطبرانی، **المعجم الوسیط**،(الریاض: مکتبۃ المعارف)، ح4983۔ (ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ اس واقعہ کو نقل کیا ہے)، (**روح المعانی**،13/ 555)

4۔ الحجر:94-95

5۔ دیکھیے، ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،4/ 552

نے کیا تھا"[1]۔ مذکورہ تینوں حضرات نے اس واقعہ کی استنادی حیثیت پر بحث نہیں کی ہے لیکن امام آلوسی نے اس کی سند کو حسن لکھاہے اور اس کے بعد پوراوہ واقعہ نقل کیاہے جسے ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے نقل کیاہے۔

"وابن مردويه بسند حسن قال: المستهزؤون الوليد بن المغيره۔ الخ"[2]

ترجمہ: ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ اس واقعہ کو روایت کیاہے۔

اکرم ضیاء العمری نے اس کی صحت پر تبصرہ ان الفاظ میں لکھاہے: **"لكن الرواية لم تثبت من طريق صحيحة"**[3] ترجمہ: لیکن یہ روایت صحیح سند کے ثابت نہیں ہے۔

اور پھر آپ کی تالیف کے حاشیہ میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ صحیح سند سے ثابت نہ ہونے کا مفہوم کیاہے:

"نعم صحح الذهبی الحديث ولكنه لم يسبق الا اعلىٰ السند ووهو الصحيح"[4]

ترجمہ: ہاں الذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہاہے لیکن صحیح ہونے کے اعتبار سے اس کی سند اعلیٰ نہیں ہے لیکن صحیح ہے۔

ان سیرت نگاروں نے بھی اس واقعہ کو نقل فرمایاہے[5]

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا مذاق اڑانے والوں کا انجام عبرتناک اور ذلت امیز کیا اس کا سبب یہ تھا کہ ان بدبختوں نے آپ ﷺ کو اپنی شرارتوں سے ہراساں کرنے کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا خاتمہ بھی دردناک فرمایا۔

علاوہ ازیں اگر آپ ﷺ کے اطراف میں کمزور اور مظلوم صحابہؓ موجود ہوتے تو اس کو بھی بنیاد بناتے ہوئے مشرکین ہنسی، مذاق اور استہزاء کرتے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس بدتہذیبی کو بیان فرمایاہے:

﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ م بَيْنِنَا۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ﴾[6]

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تاکہ کہیں مال دار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر کیا یہ ہے احسان کیا ہے اللہ تعالیٰ جن پر ہم میں سے، کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گزار بندوں کو۔

نسلی برتری کے قائل مشرکین مکہ نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پیغام بھجوایا کہ ہم آپ کے ساتھ بیٹھنا تو چاہتے ہیں لیکن آپ کے گرد گنواروں اور ناداروں کا ہجوم ہوتا ہے اور ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری شان کے

1۔ دیکھیے، ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 552/4

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 13/ 556، 555

3۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/ 152

4۔ ایضاً

5۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص188 /۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 2/ 316تا318

6۔ الانعام: 53

خلاف ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کی اس ضمن میں ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

”کفار میں سے بعض نے آپ ﷺ کو کہا کہ ہم اہل شرف و عزت ہیں ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ ہم ان کے ساتھ مل کر بیٹھیں پس اگر ان کو اپنے سے دور کر دیں گے تو ہم آپ کی پیروی بھی کریں گے اور آپ کے ساتھ بیٹھیں گے بھی“[1] ”کفار کا اشارہ حضرت بلال، عمار، خباب اور صہیب رومی کی طرف تھا“[2]

جو اس وقت نسب و حسب میں ان سے بظاہر کمزور نظر آتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه﴾[3]

ترجمہ: اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طلب گار ہیں فقط اس کی رضا کے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ اس کی بارگاہ میں مقبول اور مشرف ہونے کے لئے زرق برق لباس اور دولت و ثروت کی ضرورت نہیں بلکہ صدق دل اور خالص رب تعالیٰ کی رضا جوئی سے یہ مقام و مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ قاضی ابو السعود رقم طراز ہیں:

”مروی ہے کہ مشرکین کے چند سردار بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی اگر ان کمزور مسلمانوں کو جسے حضرت عمار، صہیب، خباب، سلمانؓ اور ان جیسے دیگر صحابہ کو اپنے سے دور ہٹادیں گے تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے بھی اور کلام بھی کریں گے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں مومنین کو اپنے سے دور کرنے والا نہیں ہوں تو انہوں مشرکین نے کہا کہ جب ہم آئیں تو اس وقت انہیں اٹھادیں اور جب ہم چلے جائیں تو انہیں بے شک اپنے پاس بٹھادیں تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ہاں کر دی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی“[4]

ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی اس مقام پر ابن عطیہ اور ابو السعود کے موافق بحثیں کی ہیں[5]۔ مشرکین مکہ کے سرداران کے اس نوعیت کے اعتراضات در حقیقت اسلام اور حضور ﷺ کے مزاج کے برعکس تھے اور آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنتے تھے ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نازیبا رویہ پر روشنی ڈالی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ﴾[6]

ترجمہ: جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/294-295

2۔ ایضاً، 294

3۔ الانعام: 52

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/453/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب فی فضل سعد بن اَبی وقاصؓ، ح 1413

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 3/261، 260/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 8/178

6۔ المطففین: 29

اس آیت میں ان مجرموں مشرکین کی سفلہ مزاجی اور خست طبعی کا بیان ہے کہ وہ کس بے باکی سے اہل ایمان کی دل آزاری کیا کرتے تھے ابن عطیہ تحریر پر داز ہیں:

"مروی ہے کہ یہ آیت قریش کے سرداروں اور کمزور مومنین کے حوالے سے نازل ہوئی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علیؓ ان کمزور اہل ایمان کے ساتھ مکہ کے سرداروں کے سامنے سے گزرے تو وہ ان کو دیکھ کر ہنسنے اور تحقیر کرنے لگے"[1]

ابوالسعود نے بھی اس جگہ یہی بحث کی ہے ابن عطیہ کی طرح سبب نزول کو بیان نہیں کیا لیکن اس کا مصداق کون ہیں یہ نشاندہی ضرور کی ہے آپ رقم طراز ہیں:

"أی یستهزؤن بفقرائهم کعماروصهیب و خباب و بلال و غیرهم من فقراء المؤمنین"[2]

ترجمہ: یعنی وہ ان فقراء جیسے عمار، صہیب، خباب، بلال اور ان کے علاوہ ان جیسے مومن فقراء کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کی آراء کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ابن کثیر اور امام آلوسی کا نقطہ نظر بھی پیش کردہ بحث جیسا ہی ہے[3]۔ اہل ایمان کی تضحیک و تحقیر آمیزی کا رویہ جو مشرکین مکہ کے سرداروں کا شیوہ تھا یہ امر بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے تکلیف و طبیعت کی ناگواری کا باعث بنتا تھا کیوں کہ اہل ایمان کا وہ طبقہ تھا جو ہر طرح کا جور و ستم برداشت کرتے ہوئے راہ حق پر ڈٹے ہوئے تھے اور صحیح معنوں میں آپ ﷺ کے وفاشعار اور جان نثار تھے اس لئے ان کی دل آزاری بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی دل آزاری کا باعث بنتی تھی۔

4۔ بہتان طرازی و افتراء پردازی کے ذریعے تکلیف پہنچانا

مشرکین مکہ نے مختلف نوعیت کے الزامات اور بہتانوں کے ذریعے بھی آپ ﷺ کو ہراساں کرنے کی کوشش کی جہان رنگ و بو میں جس شخصیت ستودہ صفات سے بڑھ کر کوئی صاحب خلق نہیں تھا اس پر یہ افتراء باندھا گیا کہ یہ معاذ اللہ جادوگر، شاعر، کاہن اور مجنون ہیں اور آپ ﷺ پر اس طرح کا بے بنیاد الزام لگا کر قرآن مجید کو بھی ہدف تنقید بناتے تھے جو آپ ﷺ کے لئے بہت زیادہ تکلیف کا باعث بنتا تھا اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں کفار کا قول نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾[4]

ترجمہ: کفار نے کہا بلاشبہ یہ جادوگر ہے کھلا۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/454

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/426

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/353/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 28/390-391

4۔ یونس: 2

کفار کے پاس جب قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے اور حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کی تردید کے لئے کوئی معقول دلیل نہ رہی تو ناچار ہو کر یہ افتراء باندھ لیا کہ یہ دلنواز و دلنشین ہستی نبی و رسول نہیں جادو گر ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ پر یہ بہتان طرازی کر تو لی مگر یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کتنا بے سروپا ہے جس کے لئے وہ اپنے طبقہ کے لوگوں کو بھی قائل کرنے سے عاجز تھے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ان کی اس ناپاک جسارت کو بیان کیا ہے:

﴿وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾[1]

ترجمہ: اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر کذاب ہے۔

کافر نامراد اس پر حیران تھے کہ آپ ﷺ کو کس طرح منصب نبوت سے سرفراز فرما دیا گیا ہے چنانچہ انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے معاذ اللہ ساحر و کذاب کا بہتان لگا دیا۔ ساحر کا بہتان لگانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی الزام لگایا کہ آپ شاعر ہیں اور اس کے لئے اس امر کو بنیاد بنایا کہ آپ کے کلام میں اثر ہے خاص طور پر قرآن مجید کے حوالے سے تو چونکہ شعر میں بھی اثر آفرینی ہوتی ہے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے اور اسی طرح کی تاثیر قرآن مجید میں بھی ہے گویا بقول ان کہ یہ بھی شعر ہے اور آپ ﷺ شاعر ہیں ان کے اس طرز کلام کو اللہ تعالیٰ یوں نقل فرماتے ہیں:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾[2]

ترجمہ: اور کہتے ہیں کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے۔

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾[3]

ترجمہ: کیا یہ نابکار کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں اور ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردش زمانہ کا۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس زعم فاسد کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ﴾[4]

ترجمہ: اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ قرآن مجید نہ تو شعر ہے اور نہ حضور ﷺ شاعر ہیں ان کی ذرہ بھر بھی شعر اور شاعر سے مماثلت نہیں ہے اور جب ان مشرکین کے دام فریب میں لوگ شاعر کے الزام سے بھی نہ آئے تو انہوں

1۔ ص:4

2۔ الصافات:36

3۔ الطور:30

4۔ الحاقۃ:41

نے آپ ﷺ کو معاذ اللہ کاہن [1] اور مجنون کہنا شروع کر دیا ان کے اس موقف کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ﴾ [2]

ترجمہ: پس آپ سمجھاتے رہیے آپ اپنے رب کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔

﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ- قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ [3]

ترجمہ: اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ دیتے ہو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے ان بہتانوں کی تردید کر دی کہ آپ کاہن اور مجنون ہیں بلکہ نور نبوت سے مستنیر اور مستفیض ہونے والے پیغامبر آخر الزمان ہیں اور اس طرح کے بے سروپا اتہامات اور افتراءات آپ ﷺ کی دل شکنی کا باعث بنتے تھے جس سے آپ رنجیدہ و کبیدہ خاطر بھی ہوتے تھے۔ ابن عطیہ، قاضی ابو السعود اور دیگر مفسرین ان آیات کے ضمن میں یہی بحث کرتے ہیں ان ائمہ سیرت نے بھی اس ضمن میں اس طرح کی بحث کی ہے [4]۔ کہ مشرکین نے آپ ﷺ کے ساتھ محاذ آرائی کی ایک یہ صورت بھی اپنائی تھی کہ آپ پر مختلف نوعیت کے الزامات اور بہتان لگائے گئے تاکہ آپ کی ذات اور آپ سے منسوب تعلیمات کو مشکوک بنا کر لوگوں کو آپ کے قریب آنے سے روکا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان تمام مکر و فریب کو ناکام بنایا اور اسلام کو غلبہ اور عروج بخشا اب تا قیام قیامت حضور ﷺ کی مدحت سرائی تو ہو رہی ہے مگر آپ کے معاندین کا کوئی ذکر کرنے والا بھی نہیں ہے۔

مبحث سوم: ہجرت حبشہ

مشرکین مکہ کا مسلمانوں پر جور و جفا کا جو سلسلہ علانیہ دعوت کے دور نبوت کے چوتھے سال سے شروع ہوا تھا روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک نبوت کے پانچویں سال کے وسط میں اپنے کمال کو پہنچا جس کی بدولت مسلمانوں کا مکہ میں رہنا مشکل سے مشکل تر ہو گیا حضور ﷺ کو چونکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے تائید و نصرت میسر تھی۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [5]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں کے شر سے۔

1۔ کاہن ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے اور وہ یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ وہ علم غیب اور اسرار معرفت کو جانتا ہے (الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص153)

2۔ الطور:29

3۔ الحاقۃ:42

4۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/149۔/ **الصلابی السیرۃ النبویۃ**، 1/212 تا 215

5۔ المائدہ:67

اور دوسرا ابھی تک اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم بھی نہیں آیا تھا جبکہ صحابہ کرامؓ کو یہ کیفیت نصیب نہ تھی اس لئے حضور ﷺ نے ان کو پیہم و مسلسل ستم رسانیوں سے محفوظ رکھنے کیلئے یہ تدبیر سوچی کہ مسلمان فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کرنے کے لئے حبشہ کی جانب رخت سفر باندھیں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب کو پہلے گروہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ آپ ﷺ نے حبشہ کی طرف اس لئے صحابہ کرامؓ کو بھیجا کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ حبشہ کا حکمران اصحمہ ایک منصف مزاج انسان ہے لہٰذا وہاں پر مسلمان محفوظ رہیں گے بعد ازاں اس نے یہ ثابت بھی کیا اور مسلمانوں کا خیال رکھا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ہجرت حبشہ کا اشارہ ملتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هاجَرُوْا فِی اللهِ مِنْ م بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾[1]

ترجمہ: اور جنھوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر طرح طرح کے ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لانے کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنائے گئے آخرت میں تو ان کو بہت بڑا اجر ملے گا ہی دنیا میں بھی بہترین ٹھکانہ عطا کیا جائے گا۔ ابن عطیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

"وهم الذين هاجروا الى الارض الحبشة، هذا قول الجمهور، وهو الصحيح فى سبب الآية، لان هجرة المدينة لم تكن وقت نزول الآية"[2]

ترجمہ: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ یہ جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح بھی ہے کیوں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوتی تھی اس وقت ہجرت مدینہ نہیں ہوئی تھی۔

ابن عطیہ نے جہاں یہ بحث کی کہ یہ جمہور کا قول ہے وہاں اس کی صحت کا بھی قول کیا اور صحیح ہونے پر یہ دلیل بھی دی کہ ہجرت مدینہ اس آیت کے نزول کے وقت نہیں ہوئی تھی لہٰذا اس آیت میں جس ہجرت کا ذکر ہے وہ ہجرت حبشہ ہی ہوگی۔ قاضی ابوالسعود نقل کرتے ہیں:

"ولعلهم الذين ظلمهم أهل مكة من أصحاب رسول الله و أخرجوهم من ديارهم فها جروا الى الحبشة"[3]

ترجمہ: اس آیت میں **من بعد ظلموا** سے مراد شاید وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام ہیں جن کو اہل مکہ نے مکہ سے نکال دیا تھا اور انہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔

1۔ النحل:41

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/394

3۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/66

کی قاضی ابو السعود نے اس آیت کریمہ کا ایک اور سبب نزول تحریر کیا ہے:

"حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرات صحابہ کرام: صہیب، بلال، عمار، خباب، عابس، جبیر اور ابو جندل بن سہیلؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے کیوں کہ مشرکین ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے تکلیف دیا کرتے تھے"[1]

ابن عطیہ نے اس کے بجائے حبشہ کی جانب ہجرت کے قول کو جمہور کی رائے قرار دیتے ہوئے صحیح کہا ہے۔ ابن کثیر نے بھی یہ نقل کیا ہے:

"کہ اس آیت مقدسہ کے نزول کا سبب حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے اشخاص ہیں جن کو ان کی قوم نے مکہ میں سخت اذیت دی یہاں تک کہ وہ حبشہ کی جانب کوچ کر گئے"[2]۔ بعد ازاں ابن کثیر نے ہجرت کرنے والے نامور حضرات کا تذکرہ کیا جیسے حضرت عثمانؓ اور ان کی زوجہ، جعفر بن ابی طالبؓ اور ابو سلمہؓ جن کی تعداد اسی کے قریب تھی"[3]

امام آلوسی نے یہ قول نقل کیا ہے: کہ اس سے مراد وہ اصحاب رسول ﷺ ہیں جنہوں نے اہل مکہ کی ظلم و زیادتی کے پیش نظر سوئے حبشہ ہجرت کی تھی"[4] بعد ازاں اس آیت کے تحت مختلف نوعیت کی بحث کرنے کے بعد مذکورہ قول کو ہی ابن عطیہ کا حوالہ دیتے ہوئے صحیح قرار دیتے ہیں۔

"والجمهور على ماروى عن قتادة؛ بل قال ابن عطية: انه صحيح"[5]

ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف حضرت قتادہ سے مروی روایت پر ہے بلکہ ابن عطیہ نے اسی قول کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔

گویا اس آیت مقدسہ میں اس مظلوم طبقہ کا ذکر ہے کہ میں نے کفار کی چیرہ دستیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی اور اس سے یہی مراد لینا صحیح ہے دیگر اقوال درست نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ- لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ- وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾[6]

ترجمہ: آپ فرمایئے: اے میرے بندو جو ایمان لے آئے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور یاد رکھو ان کے لئے جنہوں نے نیک اعمال کیے اس دنیا میں نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔

ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور دیگر صحابہ کے ہجرت حبشہ کے تناظر

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/66

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/572

3۔ ایضاً

4۔ دیکھیے: الآلوسی، **روح المعانی**، 14/118

5۔ **ایضاً، ص120** /۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/394

6۔ الزمر: 10

میں نازل ہوئی ہے آپ نقل کرتے ہیں:

"ویروای أن هذه الآیة نزلت فی جعفر بن أبی طالب رضی الله عنه و أصحابه حین عزموا علی الهجرة الی ارض الحبشة"[1]

ترجمہ: مروی ہے کہ یہ آیت جعفر بن ابی طالبؓ اور دیگر صحابہ کے متعلق نازل ہوئی جب انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔

ابن عطیہ مزید ﴿وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

"هذا خض علی الهجرة"[2]

ترجمہ: یہ آیت ہجرت پر برانگیختہ کرتی ہے۔

قاضی ابوالسعود نے اس آیت کے تحت ابن عطیہ کے موافق بحث نہیں کی ہے[3] جیسے آپ نے نقل کیا ہے کہ یہ جعفر بن ابی طالبؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا۔ ابن کثیر نے بھی اس قسم کا کلام نہیں کیا ہے[4] اسی طرح امام آلوسی نے بھی اس آیت کے ضمن میں "مطلقاً ہجرت کی بات تو کی ہے مگر ہجرت حبشہ کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی ابن عطیہ کی طرح اس کا سبب نزول نقل کیا ہے"[5] حکمت بن بشیر لکھتے ہیں:

'أخرج الطبری بسنده الصحیح عن مجاهد قوله: ﴿ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾فهاجروا و اعتزلوا الأوثان"[6]

ترجمہ: امام الطبری نے حضرت مجاہد سے صحیح سند کے ساتھ ﴿وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾ کے متعلق روایت کیا ہے پس انہوں صحابہؓ نے ہجرت کی اور بت پرستی سے الگ ہوگئے۔

اس عبارت میں بھی محض ہجرت کا تذکرہ ہے اب اس سے مراد ہجرت حبشہ یا مدینہ اور یہ ہجرت کرنے والے کون ہیں اس کی تفصیل مذکور نہیں ہے قرین صواب یہی ہے کہ اس آیت میں ہجرت کا اشارہ تو موجود ہے لیکن ہجرت حبشہ کے ساتھ اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے متعلق اس کے سبب نزول کا قول مستند معلوم نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ابن عطیہ نے نقل کیا ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور مفسرین نے بھی یہ قول نقل نہیں کیا ہے کہ یہ آیت جعفر بن ابی طالب اور مہاجرین حبشہ کے حوالے سے نازل ہوئی ہے علاوہ ازیں ہجرت حبشہ دو مرتبہ کی گئی ہے۔

پہلی ہجرت ماہ رجب نبوت کے پانچویں سال ہوئی جس میں بارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں اور اس

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/523

2۔ ایضا

3۔ دیکھیے: ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/403، 402

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 7/99

5۔ دیکھیے: الآلوسی، **روح المعانی**، 23/392 تا 395

6۔ حکمت بن بشیر، **التفسیر الصحیح**، 4/235/۔ الطبری، **جامع البیان**، 20/179

قافلہ کے سالار حضرت عثمانؓ تھے۔ دوسری ہجرت حبشہ نبوت کے چھٹے سال ہوئی اس میں بیاسی یا تیر اسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں نے شرکت کی تھی۔ اس بحث میں اہم یہ ہے کہ قاضی ابو السعود اور ابن عطیہ دونوں نے ہجرت کے تناظر میں یہ تفصیل نقل نہیں کی ہے جو کہ کتب سیرت میں بالصراحت مذکور ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی ترغیب اس لئے دی تھی کہ حبشہ کا حکمران اصحمہ نجاشی ایک عادل اور منصف مزاج انسان تھا جس کی بدولت اس کا ملک امن وسکون کی آماجگاہ تھی جیسے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا:

"اگر تم سرزمین حبشہ چلے جاؤ تو تم امن میں رہو گے کیوں کہ اس کا بادشاہ ایسا حکمران ہے جس کے ہاں کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا جاتا ہے [1]

بعد ازاں جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا:

"آج کے دن حبشہ کا ایک مرد صالح وفات پا گیا ہے آؤ اس کی نماز جنازہ ادا کریں [2]

شاہ نجاشی کی منصف مزاجی نے ہی اسے دولت ایمان بخشی تھی یہی وہ سبب تھا جس کی وجہ سے آپ نے صحابہ کرام کو وہاں بھیجا تاکہ ایک طرف ان کی جان سلامت رہے اور دوسرا تعلیمات اسلام کی بجا آوری بحسن وخوبی سرانجام دے سکیں۔ پیش کردہ بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے اگرچہ ہجرت حبشہ کو زیر تحقیق لایا ہے مگر مختصراً بحث کی ہے جو تفصیلات کتب سیرت میں مذکور ہیں ان کو بیان کرنے سے اجتناب برتا ہے۔ ایک اہم نکتہ جسے مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ جہاد کے بعد جو دوسری اہم ترین چیز ہے وہ ہجرت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ایمان کا تحفظ ہر شے پر مقدم ہے:

"بلکہ اس کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ جن اصولوں پر وہ ایمان لایا ہے ان کے مطابق وہ زندگی بسر کر کے اللہ تعالی کی رضا حاصل کر سکے [3]"

پیش کردہ عبارات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت حبشہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہونی چاہئے جن پر ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے بحث نہیں کی ہے۔ اس لئے کہ اخروی نجات کا مدار ایمان کی سلامتی پر ہے اور جس کو سلامت رکھنے کے لئے بعض اوقات اپنا وطن اور اپنے قرابت داروں کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے اسی بنا پر ہجرت میں فضیلت وعظمت کا پہلو رکھا ہے۔

1۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص148 /۔ وسیرۃ ابن ہشام باءسناد حسن (حاشیہ، العمری، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، 1 / 170)

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنائز، باب الصفوف علی الجنازۃ، ح1320

3۔ مودودی، **سیرت سرورعالم**، 2/543

فصل چہارم: سماجی مقاطعہ سے بیعت عقبہ ثانیہ تک کا دور

مبحث اول: سماجی مقاطعہ کا پس منظر

مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو دعوت حق کی تبلیغ سے روکنے کے لئے مختلف قسم کے ہتھکنڈے آزمائے تاکہ آپ دل برداشتہ ہو کر اپنے موقف سے پیچھے ہٹ جائیں لیکن آپ ﷺ اپنے مشن کے فروغ کے لئے ہمہ تن مصروف رہے اور دین اسلام کا پیغام فزوں سے فزوں تر ہو گیا اس تناظر میں مشرکین نے آپ کو روکنے کے لئے وفد کے ذریعے مختلف عہدوں و مناصب کی پیشکش کی کہ آپ یہ عہدے قبول فرمالیں اور اپنے نظریے سے دست کش ہو جائیں لیکن آپ نے ان کی پیشکش کو رد فرمادیا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کو تین سال تک سماجی مقاطعہ کا بھی سامنا کرنا پڑا جس کو آپ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور آپ کے عالی عزم اور کوششوں سے دعوت دین کا سلسلہ بڑھتا گیا اور اسی تناظر میں عقبہ کے مقام پر بیعت کی جس میں بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور یہی وہ لوگ تھے جن کا ریاست مدینہ کا وجود قائم کرنے میں اہم کردار ادا رہا۔ ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

"وذلک أنهم کان لهم مع رسول الله مجلس مشهور ذکره ابن اسحٰق فی السیر وغیره مضمنة أن سادتهم عتبة بن ربیعة وغیره اجتمعوا معه فقالوا یا محمد ان کنت تحب الریاسة ولسناک علینا وان کنت تحب المال جمعنا لک من أحوالنا فلما أبی رسول الله ﷺ رجعوا فی باب الاحتجاج علیه"[1]

ترجمہ: یہ اس لئے انہوں نے کہا کہ ان مشرکین کی ایک مشہور مجلس ہوئی تھی رسول اللہ ﷺ کیساتھ جسے ابن اسحٰق اور دیگر سیرت نگاروں نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ ان مشرکین کا سردار عتبہ بن ربیعہ اور اسکے علاوہ چند سردار رسول اللہ کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار منتخب کر لیتے ہیں اور اگر مال کے طلبگار ہیں تو ہم آپ کیلئے مال بھی جمع کر دیتے ہیں پس جب آپؐ نے انکی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تو وہ آپ کیخلاف احتجاج کرتے ہوئے واپس پلٹ آئے۔

اس مقام پر قاضی ابوالسعود نے مذکورہ بحث نہیں کی ہے اور نہ ہی ابن کثیر نے اس بحث کو نقل کیا ہے البتہ امام آلوسی نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ "ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت کی نسبت زیادہ تفصیل بیان کی ہے"[2]

مشرکین کے پیش نظر یہ تھا کہ آپ ﷺ کو کس طرح دعوت و تبلیغ سے روکا جائے جب یہ منصوبہ بھی ناکام ہوا تو اس امر پر انہوں نے باہم گفت و شنید شروع کر دی کہ معاذاللہ آپ ﷺ کی حیات مقدسہ کے چراغ کو گل کر دیا جائے۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/ 200،201/۔ ابن اسحٰق، **السیرة النبویة**، ص234/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص153

2۔ دیکھیے: الآلوسی، **روح المعانی**، 18/ 518

مبحث دوم: بنو ہاشم اور بنو مطلب کا آپ ﷺ کے دفاع کا عزم

ابو طالب کو قریش کی ریشہ دوانیوں کے پیش نظر ہر وقت آپ ﷺ کی فکر دامن گیر رہتی تھی اور آپ کو ان کی اس گھناؤنی سازش کا بھی علم ہو چکا تھا کہ اب وہ آپ ﷺ کی جان کے درپے ہیں جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ملتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:﴿اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ﴾[1]

ترجمہ: ہاں اگر انہوں نے اپنا کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی اپنا قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں۔

ابو طالب نے اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے جد اعلیٰ عبد مناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں احساس دلایا کہ وہ بھی آپ ﷺ کے دفاع میں ان کا ساتھ دیں تو عربی حمیت کے تحت دونوں خاندانوں کے تمام افراد نے ماسوائے ابولہب کے اس دعوت کو قبول کیا خواہ وہ مسلمان تھے یا غیر مسلم اور آپ ﷺ کو دشمنوں کے شر سے بچانے کیلئے اپنا تن من لٹانے کے عزم کا اعادہ کیا ابن عطیہ مذکورہ آیت کے تحت تحریر پرداز ہیں:

﴿اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا﴾ ''من أمور كفرهم و تدبير على عهد محمد ﷺ كما فعلوا فى اجتماعهم على قتله فى دار الندوة''[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ ہاں انہوں نے اپنا کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے سے مراد ان کے کفر کے معاملات ہیں اور ان کی وہ خفیہ تدبیریں ہیں جو انہوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کے لئے دار الندوۃ[3] میں تیار کی تھیں۔

قاضی ابوالسعود نے اس آیت کی روشنی میں اس طرح کا کلام کیا ہے:'

'اى أبرم مشركو مكة امراً من كيدهم و مكرهم برسول الله ﷺ''[4]

ترجمہ: یعنی مشرکین کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکروفریب کا وہ قطعی فیصلہ جس میں انہوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

قاضی ابوالسعود نے قتل کا ذکر صراحتاً نہیں کیا اور نہ ہی دارالندوۃ کا ذکر کیا۔ امام آلوسی نے اس مقام پر قاضی ابوالسعود کی عبارت کو من وعن نقل کرنے کے بعد اس جملہ کا اضافہ کیا ہے:

''والآية اشارة الى ماكان منهم من تدبير قتله ﷺ فى دارالندوة''[5]

1۔ الزخرف: 79

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/65

3۔ دار الندوۃ: مکہ کا ایک مقام جو قصی بن کلاب کی ملکیت تھا جس میں مشاورت کے لئے وہ جمع ہوتے تھے اور ان کی وفات کے بعد عبد الدار بن قصی نے اسے بنایا تھا (الحموی، **معجم البلدان**، 2/423)

4۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/66

5۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 24/427

ترجمہ: اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جو مشرکین نے دارالندوۃ میں آپ ﷺ کو معاذ اللہ قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

ابن عطیہ نے بھی اپنی تفسیر میں دارالندوۃ میں قتل کے منصوبہ کا تذکرہ کیا ہے۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری اس آیت کو نقل کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

"اب سوال یہ تھا کہ ان حالات میں ابو طالب کو کیا کرنا چاہیے انہوں نے جب دیکھا کہ قریش ہر جانب سے ان کے بھتیجے کی مخالفت پر تل پڑے ہیں تو انہوں نے اپنے جد اعلیٰ عبد مناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اب تک وہ اپنے بھتیجے کی حفاظت و حمایت کا جو کام تنہا انجام دیتے رہے اب اسے سب مل کر انجام دیں"[1]

پیش کردہ بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جب مشرکین نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کی اور ابو طالب اس گھناؤنی سازش سے آگاہ ہوئے کہ یہ آپ کی جان کے درپے ہیں تو اس وقت آپ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو اس بات پر جمع کرتے ہیں کہ اب سب کو مل کر رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنا چاہیے تو ابو لہب کو چھوڑ کر سب اس پر آمادہ ہو گئے "ابو طالب کا بنی عبد مناف کو حضور ﷺ کے دفاع کے لئے متحد کرنا یہ تو کتب سیرت میں مذکور ہے"[2] مگر جس طرح مبارکپوری نے آیت کی روشنی میں بحث کی ہے یہ آپ کا ہی خاصہ ہے۔

مبحث سوم: معاشی و سماجی مقاطعہ اور شعب ابی طالب[3] میں محصوری

مشرکین مکہ کو جب یہ احساس ہوا کہ ان کی اسلام کو قصہ پارینہ بنانے کی ہر طرح کی کوشش ناکام ہوتی جارہی ہے "اور اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان حبشہ میں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگے ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ جیسی بااثر شخصیات بھی دولت اسلام سے شرف یاب ہو چکی ہیں"[4] اور آپ ﷺ کے چراغ زیست کو بجھانا ایسے ماحول میں جب بنو ہاشم اور بنو مطلب آپ کے دفاع کیلئے پر عزم ہو چکے ہیں ناممکن دکھائی دے رہا ہے اس لئے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ آپ ﷺ اور آپ کے معاونین و متبعین سے ہر قسم کی قطع تعلقی کی جائے ترک موالات کا یہ عمل بنوت کے ساتویں سال ماہ محرم میں ہوا[5]۔ ابن عطیہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت شعب ابی طالب کا تذکرہ کیا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

1۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص156

2۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص162 /۔ الازہری، **ضیاء النبی ﷺ**، 2/382 /۔ گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 3/399

3۔ دو پہاڑوں کے درمیان جو گھاٹی (کھلی جگہ) ہے اسے شعب کہتے ہیں شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کی قیام گاہیں تھی آج کل اسے شعب علی کہتے ہیں یہ بیت اللہ سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر شمال مشرق میں شارع غزہ کے دائیں جانب واقع ہے (گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 3/400)

4۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص162 /۔ السہیلی، **الروض الانف**، 2/129

5۔ ابن القیم، محمد بن ابی بکر، **زاد المعاد فی ہدی خیر العباد**، تحقیق: محمد اجمل الاصلاحی (مکۃ المکرمۃ: دار العلم الفوائد، الطبعۃ الاولیٰ، 1489ھ)، 3/37

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا﴾[1]

ترجمہ: اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے۔

کفار مکہ نے آپ ﷺ کو جزیرہ عرب سے نکالنے کے لئے باہمی مشورہ کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے خبر دار کیا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو بطور انجام تمہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا ابن عطیہ شعب ابی طالب پر بحث اس انداز سے کرتے ہیں:

"وقال ابن عباس و قتادة: و استفزاز قريش هو ما كانوا ذهبوا اليه من اخراج رسول الله ﷺ من مكة كما ذهبوا قبل الى حصره فى الشعب"[2]

ترجمہ: ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے کہ قریش کا آپ ﷺ کو مکہ سے نکالنے کے لئے پریشان و مضطرب کرنا اسی نوعیت کا تھا جس طرح انہوں نے آپ ﷺ کو شعب ابی طالب میں محصور کرنے کے لئے ہراساں کیا تھا۔

ابن عطیہ نے اس مقام پر مزید تفصیلات نقل نہیں کی ہیں کہ شعب ابی طالب میں آپ ﷺ کی محصوری کی کیفیات اور مدت کیا تھی اس پر تبصرہ نہیں کیا ہے لیکن اس آیت کے ضمن میں سیرت کے ایک اور گوشے پر قلم اٹھایا ہے اور اس پر یہ حکم بھی لگایا کہ وہ ضعیف ہے آپ تحریر پرداز ہیں:

> "یہود مدینہ نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ سازش رچانے کی کوشش کی کہ مدینہ سرزمین انبیاء نہیں ہے بلکہ انبیاء کا زمینی مسکن شام ہے لیکن آپ رومیوں کے خوف سے وہاں نہیں جا رہے ہیں لہٰذا اگر آپ نبی برحق ہیں تو بلا خوف وہاں چلے جائیں اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا جیسے اس نے دیگر انبیاء کی کی ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کیا کہ اگر آپ تشریف لے جاتے ہیں تو وہ یہود مدینہ بھی یہاں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکیں گے ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ اور نقاش نے اس پر یہ حکایت کی ہے کہ آپ ﷺ ان کے اس قول کے سبب مدینہ سے چند اصحاب کو لے کر چل پڑے یہاں تک کہ ذوالحلیفہ[3] کے مقام پر پہنچ گئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو آپ واپس لوٹ آئے یہ بات ضعیف ہے جو کہ نہ کتب سیرت میں مذکور ہے اور نہ کسی مستند کتاب میں موجود ہے اور ویسے بھی ذوالحلیفہ مدینہ سے شام کے راستے میں نہیں آتا ہے"[4]

ابن عطیہ نے ایک اور قول بھی ذکر کیا ہے مگر ان تمام میں صرف مذکورہ واقعہ یعنی شام کی طرف جانے کو ضعیف قرار دیا ہے ایک قول یہ بھی نقل کرتے ہیں:

1۔ الاسراء:76

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/496

3۔ ذوالحلیفہ: مدینہ سے حج و عمرہ کرنے کی غرض سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے (احرام باندھنے کا مقام) (البلادی، عاتق بن غیث، **معجم المعالم السیرۃ النبویۃ**، دار مکۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1402ھ، ص103

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/476

"هو ما کانوا أجمعو علیه فی دارالندوة من قتله"[1]

ترجمہ: وہ قریش کا آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبہ کے لئے دارالندوۃ میں جمع ہونا ہے۔

ابن عطیہ نے شعب ابی طالب میں محصوری پر دیگر کسی مقام پر تبصرہ نہیں کیا ہے۔ قاضی ابو السعود نے بھی اس آیت کے تحت یہ واقعہ نقل کیا ہے:

"یہود نے حضور ﷺ سے حسد کرتے ہوئے آپ کو شام جانے کا کہا کہ وہ مقام انبیاء ہے پس اگر آپ نبی برحق ہیں تو آپ چلے جائیں اور ہم ایمان لے آئیں گے پس آپ ﷺ کے دل میں وہاں جانے کا خیال پیدا ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی"[2]

قاضی ابو السعود نے اس واقعہ کو "قیل" کے ساتھ نقل کیا ہے جو یہ رہنمائی کرتا ہے کہ مذکورہ واقعہ آپ کے نزدیک بھی ضعیف ہے اور آپ نے اس جگہ پر مزید تحقیق پیش نہ کی۔ ابن عطیہ کے موافق شعب ابی طالب کا تذکرہ ضمناً بھی نہیں کیا۔ ابن کثیر نے یہود کے کہنے پر حضور ﷺ کے شام کی طرف عازم سفر ہونے کے قول پر یوں تبصرہ کیا ہے:

"وهذا القول ضعیف، لأن هذه الآیة مکیة و سکنی المدینة بعد ذلک"[3]

ترجمہ: یہ قول ضعیف ہے کیوں کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور آپ کا مدینہ میں قیام اس کے بعد ہوا تھا۔

کیوں کہ آپ ﷺ کا واسطہ یہود سے ہجرت کے بعد مدینۃ المنورہ میں ہوا تھا ابن کثیر نے اس آیت کے نزول کے حوالہ سے ایک اور قول بھی نقل کیا "کہ یہ غزوہ تبوک کے تناظر میں نازل ہوئی ہے اور پھر بقلم خود اس کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وفی هذا الاسناد نظر و الاظهر أن هذا لیس بصحیح"[4]

ترجمہ: اس واقعہ کی سند میں بھی کلام ہے اور زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

امام آلوسی نے ابن عطیہ کی طرح یہاں شعب ابی طالب کا بھی ذکر کیا ہے:

"وکان هذا الاستفزاز بما فعلوا من حصره فی الشعب و التضیق علیه"[5]

ترجمہ: یہ پریشان اور تنگ کرنا ویسا ہی تھا جیسے انہوں نے آپ کو گھاٹی میں محصور کر کے اور تکلیف پہنچا کر کیا تھا۔

اور آپ ﷺ کے شام جانے کا ارادہ کرنے کے واقعہ پر وہی بحث کی ہے جو ابن عطیہ نے کی تھی کہ یہ ضعیف ہے کیوں کہ یہ نہ کتب سیر اور نہ ہی کسی مستند کتاب میں موجود ہے اور یہ ذوالحلیفہ مدینہ سے شام کے راستے میں ہے۔[6]

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/476

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/160، 159

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 5/100

4۔ ایضاً

5۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 15/36

6۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 15/39

پیش کردہ عبارات میں اگرچہ شعب ابی طالب میں محصوری کی تفصیلات مرقوم نہیں ہیں لیکن یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ وہ محصوری کے ایام آپ کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھے گویا اس کی نوعیت کی شدت کا ہی یہ تسلسل تھا جو بعد ازاں آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے لئے ہجرت مدینہ کا سبب بنا اور یہ بھی واضح ہوا کہ یہود کی ایما پر شام جانے والے واقعہ کی استنادی حیثیت ضعیف ہے جس بنا پر اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں شعب ابی طالب میں محصوری کی تفصیلات جو کتب سیر میں مرقوم ہیں ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

جب کفار نے دیکھا کہ ہر قسم کی ایذا رسانیوں اور ستم کوشیوں کے باوجود آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنے موقف سے دستبردار ہونے کو بالکل تیار نہیں ہیں اور آپ کا قبیلہ بھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑ رہا ہے تو انہوں نے کافی غور و خوض کے بعد آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور بنو ہاشم اور بنو مطلب سے مکمل معاشی و سماجی مقاطعہ کا فیصلہ کیا[1] اور یہ طے کیا کہ وہ ان کے ساتھ نشست و برخاست نہ کریں گے ان سے نہ کوئی چیز خریدیں گے اور نہ فروخت کریں گے اور ان کے گھروں میں قدم نہ رکھیں گے نہ ان کو اپنی بچی کا رشتہ دیں گے اور نہ ان سے رشتہ کریں گے اور بنو ہاشم کے ساتھ ہرگز صلح نہ کریں گے اور ان پر ذرا ترس نہیں کھائیں گے یہاں تک کہ وہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو شہید کرنے معاذ اللہ کی غرض سے ان کے حوالے نہیں کر دیتے[2] اس بات کا معاہدہ لکھا اور کعبۃ اللہ میں لٹکا دیا[3] اس کے نتیجے میں ابو لہب کے سوا بنی ہاشم اور بنی مطلب کے سارے افراد خواہ وہ مسلمان رہے ہوں یا کافر شعب ابی طالب میں محبوس و محصور ہو گئے۔ شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام درد اور کرب میں منفرد نوعیت کے حامل تھے جس میں بچوں سے لے کر بوڑھوں اور خواتین تک کو فقر و فاقہ اور جبر مسلسل کا نشانہ بنایا گیا۔[4]

1۔ جور و جفا کے روح فرسا واقعات

کفار مکہ کی جانب سے معاشی و سماجی مقاطعہ کی صورت میں اہل ایمان اور بنو ہاشم و بنو مطلب کو انتہائی جاں گسل اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا سامان خورد نوش تک رسائی ناممکن بنا دی گئی اگر کوئی بیرون مکہ سے تجارتی قافلہ سامان لے کر آتا تو مشرکین مکہ لپک کر اسے خرید لیتے چنانچہ شعب ابی طالب کے مکین بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کے لئے جب سامان خریدنے کے لئے جاتے تو قافلہ والے نہ بیچنے کی وجہ سے مہنگے دام بولتے جس کی وجہ سے وہ خرید نہ سکتے اور یوں ان کے بچے بھوک سے بلک رہے ہوتے۔[5]

1۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/36

2۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 1/311 /۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/491

3۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/36

4۔ ایضاً

5۔ السہیلی، **الروض الانف**، 2/129 /۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/182

"یہ مقاطعہ آپ ﷺ اور آپ کے خاندان کیلئے از حد تکلیف دہ تھا بسا اوقات درختوں کے پتے اور گھاس کھا کر پیٹ بھرا کرتے بھوک سے بلکتے ہوئے معصوم بچے اس قدر زور وشور سے روتے کہ ان کے رونے کی آواز شعب سے باہر دور دور تک سنائی دیتی"[1]

اس دورانیہ میں یہ مرحلہ بھی آیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں:

"ایک رات قضائے حاجت کے لئے باہر نکلا تو وہاں اونٹ کے خشک چمڑے کا ایک ٹکڑا ملا اسے دھویا پھر اسے جلا کر راکھ کیا پھر اسے کوٹا اور پانی میں ملا کر تین دن تک کھاتا رہا"[2]

یہ معاشی وسماجی مقاطعہ نبوت کے ساتویں سال ماہ محرم سے شروع ہوا اور تین سال تک یہ دلخراش سلسلہ چلتا رہا بالآخر نبوت کے دسویں سال ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ جور وجفا کی یہ روح فرسا دستاویز خود اہل مکہ کے ہاتھوں چاک ہوئی اور آپ ﷺ مع اہل خاندان مکہ مکرمہ میں رونق افروز ہو گئے اور اس معاہدے کے ٹوٹنے میں یہ واقعہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ابو طالب کو اطلاع دی کہ اس معاہدے کو دیمک نے کھالیا ہے ماسوائے اللہ کے نام کے[3] ۔معاشی وسماجی مقاطعہ کے لئے اہل مکہ نے باقاعدہ تحریری طور پر معاہدہ کیا تھا تاکہ اس کی خلاف ورزی نہ کی جاسکے اس لئے ابن ہشام نے اس کے لئے "**خبر الصحیفة**" کا عنوان باندھا ہے۔[4]

"صحیح قول کے مطابق یہ معاہدہ بغیض بن عامر بن ہاشم نے تحریر کیا تھا اور آپ ﷺ نے اس کے خلاف دعا کی جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا تھا"[5]

مذکورہ بالا واقعات کی صحت وسند پر اکرم العمری نے ان الفاظ کے ساتھ تبصرہ کیا ہے:

"**واذالم تثبت روایة فی تفاصیل دخول المسلمین شعب أبی طالب فان أصل الحادث ثابت**"[6]

ترجمہ: اور جب کہ مسلمانوں کا شعب ابی طالب میں داخل ہونے کی تفاصیل والی روایات ثابت نہیں ہیں مستند ذرائع سے لیکن اصل واقعہ ثابت ہے۔

گویا آپ کے بقول اس ضمن میں جو تفصیلات ہیں وہ کتب سیرت میں مرقوم ہیں کسی مستند کتاب حدیث میں نہیں ہے لیکن اصل واقعہ ضرور ثابت ہے یعنی آپ ﷺ شعب ابی طالب میں محصور ہوئے۔

1۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، **انساب الاشراف**، تحقیق: الدکتور سہیل، الدکتور ریاض (بیروت: دار الفکر، الطبعۃ الاولیٰ، 1417ھ)، 1/270، ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/37/۔ الازہری، **ضیاء النبی ﷺ**، 2/386

2۔ السہیلی، **الروض الانف**، 2/161

3۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/38-39

4۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص162

5۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/36

6۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/181

پیش کردہ بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ ابن عطیہ نے آپ ﷺ کی شعب ابی طالب میں محصوری کا تذکرہ ضمناً کیا ہے اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی جب کہ قاضی ابو السعود نے اس پر بحث نہیں کی ہے آپ ﷺ اور آپ کے قبیلہ کیلئے شعب ابی طالب میں محصوری کا دور مصائب و شدائد سے بھرپور تھا جو راجح قول کے مطابق تین سال پر محیط تھا۔

آپ علیہ السلام کے مکی دور رسالت کی یہ خاص بات ہے کہ آپ کو دعوت حق دینے سے روکنے کیلئے ہر قسم کے حربے آزمائے گئے مگر آپ نے جواباً کوئی مزاحمتی عمل پیش نہیں فرمایا بلکہ خاموشی کیساتھ دعوت کے سلسلہ کو جاری رکھا:

"مکی زندگی میں آپ ﷺ اور آپ کے جانسپاروں نے ظلم و ستم کے کوہ گراں برداشت کئے لیکن اس سب کے باوجود آپ ﷺ کی پالیسی اور حکمت عملی یہی رہی کہ ہاتھ نہیں اٹھانا، جوابی کارروائی نہیں کرنی اور انتقام نہیں لینا"[1]

اس لئے آپ علیہ السلام نے تمام مکی دور میں کفوا الید کی پالیسی پر عمل کیا جو کہ بظاہر تکلیف دہ امر تھا مگر اس کے نتائج دور رس تھے کہ اتنے مصائب کے ماحول کے باوجود مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔

مبحث چہارم: رنج و الم کا سال عام الحزن

معاشی و سماجی مقاطعہ کی جانگداز ساعتیں ابھی اختتام پذیر ہوئی تھیں کہ آپ ﷺ کو دو اور غم انگیز صدموں سے دوچار ہونا پڑا۔ شعب ابی طالب میں محصوری کے خاتمے کے قریباً اکثر اقوال کے مطابق چھ ماہ بعد آپ ﷺ کے مشفق و مہربان چچا ابو طالب عالم جاوداں کے راہی ہوگئے۔[2] قلب و جگر کو شکستہ شکستہ کرنے والے اس واقعہ کے تین دن بعد رفیقہ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہہ دیا ابو طالب کی وفات کی بحث ان آیات کے تناظر میں ملتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾[3]

ترجمہ: درست نہیں نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کیلئے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔

ابن عطیہ اس کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ اس کے سبب نزول کے متعلق مفسرین کے مابین اختلاف ہے لیکن جمہور کا موقف ہے کہ یہ ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے

"یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی کہ جب وہ قریب الموت تھے اور حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے

1۔ شکیل احمد، "**مکی دور نبوی ﷺ میں دعوت و تبلیغ کی حکمت عملی: ایک اجمالی جائزہ**"، جرنل آف اسلامک ریسرچ فور ہیومینٹیز (JARH)، جلد 6، شمارہ نمبر 2، (2021)، ص 8

2۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 165 / ۔ طاہر گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 3/427

3۔ التوبۃ: 113

اور آپ نے ان کو یہ وعظ کیا کہ اے چچا محترم آپ لا الہ الا اللہ کا کلمہ کہہ دیں کہ میں اللہ کے حضور آپ کی شفاعت طلب کر سکوں اس وقت ابو جہل اور عبد اللہ بن امیۃ بھی وہاں موجود تھے ان دونوں نے ابو طالب کو کہا کہ اے ابو طالب کیا آپ عبد المطلب کے دین کو چھوڑ دیں گے اس وقت ابو طالب نے کہا اے محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللہ کی قسم اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہو کہ میرے مرنے کے بعد یہ میرے والد کو عار دلائیں گے تو میں لازماً آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر تا پھر کہا کہ میں عبد المطلب کے دین پر رہوں گا اور پھر اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا"[1]

ابن عطیہ نے یہی بحث اس آیت مقدسہ کے سبب نزول کے تحت بھی نقل کی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾[2]

ترجمہ: بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں۔[3]

ابن عطیہ کی نقل کر دہ عبارت کا تجزیہ کرنے سے قبل ان دونوں آیات کے تحت قاضی ابو السعود کا موقف نقل کیا جائے گا ابو السعود نے سورۃ التوبہ کی آیت کا ایک سبب نزول وہی تحریر کیا ہے جو ابن عطیہ کا نقل کر دہ ہے:

"مروی ہے کہ جب ابو طالب کا وفات کا وقت قریب تھا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے انہیں کہا کہ اے چچا جان آپ یہ کلمہ " لا الہ الا اللہ" کہہ دیں تاکہ میں اللہ کے حضور آپ کے لئے حجت پیش کر سکوں تو پس ابو اطلب نے انکار کر دیا تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کہا کہ میں آپ کیلئے استغفار کر تا رہوں گا جب تک مجھے منع نہیں کیا جاتا پس یہ آیت نازل ہوئی۔[4]

ابو السعود کی نقل کر دہ روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ جس وقت آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ابو طالب کو قبول اسلام کی دعوت دی اس وقت وہاں پر ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ بھی وہاں موجود تھے اور انہوں نے ابو طالب کو روکا یہ الفاظ ابو السعود کی نقل کر دہ روایت میں نہیں ہیں جب کہ یہ ابن عطیہ سے دو مقامات پر منقول روایت میں موجود ہیں اور ابو السعود نے اس مقام پر "قیل" کے کلمہ کے ساتھ ایک اور روایت نقل کی ہے۔

"آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فتح مکہ کے بعد ابواء کے مقام پر اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اور آپ اچانک کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مل گئی اور جب ان کے لئے استغفار کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت نہ ملی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان دو آیات کو نازل فرمایا۔[5]

قیل کے ساتھ آپ کا اس دوسرے سبب نزول کو نقل کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ ضعیف ہے جبکہ پہلا صحیح ہے جس پر بحث آئندہ صفحات میں نقل کی جائے گی۔ قاضی ابو السعود اس آیت ﴿اِنَّكَ لَا

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/90

2۔ القصص:56

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/292

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/218

5۔ ایضا

تَهْدِیْ۔۔۔ الخ﴾[1] کے تحت ابن عطیہ کا موقف ہی دہراتے ہوئے یہ تحریر کرتے ہیں:

"والجمہور علیٰ أنھا نزلت فی أبی طالب فانه لما اختضر جاءه رسول اللهﷺ۔۔۔الخ"[2]

ترجمہ: جمہور کا نقطہ نظر ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے حوالے سے نازل ہوئی جب وہ قریب الموت تھے اور آپ ﷺ ان کے پاس آئے اور ایمان قبول کرنے کی دعوت دی۔

اس مقام پر قاضی ابو السعود نے ابن عطیہ کی نسبت تفصیلاً روایت کو نقل کیا ہے جس میں چند کلمات کا اضافہ مذکور ہے آپ نقل کرتے ہیں:

"جب آپ ﷺ نے ابو طالب کو دعوت دی تو انہوں نے کہا اے بھتیجے میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ یہ موت سے گھبرا گیا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میرے بعد میری مذمت کی جائے گی تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور تم سے فراق کے وقت یہ کلمہ پڑھ لیتا کیوں کہ مجھے تمہاری خیر خواہی کا شدت سے علم ہے لیکن میں عنقریب عبد المطلب، ہاشم اور عبد مناف کی ملت پر مروں گا۔[3]

قاضی ابو السعود نے جو اس مقام پر کچھ زائد کلمات کے ساتھ روایت کو نقل کیا ہے ان الفاظ کے علاوہ دیگر جو ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے روایت نقل کی ہے ان دونوں آیات[4] کا سبب نزول ابو طالب کی وفات کا وقت ہے اور ان کا عبد المطلب کی ملت پر مرنے کے قصد کے اظہار والی روایت صحیح بخاری میں پانچ مقامات پر منقول ہے[5]۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم میں بھی مروی ہے[6] کتب سیر میں بھی یہ واقعہ ان آیات کے تناظر میں اور ابو طالب کی وقت وفات گفتگو کے حوالے سے بیان ہوا ہے[7]۔ کتب سیرت میں مذکورہ روایت کے ساتھ یہ بھی منقول ہے:

"جب ابو طالب پر موت کی کیفیت طاری ہونے لگی تو ان کے لبوں نے حرکت کی جنہیں حضرت عباس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی اور پھر حضور ﷺ سے فرمایا کہ جو آپ نے ان سے کہا تھا یہ وہی کہہ رہے ہیں اس پر حضور ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں سنا۔[8]

1۔ القصص:56

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/136

3۔ ایضاً

4۔ التوبۃ:113 /۔ القصص:56

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح**'کتاب الجنائز' باب اذا قال المشرک عند الموت، ح1360 /۔ کتاب مناقب الانصار، باب قصۃ ابی طالب، ح 1360، ح4675، ح4772، ح6681

6۔ مسلم، **الجامع الصحیح**'کتاب الایمان' باب اول الایمان، ح24

7۔ ابن اسحٰق، **السیرۃ النبویۃ**، 1/ 268-269 /۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 2/ 340 تا 347 /۔ السہیلی، **الروض الانف**، 2/ 224 تا 226 /۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/ 183

8۔ ابن اسحٰق، **السیرۃ النبویۃ**، 1/ 269 /۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 2/ 346

حضرت عباسؓ کے اس کلام پر امام بیہقی تبصرہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

"وهذا اسناد منقطع ولم يكن أسلم العباس فى ذلك الوقت"[1]

ترجمہ: یہ سند منقطع ہے اور نہ اس وقت حضرت عباسؓ اسلام لائے تھے۔

دکتور العمری تحریر کرتے ہیں:

"فهو خبر لا يصح"[2]

ترجمہ: یہ خبر درست نہیں ہے۔

پیش کردہ عبارات کا تجزیہ کرنے سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ابو طالب دولت ایمان سے مشرف نہیں ہوئے تھے ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کا بھی موقف وہی ہے جو صحیح روایات کی روشنی میں ان کے عدم ایمان کو واضح کرتا ہے جیسے ابن عطیہ اس آیت:

﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾[3]

ترجمہ: اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں۔

اس سے کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾"ابو طالب و من كان معه علىٰ حماية رسول الله ﷺوعلى الدوام فى الكفر"[4]

ترجمہ: اور وہ روکتے ہیں اس سے مراد ابو طالب اور ان کے ساتھ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کی حمایت کیا کرتے تھے حالانکہ وہ خود ہمیشہ کفر پر قائم رہے دور بھاگتے ہیں اس سے ان کا یہی مفہوم ہے کہ وہ ان کی بات کو تسلیم نہیں کر رہے ان پر ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

قاضی ابو السعود اس ضمن میں نقل کرتے ہیں: آپ قریش کو اس بات سے روکتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں اور آپ ایمان بھی نہ لائے تھے"[5]۔ قاضی ابو السعود کی اس عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی ابو طالب صاحب ایمان نہ تھے یہی جمہور کا نقطہ نظر ہے جو صحیح روایات پر قائم ہے ابن کثیر نے بھی اس آیت کا ایک سبب نزول یہ نقل کیا ہے:

"نزلت فى أبى طالب كان ينهى الناس عن النبى ﷺأن يوذى"[6]

1۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 346/2

2۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 184/1

3۔ الانعام: 26

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 280/2

5۔ ایضاً

6۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 247/3

ترجمہ: یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی کہ وہ لوگوں کو روکتے تھے کہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائی جائے۔

امام آلوسی نے اس مقام پر "قال شیخ الاسلام" تحریر کرتے ہوئے تفسیر کی ہے اور آپ شیخ الاسلام کا لقب قاضی ابو السعود کیلئے استعمال کرتے ہیں اس کے بعد امام آلوسی نے قاضی ابوالسعود کی ہی تحریر کردہ تفسیر کو نقل کیا ہے[1]۔

بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کی تفاسیر کے موافق و مطابق تفسیر کی ہے: نبوت کے دسویں سال ابو طالب کی وفات کے چند روز بعد حضرت خدیجہ جیسی جانثار، وفاشعار اور عالی وقار زوجہ کا انتقال پر ملال ہو گیا بعض نے لکھا ہے کہ "ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد بعض نے سات دن اور بعض نے پینتیس کا قول تحریر کیا ہے"[2] حضرت خدیجہؓ کا آپ ﷺ کو ابو طالب کی وفات کے فوراً بعد داغ مفارقت دے جانا ایک صدمہ جانکاہ تھا اور آپ دونوں کی وفات کے بعد کفار قریش کا آپ ﷺ کو تنگ کرنے کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوا جو بالآخر ہجرت مدینہ کا سبب بنا۔

مبحث پنجم: بیعت عقبہ[3] اولیٰ و ثانیہ

آپ ﷺ نے اہل مکہ اور طائف[4] کے سامنے پورے خلوص و وثوق کے ساتھ دعوت حق کو رکھا مگر دین حق کو قبول کرنے کی بجائے ان کی اکثریت نے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو اذیت و تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ایسے میں اللہ تعالیٰ نے اس آفاقی دین کی آفاقیت کو اجاگر کرنے کے سلسلے کا اہتمام فرمایا اور وہ اسباب مہیا کرنے شروع کر دیئے جس کے نتیجے میں اسلام کا پیغام فزوں سے فزوں تر ہونا شروع ہو گیا آپ ﷺ کا یہ معمول مبارک تھا کہ جہاں کسی مجمع کو دیکھتے تو انہیں پیغام حق سے روشناس کرنے کیلئے ان کے روبرو حاضر ہو جاتے اسی سلسلے کی ایک کڑی حج کے موسم میں حاجیوں کو پیغام دینے کی عادت مبارکہ بھی تھی اور آپ کی اس کوشش سے نبوت کے گیارہویں سال یثرب[5] سے تشریف لاتے ہوئے چھ افراد نے اسلام کو قبول کر لیا[6] اور انہیں یہ ذمہ داری بھی سونپی گئی کہ تم نے اپنی قوم میں جا کر رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچانا ہے ان کی دعوت کے نتیجہ میں اگلے

1۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 8/111-112

2۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 2/559/۔ مودودی، **سیرت سرور عالم**، 2/622

3۔ عقبہ تنگ پہاڑی گزر گاہ کو کہتے ہیں مکہ سے منیٰ آتے جاتے ہوئے منیٰ کے مغربی کنارے پر ایک تنگ پہاڑی راستے سے گزرنا پڑتا ہے یہی گزر گاہ عقبہ کے نام سے مشہور ہے (مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص205)

4۔ طائف: یہ وہ معروف شہر ہے جو مکہ سے تقریباً اسی کلو میٹر کی مسافت پر واقع ہے (العازمی، موسیٰ بن راشد، **اللؤلؤ المکنون**، الریاض: دار العمیعی، 1434ھ، 1/446)

5۔ یثرب: اس کو یثرب اس لئے کہا جاتا تھا کہ سب سے پہلے یثرب بن قانیہ بن سہلائیل نامی شخص اس میں ٹھہرا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنا مسکن بنایا تو آپ نے اسے "طیبۃ" اور "طابۃ" کا نام دیا اب یہ مدینۃ الرسول ہے (الحموی، **معجم البلدان**، 5/430)

6۔ طاہر گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 4/116

سال یعنی نبوت کے بارہویں سال حج کے موقع پر عقبہ کے مقام پر بارہ آدمیوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا[1]۔ ابن عطیہ نے اپنی تفسیر شہیر میں چار مرتبہ بیعات عقبہ کا ذکر کیا ہے اور اس میں دوسری بیعت عقبہ پر زیادہ کلام کیا ہے اور آپ دوسری بیعت عقبہ کو "البیعت الثالثہ" کہتے ہیں جسے اگرچہ اکثر سیرت نگاروں نے بیعت عقبہ ثانیہ کہا ہے انہوں نے نبوت کے گیارہویں سال جو چھ لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا اسے بیعت عقبہ اولیٰ نہیں لکھا ہے بلکہ بارہویں سال جو بارہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اسے بیعت عقبہ اولی لکھتے ہیں۔ ابن عطیہ کے نزدیک نبوت کے گیارہویں سال چھ لوگوں کا اسلام قبول کرنا بیعت اولیٰ ہے اور یہ بات درست بھی ہے وہ اگرچہ عقبہ کے مقام پر بیعت نہیں ہوئی تھی لیکن بیعت ضرور تھی اس لئے ترتیب وار دیکھا جائے تو اہل یثرب سے تین بیعتیں لی گئی تھیں۔ ابن عطیہ نے اس جگہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی روشنی میں مطلقاً بیعت عقبہ کا ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَاللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِىْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ﴾[2]

ترجمہ: یادرکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اس نے پختہ لیا تھا تم سے۔

ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں: "والميثاق المذكور هو ما وقع للنبى ﷺفى بيعات العقبة"[3]

ترجمہ: اس آیت میں میثاق سے مراد وہ پختہ وعدہ ہے جو عقبہ کی بیعات میں آپ ﷺ سے کیا گیا تھا۔

اسی طرح ابن عطیہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْبًا﴾[4]

ترجمہ: اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار۔

کے تحت لکھتے ہیں:

"ونحو هذا كان النقباء ليلة بيعة العقبة مع محمد ﷺ وهى العقبة الثالثة بايع فيها سبعون رجلاً وامرتان فاختتا ررسول الله ﷺمن السبعين اثنى عشر رجلاً وسماهم النقباء"[5]

ترجمہ: اسی طرح کے سردار بیعت عقبہ کی رات کو حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور یہ تیسری بیعت عقبہ تھی جس میں ستر مرد اور دو خواتین تھیں اور آپ نے ان میں سے بارہ کو منتخب فرمایا اور انہیں "نقباء" سردار کہا۔

ابن عطیہ نے یہ بحث ضمناً "نقباء" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھی ہے جبکہ آیت مقدسہ میں جن نقباء کا تذکرہ

1۔ السہیلی، **الروض الانف**، 224/2

2۔ المائدۃ: 7

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 165/2

4۔ المائدۃ: 12

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 168/2

ہے وہ بنی اسرائیل کے ہیں اور آپ نے بیعت عقبہ ثالثہ جو کہ دیگر سیر نگاروں کے نزدیک بیعت عقبہ ثانیہ تھی بیعت کرنے والوں کی تعداد بھی لکھی ہے ابن عطیہ ے اسی بیعت کا تذکرہ اس آیت کے تحت بھی کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال۔

ابن عطیہ اس کا مقام نزول یہ نقل کرتے ہیں:

''هذه الآية نزلت فى البيعة الثالثة وهى بيعة الكبرىٰ وهى التى أناف فيها رجال الانصار على السبعين''[2]

ترجمہ: یہ آیت بیعت ثالثہ جو کہ بیعت عقبہ کبریٰ ہے کہ تناظر میں نازل ہوئی جس میں انصار کے ستر مردان کار شریک ہوئے تھے۔

ابن عطیہ مزید لکھتے ہیں ''کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور عبد اللہ بن رواحہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مکالمہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے لئے اور رب کے لئے کسی شرط کو پیش کریں تو آپ نے انہیں فرمایا کہ شرط یہ ہے کہ تم میری حمایت کروگے اور رب کی شریعت کی پابندی کروگے اس پر انہوں نے کہا کہ اس کی بجاآوری کا صلہ کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت''[3]

ابن عطیہ نے اس روایت سے اس بیعت کی منظر کشی کی ہے کہ آپ نے اس بیعت پر تبصرہ اللہ کے اس فرمان کی روشنی میں بھی کیا ہے:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾[4]

ترجمہ: اہل ایمان میں ایسے جواں مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔

ابن عطیہ ان جواں مرد حضرات پر روشنی ڈالتے ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ سچا ثابت کیا آپ لکھتے ہیں:

''هم أهل العقبة السبعون أهل البيعة''[5]

ترجمہ: اس سے مراد وہ ستر اشخاص ہیں جنہوں نے عقبہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔

ابن عطیہ نے جن آیات کے تحت بیعت عقبہ پر کلام کیا ہے اس کا اگر قاضی ابو السعود کی تفسیر سے تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ قاضی ابو السعود نے سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر سات کے تحت ابن عطیہ کے

1۔ التوبۃ: 111

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/87

3۔ ایضاً

4۔ الاحزاب: 23

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/378

موافق تفسیر کی ہے:"وقیل هو الميثاق الواقع ليلة العقبة"[1]

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ اس آیت میں وہ میثاق مراد ہے جو کہ عقبہ کی رات لیا گیا تھا۔

علاوہ ازیں ابن عطیہ نے دیگر جن آیات کی تفسیر میں بیعات عقبہ پر روشنی ڈالی تھی ان کے ضمن میں قاضی ابو السعود نے بیعات عقبہ اولیٰ یا ثانیہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے[2]۔ ابن کثیر نے اس آیت ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾[3] کے تحت ابن عطیہ کے موافق تفسیر کی ہے[4] جبکہ تفسیر ابی السعود میں یہ بحث نہیں ہے اسی طرح اس آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ﴾[5] کے ضمن میں ابن کثیر نے وہی روایت نقل کی ہے جو ابن عطیہ نے ذکر کی ہے[6] اور اس آیت ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا﴾[7] کے تحت ابن عطیہ کی طرح بیعت عقبہ ثانیہ پر تبصرہ نہیں کیا ہے[8] لیکن اس کے تحت دیگر بحث ابن عطیہ جیسی ہے کہ "نزلت في أنس بن النضر" یہ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا تھے جن کو غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کا بہت ملال تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں غزوہ احد میں شریک ہونے اور منصب شہادت پر فائز ہونے کا اعزاز نصیب فرمایا[9]۔

پیش کردہ آیات میں ابن کثیر کی توضیح تفسیر ابی السعود کے برعکس بیشتر مقامات پر ابن عطیہ کے موافق ہے اور ابو السعود نے اگرچہ بیعات عقبہ کو زیر بحث نہیں لایا لیکن دیگر تفسیری نکات جمہور کے نقطہ نظر کے مطابق ہیں جن کا ملاحظہ تفسیر آلوسی سے کیا جا سکتا ہے آپ نے بیعت عقبہ ثانیہ پر بھی کلام کیا ہے "اس میں اس میثاق کا بھی ذکر ہے جو آپ ﷺ نے نبوت کے تیرہویں سال بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر مسلمانوں سے لیا تھا"[10]

بیعت عقبہ ثانیہ میں ستر لوگ شریک تھے یہ تعداد جیسے ابن عطیہ نے لکھی ہے اکرم ضیاء العمری نے بھی یہی تعداد تحریر کی ہے[11] اور مبارکپوری نے ستر سے زائد کا جملہ رقم فرمایا ہے[12] اور یہ بیعت "ایام تشریق کے درمیانی دن

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 289/2

2۔ دیکھیے، ایضاً، ص293، 3/215، 216، 5/229

3۔ المائدۃ: 12

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 65/3

5۔ التوبۃ: 111

6۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 218/4

7۔ الاحزاب: 23

8۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 393/6

9۔ ایضاً، 393/6/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب فمنہم من قضیٰ، ح478

10۔ دیکھیے: الآلوسی، **روح المعانی**، 7/83-88-10/524-21/241

11۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 198/1

12۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص210

12 ذی الحجہ کو منیٰ میں جمرہ اولیٰ یعنی جمرہ عقبہ کے پاس جو گھاٹی ہے اسی میں جمع ہوئے اور یہ اجتماع رات کی تاریکی میں بالکل خفیہ طریقے پر ہوا"[1]۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انصار سے ان امور پر بیعت لی تھی۔

"آپ ﷺ نے فرمایا آؤ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروگے، چوری نہ کروگے، زنا نہ کروگے، اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے، بہتان نہ لگاؤگے، اور میری نافرمانی نہ کروگے، جو شخص ان چیزوں پر عمل کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو شخص یہ ممنوعہ کام کرے گا اگر اسے دنیا میں سزا دے دی گئی تو یہ اس کے لئے کفارہ ہوگی اور اگر اس کا معاملہ مخفی رہا تو پھر وہ اللہ کے ذمہ کرم پر ہوگا چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کردے۔ حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ ہم نے اس پر آپ ﷺ کی بیعت کی تھی"[2]

ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے اس ضمن میں زیادہ تفصیلات نہیں لکھی ہیں بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کے متعلق شرح وبسط سے مطالعہ ان کتب سیرت سے کیا جاسکتا ہے[3]۔

خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ بیعت عقبہ پر ابن عطیہ نے قاضی ابوالسعود کی نسبت زیادہ بحث کی ہے اور ابن عطیہ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر جسے وہ بیعت ثالثہ لکھتے ہیں بیعت کرنے والوں کی تعداد ستر لکھی ہے جس کی توثیق العمری نے کی ہے جب کہ ابوالسعود نے اس پر کلام نہیں کیا ہے۔ عقبہ کے مقام پر بیعت کرنے والے انصار نے اپنے وعدے پر جان، مال کی قربانی پیش کرتے ہوئے مہر تصدیق ثبت کی جب آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنایا اور حقیقت میں یہ بیعتیں ہجرت مدینہ کی راہ ہموار کرنے کا سبب اور پیش خیمہ بنیں۔

1۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص210

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب الایمان' باب علامۃ الایمان حب الانصار، ح18

3۔ دیکھیے۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص198-201/۔ السہیلی، **الروض الانف**، 2/248-262/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/197-198

باب سوم: مدنی دور رسالت کے مباحث سیرت 1 ہجری تا 5 ہجری

فصل اول: ہجرت، مؤاخات مدینہ، سریہ عبد اللہ بن جحشؓ اور تحویل قبلہ

فصل دوم: غزوات: بدر، بنو قینقاع، احد اور حمراء الاسد

فصل سوم: غزوات: بنو نضیر، بنی مصطلق المریسیع، احزاب خندق اور بنو قریظہ

باب سوم:

مدنی دور رسالت کے مباحث سیرت 1 ہجری تا 5 ہجری

اہل مکہ کا بغض و عناد جب اس نہج کو پہنچ گیا کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کے چراغ زیست کو گل کر دیا جائے اور اپنے اس ناپاک عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دارالندوۃ میں باقاعدہ منصوبہ بندی کر ڈالی تو تب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اذن عطا فرمایا کہ اپنی محبوب سرزمین مکہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ ہجرت کر جائیں آپ کی ہجرت سے قبل مدینہ طیبہ میں اہل اسلام کی ایک جماعت تیار ہو چکی تھی جو آپ ﷺ کے قدم رنجہ فرمانے کی منتظر تھی آپ کی مبارک آمد سے قبل ہی مدینہ طیبہ کی فضا آپ کی تعلیمات کو قبول کرنے کے لئے سازگار ہو چکی تھی مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد اگرچہ مکہ جیسا ایذارساں ماحول نہ رہا تھا مگر مشکلات کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا بلکہ ان کی نوعیت بدل گئی تھی آپ ﷺ نے یہاں نزول اجلال فرمانے کے بعد ایک مثالی، پرامن اور فلاحی معاشرہ و ریاست کی تشکیل کے لئے ہمہ جہت اقدامات اٹھائے مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے رشتہ مؤاخات قائم کیا۔ مدینہ طیبہ میں آباد غیر مسلموں کو اپنے اتحاد میں لانے کے لئے میثاق مدینہ کیا اور قریش مکہ کی تجارتی اور دیگر سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لئے مختلف سرایا بھیجے جو انہیں ایک طرف معاشی ناکہ بندی کا احساس دلوائیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو بحیثیت آزاد قوم تسلیم کرنے کا تاثر بھی قائم فرمائیں۔

قریش مکہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ ہو رہے تھے اس لئے اب اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ مسلمانوں کے خاتمہ کے لئے ایک بھرپور عملی قدم اٹھایا جائے اہم بات یہ کہ جب مسلمان مکہ میں تھے تو اس وقت انہیں کچلنے کے لئے کسی جماعت کی تیاری کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ حسب موقع ہر کوئی مسلمانوں کو زدوکوب کر لیتا تھا لیکن اب حالات مختلف تھے مدینہ میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے اب وہ باقاعدہ منظم ہو کر حملہ کرنا چاہ رہے تھے اور اس کا اظہار انہوں نے میدان بدر میں مسلمانوں کے خلاف ایک منظم، مسلح اور تربیت یافتہ ہزار کی تعداد میں لشکر اتار کر کیا لیکن اللہ نے ان کی جمعیت و حمیت کا جنازہ نکال کر رکھ دیا اور ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا اور اللہ نے اس غزوہ کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر "یوم الفرقان" سے تعبیر فرمایا بعد ازاں اسی خفت کو مٹانے کے لئے مشرکین احد کے میدان میں اترے اور اسی سلسلے کی ایک کڑی غزوہ خندق کی صورت میں رونما ہوئی۔

اس باب میں ہجرت مدینہ کے اسباب و واقعات اور غزوہ بدر و احد اور خندق کو تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کی روشنی میں تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے زیر تحقیق لایا گیا ہے۔

فصل اول: ہجرت، مؤاخات مدینہ، سریہ عبد اللہ بن جحش اور تحویل قبلہ

حضور ﷺ نے دور نبوت کے ابتدائی تیرہ برس مکۃ المکرمہ میں بسر کیے اور اس میں کمال حکمت عملی کے ساتھ لوگوں تک پیغام حق پہنچاتے رہے لیکن جب مشرکین مکہ نے دارالندوہ میں یہ طے کیا کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کو شہید کیا جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرئیلؑ آپ کو آگاہ کیا کہ اب آپ شہر مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمادیں آپ کی ہجرت سے قبل صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت مدینہ تشریف لے جاچکی تھی آپ کے بعد بھی صحابہ کرام نے ہجرت کی اور یہ مہاجر صحابہ کرام اپنا مال و ثروت مکہ میں ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کی معاشی و سماجی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو رشتہ اخوت میں پرو دیا اور ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو نظام باطل کو بزور بازو چیلنج کرنے اور راست اقدام اٹھانے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی گئی جس سے مسلمانوں اور ریاست مدینہ کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے غزوات و سرایا کا بھی ایک سلسلہ شروع ہوگیا جس نے عرب کے بادیہ نشینوں کو مختصر وقت میں اقوام عالم میں ایک منفرد اور ممتاز مقام دلوادیا اور آپ کی حسب منشا 2 ہجری کو تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا۔

مبحث اول: ہجرت مدینہ اسباب، محرکات اور واقعات

اعلان نبوت کے تیرہویں سال حضور ﷺ نے جو مکہ سے مدینہ طیبہ یثرب کی جانب رحلت فرمائی تھی اسے ہجرت مصطفی ﷺ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کا سبب یہ تھا کہ جب اہل مکہ نے آپ ﷺ اور آپ کے متبعین کے ساتھ ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور مکہ میں دعوت و تبلیغ کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے جس سے اس آفاقی اور عالمی دین کی نشرواشاعت متاثر ہو رہی تھی اس کے بالمقابل بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ طیبہ یثرب میں ایسی فضا اور ماحول استوار ہو چکا تھا جو دین اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت کے موافق و مطابق تھا جب یہ صورتحال قائم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے جانثاروں اور وفاشعاروں کے ساتھ ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت دی۔ ابن عطیہ نے دو مقامات پر ہجرت کی تعریف کی ہے آپ رقم طراز ہیں:

"وهاجر الرجل اذا انتقل نقلة اقامة من موضع الىٰ موضع وقصد ترک الاول و ايثار للثانی وهی مفاعلة من هجر"[1]

ترجمہ: آدمی نے ہجرت کی یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ ایک جگہ سے منتقل ہوتے ہوئے دوسری جگہ آباد ہوتا ہے دوسری جگہ کو ترجیح دیتے ہوئے پہلی جگہ چھوڑنے کا ارادہ کرلیتا ہے اور "ہجر" سے باب مفاعلۃ کے وزن پر ہے۔

ابن عطیہ نے مذکورہ تعریف میں باب مفاعلۃ کا تذکرہ آیت میں مذکور اس لفظ "ہاجروا" کے تحت کیا ہے

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/291

پوری آیت اس طرح ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا﴾[1]

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا۔

ایک اور مقام پر ابن عطیہ اس کی وضاحت میں تحریر کرتے ہیں:

"وهاجر مفاعلة من اثنين، وذلک أن الذی يهجر وطنه وقرابته فی الله كان الوطن و القرابة يهجرونه أيضاً فهی مهاجرة"[2]

ترجمہ، ھاجر جو باب مفاعلۃ سے ہے دونوں طرف سے عمل کو متضمن ہوتا ہے وہ اس طرح کہ جب ایک آدمی اپنے وطن اور قرابت داروں کو اللہ کی رضا کے لئے چھوڑتا ہے تو دوسری طرف وطن اور قرابت دار بھی اس کو چھوڑ دیتے ہیں پس یہی مہاجرت ہے۔

گویا ہجرت میں دوطرفہ مفارقت ہوتی ہے قاضی ابوالسعود نے اس مقام پر یہ بحث کی ہے:

"كرر الموصول مع أن المراد بهما احد لتفخيم شان الهجرة والجهاد"[3]

ترجمہ: اس آیت میں اسم موصول کا تکرار اس لئے ہے کیوں کہ ان دونوں سے مراد ہجرت اور جہاد کی شان کی عظمت کا اظہار ہے۔

ابن عطیہ نے جس آیت کے تحت ہجرت کی تعریف کی تھی ابوالسعود نے اس کے ضمن میں صرف مذکورہ بحث کی ہے اور اس آیت کے تحت:

﴿فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ﴾[4]

ترجمہ: تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے وطن سے۔

کے تحت یہ بحث کی ہے:

"ضرب تفصيل لما أجمل فی العمل و تعداد لبعض أحاسن أفراده علىٰ وجه المدح والتعظيم، أی فالذين هجر وا لشرک أو الاوطان والعشا ير للدين"[5]

ترجمہ: عمل کے اجمال کی تفصیل یہ ہے اور اس میں تعظیم اور مدح کی بنیاد پر بعض محاسن کا بیان ہے یعنی یہ وہ سعادت مند لوگ ہیں جنہوں نے دین کی وجہ سے شرک، وطن اور خاندان کو چھوڑا۔

ابن عطیہ نے مذکورہ آیات کے تحت ہجرت کی تعریف پر تبصرہ کیا ہے جب کہ ابوالسعود نے ان مقامات پر تعریف تو نہ کی لیکن ہجرت کی فضیلت پر نکتہ اٹھایا ہے اسی طرح "امام آلوسی نے اپنی تفسیر میں ان آیات کی روشنی

1۔ البقرہ:218

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/291

3۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/310

4۔ آل عمران:195

5۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/102

میں ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود دونوں کے موقف کو نقل کیا ہے"[1]

پیش کردہ بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت ایک اہم کام ہے جس سے ایک بندہ دین کو بنیاد بنا کر اپنا وطن، مال و دولت اور خاندان کو چھوڑ دیتا ہے جو اسے اللہ کے نزدیک مقرب بنا دیتا ہے۔

1۔ ہجرت کے اسباب و محرکات

حضور ﷺ نے اپنی محبوب سرزمین مکہ کو چھوڑا اور صحابہ کرامؓ نے بھی اگر مکۃ المکرمۃ سے مدینۃ المنورۃ کی جانب ہجرت کی تو اس کے اسباب اور محرکات یہ تھے کہ یہ زمین آپ ﷺ اور اہل ایمان کیلئے تنگ کر کے رکھ دی گئی تھی اور آپ ﷺ کو معاذ اللہ شہید کرنے کی منصوبہ بندی بھی دارالندوہ[2] میں تیار کر لی تھی ایسے وقت میں ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ﴾[3]

ترجمہ: تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے وطن سے اور ستائے گئے میری راہ میں۔

اس آیت میں اس امر کی نشاندہی کی جارہی ہے کہ اہل ایمان کے لئے ایسا ماحول بنا دیا گیا تھا کہ جس میں ان کا رہنا مشکل ہو گیا تھا ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"و بین تعالیٰ حال المهاجرین، ثم الایة بعد تنسحب علی کل من أو ذی فی الله تعالیٰ و هاجر أیضاً الی الله تعالیٰ"[4]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی حالت بیان کی ہے پھر آیت اس کے بعد الگ کرتی ہے کہ ہر وہ شخص جسے اللہ کے لئے تکلیف پہنچائی گئی اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہجرت بھی کی۔

اس کی توضیح میں مزید رقم طراز ہیں:

"و ذلک أن المهاجرین انما أخر جهم سوالعشرة و قبیح الافعال فخرجوا باختیار هم"[5]

ترجمہ: یہ اس لئے کیوں کہ مہاجرین کو سخت اور برے معاشرتی رویوں یعنی اہل مکہ کی سختی اور درشتی نے انہیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کیا پس وہ اپنے اختیار سے گئے۔

یعنی حالات جتنے بھی دلبر داشتہ تھے اس کے باوجود ہجرت اپنے اختیار اور مرضی سے کی۔ قاضی ابو السعود

1۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 3/243، 5/229

2۔ السہیلی، **الروض الانف**، 2/306

3۔ آل عمران: 195

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/557

5۔ ایضاً

تحریر پرداز ہیں:

"علی الاول عبارۃ عن نفس الهجرۃ و علی الثانی عن کیفیتها وکونها بالقسر و الاضطرار"[1]

ترجمہ: آیت کے پہلے حصے میں محض ہجرت کا ذکر ہے اور دوسرے حصے میں اس کی کیفیت کی بات ہے وہ یہ کہ ہجرت مجبوری اور اضطرار کی وجہ سے کی گئی۔

ابو السعود نے اس مقام پر ابن عطیہ سے مختلف رائے لی ہے ابن عطیہ کہتے ہیں: کہ اپنے اختیار سے انہوں نے ہجرت کی جب کہ ابو السعود لکھتے ہیں مجبوری کی وجہ سے ہجرت کی گئی دونوں کی رائے میں تطبیق یہ ہے کہ بلاشبہ حالات ایسے تھے جن میں اہل ایمان تنگی اور عسرت میں تھے لیکن اگر وہ اس کے باوجود مکۃ المکرمۃ میں رہنا چاہتے تو رہ سکتے تھے اگرچہ حالات دگر گوں تھے اس لئے ہجرت تو انہوں نے اپنے اختیار سے کی تھی لیکن حالات ناگفتہ بہ تھے اس لئے مناسب اور بہتر تھا کہ وہ ہجرت فرمادیں تاکہ دین اسلام کی تبلیغ و تنفیذ اور اس کے احکام کی تعمیل بآسانی عمل میں لائی جاسکے یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کو بھی ہجرت کا اذن ملا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اجازت مل گئی۔ امام آلوسی نے ابو السعود کے قول کے مطابق بات کی ہے:

"أن تلک المهاجرۃ کانت عن قسر و اضطرار لأن المشرکین آذوهم و ظلموهم حتی اضطره الی الخروج"[2]

ترجمہ: بے شک اس ہجرت کا سبب مجبوری اور اضطرار تھا کیوں کہ مشرکوں نے مسلمانوں کو اذیت دی ان پر ظلم کیا یہاں تک کہ وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔

پیش کردہ بحث کا لب لباب یہ ہے کہ اہل ایمان کا مدینۃ المنورۃ کی جانب ہجرت کرنے کا ایک سبب مشرکین کی ستیزہ کاریاں اور دل آزاریاں بھی تھا جو وہ حضرات صحابہ کرامؓ سے روا رکھتے تھے گویا ہجرت کے محرکات و اسباب میں سے یہ بھی تھا۔ علاوہ ازیں مشرکین کی دشنام طرازی اور بغض و عناد اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ اب انہوں نے آپ ﷺ کے چراغ زیست کو گل کرنے کی منصوبہ سازی بھی کرلی جس کا اظہار اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ﴾[3]

ترجمہ: اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ کو قید کردیں یا آپ کو شہید کردیں یا آپ کو جلاوطن کردیں۔

اس آیت مقدسہ میں کافروں کے تین منصوبوں کا ذکر ہے جن پر وہ خفیہ طریق سے باہم مشاورت کر رہے

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/310

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 5/229

3۔ الانفال: 30

تھے اور بالآخر جو حتمی فیصلہ کیا تھا وہ آپ کو معاذ اللہ شہید کرنے کا تھا ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

''وھذا المکر الذی ذکرہ اللہ فی ھذا الآیۃ ھو با جماع من المفسرین اشارۃ الیٰ اجتماع قریش فی دارالندوۃ بمخضر ابلیس فی صورۃ شیخ نجدی علیٰ مانص ابن اسحٰق فی سیرۃ''[1]

ترجمہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس مکر خفیہ تدبیر کو ذکر کیا ہے مفسرین کا اجماع ہے کہ اس میں اس اجتماع کی طرف اشارہ تھا جو قریش نے دارالندوہ میں ابلیس کی موجودگی میں کیا تھا جب وہ شیخ نجدی کی صورت میں تھا۔ اس بات کو ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں بیان کی ہے۔

ابن عطیہ اس امر کو آپ ﷺ کی ہجرت کا سبب بھی کہتے ہیں:

''وھو الذی کان خروج رسول اللہ ﷺ من مکۃ بسببہ''[2]

ترجمہ: یہی وہ چیز ہے جو آپ ﷺ کے مکہ سے خروج کا سبب بنی۔

ابن عطیہ نے بعد ازاں اس واقعہ کو بیان کیا آپ نقل کرتے ہیں:

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ واقعہ ابو طالب کی وفات کے بعد ہوا جو قصہ ہے اس میں یہ ہے کہ ابو جہل نے رائے دی کہ ہم قریش کے ہر قبیلہ سے ایک نوخیز نوجوان اور ایک پختہ جوان کو لے لیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہو اور سب مل کر یکبارگی ان پر ٹوٹ پڑیں اور جب سب مل کر ان کو قتل کر دیں گے تو ان کا خون ہر قبیلہ کے ذمہ ہو گا اور میں نہیں گمان کرتا کہ بنو ہاشم کا قبیلہ قریش کے تمام قبائل سے جنگ کر سکے گا اور جب وہ قصاص لینے کو مشکل پائیں گے تو دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم کو ان کی ایذاء رسانی سے نجات مل جائے گی اس وقت شیخ نجدی نے بے ساختہ کہا کہ اس جوان ابو جہل نے صحیح کہا اور یہی صحیح رائے ہے اس کے علاوہ کوئی اور رائے صحیح نہیں ہے یہ طے کر کے وہ الگ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت دی تو آپ ﷺ اسی رات عازم سفر ہو گئے''[3]

ابو السعود نے بھی مذکورہ آیت کے تحت یہی واقعہ نقل کیا ہے آغاز میں آپ یہ سبب تحریر کرتے ہیں:

﴿اَوْ یُخْرِجُوْکَ﴾ ''أی من مکۃ و ذلک أنھم لما سمعوا باسلام الانصار' ومبایعتھم لہ ﷺ فرقوا واجتمعوا فی دارالندوۃ الخ''[4]

ترجمہ: یعنی مکہ سے وہ آپ کو نکال دیں یہ اس وجہ سے ہوا کہ جب انہوں نے انصار کے اسلام قبول کرنے اور آپ ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کو سنا تو وہ دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ کے خلاف منصوبہ بندی کرتے ہیں۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/ 518، 519/۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 221 (ابن ہشام نے بھی ابن عطیہ کی طرح ابن اسحٰق کے حوالے سے بات نقل کی ہے جب کہ ''السیرۃ النبویۃ لابن اسحٰق'' میں یہ واقعہ مرقوم نہیں ہے۔

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/ 519

3۔ ایضاً/۔ الطبری، **جامع البیان**، 11/ 134-135

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 310

ابو السعود کے نزدیک آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو شہید کرنے یا جلاوطن کرنے کا سبب یہ تھا کہ مشرکین مکہ یہ جان چکے تھے کہ انصار اسلام قبول کر چکے ہیں لہٰذا اب دین اسلام روز بروز پھیلتا جائے گا اس کیلئے ضروری ہے ان مشرکین کے نزدیک آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خلاف کوئی سخت کارروائی کی جائے اور آخرکار آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو شہید کرنے پر ان کا اتفاق ہوا۔ ابن کثیر نے بھی ابن عطیہ اور ابو السعود کا نقل کردہ واقعہ اس ضمن میں ذکر کیا ہے اور اس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے:

''فلم یبت رسول الله فی بیته تلک اللیلة و أذن الله له عند ذلک بالخروج و أنزل الله علیه بعد قدومه المدینة ''الانفال'' یذکر نعمه علیه''[1]

ترجمہ: پس رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے وہ رات اپنے گھر میں بسر نہیں کی اور اللہ نے اس لئے آپ کو وہاں سے ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمائی اور یہ آیت جو سورۃ الانفال کی ہے مدینۃ المنورہ میں آپ کی آمد کے بعد نازل ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی نعمت یاد دلا رہے ہیں کس طرح ہم نے آپ کو حفاظت فرمائی۔

ابن کثیر نے اس واقعہ کی صحت اور ضعف پر کوئی حکم نہیں لگایا لیکن ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ قریش نے ایک اجتماع منعقد کیا بعض کی رائے آپ کو قید کرنے کی تھی اور بعض کی رائے تھی کہ قتل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے متنبہ فرما دیا حضرت علیؓ آپ کے بستر مبارک پر آرام فرما ہوئے اور آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہجرت فرمالی''[2]

یہ روایت مسند الامام احمد کی ہے لیکن اس میں ابوجہل اور شیخ نجد کی گفتگو کا تذکرہ نہیں ہے[3]''امام آلوسی نے بھی ابن اسحٰق کا حوالہ دیتے ہوئے مذکورہ واقعہ نقل کیا ہے''[4]۔ مشرکین مکہ کا دارالندوۃ میں جمع ہو کر آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو شہید کرنے کی منصوبہ بندی کا تذکرہ ان کتب سیرت میں بھی منقول ہے[5]

''مشرکین نے اس مقصد کیلئے بیعت عقبہ کبریٰ کے تقریباً ڈھائی مہینہ بعد 26 صفر 14 سن نبوت بمطابق 12 ستمبر 622ء جمعرات کو دن کے پہلے پہر مکے کی پارلیمنٹ دارالندوہ میں تاریخ کا سب سے خطرناک اجتماع منعقد کیا اور اس میں قریش کے تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی۔ موضوع بحث ایک ایسے قطعی پلان کی تیاری تھی جس کے مطابق اسلامی دعوت کے علمبردار کا قصہ بہ عجلت تمام پاک کر دیا جائے اور اس دعوت کی روشنی کلی طور پر مٹا دی جائے''[6]

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/45

2۔ ایضاً، 46

3۔ احمد بن حنبل، **المسند**، عن ابن عباس، ح 3251، اسنادہ ضعیف

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 10/90 تا 92

5۔ السہیلی، **الروض الانف**، 2/306/۔ ابن سید الناس، **عیون الأثر**، 1/291/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 1/207، العازمی، **اللولو المکنون**، 2/28 تا 30

6۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 223-224

مبارکپوری نے مذکورہ تاریخ کا تعین منصور پوری[1] کی تحقیق کو بنیاد بناتے ہوئے کیا ہے اور پہلے پہر کا تعین اس روایت سے ہوتا ہے[2]۔ گویا جب مشرکین مکہ نے دارالندوہ میں آپ ﷺ کو شہید کرنے کا حتمی منصوبہ بندی کی تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی اور وہ وقت دوپہر کا تھا کیوں کہ اسی وقت آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے پاس تشریف لائے تھے۔ دارالندوہ میں آپ ﷺ کے خلاف سازش کی بحث کو ابن عطیہ نے اس آیت:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِه رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾[3]

ترجمہ: کیا یہ نابکار کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں اور ہم انتظار کر رہے ہیں۔

ان کے متعلق گردش زمانہ کے تحت بھی زیر تحقیق لایا ہے

''روی أن قریشاً اجتمعت فی دارالندوۃ فکثرت آراءھم فی محمدﷺ''[4]

ترجمہ: مروی ہے کہ قریش دارالندوۃ میں جمع ہوئے آپ ﷺ کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے تو ان کی آراء آپ ﷺ کے حوالے سے کثیر ہو گی۔

قاضی ابوالسعود نے اس مقام پر دارالندوہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے[5]۔ امام آلوسی نے ابن عطیہ کے موافق روایت نقل کی ہے:

''روی أن قریشاً اجتمعت فی دارالندوۃ و کثرت آراءھم فیه علیه الصلوٰۃ والسلام''[6]

ترجمہ: مروی ہے کہ قریش کا دارالندوہ میں آپ ﷺ کے حوالے سے اجتماع ہوا اور ان کی آراء کثیر ہو گئی۔

قریش کا دارالندوہ میں یہ اجتماع معاذ اللہ آپ ﷺ کو شہید کرنے کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ایک اور دوسرے اجتماع سے ہے جس میں وہ یہ طے کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ آپ پر کس قسم کا الزام لگایا جائے جیسے شاعر، مجنوں وغیرہ۔

خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ جب مشرکین کا بغض و عناد اس حد تک پہنچ گیا کہ اب وہ دارالندوہ میں آپ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔

2۔ ہجرت کے واقعات

1۔ منصور پوری، **رحمۃ للعالمین**، 1/108

2۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ دوپہر کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا اذن مل گیا ہے (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی ﷺ و أصحابه الی المدینۃ، ح 3905

3۔ الطور: 30

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/191

5۔ دیکھیے: ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/158، 159

6۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 26/85

مشرکین مکہ نے جس دن دارالندوہ میں یہ ناکام منصوبہ بندی کی تھی کہ آپ ﷺ کو شہید کرنا ہے اسی رات آپ ﷺ نے ہجرت کی تھی اور خواب میں آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتادیا تھا کہ آپ نے مکہ سے ایسی سرزمین کی جانب ہجرت کرنی ہے جو دو سیاہ پتھریلی زمین کے درمیان واقع ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((قال ﷺ: إِنِّي أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ وَهُمَا الْحَرَّتَانِ))[1]

ترجمہ: مجھے تمہارا دارِ ہجرت دکھایا گیا ہے وہ ایک شورزدہ کھجوروں والی زمین ہے جو دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے مابین واقع ہے۔

دارِ ہجرت پر آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

”میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں میرا خیال تھا کہ وہ یمامہ کا علاقہ ہوگا لیکن وہ مدینہ یثرب ہے[2]

آپ ﷺ کا خواب بھی بمنزلہ وحی ہے اس لئے آپ کو مقام ہجرت سے بذریعہ وحی آگاہ کر دیا تھا بس وقت کا انتظار تھا کہ جب اللہ کی طرف سے اذن ملے گا تو کوچ فرمالیں گے ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ تشریف لے جانے کی اجازت دے دی پس آپ اس رات چل پڑے اور حضرت علیؓ کو فرمایا کہ میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ وہ مشرکین آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے حضرت علیؓ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اسی اثناء میں قریش کے چند جوان آئے اور آپ کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگے بعدازاں جب دیکھا تو بیدار ہونے والی شخصیت حضرت علی کی تھی تو انہوں نے کہا کہ آپ کے سردار کدھر گئے ہیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا میں نہیں جانتا اور کتب سیر میں یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ نے ان میں سے ہر ایک کے سر پر مٹی پھینکی اور ان کے سامنے سے گزر گئے تو ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ تم کس کا انتظار کر رہے ہو تو انہوں نے کہا محمد ﷺ کا تو اس نے کہا کہ میں نے تو انہیں ابھی آپ کے سروں پر مٹی پھینکتے ہوئے آپ کے سامنے سے جاتے ہوئے دیکھا تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے سر پر ہاتھ مارا اور پھر بستر رسول ﷺ کے پاس آئے تو وہاں حضرت علیؓ کو پایا“[3]

ہجرت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹایا اور رات کو حضرت ابو بکرؓ کی معیت میں غار کی جانب چل پڑے۔ ابن عطیہ نے ہجرت کا واقعہ اس آیت کے تناظر میں بھی نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾[4]

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی ﷺ و أصحابہ الی المدینۃ، ح3905

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی ﷺ و أصحابہ الی المدینۃ، ح3897 سے پہلے یہ حدیث مرقوم ہے

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/519

4۔ التوبۃ:40

ترجمہ: اگر تم مدد نہ کروگے رسول کریم کی تو کیا ہوا ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار ثور میں تھے جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

"قصہ مختصر یہ کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کے لئے اللہ کے حکم کے انتظار میں رہا کرتے تھے اور ابو بکر جو کہ ابن الدغنہ کی پناہ میں تھے اس کی پناہ کو ترک کر کے ہجرت کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا صبر کریں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ساتھ میں چلیں گے پس جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو آپ نے اس کی تیاری حضرت ابو بکرؓ کے گھر میں کی اور آپ دونوں چل پڑے اور جبل ثور کی غار میں قیام فرمایا جو مکہ سے تین میل مغرب کی سمت میں واقع ہے"[1]

ابن عطیہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد غار ثور میں پیش آنے والے واقعات کو بھی بیان کرتے ہیں:

"مروی ہے کہ غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا بن لیا تھا یہ بھی مروی ہے کہ کبوتری نے غار کے دروازے پر انڈے دے دیے تھے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ غار کے دروازے پر گھاس ڈال دیں جسے مشرکین نے سمجھا کہ گھاس اگی ہوئی ہے اس لئے ان کا دھیان وہاں سے ہٹ گیا"[2]

علاوہ ازیں ابن عطیہ نے یہ روایت بھی پیش کی ہے:

"روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ غار میں داخل ہوئے اپنی چادر کو پھاڑا اور اس سے غار کے سوارخوں کو بند کیا تاکہ کوئی موذی حیوان آپ ﷺ کو تکلیف نہ پہنچائے یہ بھی روایت ہے کہ ایک سوراخ بچ گیا جس کو آپ نے اپنے پاؤں سے بند کیا اور اس عرصہ میں آپ کے غلام عامر بن فہیرہ بکریوں کے ریوڑ کو لاتے اور آپ دونوں کو دودھ پیش فرماتے"[3]

ابن عطیہ نے مذکورہ روایات کو پیش کرتے وقت صحت اسناد کا التزام نہیں فرمایا قاضی ابو السعود نے اس آیت ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ کے تحت یہ جملہ نقل فرمایا ہے:

"فاتی جبریل النبی علیهما السلام و أخبره بالخبر و أمره بالهجرة فبیت علیاً رضی الله عنه علی مضجعه و خرج هو مع أبی بکرالی الغار"[4]

ترجمہ: جبریلؑ حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے اور ہجرت کا حکم ارشاد فرمایا اور آپ علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو اپنے بسر پر لٹایا اور آپ حضرت ابو بکرؓ کی معیت میں غار کی طرف چل دیئے۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/35

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/103

اس مقام پر قاضی ابو السعود نے کوئی روایت نقل نہیں کی اسی طرح اس آیت ﴿وَبَعَثْنَا﴾ کے تحت قاضی ابو السعود اولاً مختصر انداز میں تبصرہ کرتے ہیں اس کے بعد ابن عطیہ کی نقل کردہ روایات کو بھی بیان کرتے ہیں:

''و جعله ﷺ ثانیهما لمشی الصدیق أمامه و دخوله فی الغار اولا لکنسه و تسویة البساط له کما ذکر فی الاخبار''[1]

ترجمہ: آپ ﷺ کو دوسرا اس لئے کہا کہ اولاً غار میں داخل ہونے والے حضرت ابو بکرؓ تھے اور وہ آپ کے آگے تھے تاکہ غار کو صاف کر سکیں اور چٹائی وغیرہ کو بچھا سکیں جس طرح روایات میں آیا ہے۔

اس کے بعد آپ نے یہ روایت پیش کی ہے:

''مروی ہے کہ جب مشرکین نے غار میں جھانکا تو حضرت ابو بکرؓ ڈر گئے کہ حضور ﷺ کو دیکھ لیں گے تو حضور ﷺ نے ان کو کہا کہ آپ کا ان دو کے متعلق کیا گمان ہے جن میں تیسرا اللہ تعالیٰ ہے''[2]

ابو السعود مزید یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں:

''جب آپ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں غار میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے دو کبوتروں کو بھیجا جنہوں نے وہاں انڈے دے دیئے اور مکڑی نے جالا بن لیا اور آپ ﷺ نے یہ دعا کی 'اے اللہ ان کو اندھا کر دے تو پس وہ غار کے ارد گرد بھٹکنے لگے''[3]

قاضی ابو السعود نے بھی یہاں روایات کا نہ تجزیہ کیا اور نہ ان کی استنادی حیثیت پر روشنی ڈالی ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کی تحقیقات کا اگر تجزیہ ابن کثیر کے تفسیری نکات سے کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے:

''فلم یبت رسول الله ﷺ فی بیته تلک اللیلة و أذن الله له عند ذلک بالخروج''[4]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے وہ رات اپنے گھر میں نہیں بسر کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تشریف لے جانے کی اجازت دے دی۔

ابن کثیر یہ بھی تحریر کرتے ہیں:

''آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ میرے بستر پر سبز چادر اوڑھ کر سو جاؤ حضرت علیؓ نے ایسا ہی کیا تو آپ ﷺ اپنی قوم کے سامنے سے گزر گئے حالانکہ وہ دروازے پر کھڑے تھے اور آپ نے ان کے سروں پر مٹی پھینکی اس حال میں کہ آپ سورۃ یٰس پڑھ رہے تھے تو اللہ نے اپنے نبی کو ان کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا''[5]

ابن کثیر نے یہ روایت بھی ذکر کی ہے:

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/164

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/45

5۔ ایضاً

"کہ مکڑی نے غار کے دروازے پر جالا بن لیا جسے جب کافروں نے دیکھا تو کہا کہ اگر غار میں کوئی ہوتا تو مکڑی یہ جالا نہیں بن سکتی تھی آپ ﷺ نے غار میں تین دن گزارے"[1]

گویا ابن کثیر نے مکڑی کا جالا بننے کی روایت کو نقل کیا ہے مگر کبوتروں کے انڈوں والی روایات کو ذکر نہیں کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس روایت کو بھی نقل کیا ہے جو کہ صحیحین میں ہے:

((حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کہا جب ہم غار میں تھے کہ اگر ان کافروں میں سے کسی نے اپنے قدموں کی جانب دیکھا تو ہمیں دیکھ لے گا تو آپ ﷺ نے کہا کہ اے ابو بکر ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے))[2]

ابن کثیر نے اس مقام پر اس روایت کو بھی ذکر نہیں کیا جس میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی چادر پھاڑ کر غار کے سوراخوں کو بند کیا الخ۔ باقی صحیحین والی روایت کہ اگر کافر غار میں اپنے قدموں کی جانب دیکھیں تو ہمیں دیکھ لیں گے اسے ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود دونوں نے تحریر کیا ہے[3]

ابن کثیر نے غار کے دروازے پر لکڑی کا جالا بننے کے واقعہ کی سند کو حسن لکھا ہے

"وهذا اسناد حسن وهو من أجود ماروى فى قصة نسج العنكبوت على فم الغار"[4]

اور یہ واقعہ کے آپ ﷺ نے جب اپنے گھر کو چھوڑا تو کافروں نے محاصرہ کیا ہوا تھا تو آپ نے سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے سروں پر مٹی پھینکی جس کی بدولت وہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکے اس کو ابن ہشام نے محمد بن کعب القرظی کی سند سے روایت کیا ہے[5] اور اس سند پر تبصرہ اکرم ضیاء العمری نے اپنی کتاب کے حاشیہ میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

"بسند صحيح الى محمد بن كعب القرظى لكنه مرسل"[6]

ترجمہ: اس کی سند محمد بن کعب القرظی تک صحیح ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے"۔

مذکورہ واقعات کا تذکرہ ان کتب سیر میں بھی منقول ہے[7]۔ آپ ﷺ جس تاریخ اور دن کو ہجرت کے

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/45

2۔ ایضاً/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب المهاجرین وفضلهم، ح 3653/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل الصحابة رضی الله عنهم، باب من فضائل ابی بکر رضی الله عنه، ح 2381

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/35/۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/165

4۔ ابن کثیر، **السیرة النبویة**، 2/642

5۔ ابن ہشام، **السیرة النبویة**، ص222

6۔ العمری، **السیرة النبویة الصحیحة**، ص207

7۔ ابن ہشام، **السیرة النبویة**، ص222، 223/۔ السہیلی، **الروض الانف**، 2/315

لئے عازم سفر ہوئے اس پر تبصرہ منصور پوری نے ان الفاظ میں بلا حوالہ کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

"یہ واقعہ 27 صفر 13 نبوت روز پنجشبہ جمعرات 12 ستمبر 621ء کا ہے"[1]

خلاصہ بحث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت کے تیرہویں سال مکہ سے مدینہ کی جانب بغرض ہجرت رخت سفر باندھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹایا تا کہ آپ ﷺ کے پاس جن کی امانتیں تھیں انہیں ان کے حق داروں تک پہنچا دیں آپ ﷺ نے دوران ہجرت رفاقت کا شرف حضرت ابو بکرؓ کو بخشا ان کی معیت میں تین دن تک غار ثور میں مقیم رہے اس کے بعد عبد اللہ بن اریقط کی رہنمائی میں یکم ربیع الاول کو مدینہ المنورہ کی جانب چل پڑے راستے میں سراقہ بن جعشم سے ملاقات ہوئی جو آپ حضرات کی تلاش میں آیا تھا اس کا تذکرہ ابن عطیہ اس انداز میں کرتے ہیں:

"وهی التی حبسها سراقة بن جعشم حین اتبع النبی ﷺ فی وقت الهجره"[2]

ترجمہ: یہی وہ تیر تھا جس نے سراقہ بن جعشم کو ہجرت کے وقت حضور ﷺ کا پیچھا کرنے سے روکا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے:

"سراقہ بن جعشم کہتے ہیں کہ جب ہجرت کے وقت میں نے آپ ﷺ کے تعاقب کا ارادہ کیا یہاں تک کہ آپ کے قریب ہو گیا اس کے بعد گھوڑا مجھ سمیت پھسلا میں اس سے گر گیا تو میں نے تیروں سے فال نکالنے کی کوشش کی تو اس وقت وہ تیر نکلا جس کو میں ناپسند کرتا تھا لیکن میں نے تیروں کی نافرمانی کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا وہ مجھے لے کر دوڑنے لگا یہاں تک کہ جب میں رسول اللہ کی قراءت سن رہا تھا اور آپ توجہ نہیں فرما رہے تھے جب کہ حضرت ابو بکرؓ بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے تو میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے میں گر گیا میں نے گھوڑے کو ڈانٹا اس نے اٹھنا چاہا لیکن وہ اپنے پاؤں بمشکل نکال سکا میں نے پھر پانسے کے تیر سے قسمت معلوم کی تو پھر وہی تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا اس کے بعد میں نے امان کے ساتھ انہیں پکارا تو وہ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا جس وقت میں ان سے روک دیا گیا تھا اسی وقت میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ کا معاملہ غالب آکر رہے گا چنانچہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے آپ ﷺ کو پکڑنے کا انعام رکھا ہے اور ساتھ ہی ان کے لوگوں کے عزائم سے آگاہ کیا اور توشہ وساز و سامان بھی پیش کرنا چاہا مگر انہوں نے میرا کوئی سامان نہ لیا اور نہ مجھ سے کوئی سوال بھی کیا صرف اتنا کہا کہ ہمارے متعلق رازداری برتنا میں نے گزارش کی مجھے پروانہ امن لکھ کر دیں تو آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم ارشاد فرمایا تو عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر میرے حوالے کر دیا اور بعد ازاں آپ ﷺ روانہ ہو گئے"[3]

1۔ منصور پوری، **رحمۃ للعالمین**، 1/108

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/233

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب مناقب الانصار' باب ہجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ، ح 3906

ابن عطیہ نے اس واقعہ پر اشارۃ تبصرہ کیا تھا تفصیلی بحث نہیں کی ہے جب کہ ابوالسعود نے اس آیت ﴿وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ﴾ [1] کے تحت ابن عطیہ کی طرح اشارۃ کلام بھی نہیں کیا ہے:

آپ ﷺ دوشنبہ 8 ربیع الاول 14 سن نبوت یعنی ہجری مطابق 23 ستمبر 622ء کو رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔[2] اہل مدینہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے مطلع ہو چکے تھے اس لئے آپ کے استقبال کے لئے بے تابی سے منتظر تھے ابن قیم نقل کرتے ہیں:

"اس کے ساتھ ہی بنی عمرو بن عوف میں یہ صدا بلند ہوئی اور تکبیر سنی گئی کہ آپ ﷺ کا ورود مسعود ہو چکا ہے مسلمان آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کیلئے روانہ ہو گئے"[3]

"رسول اللہ ﷺ نے قبا میں کلثوم بن ہدم اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن خیثمہ کے مکان میں قیام فرمایا پہلا قول زیادہ قوی ہے"[4]

"جمعہ کے بعد نبی ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول، شہر رسول ﷺ پڑ گیا جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے یہ نہایت تابناک تاریخی دن تھا گلی کوچے تقدیس و تحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے"[5]

"مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر قیام فرمایا"[6] اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا تعلق آپ کے ننھیال بنو نجار کے قبیلے سے تھا[7]

مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ نے ایک جدید ریاست اور معاشرے کی تشکیل کا آغاز فرمایا اور اس کی حفاظت، ترقی اور سربلندی کے لئے اپنی جملہ توانائیوں کو پیش فرمایا جس کی بدولت دین اسلام کا پیغام چار سو پھیلنے لگا اور مختصر عرصہ میں اس جدید ریاست موسوم بہ ریاست مدینہ نے اقوام عالم میں برتری اور فوقیت کا درجہ حاصل کر لیا۔

مبحث دوم: مواخات مدینہ

حضور ﷺ نے تاریخ انسانی کا ایک انتہائی اہم امر سرانجام دیا۔ جب مہاجرین و انصار کو سلسلہ اخوت و

1۔ المائدۃ:90

2۔ منصور پوری، **رحمۃ للعالمین**، 1/ 113

3۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/ 71

4۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص239

5۔ ایضاً

6۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب مناقب الانصار' باب ہجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ الی المدینۃ، ح3911

7۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص241

محبت کی لڑی میں پرو دیا جسے مواخات مدینہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کا ایک سبب یہ تھا کہ مہاجرین نے مکہ کو اس حال میں چھوڑا تھا کہ اپنا مال اور جائیداد مکہ میں ہی چھوڑ کر آ گئے تھے لہٰذا ان کے پاس سر دست کچھ نہ تھا اس لئے اپ ﷺ نے ان کی مادی ضروریات کی فوراً تکمیل کے لئے مواخات کا کارنامہ سرانجام دیا اور دوسرا سبب یہ تھا کہ دور جاہلیت کی عصبیت کا خاتمہ کرتے ہوئے اخوت ورواداری کو فروغ بخشا جائے جیسے اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾[1]

ترجمہ: بے شک اہل ایمان بھائی ہیں۔

اس کا عملی مظاہرہ آپ ﷺ نے اپنے اس مبارک عمل سے فرمایا ابن عطیہ نے مواخات مدینہ پر بحث اس آیت کے تحت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾[2]

ترجمہ: اور وہ لوگ جس سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد وپیان تو دو انہیں ان کا حصہ۔

ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

"وقال ابن عباس ایضاً هم الذین کان رسول الله ﷺ آخیٰ بینهم، فانهم کانوا یتوارثون بهذه الآیة حتی نسخ ذلک بما تقدم"[3]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کا بھی قول ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جس کے مابین رسول اللہ نے مواخات کا رشتہ قائم کیا تھا وہ اس آیت کی روشنی میں وراثت کے حقدار تھے یہاں تک یہ حکم منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ابن عطیہ نے وہ آیت بھی نقل کی ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہوا ہے:

"فان العرب کانت تتوارث بالحلف فشدد الله ذلک بهٰذه الآیة' ثم نسخه بآیة الانفال ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾[4]

ترجمہ: بے شک عرب میں وہ لوگ وراثت کے حقدار ٹھہرتے تھے جن کا ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کا عہد وپیان ہوتا تھا اور اللہ نے اس بات کو اس آیت سے پختہ بھی کیا ہے لیکن پھر یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور رشتہ دار ورثہ میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں حکم الٰہی کے مطابق۔[5]

ابن عطیہ نے اس امر پر مزید بھی بحث کی ہے آپ تحریر کرتے ہیں:

1۔ الحجرات:10

2۔ النساء:33

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 46/2

4۔ الانفال:75

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 46/2

"أن المهاجرين كانوا يرثون الانصار دون ذوى رحمهم للاخوة التى آخى رسول الله ﷺ بينهم"[1]

ترجمہ: مہاجرین انصار کے ترکہ کے وارث ٹھہرتے تھے جو اگرچہ ذی رحم رشتہ دار نہ بھی ہوتے تھے اس اخوت کی بدولت جو آپ ﷺ نے ان کے مابین قائم کی تھی۔

قاضی ابو السعود نے مذکورہ آیت کے تحت ابن عطیہ کے موافق مواخات مدینہ کو ذکر نہیں کیا ہے وراثت پر عمومی بحث کی ہے اور نسخ کے تناظر میں یہ تبصرہ کیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾هم موالى الموالاة كان الحليف يرث السدس من مال حليفه فنسخ بقوله: ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾[2]

ترجمہ: وہ لوگ جن سے تمہارا عہد قائم ہو چکا ہے وہ حلیف اپنے دوست کے مال کے چھٹے حصے کا وارث ہوتا ہے اور پھر اس آیت کے نازل ہونے سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رشتہ دار ورثہ میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

ابن عطیہ نے اس آیت کے تناظر میں جو بحث کی ہے امام بخاری نے بھی اس کو نقل کیا ہے:

عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مہاجرین جب مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے تو مہاجر انصاری کی وراثت کا حصہ دار ہوتا تھا یہ وہ لوگ تھے جن کے مابین آپ ﷺ نے مواخات کا رشتہ استوار فرمایا تھا پس جب یہ آیت ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نازل ہوئی تو منسوخ ہو گیا[3]

امام آلوسی نے بھی مذکورہ بحث کو نقل کیا ہے[4]

"بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ یہ ایک دوسرے کے غم خوار ہوں گے اور موت کے بعد نسبی قرابت داروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے وراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک قائم رہا"[5]

"This Legislation continued until the battle of Badr" [6]

پیش کردہ بحث کا لب لباب یہ ہے کہ ابن عطیہ کا مذکورہ آیت کے پیش نظر مواخات مدینہ کا ذکر جو مہاجرین و انصار کے درمیان ہوئی تھی صحیح بخاری کی روایت کی روشنی میں درست ہے اور ابو السعود نے جو بحث کی ہے وہ اس آیت کے عمومی مفہوم کے تحت صحیح ہے۔ آپ ﷺ نے مواخات کا یہ مبارک عمل حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں فرمایا امام بخاری روایت کرتے ہیں:

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 46/2

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 156/2

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب الکفالۃ ' باب قول اللہ عزوجل ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾، ح2292

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 9/6

5۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص256

6 -Al-Qahtan, Saeed ibn Ali,**A Mercy To The Universe**, (Riyadh:Darussalam, 2nd edition:April2010), Page,272

حضرت عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں حلف نہیں ہے تو جواباً حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے قریش اور انصار کے درمیان حلف میرے گھر میں کیا تھا[1]

یعنی انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کرتے وقت جو حلف لیا گیا اس کی طرف اشارہ ہے اور اسلام میں حلف نہیں ہے سے مراد غیر شرعی باتوں پر حلف اٹھانے کی ممانعت ہے اور ایک دوسرے کا وارث بنانے پر حلف اٹھانے کی ممانعت ہے اور ایک دوسرے سے تعاون کے لئے جو حلف اٹھایا جائے اس کی پاسداری بہرصورت ضروری ہے مہاجرین و انصار اگرچہ ایک دوسرے کے ترکہ کے اوائل میں وارث بنے تھے بعدازاں یہ امر منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مرقوم ہے جن کے مابین مواخات کا رشتہ قائم کیا گیا ان کی تعداد نوے تھی ابن القیم رقم طراز ہیں:

"ثم آخی رسول اللہ ﷺ بین المهاجرين و الانصار فی دار أنس بن مالک و کانو اتسعین رجلا بعضهم من المهاجرين و بعضهم من الانصار"[2]

ترجمہ: پھر آپ ﷺ نے حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں مہاجرین و انصار کے مابین مواخات کو قائم کیا ان کی تعداد نوے تھی جن میں نصف مہاجرین میں سے اور نصف انصار میں سے تھے۔

مواخات مدینہ پر بحث ان کتب سیرت میں بھی موجود ہے[3]

انصار کے جذبہ اخوت و ایثار کا اظہار حضرت ابو ہریرۃؓ کی اس روایت سے ہوتا ہے:

انصار نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے اور ہمارے بھائیوں مہاجرین کے مابین ہمارے کھجور کے باغات تقسیم کر دیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں انصار نے کہا تب مہاجر لوگ ہمارا کام کر دیں اور ہم پھل میں مہاجرین کو شریک رکھیں گے انہوں نے کہا تو ٹھیک ہے[4]

انصار کا جذبہ اگرچہ قابل دید ہے مگر مہاجرین بھی خودداری کے پیکر تھے اس لئے آپ ﷺ نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھا اور اس طرح اجازت مرحمت فرمائی۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ یہ مواخات مہاجر مسلمانوں کو پیش آمدہ مسائل کا ایک حکیمانہ اور مدبرانہ حل تھا جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ انسانی قاصر تھی۔ حسب و نسب اور عصبیت کے رشتوں سے ماوراء فقط اسلامی تعلق کی بناء پر ان کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا جس پر وہ عظیم ہستیاں سختی سے کاربند رہیں۔

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الکفالۃ، باب قول اللہ عزوجل {والذین عقدت أیمانکم}، ح2294 /۔ کتاب الاعتصام، باب ماذکر النبی ﷺ ح7340 /۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب مؤاخاۃ النبی ﷺ بین أصحابہؓ، ح2529

2۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/ 77 /۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 2/ 705

3۔ السہیلی، **الروض الانف**، 2/ 350 /۔ العازمی، **اللؤلؤ المکنون**، 2/ 180 تا 183 /۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص256

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب اذا قال أکفنی مؤونۃ النخل، ح2325

مبحث سوم: سریہ[1] عبد اللہ بن جحش اسباب اور واقعات

مشرکین مکہ کے لئے یہ بات سخت ناگواری کا باعث تھی کہ آپ ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ مکہ کو خیر باد کہہ کر اب مدینۃ المنورہ میں بخیر وعافیت فروکش ہوگئے ہیں اس وجہ سے وہ اب یہ منصوبے بنا رہے تھے کہ کس طرح مسلمانوں کو مدینہ میں نیست ونابود کیا جاسکے اور اپنے ان ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے انہوں نے عبد اللہ بن ابی جو ابھی تک مشرک تھا یہ خط لکھا:

> آپ نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے اس لئے ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو آپ لوگ اس سے لڑائی کیجیے یا جلاوطن کر دیجئے یا پھر ہم اپنی پوری قوت کے ساتھ تم لوگوں پر حملہ آور ہوں گے اور آپ کے مردوں کو قتل کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی عصمت دری کریں گے[2]

عبد اللہ بن ابی جو پہلے سے ہی آپ ﷺ کے بغض میں مبتلا تھا اس خط سے اس کو مزید تقویت ملتی ہے اور آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف شورشوں اور سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا" آپ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو کمال حکمت سے ان کی کوششوں کو نامراد کر دیا[3] مشرکین مکہ نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے مسلمانوں پر مسجد احرام کا دروازہ بند کئے جانے کا اعلان کر دیا اور انہوں نے مسلمان مہاجرین کے لئے یہ دھمکی بھیجی کہ "ہم یثرب پہنچ کر تمہارا ستیاناس کر دیں گے"[4]

ان پرخطر حالات میں یہ عیاں تھا کہ مشرکین مکہ کسی بھی وقت مدینہ پر حملہ آور ہوسکتے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف مسلمانوں کو قتال کی اجازت دے دی گئی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا۔ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ﴾[5]

ترجمہ: اذن دے دیا گیا ہے جہاد کا ان مظلوموں کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بناء پر کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے۔

چودہ پندرہ سال تک کفار مکہ کی دلآزاریوں، ستم شعاریوں اور مظالم پر صبر وضبط سے کام لینے والوں کو اب اذن مل گیا کہ اب تم اپنی مدافعت میں تلوار اٹھا سکتے ہو:

> "جنگ کی اجازت نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کی عسکری مہمات کا سلسلہ عملاً شروع ہوگیا طلایہ گردی کی

1۔ سریہ: لشکر کا ایسا گروہ جس کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار سو ہو اور اسے دشمن کی طرف لڑنے کیلئے بھیجا گیا ہو اور محدثین اور اہل سیر کے نزدیک وہ لشکر جس میں آپ ﷺ بنفس نفیس شریک نہ ہوں بلکہ اپنے بعض اصحاب کو دشمن کی طرف بھیجا گیا (العازمی، **اللؤلؤ المکنون**، 2/288)

2۔ ابوداؤد، **السنن**، تحقیق شعیب الأرنؤوط، کتاب الخراج، باب خبر النضیر، ح 3004، اسنادہ صحیح

3۔ ایضاً

4۔ منصور پوری، **رحمۃ للعالمین**، 1/122

5۔ الحج: 39

شکل میں فوجی دستے گشت کرنے لگے اس کا مقصود وہی تھا جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مدینے کے گرد و پیش کے راستوں پر عموماً اور مکے کے راستے پر خصوصاً نظر رکھی جائے"[1]

عسکری مہمات کی عملی تصویر سرایا اور غزوات تھے اور آپ ﷺ نے کل ستائیس غزوات میں حصہ لیا اور اڑ تیس سرایا بھیجے[2] اور سرایا میں ایک انتہائی اہم سریہ عبد اللہ بن جحش ہے۔

"سریہ عبد اللہ بن جحش سریہ نخلہ ہے جو رجب 2ھ 624ء میں وقوع پذیر ہوا"[3]۔ اس سریہ میں آپ ﷺ نے اکثر ائمہ کے بقول آٹھ مہاجرین کا ایک دستہ حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کی قیادت میں بھیجا اس سریہ کا تذکرہ اس آیت مقدسہ کے تحت کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ۔ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾[4]

ترجمہ: وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے آپ فرمائیے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے۔

ابن عطیہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"نزل فی قصة عمرو بن الحضرمی و ذلک أن رسول الله ﷺ بعث سرية عليها عبدالله بن جحش الاسدی مقدمه من بدر الاولی"[5]

ترجمہ: یہ آیت عمرو بن الحضرمی کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی کہ جب آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جحش الاسدی کی قیادت میں سریہ بھیجا یہ واقعہ بدر اولیٰ کا مقدمہ ہے۔

یعنی یہ واقعہ بھی غزوہ بدر کا پیش خیمہ بنا ابن عطیہ مزید تحریر کرتے ہیں:

"عبد اللہ بن جحش کا لشکر عمرو بن الحضرمی سے ملا اور اس کے ساتھ عثمان بن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل المخزومی اور ہشام کا غلام حکم بن کیسان بھی تھے۔ ماہ رجب کے آخری دن یہ واقعہ رونما ہوا جسے ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جمادی الاخریٰ کے آخری دن یہ واقعہ ہوا اس طرح الطبری نے السدی وغیرہ سے نقل کیا ہے لیکن پہلا قول رجب کے آخری دن کا یہ زیادہ مشہور ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ رجب کی پہلی رات کو ہوا تھا اور مسلمان کا یہ گمان تھا کہ یہ جمادی الاخریٰ کا مہینہ ہے اور انہوں نے یہ قتل ماہ حرام کے قصد کے ساتھ نہ کیا تھا اور ابن اسحٰق کا یہ قول ہے کہ مسلمانوں نے یہ گمان کیا کہ اگر آج ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں تو یہ حرم میں داخل ہو جائیں گے پس اس بناء پر انہوں نے ان کے قتل کا عزم کیا پس واقد بن عبد اللہ نے عمرو بن الحضرمی کو تیر مار کر قتل کر دیا اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم کو قیدی بنا لیا جب کہ نوفل بھاگ گیا اس پر قریش نے یہ

1۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 269

2۔ الصلابی، **السیرة النبویة**، 1/ 507-508

3۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 269

4۔ البقرة: 217

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 289

شور مچادیا کہ محمد ﷺ نے حرمت کے مہینوں میں قتال کو جائز قرار دیا ہے آپ ﷺ نے توقف اختیار فرمایا اور کہا کہ میں نے تم کو قتال کا حکم نہیں دیا تھا پس اس وقت یہ آیت نازل ہوئی"[1]

ابن عطیہ نے سریہ عبد اللہ بن جحش پر بحث کے دوران اس پہلو کو منصہ شہود پر لانے کی کوشش کی ہے کہ یہ واقعہ کس ماہ میں ہوا اور بالآخر رجب کے آخری دن کو قول مشہور قرار دیا ہے جب کہ قاضی ابو السعود اس سریہ پر تحقیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"روایت کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ بدر سے دو ماہ قبل جمادی الآخریٰ میں حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں ایک سریہ بھیجا تا کہ قریش کے ایک قافلے کی گھات میں بیٹھ کر اور خبر گیری کر سکیں اس قافلے میں عمرو بن عبد اللہ الخضرمی اور اس کے ساتھ تین لوگ تھے انہوں نے عمرو الخضرمی کو قتل کر دیا اور دو کو قیدی بنا کر لے آئے اور ان کے اونٹ ہانک کر لے آئے جن پر طائف سے تجارت کا سامان تھا جب یہ واقعہ ہوا وہ رجب کا دن تھا جب کہ مسلمانوں نے یہ گمان کیا کہ جمادی الاخریٰ ہے پس قریش نے کہا کہ محمد ﷺ نے حرمت کے مہینے میں لڑائی کو حلال کر دیا ہے"[2]

قاضی ابو السعود مزید یہ روایت نقل کرتے ہیں:

"حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے مال غنیمت کو لے لیا"[3]

جب اہل لشکر نے مال غنیمت کو لایا تھا تو آپ ﷺ نے اسے قبول کرنے میں توقف فرمایا تھا پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اسے وصول فرما دیا قاضی ابو السعود نے مزید یہ بحث بھی کی ہے کہ ماہ حرام میں قتال کا شرعی حکم کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

"واکثر الاقاویل أنها منسوخة بقوله تعالیٰ: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ[4]﴾"[5]

ترجمہ: اکثر اقوال یہ ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ ہو گئی ہے کہ "قتل کریں مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں۔

قاضی ابو السعود نے یہ توضیح کی کہ لشکر کی روانگی جمادی الاخریٰ کے آخر میں ہوئی لیکن جب عمرو الخضرمی کے قتل کا واقعہ ہوا تو اس وقت رجب کا پہلا دن تھا جب کہ مسلمان یہ گمان کر رہے تھے کہ جمادی الاخریٰ کی آخری رات ہے اور دوسرا آپ نے ماہ حرام میں قتال کے جواز پر اکثر اقوال کا حوالہ دیا ہے کہ اب یہ حکم منسوخ ہے یعنی حرمت کے مہینوں میں بھی ان سے قتال جائز ہے ابن عطیہ اس بابت تحریر کرتے ہیں:

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 289/۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 287/۔ الطبری، **جامع البیان**، 3/ 652

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 309

3۔ ایضاً

4۔ التوبۃ: 5

5۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 309

"وقال عطاء لم تنسخ "ولا ینبغی القتال فی الاشھر الحرم" وھذا ضعیف"[1]

ترجمہ: عطا کا قول ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے حرمت کے مہینوں میں قتال نہیں کرنا چاہیے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

گویا ابن عطیہ کے نزدیک اس حکم کی منسوخی کا قول صحیح ہے جب کہ منسوخ نہ سمجھنے کا قول ضعیف ہے۔

ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کی آراء کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ان کے بیان کردہ موقف کے موافق ہی آراء نظر آتی ہیں جیسے

"ابن کثیر نے اس موقع پر ابن اسحٰق اور ابن ہشام وغیرہ سے مروی مختلف روایات کو لیا ہے جس کا لب لباب وہی ہے جسے ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے نقل کیا ہے اور اس آیت کے نسخ پر بحث نہیں کی ہے"[2]

امام آلوسی نے بھی اس واقعہ کو مفصلاً بحوالہ کتب سیرت بیان کیا ہے اور پیش کردہ تحقیق کے مطابق ہی نقل کیا ہے جس میں بعض امور پر اضافہ فرمایا ہے آپ تحریر پرداز ہیں:

"آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جحش کو بھیجا جو کہ آپ کے پھوپھی زاد تھے "نخلۃ[3]" کی طرف تاکہ قریش کی کوئی خبر لاؤ اور آپ ﷺ نے ایک تحریر دی کہ دو دن کی مسافت کے بعد کھولنا اور جو اس میں لکھا ہو گا اس پر عمل کرنا اور دو دن بعد جب تحریر کھولی تو لکھا تھا کہ تم نخلۃ کے مقام پر اترنا عبد اللہ بن جحش نے اپنے دوستوں کو کہا جن کی تعداد آٹھ تھی کہ تم میں سے جس کو شہادت کی طلب ہو وہ میرے ساتھ چلے ورنہ واپس چلا جائے میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بہر صورت تکمیل کروں گا۔ الخ"[4]

باقی واقعہ ایسے ہی نقل کیا ہے جیسے گزشتہ صفحات میں منقول ہے اور اس آیت کی منسوخی کا قول جیسا کہ جمہور کا موقف ہے درست معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ:

"آپ نے ہوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں جنگ کی اور ابو عامر کو مشرکین سے جنگ کیلئے طائف میں بھیجا اور یہ جنگیں شوال اور ذوالعقدہ کے بعض ایام میں ہوئیں اور ذوالعقد ماہ حرام ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ سیرت کے تمام جامعین اس پر متفق ہیں کہ قریش کے خلاف جنگ کرنے کی بیعت رضوان ذوالقعدہ میں منعقد ہوئی تھی"[5]

اگرچہ بیعت رضوان کے موقع پر جنگ نہیں ہوئی تھی اگر ہو جاتی تو وہ ذوالعقدہ ماہ حرام میں ہوتی آپ ﷺ بیعت ہی نہ لیتے کہ اس ماہ میں جنگ کرنا حرام ہے اور گویا حرمت کے مہینوں میں کفار سے قتال کے عدم جواز کا

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/290

2۔ دیکھیے: ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 1/573 تا 577

3۔ اس سے مراد نخلہ محمود ہے جو حجاز میں مکہ کے قریب واقع ہے جس میں کھجور کے درخت ہیں اور نخلۃ یمانیۃ ہو تو یہ وہ جگہ ہے جہاں ہوازن نے حنین کے دن جنگ کی تھی (الحموی، **معجم البلدان**، 5/277)

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 3/234-235

5۔ الطبری، **جامع البیان**، 3/666

حکم منسوخ ہو گیا اور دوسری یہ تصریح جو کہ گزشتہ صفحات میں منقول ہے کہ صحابہ کرامؓ کو شک تھا کہ آج کون سا دن ہے رجب کا پہلا دن ہے یا جمادی الاخریٰ کا آخری تو اس میں صحیح بات یہی ہے کہ وہ رجب کا دن تھا تبھی اللہ تعالیٰ نے ﴿قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ﴾[1] کہ اس میں قتال گناہ ہے ارشاد فرمایا اس لئے یہی قرین صواب ہے کہ یہ وقوعہ رجب کے مہینے میں ہوا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے قافلہ اور قیدیوں پر قبضہ کر لیا سریہ عبداللہ بن جحشؓ وہ سریہ تھا جس میں پہلا مال غنیمت ملا تھا عمرو بن الحضرمی پہلا شخص تھا جسے مسلمانوں نے قتل کیا تھا عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان مسلمانوں کے پہلے قیدی تھے"[2]۔ یعنی یہ وہ دو لوگ تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاں قیدی بنے اس سے قبل کوئی شخص مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی نہ بنا تھا:

"ان میں حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ میں ہی رہے حتی کہ بیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہو گئے"[3]

سریہ عبداللہ بن جحشؓ پر بحث ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کے بیان کردہ موقف کے مطابق ان کتب سیرت میں بھی مرقوم و منقول ہے[4]۔ اس سریہ کا مقصد قریش کے متعلق خفیہ معلومات کا حصول بھی تھا تاکہ یہ جانا جائے کہ وہ اپنے علاقوں کی حفاظت کے متعلق کیسا نظام رکھتے ہیں۔

"Therefore, it was designed to gain intelligence information to see how the Quraysh deployed and protected caravans in areas where they did not expect contact from the Muslims." [5]

ترجمہ: اس لئے آپ ﷺ نے ایسا دستہ ترتیب دیا جس کا مقصد قریش کے متعلق یہ خبر حاصل کرنا تھا کہ وہ ان علاقوں میں اپنے دفاع کا کیا بندوبست رکھتے ہیں جن میں ان کو توقع ہے کہ مسلمان حملہ نہیں کریں گے۔

پیش کردہ تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو آپ ﷺ نے نخلہ کی جانب بھیجا اس کے اسباب یہ تھے تاکہ آپ قریش کے حالات سے باخبر رہیں اور دوسرا ان کو تجارت و معیشت کے معاملات میں خوفزدہ کر سکیں اور تیسرا یہ کہ آپ قریش کو خبردار کر سکیں کہ اب مسلمان اتنے طاقتور ہو چکے ہیں کہ وہ تقریباً تین سو میل کی مسافت طے کر کے مکہ شہر کے قریب تمہاری گھات لگا سکتے ہیں یہ سریہ سنہ 2 ہجری ماہ رجب میں ہوا عبداللہ بن

1۔ البقرۃ:217

2۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 1/507

3۔ الطبری، محمد بن جریر، **تاریخ الامم والملوک**، (بیروت: دار القلم، طند ارد)، 2/126

4۔ دیکھیے: ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص286-287/۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 3/17/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 2/739تا744/۔ ابن سید الناس، **عیون الاثر**، 1/359/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص273-274

5-Rodgers, Russ, **The Generalship of Muhammad**, (Florida: University Press 2012), Page,84

جحش آٹھ افراد کی معیت میں اس سریہ کیلئے روانہ ہوئے تھے آپ نے نخلۃ کے مقام پر عمرو بن الحضرمی اور اس کے ساتھ عبد اللہ بن عثمان، ان کے بھائی اور ہشام بن المغیرہ کے خلاف حکم بن کیسان کو جالیا جو طائف سے تجارتی سامان لے کر جارہے تھے واقد بن عبد اللہ نے تیر مارا جس سے عمرو بن الحضرمی مارا گیا اور نوفل بھاگ گیا عبد اللہ بن عثمان اور حکم بن کیسان کو ان کے سامان سمیت گرفتار کر لیا۔ ماہ حرام رجب میں اس کے واقع ہونے سے مشرکین مکہ کی جانب سے طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہو گیا آپ ﷺ نے مال غنیمت اور قیدیوں کے معاملہ میں توقف فرمایا پھر جب اللہ کی طرف ﴿وَبَعَثْنَا﴾ آیت نازل ہوئی تو آپ نے مال غنیمت اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا جنہیں بعد ازاں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور حکم بن کیسان مسلمان ہو کر مدینہ میں ہی قیام پذیر ہو گئے عمرو بن الحضرمی تاریخ اسلام کا پہلا مقتول، بمع یہ پہلا مال غنیمت اور یہ پہلے قیدی تھے اس سریہ نے گہرے اثرات مرتب کیے غزوہ بدر الکبریٰ اسی کا نتیجہ ہے جس پر آئندہ صفحات میں بحث کی جائے گی۔

مبحث چہارم: تحویل قبلہ کا حکم

حضور ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو جب آپ مدینہ تشریف لائے تو سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی بالآخر آپ کی منشاء اور مرضی کے موافق "ہجرت کے دوسرے سال ماہ رجب کے نصف میں صحیح قول کے مطابق تحویل قبلہ کا حکم ہوا"[1] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[2]

ترجمہ: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں لو اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔

اے حبیب ﷺ جو قبلہ آپ کو پسند ہے وہی ہی ہمیں بھی پسند ہے اور آپ کی خوشی کے لئے ہم کعبہ کو قبلہ مقرر فرما رہے ہیں ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

> "آپ ﷺ کی تین وجوہ کی بنا پر دلی تمنا تھی کہ بیت المقدس سے کعبہ قبلہ ہو جائے ایک یہود کا یہ قول تھا کہ آپ ﷺ ہمارے دین کی ہی اتباع کر رہے ہیں اور دوسرا ابن عباس کا قول ہے تاکہ حضرت ابراہیمؑ کے قبلہ سے شرف یاب ہوا جائے اور تیسرا اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا موثر ذریعہ ہو سکتا تھا کیوں کہ وہ اس سے محبت کرتے تھے"[3]

ابن عطیہ مزید نقل کرتے ہیں:

> "آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں ادا کی تھیں کہ تحویل قبلہ کا حکم ہوا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم نماز کی

1۔ العسقلانی، **فتح الباری**، 1/97

2۔ البقرۃ:144

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/221

حالت کے علاوہ اترا اور جو پہلی نماز کعبہ کی طرف رخ کرتے ہوئے ادا کی گئی وہ عصر کی نماز ہے"[1]

ابن عطیہ کی تحقیق کا اگر قاضی ابو السعود کی تفسیر سے تجزیہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آغاز میں آپ نے بھی کعبۃ اللہ کے قبلہ بنائے جانے کی حضور ﷺ کی تمنا کی وہی وجہ نقل کی ہیں جو ابن عطیہ نے بیان کی ہیں مزید بر آں آپ نے یہ روایت نقل کی ہے:

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کی مدینۃ المنور آمد ہوئی تو آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ انور کرتے ہوئے نماز ادا کی پھر کعبہ کی جانب آپ کا رخ انور پھیر دیا گیا[2]

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی روایت میں صحیح بخاری میں سولہ یا سترہ ماہ کے الفاظ ہیں جب کہ صحیح مسلم میں سولہ ماہ کے الفاظ ہیں۔ تحویل قبلہ کے حوالے سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اور بھی روایات منقول ہیں:

((عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ---الخ))[3]

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ ماہ رخ کرتے ہوئے نماز ادا کی پھر کعبہ کی طرف موڑ دیا گیا آپ ﷺ پسند کرتے تھے کہ کعبہ قبلہ ہو پس اللہ نے اس آیت کو نازل کیا۔

امام احمد نے بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ صُرِفَتْ الْقِبْلَةُ بَعْدُ))[4]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف سولہ ماہ منہ کر کے نماز ادا کی اس کے بعد قبلہ کا حکم تبدیل کر دیا گیا۔

اس روایت میں صرف سولہ ماہ کے الفاظ ہیں۔ ابن حجر العسقلانی سولہ یا سترہ ماہ ان دونوں میں تطبیق کی کوشش کرتے ہیں:

"ان دونوں روایات کو جمع کرنا آسان ہے کہ جس کو سولہ ماہ کا یقین تھا اس نے اگلے ماہ کا ذکر محض زائد کلام کے طور پر ذکر کیا اور جس کو سترہ ماہ پر اعتماد تھا اس نے دونوں کو اکٹھا بیان کر دیا"[5]

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 221

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 253/۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب التفسیر' باب سیقول السفهاء من الناس، ح4486/۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب المساجد' باب تحویل القبلۃ، ح525

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب الایمان' باب الصلوٰۃ من الایمان، ح40/۔ ایضاً، فی کتاب الصلوٰۃ' باب التوجہ نحو القبلۃ، ح399

4۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح2252، حدیث صحیح

5۔ العسقلانی، فتح الباری، 1/ 96

ابن حجر نے ان روایات میں بھی تطبیق پیدا کی ہے کہ کس نماز میں تحویل قبلہ کا حکم آیا تھا آپ فرماتے ہیں:

"تحقیق یہ ہے کہ پہلی نماز جسے آپ نے بنی سلمہ میں ادا کیا تھا وہ نماز ظہر تھی اور مسجد نبوی میں پہلی نماز عصر کی تھی اور پہلی نماز فجر قباء والوں نے ادا کی تھی "جو ابن عمر سے مروی حدیث میں ہے"[1]

اہل قبا شہر مدینہ سے باہر رہتے تھے اس لئے ان تک تحویل قبلہ کے حکم کی خبر دوسرے روز نماز فجر کو پہنچی اس لئے انہوں نے پہلی نماز جو تحویل قبلہ کے بعد ادا کی وہ نماز فجر تھی۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ سریہ عبد اللہ بن جحشؓ جو یکم رجب کو وقوع پذیر ہوا تھا اس کے کچھ عرصہ بعد ماہ رجب کے نصف کو تحویل قبلہ کا حکم ہوا خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہو جائے یہ آپ ﷺ کی شدید خواہش تھی اس کی ایک وجہ ہے کہ یہ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ تھا ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے اس ضمن میں جمہور کے موقف کے مطابق اپنی تحقیق پیش کی ہے۔

1۔ العسقلانی، **فتح الباری**، 1/ 97

فصل دوم: غزوات[1]: بدر، بنو قینقاع، احد اور حمراء الاسد

سریہ عبد اللہ بن جحش کے بعد قریش کو یہ اندازہ بخوبی ہو چکا تھا کہ اب ان کی شامی تجارت خطرے میں ہے تو ایسے پر خطر حالات میں بجائے صلح وصفائی اور امن و آتشی کے معاہدہ کے وہ محاذ آرائی پر اتر آئے اور ان کے اکابر نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مسلمانوں کو ان کے گھر کے قرب وجوار میں جاکر عبرت کا نشان بنادیں گے ان کے اس احمقانہ طیش نے ان کو میدان بدر میں لاکر کھڑا کر دیا اور جب ان کو میدان بدر میں رسوا کن ہزیمت وشکست سے دوچار ہونا پڑا تو جذبہ غیظ وغضب اور آتش انتقام سے بھڑک اٹھے اور یہ منصوبہ بندی کرنے لگے کہ کس طرح مسلمانوں سے بدلہ لیا جائے اس غرض سے ایک اور معرکہ کی تیاری شروع کر دی جو غزوہ احد کی صورت میں رونما ہوئی جس میں اگرچہ مسلمانوں کو قدرے نقصان کا سامنا کرنا پڑا مگر قریش بھی اس جنگ کے مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکے اس غزوہ کو ابھی ایک ہی دن ہوا تھا کہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش دوبارہ حملہ کرنا چاہتے ہیں اس پر آپ ﷺ نے صحابہ کو پھر سے جنگ کے لئے تیاری کا حکم دیا اور یہ قید لگائی کہ وہی شریک ہوں گے جو کل غزوہ احد میں شریک تھے اس غرض سے آپ اپنی جماعت صحابہ کے ساتھ حمراء الاسد میں اترے بعد ازاں علم ہوا کہ قریش واپس مکہ جاچکے ہیں آئندہ صفحات میں مذکورہ امور پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

مبحث اول: غزوہ بدر[2] اسباب اور واقعات

سریہ عبد اللہ بن جحشؓ کے بعد ماہ شعبان 2ھ میں مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کا حکم ہوا اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾[3]

ترجمہ: اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور ان پر بھی زیادتی نہ کرنا بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔

اس آیت میں ان مقہوروں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت مرحمت کی جارہی ہے جو عرصہ

1۔ الغزو دشمن سے لڑنے کے لئے جانے کو کہتے ہیں اور محدثین اور سیرت نگاروں کے نزدیک ہر وہ لشکر جس میں آپ ﷺ بنفس نفیس قیادت کر رہے ہوں غزوہ کہلاتا ہے (الافریقی، **لسان العرب**، 36/ 3253/۔ العازمی، **اللؤلؤ المکنون**، 2/ 288)

2۔ اسے بدر العظمیٰ، بدر القتال اور یوم الفرقان بھی کہا جاتا ہے بدر ایک کنوئیں کا نام تھا جس کا پانی بہت صاف تھا جس میں چاند کو دیکھا جا سکتا تھا اس لئے اسے بدر کا نام دیا گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس آدمی نے یہ کنواں کھودا تھا اس کا نام بدر بن الغازین تھا اور ابو السعود نے بدر بن کارۃ لکھا ہے (ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/ 31/۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/ 112/۔ العازمی، **اللؤلؤ المکنون**، 2/ 331) ”آج کل یہ بہت بڑا گاؤں ہے کئی سو پختہ مکان پتھر کے بنے ہوئے ہیں“ (حمید اللہ، **عہد نبوی کے میدان جنگ**، (لاہور۔ کراچی: ادارہ اسلامیات 1982ء)، ص 29)

3۔ البقرۃ: 190

ہائے دراز سے ظلم وزیادتی سہتے رہے اور تسلیم ورضا کے پیکر بنے رہے۔ جہاد کی اجازت دیتے وقت یہ قید بھی لگائی کہ وہ "فی سبیل اللہ" ہونا چاہیے اور "ولا تعتدوا" تمہاری طرف سے کسی بھی قسم کی زیادتی وعدوان نہیں ہونا چاہیے۔ ابن عطیہ تحریر پرداز ہیں:

"وقوله تعالیٰ: ﴿وقاتلو فی سبیل اللہ﴾ الآیة ٔ ھی أول آیة نزلت فی الامربالقتال"[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور لڑو اللہ کی راہ میں یہ پہلی آیت ہے جس میں قتال کا حکم دیا گیا ہے۔

قاضی ابو السعود کی بھی یہی تحقیق ہے آپ فرماتے ہیں:

"اس سے قبل مشرکین سے قتال کا حکم نہیں تھا اور یہ بھی کہا گیا کہ تم ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں یا توقع ہے کہ لڑیں گے ان کے علاوہ بزرگوں، بچوں، راہبوں اور عورتوں سے لڑنا جائز نہیں ہے"[2] "امام آلوسی نے قاضی ابو السعود کی ہی عبارت کو نقل کیا ہے"[3]

گویا اس آیت کے نزول سے قبل جو سرایا و غزوات ہوئے تھے ان میں قتال اور لڑائی کا ارادہ نہیں ہوتا تھا ان کا مقصد قریش کو معاشی ناکہ بندی کا احساس دلانا اور یہ تاثر دینا کہ مسلمان اب مکہ کی کسمپرسی جیسی زندگی نہیں گزار رہے وہ اپنا دفاع کر سکتے ہیں اور قریش کے حالات سے باخبر ہیں اور اگر کسی موقع پر لڑائی ہوئی جیسے سریہ عبد اللہ بن جحشؓ میں ہوا اور عمرو بن الحضرمی مارا گیا یہ محض اتفاقی، حادثاتی اور غیر ارادی نوعیت کی تھی یہی وجہ ہے کہ سریہ عبد اللہ بن جحشؓ کے موقع پر جو ہوا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "کہ میں نے تمہیں لڑنے کا حکم تو نہیں دیا تھا"[4]

قتال کی اجازت کے بعد پہلا معرکہ غزوہ بدر ہوا جسے سیرت نگاروں نے "غزوہ الکبریٰ اَوا لعظمٰی[5] کے نام سے موسوم فرمایا ہے اور یہ حقیقت میں اسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ بھی تھا حتی کہ جس دن یہ وقوع پذیر ہوا وہ دن تاریخی اہمیت کا حامل ہوا اور اس دن کو ﴿یوم الفرقان﴾[6] کے لقب سے ملقب فرمایا گیا۔

1۔ غزوہ بدر کے اسباب

غزوہ بدر کے اسباب میں پہلا سبب یہ تھا کہ قریش کا ایک قافلہ تجارت کی غرض سے شام جا رہا تھا جس کا تعاقب کیا گیا مگر وہ بچ نکلا تھا اور ان کے تعاقب میں آپ ﷺ ڈیڑھ یا دو سو مہاجرین کے ہمراہ جمادی الاولیٰ و

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/262

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/292

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 3/162

4۔ ابن کثیر، **السیرة النبویة**، 2/740

5۔ ابن ہشام، **السیرة النبویة**، ص289/۔ ابن کثیر، **السیرة النبویة**، 2/751/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص279

6۔ ﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ (الانفال:41)﴾ "یوم بدر سمی بہ لفرقہ بین الحق والباطل" ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/109

جمادی الاخریٰ 2ھ نومبر، دسمبر 623ء کو "ذوالعشیرہ[1]" کے مقام تک جا پہنچے تھے اور یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ مکے سے چل چکا ہے اور اس قافلے میں قریش کا خاصا مال تھا لیکن آپ کے پہنچنے سے کئی دن قبل ہی یہ قافلہ جا چکا تھا یہ وہی قافلہ ہے جسے شام سے واپسی پر نبی ﷺ نے گرفتار کرنا چاہا تو بچ نکلا لیکن جنگ بدر پیش آگئی۔[2]

دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش کو یہ بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ ان کی تجارت کا راستہ اب محفوظ نہیں ہے اور دوسرا مسلمان روز بروز طاقتور ہو رہے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کا قلع قمع کیا جائے یہی وجہ ہے کہ مکہ میں موجود مہاجرین کی جائیدادوں کو فروخت کرتے ہوئے اس کا سرمایہ تجارت میں لگا دیا تھا تاکہ بھرپور انداز میں مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی جا سکے اس لئے بہانہ مل گیا تھا مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا لیکن خود اپنے ہی دام فریب میں پھنس کر انجام بد سے دوچار ہوئے۔ قریش کے قافلہ کا شام سے واپسی کا اشارہ اس آیت میں ملتا ہے جو جنگ بدر کا سبب بنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ﴾[3]

ترجمہ: اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتا گروہ تمہارے حصہ میں آئے۔

اس آیت میں دو گروہوں سے مراد ایک تو اہل مکہ کا تجارتی قافلہ ہے "جس میں ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار دو سو ساڑھے باسٹھ کیلو سونے کا ساز و سامان بار کیا ہوا تھا۔[4] اور دوسرا مسلح و منظم گروہ جو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی غرض سے مدینہ کی جانب چلا آرہا تھا۔ ابن عطیہ نے اس آیت کے تناظر میں ابن ہشام کا حوالہ دیتے ہوئے اس قافلہ پر روشنی ڈالی ہے آپ نقل کرتے ہیں:

"فی هذه الآية قصص حسن أنا أختصره اذهو مستوعب فی کتاب سيرة رسول الله ﷺ لابن هشام و اختصاره أن رسول الله ﷺ لما بلغه و قيل أوحى اليه أن ابا سفيان بن حرب قدأقبل من الشام العير التی فيها تجارة قريش"[5]

ترجمہ: اس آیت میں ایک عمدہ قصہ بیان ہوا ہے جسے میں مختصراً بیان کروں گا اور وہ جامع انداز میں ابن ہشام کی سیرت کی کتاب میں موجود ہے اس کا اختصار یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پہنچی۔ یہ بھی قول ہے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی کہ ابوسفیان بن

1۔ع کی پیش اور ش کی زبر کے ساتھ "العشیرہ" اسے العسیرہ بھی کہا گیا ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان "ینبوع" کے اطراف میں ایک جگہ کا نام ہے (الحموی، **معجم البلدان**،4/127)

2۔ابن ہشام، **السيرة النبوية**، ص285/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص272

3۔الانفال:7

4۔مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص279

5۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/503/۔ ابن ہشام، **السيرة النبوية**، ص289

حرب شام سے ایک قافلہ لے کر واپس آرہا ہے جس میں قریش کی تجارت اور ان کا مال ہے۔

قاضی ابو السعود نے اس مقام پر اشارۃ کلام کیا ہے واقعہ کا سبب یا پس منظر کو ذکر نہیں کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

''وغیر ذات الشوکة هی العیر اذیکن فیها الاربعون فارساً ورأسهم ابو سفیان''[1]

ترجمہ: غیر مسلح قافلہ وہ تھا جس میں چالیس شہسوار تھے اور ان کی قیادت ابوسفیان بن حرب کر رہے تھے۔

یہ وہی قافلہ تھا جو شام سے تجارتی سامان لے کر جا رہا تھا۔ ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی اس آیت کے ضمن میں ابوسفیان کے قافلہ کو ذکر کیا ہے جو شام سے تجارتی سامان لے کر آرہا تھا ابن کثیر نے ان کے سامان کی مقدار اور کیفیت پر یہ جملہ لکھا ہے:

''فیها اموال جزیلة لقریش''[2] ترجمہ: اس میں قریش کا کثیر مال تھا۔

اس قافلہ کے تعاقب نے غزوہ بدر کے وقوع میں سرعت دکھائی ورنہ محض یہی سبب نہیں تھا بلکہ کفار مکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہونے کے ساتھ ہی ایسے منصوبے بنانا شروع ہو گئے تھے کہ کس طرح مدینہ پر حملہ آور ہوا جائے اسی وجہ سے اس تجارتی قافلہ میں جنگ کی مناسبت سے بھی مال بطور سرمایہ لگایا گیا تھا حتی خواتین نے بھی اس مہم میں بھرپور شرکت کی شبلی نعمانی رقم طراز ہیں:

''نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبار تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں، ان کا بھی ایک ایک فرد اس مہم میں شریک تھا قافلہ ابھی شام سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آگیا، جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا''[3]

ان واقعات نے غزوہ بدر کے وقوع کو حتمی مرحلے میں داخل کر دیا اور اس سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام معاملات دس پندرہ دنوں میں نہیں ہوئے تھے قریش کے تجارتی قافلہ کے جمادی الاولی سے شام تجارت کے لئے جانے سے لے کر واپس رمضان تک تقریبا تین ماہ کا عرصہ بنتا ہے شام جاتے وقت ہی ابوسفیان نے ضمضم غفاری کو مکہ بھیج دیا تاکہ وہ اہل مکہ کو تعاقب کی اطلاع دے سکے ضمضم غفاری نے کمال مہارت سے یہ کام کرتے ہوئے کفار مکہ کو حملے کے لئے تیار کر دیا جس پر وہ جنگی تیاری کے ساتھ مدینہ طیبہ کی جانب روانہ وہ جاتے ہیں اور جب تجارتی قافلہ کو واپسی کے موقع پر آپ ﷺ نے انھیں گرفتار کرنا چاہا تو اس وقت بھی یہ بچ نکلا مگر اس اثناء میں ابو جہل کی قیادت میں جنگی لشکر حملہ کرنے کے لئے آوارد ہوتا ہے تو اس وقت آپ ﷺ صحابہ کرام کو سامان تجارت والے قافلہ کے بجائے سامان آلات حرب والے قافلہ سے برسرپیکار ہونے کی اطلاع دیتے ہیں۔

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/88

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/14 / ۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 3/234

3۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، 1/205

2۔ غزوہ بدر کے واقعات

غزوہ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ "قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں انتالیس آیات ہیں جن میں غزوہ بدر کا تذکرہ ملتا ہے سب سے زیادہ ذکر سورۃ الانفال میں ہے تینتیس آیات میں اس کا ذکر ہے [1]

"ولاخلاف في هذه السورة أنها نزلت في يوم بدر و أمرغنائمه"[2]

ترجمہ: اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ سورۃ بدر والے دن اور مال غنیمت سے متعلق امور کے حوالے سے نازل ہوئی ہے۔

یہ واقعہ بروز جمعہ 17 رمضان 2ھ کو ہوا اور آپ اس مہینے رمضان کی 8 یا 12 تاریخ کو مدینے سے روانہ ہوئے تھے[3]۔

"It was the month of Ramadan,2 A.H" [4]

آپ ﷺ کو جب اطلاع ملتی ہے کہ قریش کا قافلہ مال و دولت کے انبار لے کر مکہ کی جانب عازم سفر ہے اور وہ مال قریش کے لئے سیاسی، معاشی اور دفاعی اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس لئے آپ نے مسلمانوں میں اعلان فرمایا:

"کہ قریش کا قافلہ مال لے کر آرہا ہے اس کے لئے نکل پڑو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بطور غنیمت تمہارے سپرد کر دے"[5]

قاضی ابوالسعود نے اس روایت کو نقل نہیں کیا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جانے کے لئے ان کی رضا اور رغبت پر موقوف رکھا کسی کے جانے کو ضروری قرار نہیں دیا کیوں کہ اس میں یہ حتمی نہ تھا کہ قریش کے تجارتی قافلہ کے برعکس قریش کے لشکر سے سابقہ و واسطہ پڑ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ میں شامل نہ ہونے والوں کی سرزنش نہیں کی گئی جیسے کعب بن مالک فرماتے ہیں:

> میں غزوہ بدر میں شامل نہ ہو سکا تھا اور جو کوئی بھی اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکا اس کی تادیب نہیں کی گئی کیوں کہ آپ ﷺ قریش کے تجارتی قافلہ کے تعاقب میں گئے تھے[6]

اسی وجہ سے بہت سے صحابہ کرام مدینۃ المنورہ میں ہی رہ گئے تھے ان کا خیال تھا کہ آپ کی یہ مہم گزشتہ مہمات جیسی ہی ہے جس کے لئے زیادہ مردان کار کی ضرورت نہیں ہے اور کسی باضابطہ شدید لڑائی کی بھی توقع نہیں ہے۔

1۔ آل عمران: 13، 123 تا 128 /۔ الانفال: 1 تا 14، 36 تا 44، 47، 51، 67 تا 71 /۔ الحج: 19 /۔ القمر: 45

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/ 496 /۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "نزلت فی بدر" البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب التفسیر' باب سورۃ الانفال، ح 4645

3۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 292 /۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 290

4 -Khanam, Farida, **Life and Teachings of the Prophet Muhammad(ﷺ)**, Page,44

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/ 503 /۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 289

6۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی' باب غزوۃ تبوک، ح 4418 /۔ مسلم،، **الجامع الصحیح** کتاب التوبۃ' باب حدیث توبۃ کعب بن مالک، ح 2769

3۔ مسلمان لشکر کی روانگی اور پیش آمدہ صورتحال

آپ ﷺ نے جب عازم سفر ہونے کا اعلان فرمایا تو یہ بات کچھ لوگوں کو ناگواری کا بھی باعث بنی کہ یہ کس طرح ہو گا اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بے شک اہل ایمان کا ایک گروہ اس کو ناپسند کرنے والا تھا۔

کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ تیاری کے بغیر اگرچہ ایک طبقہ کو شاق گزر رہا تھا لیکن آپ ﷺ نے ان کے انقباض طبع کو خاطر میں نہ لایا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل کی جس کا نتیجہ ایک عظیم فتح کی صورت میں رونما ہوا ابن عطیہ نے اس تناظر میں جامع انداز میں وہ واقعہ نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

جب آپ ﷺ نے لشکر کے تعاقب کا اعلان فرمایا تو یہ چیز ایک طبقہ کو ناپسند گزری مگر آپ ﷺ ان کی پرواہ کیے بغیر چل پڑے آپ کے ساتھ مہاجرین و انصار میں سے تین سو تیرہ صحابہؓ تھے بعض کا یہ گمان تھا کہ آپ جنگ نہیں کریں گے کیوں کہ آپ تعداد میں کم تھے اور ابوسفیان بھی اس دوران مسلمانوں کے تعاقب کو محسوس کر لیتا ہے جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے تو ضمضم بن عمرو الغفاری کو مکہ بھیجتا ہے تاکہ انہیں آگاہ کرے تو اہل مکہ یہ خبر سن کر ہزار کا لشکر جرار لے کر نکلے جب آپ ﷺ کو ان کے خروج کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کو بتایا تو وہ یہ چاہتے تھے کہ تجارتی قافلے کا تعاقب کیا جائے ان کے ساتھ قتال نہ کیا جائے جب ابوسفیان کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہو جاتی ہے تو وہ معروف راستہ چھوڑ کر ساحل سمندر کے راستے سے بحفاظت مکہ روانہ ہو جاتا ہے جب اس بات کا علم اہل مکہ کے لشکر کو ہوتا ہے تو بعض کفار واپسی کا مشورہ دیتے ہیں لیکن ابوجہل ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حملہ کرنے پر اصرار کرتا ہے جب اس کی خبر مسلمانوں کو ہوتی ہے ابوجہل بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہو رہا ہے تو بعض مومنین نے کہا کہ ہم قتال کے لئے نہیں آئے تھے اور نہ ہی اس کے لئے تیار ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو وادی ذفران[2] میں جمع کیا اور فرمایا کہ اے لوگو! اس امر پر مشورہ دو تو حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور بڑے اچھے انداز میں فرمایا کہ دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے آپ ﷺ نے اپنی بات کو پھر دہرایا تو حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر حضرت ابوبکرؓ

1۔ الانفال:5

2۔ وادی ذفران: ذال کی فتحہ اور فا کے کسرہ کے ساتھ یہ اس وادی کا نام ہے جو صفراء کے قریب واقع ہے اور صفراء دو پہاڑوں کے مابین ایک قریہ ہے جس کو آپ ﷺ نے غزوہ بدر کیلئے جاتے وقت بائیں جانب رکھا تھا اور اس کے دائیں جانب جس وادی میں چلے تھے اس کو ذفران کہتے ہیں (الحموی، **معجم البلدان**، 3/6)

جیسی بات کی لیکن آپ ﷺ پھر مشورہ طلب فرمایا تو مقداد بن اسود[1] الکندی کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے اے اللہ کے رسول ﷺ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جائیں اور قتال کریں ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے اور اللہ کی قسم اگر آپ کا ارادہ برک الغماد[2] تک جانے کا ہے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ ﷺ نے پھر فرمایا اے لوگو! اس امر پر مشورہ دو تو اس وقت سعد بن معاذ[3] اور یہ بھی قول ہے سعد بن عبادہ[4] کھڑے ہوئے اس کی تطبیق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس دن دونوں نے کلام کیا ہو تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کی مراد انصار کا گروہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہی ہے تو اس پر انہوں نے کہا کہ بے شک ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی پیروی کی پس جو اللہ کا حکم ہے اس پر عمل کریں۔ پس اللہ کی قسم اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں گے تو ہم یہ بھی کر گزریں گے یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پس اللہ کی برکت سے چلو پس میں کافروں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں پس ان کا مقابلہ ہوا یہ واقعہ بدر تھا۔[5]

ابن عطیہ کی مذکورہ روایت کا اگر تفسیر ابی السعود سے تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قاضی ابو السعود نے بھی نقل کیا ہے مگر اس میں کچھ امور کا اضافہ فرمایا ہے

جیسے ابو جہل نے کعبہ اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر پکارا کہ اے اہل مکہ ہر مشکل اور رسوائی سے اپنے آپ کو بچاؤ اگر تمہارے مال اور قافلے کو محمد ﷺ اور ان کے اصحاب نے لوٹ لیا تو تم اس کے بعد کبھی کامیاب نہ ہو گے تو اس وقت حضرت عباس بن عبد المطلب کی ہمشیرہ حضرت عاتکہ نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا اس نے پہاڑ میں سے ایک چٹان کو لیا اس کے ٹکڑے کئے پس مکہ کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں اس چٹان کا ٹکڑا نہ گرا ہو حضرت عباس ؓ نے یہ خواب ابو جہل کو سنایا تو اس نے طنزاً کہا کہ آپ اپنے مردوں کی نبوت کے دعوی سے راضی

1۔ المقداد بن الاسود (590ء-652ء): الاسود بن عبد یغوث کی طرف آپ کو منسوب کیا گیا ہے صحیح یہ ہے کہ بھرا کی وجہ سے بہراوی آپ کو کہا جاتا ہے آپ کا شمار آپ ﷺ کے کبار اور عظیم صحابہ میں ہوتا ہے ستر سال کی عمر میں تینتیس ہجری کو وصال فرمایا (ابن البر، یوسف بن عبد اللہ، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، تحقیق: علی محمد، بیروت: دار الجبل، الطبعۃ الاولیٰ، 1412ھ)، 4/1480، 1481، 1482

2۔ برک الغماد: با کے کسرہ کے ساتھ مشہور قول کے مطابق شہر مکہ کی پشت پر پانچ راتوں کی مسافت پر وہ مقام ہے جو سمندر کے ساتھ واقع ہے (الحموی، **معجم البلدان**، 1/399)

3۔ سعد بن معاذ بن النعمان بن الخزرج (590ء-627ء) وہ صحابی ہیں جنہوں نے عقبہ اولی و ثانیہ میں مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بدر، احد اور خندق کے غزوات میں شریک ہوئے خندق میں تیر لگنے سے زخمی ہوئے اور ایک ماہ زندہ رہنے کے بعد وصال فرما گئے (ابن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، تحقیق: علی محمد، بیروت: دار الجبل، الطبعۃ الاولیٰ، 1412ھ، 2/602)

4۔ سعد بن عبادہ بن دلیم (متوفی 635ء) آپ کو ابن ابی خزیمہ بھی کہا جاتا ہے۔ عقبہ پر اسلام قبول کیا اور نقیب مقرر ہوئے انصار کے سردار تھے (ابن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، 2/595)

5۔ دیکھیے: ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/503

نہ تھے کہ اب عورتیں بھی دعویٰ کرنے لگی ہیں پس ابو جہل اہل مکہ کا لشکر لے کر نکلا تو اسے کہا گیا کہ قافلہ ساحل سمندر کے راستے سے بچ نکلا ہے تو لوگوں کو مکہ کی طرف واپس چلے جانا چاہیے تو اس نے کہا لات کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا حتی کہ ہم اونٹوں کو ذبح کرینگے شراب پئیں گے اور ہماری باندیاں آلات موسیقی کے ساتھ گانا گائیں گی اور تمام قبائل عرب ہمارے خروج کی خبر سن لیں گے اور حضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اگرچہ قافلہ کو نہیں لوٹا لیکن وہ میدان بدر میں آچکے ہیں اور میدان بدر میں تمام قبائل عرب سال میں ایک بار بازار لگاتے تھے ادھر حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا اے محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ نے [آپ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے [1]] تجارتی قافلہ یا لشکر قریش[2]۔

باقی واقعہ گزشتہ روایت کے مطابق ہی نقل کیا ہے[3]۔ ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کی نقل کردہ روایت کا جزوی حصہ صحیح مسلم اور سنن اَبی داوٗد میں بھی مروی ہے[4] باقی اس واقعہ کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بھی نقل کیا ہے[5]۔ ابن کثیر نے بھی اس واقعہ کو نقل فرمایا اور اس پر کسی قسم کا حکم بھی نہیں لگایا ہے[6]۔

مذکورہ بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ لشکر کی روانگی اور اس کے بعد پیش آنے والی صورتحال پر جس طرح کی روایت ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے نقل کی ہیں ویسی روایات کو دیگر ائمہ نے بھی پیش فرمایا ہے جس سے اس کی استنادی حیثیت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

4۔ مسلمان لشکر کی تعداد

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ مسلمان لشکر جو عازم سفر ہوا اس کی تعداد تین سو تیرہ تھی جیسا کہ ابن عطیہ نے بھی تحریر فرمایا ہے اور قاضی ابو السعود نے صحیح مسلم کے حوالے سے روایت نقل کی ہے جس کے مطابق تین سو دس سے کچھ زائد تعداد تھی۔

> "حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مشرکین کی جانب دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور اپنے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ تین سو دس سے کچھ زائد تھے تو آپ قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے اپنے دست مبارک پھیلا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اے اللہ تو نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اسے پورا فرما اے اللہ اگر یہ گروہ

1۔ الانفال:7

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/86

3۔ دیکھیے: ایضاً، ص86، 87

4۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوہ بدر، ح1779/۔ ابو داوٗد، **السنن**، کتاب الجہاد، باب فی الاسیر، اسنادہ صحیح، ح2681

5۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 3/28 تا 34

6۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/17

ہلاک ہو گیا تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی"[1]

آپ ﷺ نے یہ دعا حضرات صحابہ کرام کی جنگ میں صف بندی کے بعد کی تھی کہ اے اللہ جو جماعت میسر تھی اسے جنگ کے لئے پیش کر دیا ہے مدد فرما امام بخاری نے بھی یہ تعداد نقل کی ہے:

((عَنْ الْبَرَاءِ، قَالَ: "كُنَّا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَحَدَّثُ أَنَّعِدَّةَ أَصْحَابِ بَدْرٍ عَلَى عِدَّةِ أَصْحَابِ طَالُوتَ الَّذِينَ جَاوَزُوا مَعَهُ النَّهَرَ , وَلَمْ يُجَاوِزْ مَعَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ بِضْعَةَ عَشَرَ وَثَلَاثَ مِائَةٍ))[2]

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب بدر کو اصحاب طالوت جنہوں نے نہر کو عبور کیا تھا کی طرح تین سو دس سے کچھ زائد شمار کرتے تھے۔ اور آپ کے ساتھ اس نہر کو صرف اس نے عبور کیا تھا جو کہ مؤمن تھا۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ تعداد تین سو انیس مروی ہے حضرت عمرؓ سے مروی ہے:

((لَمَّا كانَ يَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ إلى المُشْرِكِينَ وَهُمْ أَلْفٌ، وَأَصْحَابُهُ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَتِسْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا))[3]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ جب غزوہ بدر کا دن تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور جب اپنے اصحاب کو دیکھا تو ان کی تعداد تین سو انیس تھی۔

صحیح مسلم کی اس روایت میں بخاری کی روایت "بضعة عشر" کی تفسیر ہو جاتی ہے کیوں کہ "بِضع"[4] کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے اور دس سے آگے نو انیس ہے اور اس طرح صحیح مسلم میں ہے کہ وہ "تسعه عشر" انیس تھے۔ گویا صحیحین کی روشنی میں اصحاب بدر کی تعداد تین سو انیس ہے اور تین سو تیرہ کے متعلق ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"وهذا هو المشهور عن ابن اسحٰق و جماعة من أهل المغازى"[5]

ترجمہ: یہ تعداد ابن اسحٰق اور اہل مغازی کی ایک جماعت کے نزدیک مشہور ہے۔

ابن حجر العسقلانی نے ابن اسحٰق کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا کہ تین سو تیرہ کی تعداد ابن اسحٰق اور اہل مغازی کے ہاں مشہور ہے جبکہ "ابن اسحٰق" نے تین سو چودہ تعداد لکھی ہے"[6] ابن سعد اور ابن سید الناس نے تین سو پانچ

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/89/۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب الجهاد والسیر' باب الامداد بالملائکة، ح 1763

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی' باب عدة اصحاب بدر، ح 3958

3۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب الجهاد والسیر' باب الامداد بالملائکة، ح 1763

4۔ بضع، تین سے لے کر نو تک کو بضع کہا جاتا ہے (الافریقی، **لسان العرب**، 5/298)

5۔ العسقلانی، **فتح الباری**، 7/291

6۔ ابن اسحٰق، **السیرۃ النبویۃ**، 1/317

لکھی ہے [1]۔ امام بیہقی نے دیگر روایات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ "اپنی سند کے ساتھ تین سو تیرہ تعداد بھی نقل کی ہے"[2]۔ ابن کثیر نے بخاری کے حوالے سے روایت نقل کی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مرقوم ہے علاوہ ازیں احمد بن حنبل کے حوالے سے بھی روایت نقل کی "كان أهل بدر ثلاثمائة و ثلاثة عشر "یعنی اہل بدر تعداد میں تین سو تیرہ تھے"[3]

اکرم ضیاء العمری لکھتے ہیں:

"وقد خرج المسلمون الى بدروهم ثلثمائة و تسعة عشر رجلاً فقط"[4]

ترجمہ: بلاشبہ جو مسلمان میدان بدر کی طرف نکلے تھے ان کی تعداد تین سو انیس ہے۔

المختصر صحیحین کی روایات کے پیش نظر تین سو انیس کا قول قرین صواب نظر آتا ہے۔

5۔ باران رحمت کا نزول اور معرکہ بدر

میدان بدر میں کفار نے پہلے پہنچ کر موزوں جگہ پر خیمے نصب کر لئے تھے اور پانی پر بھی قبضہ کر لیا تھا مسلمانوں نے چاروناچار ریت کے ٹیلوں پر ہی خیمے لگا لئے یہ چیز مسلمانوں کے لئے باعث تکلیف تھی تب اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا ایک پر سکون نیند عطا کی اور دوسرا رحمت کی برسات کو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَالشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾[5]

ترجمہ: یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے تاکہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کر دے تمہیں اس سے اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے تمہارے قدموں کو۔

پر سکون نیند کا فائدہ یہ ہوا کہ صبح مسلمان ہشاش بشاش تھے تھکن اور افسردگی کے آثار کافور ہو چکے تھے اور کفار کا رعب بھی دلوں سے مٹ چکا تھا بارش کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ریت جم گئی جس سے مسلمانوں کا چلنا پھرنا آسان ہو گیا اور کفار کی قیام گاہیں کیچڑ ہی کیچڑ کا مسکن بن گئیں ابن عطیہ اس بابت تحریر کرتے ہیں:

"امام طبری حضرت ابن عباس وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ کفار نے بدر کے دن مسلمانوں سے سبقت اختیار کرتے ہوئے پانی کے قریب پڑاؤ ڈال لیا اور باقی مومنین کو پانی تک رسائی نہ رہی جس سے وہ متعجب و متحیر تھے بعض کا قول ہے

1۔ ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، 2/11، ابن سید الناس، **عیون الاثر**، 1/383

2۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 3/40

3۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 2/769

4۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/769

5۔ الانفال: 11

کہ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ اندازی کی کہ تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم اللہ کے اولیاء ہیں اور ہم میں اللہ کا رسول ﷺ ہے اور حالت یہ ہے کہ پانی تک دستیاب نہیں ہے جب کہ مشرکین کے پاس پانی ہے پس اس وقت اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کی رات سترہ رمضان کو بارش نازل فرمائی جہاں تک وادیاں بہہ پڑیں مسلمانوں نے پانی پیا اور طہارت حاصل کی وہ جگہ ریتلی تھی اور ریت کی وجہ سے ان کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے اب ریت پر ان کے قدم جم گئے"[1]

ابن عطیہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد ابن اسحٰق سے مروی روایت کو نقل کرتے ہیں اور یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے:

"والصحیح من القول وھو الذی فی سیرۃ ابن اسحٰق وغیرھا أن المؤمنین سبقوا الی الماء ببدر---- الحدیث المستوعب فی السیرۃ"[2]

ترجمہ: صحیح قول وہ ہے جسے ابن اسحٰق اور اوروں نے بیان کیا ہے کہ مؤمنین نے پہلے پانی کی جگہ پر پڑاؤ کر لیا تھا جس پر مفصل حدیث سیرت کی کتب میں ہے۔

قاضی ابو السعود نے اس مقام پر وہی روایت بیان کی ہے جسے ابن عطیہ نے بھی نقل کیا ہے[3] لیکن ایک دوسری روایت جسے نقل کرنے کے بعد اسے صحیح کا قول کہا ہے قاضی ابو السعود نے اس کو زیر بحث نہیں لایا ہے اور اس روایت کو امام بیہقی نے بھی نقل کیا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی جس سے ریت بیٹھ گئی اور اس پر چلنا آسان ہو گیا اور جس جانب کفار تھے وہاں سخت کیچڑ ہو گئی جس پر چلنا ان کے لئے مشکل ہو گیا آپ ﷺ جلدی سے کفار پر سبقت کرتے ہوئے پانی کے کنوئیں پر پہنچ گئے اس پر حباب بن المنذرؓ نے مشورہ دیا کہ مقام کو تبدیل کرتے ہوئے اس جگہ پر پڑاؤ کیجیے جس سے بدر کے تمام کنوئیں ہمارے پشت پر ہوں اور ایک کنوئیں کے سوا باقی تمام کنوئیں بند کر دیئے جائیں آپ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا"[4]

غزوہ کی رات کو مسلمانوں پر غنودگی کا طاری ہونا اور بارش کا برسنا یہ اللہ کی طرف سے تائید اور نصرت کا مژدہ تھا جس نے مسلمانوں کی بے چینی کو بے خوفی میں بدل دیا تھا اور اس بنیاد پر صبح کے وقت انتہائی ہشاش بشاش میدان کارزار میں اترے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے میدان بدر میں لشکر اسلام اور لشکر کفار کے پڑاؤ کی منظر کشی اللہ نے اس آیت میں کی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/506 /۔ الطبری، **جامع البیان**، 9/261

2۔ ایضاً، ص 507 /۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 297

3۔ دیکھیے: ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/91

4۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 3/35

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾[1]

ترجمہ: جب تم وادی کے نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ لشکر کفار دور والے کنارہ پر تھا اور تجارتی قافلہ نیچے کی طرف تھا تم سے۔

''بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا'' سے مراد وادی بدر کی وہ جانب تھی جو مدینہ منورہ سے قریب تر تھی اور ''بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى'' سے مراد وہ سمت ہے جو شہر مدینہ سے دور تھی ابن عطیہ لکھتے ہیں:

''الدنیا اور القصویٰ کا ذکر شہر مدینہ سے دور اور نزدیک کی اضافت سے ہے۔۔۔ اور ابن عباس کا قول ہے ''بدر بین مکۃ والمدینۃ'' بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان کا مقام ہے''[2]

شہر مدینۃ الرسول ﷺ کی نسبت سے میدان بدر کو قریب اور بعید قرار دیا گیا ہے۔

6۔ لشکر کفار کی تعداد کا کم دکھائی دینا

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خواب میں کفار کی تعداد کم دکھائی تو آپ نے مسلمانوں کو یہ خبر دی کہ کفار تعداد میں کم ہیں تو ان کے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا وَّلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ﴾[3]

ترجمہ: جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکر کفار خواب میں قلیل اور اگر دکھایا ہوتا آپ کو لشکر کفار کثیر تعداد میں تو ضرور تم لوگ ہمت ہار دیتے۔

خواب میں قلیل دکھانے کا مفہوم یہ ہے کہ بظاہر ان کی تعداد جو بھی ہو مگر عملاً وہ قلیل اور کمزور لوگوں جیسا کردار ادا کریں گے ابن عطیہ لکھتے ہیں:

''یہ آیت اس خواب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو آپ ﷺ نے دیکھا تھا کہ کفار کی تعداد کم ہے اور آپ نے یہ خبر اپنے اصحاب کو دی جس سے ان کو تقویت کا احساس ہوا''[4]

آپ مزید تحریر پرداز ہیں: ''وقال لأصحابه أبشروا فلقد نظرت الى مصارع القوم''[5]

ترجمہ: اور آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو فرمایا کہ خوش ہو جاؤ میں نے ان کی قتل گاہوں کو بھی دیکھ لیا ہے۔

تعداد کم دکھائی دینے کی حقیقت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں:

1۔ الانفال:42

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/532

3۔ الانفال:43

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/534

5۔ ایضاً؛ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیں وہ مقامات دکھائے تھے جہاں کافروں کے سر گرنے تھے آپ فرماتے تھے کہ یہ فلان کی قتل گاہ ہے یہ فلاں کی قتل گاہ ہے اور اللہ کی قسم جو حضور نے نشاندہی کی تھی ان میں سے ذرہ بھر بھی کوئی ادھر ادھر نہ گرا، (مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنۃ، باب عرض مقعد المیت، ح2873)

”والظاهر أنه راهم فی نومه قليلا قدرهم و حالهم و بأسهم مهزومين مصروعين“[1]

ترجمہ: ظاہر بات یہی ہے کہ آپ نے انہیں خواب میں کم اس معنی میں دیکھا تھا کہ ان کی قدرت، حالت اور ذلت شکست خوردہ لوگوں جیسی ہے۔

خواب کی تعبیر یہی تھی کہ ان کی تعداد اگرچہ زیادہ ہوگی مگر عمل و کردار قلیل اور کمزور لوگوں جیسا ہوگا کہ وہ کس طرح اپنے مقتل میں ڈھیر ہوتے جائیں گے گویا خواب میں جنگ کا نتیجہ دکھایا گیا تھا قاضی ابو السعود نے ابن عطیہ کی نسبت مختصر بحث کی ہے اور کم دکھائی دینے کی حکمت کو زیر بحث لایا ہے آپ رقم طراز ہیں:

”وهو أن تخبر به أصحابكم فيكون تثبيتاً لهم و تشجيعاً على عدوهم“[2]

ترجمہ: وہ یہ تھا کہ آپؐ اس کی اپنے اصحاب کو خبر دیں جو ان کیلئے اپنے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی اور بہادری کا موجب بنے گی۔

المختصر آپ ﷺ نے جو خواب میں کفار کے لشکر کی تعداد کو کم دیکھا تھا تو اس کا مقصد صحابہ کرام کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی تھا۔ امام آلوسی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں ابو السعود کا ہی موقف نقل کیا ہے۔[3]

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے لشکر کی تعداد کو کم اس لئے دکھایا گیا تھا تاکہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو اس خبر سے آگاہ کریں جس سے ان کے دلوں میں ثابت قدمی اور جذبہ جانثاری کو فروغ ملے اور خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی اگرچہ بظاہر ایسا نہیں تھا تو اس کی تعبیر جنگ کے نتیجہ کے اعتبار سے تھی کہ ان کے ساتھ جو ہوا ایسا موقع پر یہ سلوک ان ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے جو تعداد میں کم اور کمزور ہوں۔

7۔ جنگ کا آغاز

تاریخ اسلام کا وہ اہم دن جس نے مسلمانوں کے تشخص کو چار چاند لگائے اور ان کے مشن کی حقانیت کو اظہر من الشمس کیا وہ رزم حق و باطل موسوم بہ غزوہ بدر کا دن تھا جس کا آغاز اس وقت ہوا جب الاسود بن عبد الاسد مخزومی[4] جو اپنی سرشت اور فطرت میں رزیل اور بد خلقی کی مثال تھا یہ نعرہ لگاتے ہوئے میدان میں کود پڑا کہ وہ وہاں سے لازماً پانی پی کر رہے گا جو کہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یا پھر اپنی جان دے دے گا اس عزم سے جب نکلا تو اس کا سامنا حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ سے ہوا دونوں کے مابین سخت لڑائی ہوئی بالآخر حضرت حمزہؓ نے ایسی تلوار ماری جس سے اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے کٹ جاتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود اپنی قسم کو پورا کرنے کی کوشش میں خود

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 534/2

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 111/3

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 132/10

4۔ یہ شخص ابو سلمہؓ کا بھائی تھا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جن کی زوجہ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا تھی جن سے حضور ﷺ نے ابو سلمہ کی شہادت کے بعد شادی کی تھی

کو گھسیٹتے ہوئے حوض کی طرف بڑھتا ہے لیکن حضرت حمزہؓ کی کاری ضرب نے اس کا قصہ تمام کر دیا[1]۔ اس شخص کے قتل کے بعد جنگ کا ماحول گرم ہو جاتا ہے اور دوں بدوں لڑائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

8۔ مقابلے کی دعوت مبارزت

اسود بن عبد الاسد کے قتل کے بعد قریش کے تین عظیم جنگجو میدان کارزار میں اترتے ہیں جن کا تعلق ایک ہی خاندان سے تھا مثلاً عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید انہوں نے صدائے جنگ بلند کی جس پر حضرت عوف اور معوذؓ سامنے آتے ہیں جو عفراء[2] کے بیٹے ہیں اور تیسرے حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ مقابلے کے لئے نکلتے ہیں لیکن قریش کے سردار اس بناء پر ان سے لڑنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ تم ہماری برابری کے نہیں ہو اور ہم اپنے ہمسروں سے لڑیں گے[3] اس واقعہ کا تذکرہ اشارۃ اللہ کے اس فرمان سے ملتا ہے:

﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾[4]

ترجمہ: یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں۔

ابن عطیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''یہ آیت غزوہ بدر کے دن ان چھ لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے ایک دوسرے کو مقابلے کی دعوت دی تھی مسلمانوں میں حضرت حمزہ، علی اور عبیدہ بن الحارثؓ تھے جبکہ ان کے مد مقابل قریش سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تھے اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو میدان محشر میں اللہ کے حضور اپنا مقدمہ پیش کرنے کیلئے گھٹنوں کے بل گھسیٹتا ہوا جاؤں گا اور حضرت ابوذرؓ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ آیت ان چھ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے''[5]

غزوہ بدر میں باضابطہ طور پر ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دینے والی اولین شخصیات یہی ہیں قاضی ابو السعود نے ابن عطیہ کی طرح مذکورہ سبب نزول ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ آیت ان چھ ہستیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے غزوہ بدر کے دن اولاً ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی تھی۔

امام آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں قاضی ابو السعود کی طرح بحث کرنے کے بعد اس کے سبب نزول میں

1۔ دیکھیے: ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص298/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 2/775

2۔ عفراء وہ صحابیہ ہیں جن کو یہ اعزاز حاصل ہے جو کسی اور کو نہیں کہ آپ کے چار بیٹے تھے اور وہ سارے غزوہ بدر میں موجود تھے (العسقلانی، احمد بن علی، **الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ**، (دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولی، 1415ھ)، 8/240

3۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص299

4۔ الحج: 19

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/113/۔ البخاری، الجامع الصحیح 'کتاب المغازی' باب قتل ابو جہل، ح3965، 3969/۔ مسلم، **الجامع الصحیح** 'کتاب التفسیر' باب فی قولہ ہذا خصمان، ح3033

وہی روایت نقل کی ہے جسے ابن عطیہ نے بیان کیا ہے:

"نزلت فی الثلاثة والثلاثة الذین بارزوا یوم بدر---الخ"[1]

ترجمہ: یہ ان تین تین کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے غزوہ بدر کے دن ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی تھی۔

علاوہ ازیں ان کتب سیرت میں بھی مذکورہ بحث موجود ہے[2]۔ غزوہ بدر کے دن اولاً جو باہم مقابل آراء ہوئے ان کے متعلق صحیح روایات کے تناظر میں ابن عطیہ کا نقل کردہ موقف قرین صواب نظر آتا ہے۔ آیت غزوہ بدر کے دن حضرت علی، حمزہ اور عبیدہ بن الحارثؓ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کی مبارزت کا جواب دیا تھا۔

9۔عام لڑائی کا آغاز

مشرکین مکہ عام لڑائی کے آغاز سے قبل ہی انفرادی مقابلے میں اپنے تین بہترین جنگجوؤں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جو ان کیلئے گہرے صدمے کے ساتھ ساتھ غیظ و غضب میں شعلہ فشانی کا بھی باعث بنا جس وجہ سے انہوں نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ ایک طرف مشرکین غصے سے بے قابو ہو کر حملہ آور تھے اور دوسری طرف مسلمان سراپائے عجز و نیاز بنے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے حملے کا بھرپور دفاع فرما رہے تھے ایسے میں "آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کی صف بندی کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور دست دعا دراز کرتے ہوئے یہ عرض کر رہے تھے"[3]

> "اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما دے اے اللہ میں تجھ سے تیرے عہد اور تیرے وعدے کا سوال کر رہا ہوں اے اللہ اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو تیری عبادت نہ کی جائے گی"[4]

آپ ﷺ کی دعا اور مسلمانوں کے عزم کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف اپنا یہ پیغام اتارا:

﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ﴾[5]

ترجمہ: یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والو کو میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب۔

1۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 17/278

2۔ السہیلی، **الروض الانف**، 3/66/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 2/776/۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 1/569

3۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 1/567

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب ما قیل فی درع النبی ﷺ، ح 2915/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر، ح 1763

5۔ الانفال: 12

ابن عطیہ نے آپ ﷺ کی مذکورہ دعا اس آیت:﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾[1]

ترجمہ: اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے۔

کے تحت نقل کی ہے[2] اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کی تفسیر میں آپ لکھتے ہیں کہ

"ایک تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو بہر صورت ثابت قدم رکھنا ہے اور اس میں خطاب فرشتوں کو تھا"[3]

جب کہ قاضی ابو السعود اس کے تحت فرشتوں کی بالفعل لڑائی میں حصہ لینے کی روایت نقل کرتے ہیں:

"ابو داؤد المازنی روایت کرتے ہیں اور یہ غزوہ بدر میں شریک تھے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مشرک کو قتل کرنے کی غرض سے اس کا تعاقب کیا تاکہ اسے قتل کروں لیکن اس سے قبل کہ میری تلوار اس تک پہنچے اس کا سر کٹ کر گر چکا تھا میں نے جان لیا کہ اسے میرے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہے"[4]

گویا جب عام اعلان جنگ ہوا تو مسلمانوں کی ثابت قدمی اور بے جگری سے لڑائی نے کافروں کے اوسان خطا کر کے رکھ دیئے تھے اور مزید آپ ﷺ کی طرف یہ وحی بھیجی اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾[5]

ترجمہ: یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد اور فرمایا یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔

اس میں آپ ﷺ کی اس نیاز مندانہ فریاد کا ذکر ہے جو میدان بدر میں آپ نے کی تھی اور یہ بھی آپ ﷺ کو بتایا کہ فرشتے منظم دستوں کی صورت میں پے در پے اترنے والے ہیں۔ ابن عطیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

"کہ مشہور یہی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے دن قتال کیا تھا اور یہ قول کہ انہوں نے قتال نہیں کیا تھا" وھذا ضعیف۔ یہ قول ضعیف ہے اور اس کے بعد طبری کے حوالے سے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے آپؓ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریلؑ ہزار فرشتوں کے ساتھ حضور ﷺ کی دائیں جانب اترے اور اس طرف ابو بکر بھی تھے اور حضرت میکائیلؑ ہزار فرشتوں کے ساتھ آپ ﷺ کی بائیں جانب اترے اور ادھر میں بھی تھا"[6]

بعد ازاں یہ لکھتے ہیں:

"وفی هذا المعنى أحاديث هی مستوعبة فی كتاب السير"[7]

1۔ آل عمران:123

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/502

3۔ ایضاً: 2/508

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/92/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح23829، اسنادہ صحیح

5۔ الانفال:9

6۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/505/۔ الطبری، **جامع البیان**، 11/58

7۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/505

ترجمہ:اس مفہوم کی احادیث سے سیرت کی کتاب بھری پڑی ہے۔

مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ ابن عطیہ کے نزدیک فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ لیا تھا یہ والا موقف صحیح ہے اور قاضی ابوالسعود نے اس آیت کے تحت آپ ﷺ کی یہ دعا نقل کی ہے:

"اللهم انجزلی ما وعدتنی--الخ"[1]

ترجمہ:اے اللہ جو تونے مجھ سے وعدہ فرمایاہے اسے پورا فرما۔

قاضی ابوالسعود نے فرشتوں کی مدد کی کیفیت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"انما هو الامداد الصوری لامافی ضمنه من النصر المعنوی"[2]

ترجمہ:فرشتوں کی امداد بے شک ظاہری طور پر تھی نہ کہ معنوی۔

یعنی روحانی طور پر نہیں بلکہ فرشتے ظاہری طور پر مدد کیلئے حاضر ہوئے تھے۔اس طرح بعض روایات میں ان کے قتال کرنے کا بھی تذکرہ ہے جیسے ابوداؤد المازنی سے مروی حدیث کا حوالہ گزر چکا ہے اسی طرح دوسری روایت ہے:

((حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے غزوہ بدر کے دن ارشاد فرمایا یہ جبرئیلؑ ہیں جنہوں نے گھوڑے کا سر پکڑا ہوا ہے اور ان پر جنگی ہتھیار ہیں))[3]

ایک اور روایت ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے:

((حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے آگے تھا اتنے میں اس نے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی۔۔۔۔پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت پڑا تھا اس انصاری نے آپ ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی))[4]

ان صحیح روایات کی روشنی میں یہ موقف درست نظر آتا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں فرشتوں کی مدد کا تذکرہ ہے وہ مدد ظاہری اور بالفعل قتال کی صورت میں تھی اس ضمن میں طویل بحث کا نچوڑ اکرم ضیاءالعمری کی یہ عبارت کرتی ہے:**"وقد ثبت فی القرآن و الحديث أن الله تعالىٰ أمد المسلمين بالملائكة يوم بدر وكذٰلک صح أنها قاتلت ببدر"**[5]

ترجمہ:بے شک قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن فرشتوں کے ذریعے مدد فرمائی تھی اور اسی طرح یہ بھی

1۔ابوالسعود،**ارشاد العقل السلیم**،3/89

2۔ایضاً،2/35

3۔البخاری،**الجامع الصحیح**،کتاب المغازی،باب شهود الملائكة بدراً،ح3995

4۔مسلم،**الجامع الصحیح**،کتاب الجهاد والسیر،باب الامداد بالملائكة يوم بدر،ح1763

5۔العمری،**السيرة النبوية الصحيحة**،2/364

صحیح ہے کہ انہوں نے مدد کے موقع پر قتال بھی کیا تھا۔

اسی طرح دکتور علی الصلابی لکھتے ہیں:

"یہ بھی ہے کہ بعض فرشتوں نے قتال میں بالفعل شرکت کی تھی اور بے شک اشتراک فعلی مسلمانوں کے دلوں کی تقویت کا باعث بنا تھا"[1]

گویا پیش کردہ بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کا یہ موقف درست ہے کہ فرشتوں نے عملی طور پر جنگ بدر میں شرکت کی تھی۔ فرشتوں کی تائید و نصرت سے جب جنگ بدر میں گھمسان کا رن پڑتا ہے تو مشرکین حواس باختہ ہو کر بھاگنا شروع کر دیتے ہیں تو ایسے عالم میں آپ ﷺ اس آیت مقدسہ:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾[2] ترجمہ: عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

کی تلاوت کرتے ہوئے باہر تشریف لاتے ہیں ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے دل میں سوچا کرتا تھا کہ یہاں کس لشکر کی بات ہو رہی ہے جو شکست کھائے گا تو پس جب بدر کا دن تھا تو میں نے آپ ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا"[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین کی حالت زار کی پیش گوئی کی گئی تھی قاضی ابوالسعود لکھتے ہیں:

"وقد کان ذٰلک یوم بدر قال سعید بن المسیب: سمعت عمر بن الخطاب ---الخ[4]

ترجمہ: بے شک یہ بدر کا دن تھا اور سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا باقی روایت وہی نقل کی ہے جسے ابن عطیہ نے بیان کیا ہے صحیح بخاری میں بھی یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن آپ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ اپنا وعدہ پورا فرما اے اللہ اگر تو چاہتا ہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی یعنی اگر یہ گروہ شہید ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کو فرمایا کہ کافی ہے آپ نے اللہ تعالیٰ سے خوب لجاجت کے ساتھ دعا مانگ لی ہے پس آپ ﷺ اسی دوران مسرت کے عالم میں گویا دعا قبول ہو گئی ہے یہ کہتے ہوئے باہر نکلے: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ[5]﴾[6]

اس کے بعد آپ ﷺ نے جوابی حملے کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ کو جنگ کی ترغیب دی کہ اس ذات کی قسم

1۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 1/572

2۔ القمر: 45

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/220

4۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/183

5۔ القمر: 45

6۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب قولہ ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾، ح 4875

جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے جو آدمی ثابت قدمی کے ساتھ، ثواب سمجھ کر لڑے گا اور شہید کیا جائے گا تو اللہ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا[1]۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے خوب داد شجاعت دی جس سے مشرکین کے لشکر میں اضطراب اور بے چینی کے آثار ظاہر ہونے لگے اور ان میں بھگدڑ مچ جاتی ہے پیچھے ہٹنا شروع ہو جاتے ہیں اور مسلمان تب تک ان کے تعاقب میں رہتے ہیں جب تک وہ شکست فاش سے دوچار نہیں ہو جاتے۔[2] اور اس معرکہ حق و باطل میں مشرکین کے ستر سردار قیدی بنتے ہیں اور ستر جہنم واصل ہوتے ہیں:

((وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ أَصَابُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ بَدْرٍ أَرْبَعِينَ وَمِائَةً سَبْعِينَ أَسِيرًا وَسَبْعِينَ قَتِيلًا))[3]

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن آپ ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے ایک سو چالیس مشرکین کو زیر نگین کیا جن میں ستر قیدی بنے اور ستر مارے گئے تھے۔

اشراف قریش کے قتل اور قیدی ہونے کی خبر جب مکہ میں پہنچتی ہے تو وہاں کہرام بپا ہو جاتا ہے پورا مکہ سوگ کی فضا میں ڈوب جاتا ہے جب کہ دوسری طرف اس عظیم فتح کی خبر جب مدینہ پہنچتی ہے تو شہر مدینہ کے چار سو مسرت و فرحت کے شادیانے بجنے لگتے ہیں اور مدینۃ المنورہ تکبیر و تہلیل کے نعروں سے گونج اٹھا یوں مشرکین جو بڑے کروفر، طاقت و سطوت کے زعم میں مدہوش اور فخر و غرور سے شرابور ہو کر لڑنے آرہے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلت و رسوائی سے دوچار شکست سے نوازا اور دوسری طرف مسلمان متوکلا علی اللہ جذبہ خود سپاری اور عاجزی و انکساری سے سرشار ہو کر آپ ﷺ کی معیت میں نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم فتح سے ہمکنار کیا کہ اسے تاریخ میں بدر الکبریٰ اور بدر العظمٰی کے ناموں سے موسوم کیا جانے لگا۔

10۔ قیدیوں کا معاملہ

آپ ﷺ کا اس عظیم فتح کے بعد جب مدینہ طیبہ میں ورود مسعود ہوتا ہے تو فی الفور جو مسئلہ حل طلب ہوتا ہے وہ قیدیوں کے معاملہ کا ہوتا ہے اس ضمن میں ابھی تک اللہ کی طرف سے کوئی وحی نہیں اتری تھی اس لئے آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا جس میں حضرت ابو بکرؓ بھی کی رائے تھی فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے جب کہ حضرت عمرؓ کی رائے اس کے برعکس تھی تو آپ ﷺ نے فدیہ لے کر رہا کرنے کی رائے کو قبول کیا اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوتا ہے: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ﴾[4]

ترجمہ: نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین میں۔

1۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص300

2۔ دیکھیے: مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص299

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی' باب10، ح3986

4۔ الانفال:67

اس آیت مقدسہ میں آپ ﷺ کے اصحاب کو تنبیہ فرمائی گئی کہ ان قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ رہا کرنا مناسب عمل نہ تھا۔ ابن عطیہ نے اس کے تحت پورا واقعہ نقل فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب فرمایا جس میں حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ آپ کے قرابت دار ہیں شاید اللہ کی ذات انہیں ہدایت دے دے اس لئے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے جبکہ حضرت عمر بن الخطاب، عبد اللہ بن رواحہ اور سعد بن معاذ کا مشورہ یہ تھا کہ یہ کفر کے سرغنے ہیں انہیں کچل کر رکھ دیا جائے جب کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے انہیں فدیہ کے بدلے چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی"[1]

قاضی ابو السعود نے بھی اس کی تفسیر میں مذکورہ واقعہ نقل کیا ہے[2] اور اس کے تحت یہ سب نزول ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی لکھا ہے[3] یہ واقعہ ان کتب حدیث میں بھی منقول ہے[4]۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے کے مطابق معاملہ طے ہو چکا تھا اس لئے مشرکین سے فدیہ لیا گیا فدیہ کی مقدار چار ہزار اور تین ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔۔ یہ بھی طے ہوا کہ جس کے پاس فدیہ نہ ہو وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے اور آپ ﷺ نے کئی قیدیوں پر احسان کرتے ہوئے فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا[5] گویا آپ ﷺ نے قیدیوں کی مالی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے متعلق فدیہ کا فیصلہ فرمایا۔

غزوہ بدر تاریخ اسلام کا وہ عظیم معرکہ تھا جس نے عالم عرب میں مسلمانوں کی حیثیت کو تسلیم کروایا تھا اور حق و باطل کے مابین واضح لکیر کھینچ دی تھی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و نصرت کو بھی ذکر فرمایا تاکہ مسلمان کسی تکبر میں نہ مبتلا ہو جائیں بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے راہ حق میں صبر و استقامت اور شجاعت و بسالت کا اظہار فرمائیں اور اس جنگ سے یہی نتیجہ و ثمرہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کے حصول کے لئے تعداد اور کمیت کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے بلکہ اخلاص اور للّٰہیت پر مبنی کیفیات کی ضرورت پڑتی ہے اور اس عدیم النظیر فتح نے جہاں اہل ایمان کے قلوب کو تقویت بخشی وہاں تمام عرب پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بھی پڑ گیا۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/552،551

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/125

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 10/187

4۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح3632، اسنادہ صحیح /۔ الترمذی، **السنن**، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی المشورۃ، ح1714، وہذا حدیث حسن

5۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح2216، حدیث حسن /۔ الاصفہانی، احمد بن عبد اللہ، **دلائل النبوۃ**، تحقیق: محمد رواس (بیروت: دار النفائس، الطبعۃ الثانیۃ، 1406ھ)، 2/476 /۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 2/827 /۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص314)

مبحث دوم: غزوہ بنی قینقاع[1] کا سبب اور واقعات

غزوہ بدر جس نے مسلمانوں کو عظیم کامیابی سے شرف یاب فرمایا تھا اس جلیل القدر کامیابی پر دشمنان اسلام جگر سوختہ تھے ان میں یہود کا گروہ بھی دل گرفتہ تھا کہ مسلمانوں کے غلبہ و تسلط سے ان کے مذہبی و اقتصادی مفادات خطرے سے دوچار ہو گئے تھے اس لئے گروہ یہود بھی مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد اور نفرت و عداوت سے بھرا پڑا تھا یہی وجہ تھی کہ یہود کا قبیلہ بنو قینقاع جو بدفطرتی اور بدطینتی میں اپنی مثال آپ تھا نے بدعہدی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا بازار گرم کر دیا اور یہ "لوگ پیشے کے لحاظ سے سونار، لوہار اور برتن ساز تھے ان پیشوں کے سبب ان کے ہر آدمی کے پاس وافر مقدار میں سامان جنگ موجود تھا ان کے مردان جنگی کی تعداد سات سو تھی اور وہ مدینے کے سب سے بہادر یہودی تھے"[2]۔ دولت مندی نے انہیں بزعم خویش خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ غزوہ بدر میں کامیابی یہود کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"There was one other singificant consequence to the Muslim victory, and this impacted the Jewish tribes in Madinah." [3]

ترجمہ: یہاں غزوہ بدر کے نتائج کی اہمیت ایک اور پہلو سے بھی ہے کہ اس نے مدینہ میں آباد یہود کے قبائل کو متاثر کیا تھا۔ سب سے پہلے جس قبیلہ نے اس پر اپنا رد عمل دیا تھا وہ بنو قینقاع تھے۔

فخر و غرور کا اظہار

ان کی سرکشی اور بے اعتدالی کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کے کلمات ارشاد فرمائے۔ ابن عطیہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت یہ بحث نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْاسَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ- وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾[4]

ترجمہ: اے میرے رسول فرما دو ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

"حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے قریش کو بدر کے دن شکست دے دی اور آپ مدینہ میں تشریف لاتے ہیں تو بنو قینقاع کے بازار میں یہود کو جمع کیا اور فرمایا: اے جماعت یہود اس سے پہلے اسلام قبول کر لو کہ تم پر بھی ویسی ہی مار پڑے جیسی قریش کو پڑ چکی ہے انہوں نے کہا اے محمد ﷺ آپ کو اس گمان میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کا مقابلہ قریش کے ناتجربہ کار لوگوں سے ہوا اور انہیں شکست دے دی ہے اگر آپ کی جنگ ہم سے ہو گئی تو پتا

1۔ یہود کا ایک قبیلہ تھا جو عبد اللہ بن ابی بن سلول کا حلیف تھا اور یہود کا سب سے بہادر قبیلہ تھا اور سنہار کا کام کرتے تھے اور انہوں نے آپ علیہ السلام سے معاہدہ (میثاق مدینہ) کر رکھا تھا (ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/26)

2۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص326

3- Russ, **The Gereralship of Muhammad**, Page 103

4۔ آل عمران: 12

چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں اور ہم جیسے لوگوں سے اس سے قبل واسطہ نہ پڑا تھا تو اس وقت اللہ نے اس آیت کو نازل فرمایا"[1]

مذکورہ حدیث سے ان کے وہم و گمان کا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے متعلق کس خبط کا شکار تھے اور اس بنا پر فخر و غرور کا اظہار کر رہے تھے قاضی ابو السعود نے بھی مذکورہ آیت کے تحت ابن عطیہ کے موافق واقعہ نقل کیا ہے[2]

بنو قینقاع کی سرکشی نے ایک دن مسلمان خاتون سے چھیڑ خانی کی جس پر اس نے شور مچایا جس پر ایک مسلمان نے اس یہودی کو مار ڈالا جس نے اس عورت کو بے پردہ کیا تھا جواباً یہودیوں نے اس مسلمان کو مار ڈالا اب ان کی دریدہ دہنی اس نہج پر پہنچ چکی تھی کہ ان کا کچلا جانا ضروری ہو گیا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے بروز ہفتہ ہجرت کے دوسرے سال نصف شوال کو بنو قینقاع کا رخ کیا جب یہودیوں نے یہ منظر دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے تو آپ ﷺ نے پندرہ روز تک ان کا محاصرہ جاری رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا نتیجتاً اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ آپ ﷺ ان کی جان و مال، آل و اولاد اور عورتوں کے متعلق جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہو گا اور آپ ﷺ نے چند امور کے پیش نظر ان کی جان کو بخش دیا اور ان کو مدینۃ المنورہ سے جلاوطن کر دیا یوں وہ شام کی طرف چلے گئے[3]

پیش کردہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بصیرت افروز فکر اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھی کہ جس طرح خارجی محاذ پر دفاع وطن کی مضبوطی ضروری ہے اسی طرح داخلی سطح پر یہ ضروری ہے کو اسے بے خطر اور محفوظ بنایا جائے اس ضرورت کے پیش نظر بنو قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔

مبحث سوم: غزوہ احد[4] سبب اور واقعات

معرکہ بدر میں مشرکین مکہ کی شکست محض جنگی نوعیت کی نہیں تھی بلکہ اس نے ان کی زندگی کے کئی گوشوں کو ناکامی و نامرادی سے دوچار کر دیا تھا اس ہزیمت سے ان کے عقیدوں کے مرکز پر کاری ضرب لگی۔ تجارتی شاہراہ سے محرومی نظر آنے لگی۔ دیگر قبائل کے سامنے سیاسی برتری کو زک پہنچی اور جو بات ان کے لئے ناقابل

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/406/۔ ابو داؤد، **السنن** کتاب الخراج والامارۃ باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ، ح 3001، اسنادہ ضعیف

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/405

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/17/۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 369/۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 3/173/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 326/۔ العسقلانی، **فتح الباری**، 8/71/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 227-228

4۔ احد پہاڑ مدینہ منورہ کے شمال میں واقع ہے ایک سو اٹھائیس میٹر اس کی بلندی ہے اور مسجد نبوی سے ساڑھے پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے (العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/378)، احد شہر مدینہ کا ایک معروف پہاڑ ہے اور اسے احد اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ باقی پہاڑوں سے الگ واقع ہے (السہیلی، **الروض الانف**، 3/240)، یہ پہاڑ ایک خاص مقام بھی رکھتا ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں (البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی باب احد جبل یحبنا ونحبہ، ح 4083)

برداشت تھی وہ ستر مقتول تھے۔ غزوہ احد کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی پہلوؤں کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی گئی ہے جب مشرکین مکہ کو معرکہ بدر میں رسوا کن ہزیمت کے نتیجے میں اپنے بڑے اشراف وصنادید کے قتل کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا تو اس چیز نے انہیں مسلمانوں کے خلاف غیظ وغضب میں مبتلا کر دیا یہی وہ سبب تھا جس کے تحت انہوں نے مسلمانوں کے خلاف انتقامی جنگ کی تیاری شروع کر دی ابن عطیہ لکھتے ہیں:

''وکان من أمر غزوۃ أحد أن المشرکین اجتمعوا فی ثلاثۃ الآف رجل' وقصدوا المدینۃ لیأخذوا بثاءھم فی یوم بدر''[1]

ترجمہ: یہ معاملہ غزوہ احد سے تعلق رکھتا ہے جس میں مشرکین نے تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ بدر کے دن کا اپنا انتقام لے سکیں۔

گویا غزوہ احد کا سبب مشرکین مکہ کا اپنی آتش انتقام کو بجھانا تھا قاضی ابو السعود نے اس مقام پر یہ سبب نہیں لکھا ہے جب کہ ابن کثیر رقم طراز ہیں:

''وکان سببھا أن المشرکین حین قتل من قتل من أشرافھم یوم بدر ''[2]

ترجمہ: اس کا سبب یہ تھا کہ مشرکین کے سردار بدر کے دن قتل کر دیئے گئے تھے۔

اور قریش مکہ اپنے ان مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے احد کے میدان میں اترے تھے غزوہ احد کا پس منظر اور سبب ان ائمہ سیرت نے بھی یہی لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے غزوہ بدر کے موقع پر جس شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس میں ان کے سرداروں کو قتل بھی کیا گیا اور کچھ کو قیدی بھی بنالیا گیا''اس صدمے نے انہیں سخت قلق واضطراب کا شکار کر دیا اور ان کے سینوں میں آتش انتقام کے جذبات بھڑکنے لگے اور یہی جذبات انہیں میدان احد میں لے آئے''[3]

خلاصہ یہ ہے کہ غزوہ احد کا سبب مشرکین مکہ کا جذبہ انتقام تھا اور اس انتقام کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بدر کی جنگ میں صدمہ جانکاہ ملنے کے باوجود آہ وفغاں سے منع کر دیا تھا تاکہ انتقام کے جذبات میں شعلہ فشانی بڑھتی رہے۔

1۔ قریش کا جنگ کی تیاری کرنا

ابوسفیان اپنے تجارتی قافلے کو بحفاظت مکہ لانے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن ابھی تک وہ سامان دارالندوۃ میں موجود تھا اور جب غزوہ بدر میں رسوا کن شکست اور ستر سرداروں کا قتل ان کا مقدر بن گیا تو اب انتقام لینے کے لئے اسی مال سے اخراجات پورے کرنے کا طے کرنے لگے:

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/500

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/109

3۔ السہیلی، **الروض الانف**، 3/241/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/378/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص338

"ابوسفیان کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ ایک درخواست یہ ہے کہ جنگ کی قیادت قبول کریں اور دوسرا تجارتی قافلے کا اصل سرمایہ ان کے مالکوں کو لوٹایا جائے اور نفع کی رقم جنگ پر خرچ کی جائے"[1]

ابوسفیان اس پیشکش کو قبول کرلیتا ہے قریش کے ان عزائم کا ذکر اشارۃ اس آیت میں ملتا ہے اللہ کا فرمان ہے:﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ-فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: بے شک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں لوگوں کو اللہ کی راہ سے اور یہ آئندہ بھی اسی طرح خرچ کریں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لئے باعث حسرت وافسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے۔

ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"سبب نزول هذه الآية أن أبا سفيان أنفق فى غزوة أحد على الاحابيش و غيرهم أربعين اوقية من الذهب أو نحو هذا"[3]

ترجمہ: اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ ابوسفیان نے غزوہ احد کے موقع پر حلیف قبائل اور ان کے علاوہ پر چالیس اوقیہ[4] سونا یا اس قسم کی چیز خرچ کی تھی۔

قاضی ابوالسعود اس آیت کا ایک سبب نزول ابن عطیہ جیسا نقل کرتے ہیں اور اس میں اس چیز کا اضافہ کرتے ہیں کہ ابوسفیان نے قریش کو کہا کہ تم اس مال کے ذریعے آپ ﷺ کے خلاف جنگ میں مدد کرو تاکہ ہم اس سے انتقام لے سکیں پس انہوں نے ایسا ہی کیا[5]۔ ابن کثیر اور امام آلوسی دونوں نے مذکورہ سبب نزول کو بیان کیا ہے[6]۔ قاضی منصور پوری نے قریش کا جنگ کی تیاری کے لئے آلاؤ ولشکر اور سازو سامان پر اس انداز سے بھی تبصرہ کیا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

"قریش مکہ اگلے ہی سال پھر مدینہ پر حملہ آور ہوئے اس دفعہ انہوں نے ملک سے عام چندہ جمع کیا تھا۔۔۔ تجارت شام کا پچاس 50 ہزار مثقال سونا، ایک ہزار 1000 اونٹ جو ابھی تقسیم نہ ہوئے تھے چندہ میں شامل کر دیئے گئے تھے الغرض پانچ ہزار 5000 بہادروں کا لشکر جس میں تین ہزار 3000 شتر سوار، دوسو 200 اسپ گھڑ سوار اور سات سو 700 زرہ پوش پیادہ تھے مدینہ تک بڑھا چلا آیا"[7]

1۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص376/۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/33

2۔ الانفال:36

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/525

4۔ اوقیہ اس زمانے میں بیالیس مثقال سونے کی ہوتی تھی (الآلوسی، **روح المعانی**، 10/106)

5۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/105

6۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/53/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 10/106، 105

7۔ منصور پوری، **رحمۃ اللعالمین**، 2/127

مبارکپوری نے لشکر کی تعداد تین ہزار تحریر کی ہے آپ لکھتے ہیں:

"چنانچہ سال پورا ہوتے ہوئے قریش کی تیاری مکمل ہو گئی ان کے اپنے افراد کے علاوہ ان کے حلیفوں اور قریش کے قبائل کو ملا کر مجموعی طور پر کل تین ہزار فوج تیار ہوئی"[1]

باقی اونٹوں، گھوڑوں کی تعداد منصور پوری کے مطابق نقل کی ہے ابن عطیہ نے بھی مشرکین کے لشکر کی تعداد تین ہزار لکھی ہے "اجتمعوا فی ثلاثة آلاف رجل"[2] ابن کثیر بھی تعداد کے متعلق لکھتے ہیں کہ "تقریباً تین ہزار تھی"[3] اور جمہور سیرت نگاروں نے بھی مشرکین مکہ کے لشکر کی تعداد تین ہزار لکھی ہے[4]۔ مذکورہ تحقیق کے تناظر میں تین ہزار کا قول قرین صواب نظر آتا ہے۔

2۔ غزوہ احد کے واقعات عملی اقدام

5 شوال 3 ہجری کو لشکر کفار تین ہزار جنگی سورماؤں اور اسلحہ وسازوسامان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کے لئے مکہ سے کوچ کرتا ہے اس مال میں مسلمانوں کے خلاف جذبہ انتقام ان کے دلوں میں شعلہ بن کر بھڑک رہا ہوتا ہے اور شکست وریخت کے جملہ امکانات کے خاتمے کے لئے اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے کر جاتے ہیں اور ان کے لشکر کی کمان بحیثیت سپہ سالار ابوسفیان کے پاس ہوتی ہے۔ حضرت عباسؓ جو اس وقت تک مکہ میں ہی مقیم تھے لشکر کفار کی تفصیلات کو بذریعہ قاصد آپ ﷺ کی طرف بھیجتے ہیں اور آپ کا قاصد برق رفتاری سے پانچ سو کلومیٹر کی مسافت تین دن میں طے کرتا ہوا آپ ﷺ تک یہ پیغام پہنچاتا ہے[5]

یہ واقعہ بروز ہفتہ نصف شوال 3 ہجری کو وقوع پذیر ہوا اس کا تذکرہ اس آیت مقدسہ میں ملتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ- وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾[6]

ترجمہ: اور یاد کرو اے محبوب ﷺ جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے اور میدان احد میں بیٹھا رہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لئے اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

ابن عطیہ نے اس آیت کے تحت غزوہ احد کو پیش آنے والے واقعات پر کلام کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

1۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص339

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/500

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/109

4۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 379/۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/34/۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 3/220/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/378

5۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص340

6۔ آل عمران: 121

جمہور کا نقطہ نظر ہے کہ یہ آیات غزوہ احد کے حوالے سے نازل ہوئی ہیں اور مشرکین غزوہ بدر کا بدلہ لینے کیلئے تین ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی غرض سے نکلتے ہیں اور وہ بروز بدھ دو شوال کو ہجرت کے تیسرے سال یعنی ہجرت کے اکتیسویں مہینہ کو میدان احد میں اترتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ مدینہ المنورۃ میں اللہ کے امر کا انتظار کرتے ہیں اور بالآخر جمعہ کے دن لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے ہیں اور اپنا خواب بتاتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں ڈالا ہوا ہے اور ایک بیل ذبح کیا جا رہا ہے اور میں نے زرہ سے مدینہ کو تعبیر کیا ہے اور آپ نے ان سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہم مدینہ سے باہر نہ نکلیں اس پر عبد اللہ بن ابی نے بھی کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ باہر نہ نکلیں اگر وہ وہاں ہی ٹھہرے رہتے ہیں تو انتظار کر کے ناکام ہو کر لوٹ جائیں گے اور اگر مدینہ میں آ کر ہم سے لڑیں گے تو ہمارے مرد عورتیں اور بچے پتھروں اور نیزوں سے ان کو بھگا دیں گے آپ ﷺ اور دیگر اکابر صحابہ کی بھی یہی رائے تھی مگر ایک صالح طبقہ جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکا تھا ان کا کہنا تھا کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کیا جائے پس آپ ﷺ زرہ پہن کر تشریف لائے ان لوگوں کو بعد میں افسوس ہوا کہ آپ ﷺ کی مرضی کے برعکس رائے پر اصرار کیا اور انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے آپ ﷺ ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد جنگ کیلئے نکلے اور مشرکین کے لشکر کے قریب پڑاؤ ڈالا اور راستے سے ہی عبد اللہ بن ابی اپنے حامیان کو لے کر واپس چلا آیا جن کی تعداد تین سو تھی کہ آپ نے میرے مشورہ پر عمل نہ کیا اب آپ ﷺ سات سو کے لشکر کے ساتھ میدان کارزار میں اترتے ہیں اور آپ ﷺ نے احد کے پہاڑ کی پشت پر صف بندی کی اور پہاڑ کی پشت پر سے یہ خطرہ تھا کہ دشمن اس طرف سے حملہ نہ کر دے اس خطرے کے پیش نظر آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن جبیر کی زیر کمان پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر کر دیا اور یہ حکم فرمایا کہ فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہوں سے نہ ہٹیں مسلمانوں کے پرزور حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے کفار کے قدم اکھڑ گئے اور پسپا ہونا شروع ہو گئے گھاٹی پر متعین دستہ نے جب یہ منظر دیکھا تو مال غنیمت کے حصول کیلئے جلدی وہاں سے ہٹ گئے حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ نے انہیں سمجھایا کہ ثابت قدم رہو یہاں سے نہ ہٹو آپ ﷺ نے کسی بھی صورت میں یہ جگہ چھوڑنے سے منع کر دیا ہے اور ادھر جب خالد بن ولید نے گھاٹی کو خالی دیکھا تو عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اب کیا تھا کہ لشکر اسلام میں انتشار پڑ گیا مسلمانوں کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور اسی اثناء میں یہ بھی مشہور ہو گیا کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے ہیں اور اس واقعہ میں ستر مسلمان شہید ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی تھی صرف دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور پیشانی انور اور رخ اقدس زخمی ہوئے تھے آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ [1]

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 500، 501

آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر اس لئے چڑھ گئے تھے کہ دشمن ان کو دیکھ نہ سکے گا لیکن جب ابو سفیان نے دیکھ کر چوٹی پر چڑھنا شروع کیا تو حضرت عمرؓ اور چند دیگر صحابہ نے اس زور سے پتھر برسائے کہ وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ صحیح بخاری میں غزوہ احد کی مناسبت سے آپ ﷺ کا یہ خواب منقول ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار چلائی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا اس کی تعبیر وہ ہے جو جنگ احد کے دن مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا ہوا میں نے تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ پہلے سے بھی اچھی صورت میں بن گئی اس کی تعبیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی [1]

ابن عطیہ نے اس خواب کو بیان نہیں کیا ابن عطیہ نے جس آیت کے تناظر میں یہ واقعہ نقل کیا ہے قاضی ابو السعود نے بھی یہ واقعہ اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے [2]۔ مذکورہ واقعہ جزوی طور پر کتب حدیث میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے:

((جیسے کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ جب وہ ہتھیار پہن لے تو اسے اتارے یہاں تک اللہ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے)) [3]

اور جب عبد اللہ بن ابی نے اپنے لشکر کے ہمراہ جنگ سے کنارہ کشی کی تو اس وقت مسلمانوں کے دو گروہوں میں بھی بے چینی پھیل گئی جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِذْهَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا﴾ [4]

ترجمہ: جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا اسلئے اس نے لغزش سے بچالیا۔

دو جماعتوں سے مراد کونسی جماعتیں ہیں امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں:

قال نزلت هذه الآية فينا﴿اِذْهَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا﴾بنی سلمة و بنی حارثة و ما أحب انها--- تنزل و الله يقول﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا﴾ [5]

ترجمہ: حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے متعلق یعنی بنی سلمۃ اور بنی حارثۃ کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور یہ روایت بھی بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جبیر کے زیر کمان پچاس تیر انداز چوٹی پر

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح** ،کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم احد، ح 4081

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/30

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح** ،کتاب الاعتصام، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿**وامرھم شوریٰ بینھم**﴾ ،ح 7369 کے ماقبل

4۔ آل عمران: 122

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح** ،کتاب المغازی، باب ﴿اِذْهَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا﴾، ح 4051/۔ مسلم، **الجامع الصحیح** ،کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب من فضائل الانصار، ح 2505

بٹھائے اور ہدایت کی تم نہ کسی صورت میں وہاں سے نہیں ہٹنا [1]۔ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی ابن عطیہ اور ابو السعود کے موافق غزوہ احد کی مناسبت سے واقعات کو نقل کیا ہے [2]۔علاوہ ازیں ان کتب سیرت میں بھی ان واقعات کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا۔[3]

پیش کردہ واقعات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں صحابہ کرامؓ نے جانثاری اور سرفروشی کی عظیم داستانیں رقم کیں عبداللہ بن ابی کا اپنے لشکر کو واپس لے جانے کے باوجود آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی جماعت کھڑی رہی مگر اس کے باوجود کافی جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا ستر صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں حضرت حمزہؓ اور مصعب بن عمیرؓ جیسی شخصیات موجود تھیں اس کا سبب بعض صحابہ کرامؓ کا آپ ﷺ کی کامل اطاعت نہ کرنا تھا غزوہ احد میں جو مسلمانوں کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اس پر اللہ تعالیٰ نے یوں تسلی دی کہ بدر کے دن تم اسی مثل ان کو تکلیف پہنچا چکے ہو اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُه﴾[4]

ترجمہ: احد میں اگر لگی ہے تمہیں چوٹ تو بدر میں لگ چکی ہے تمہاری دشمن قوم کو ایسی ہی"۔

ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

"والمعنى: ان مسكم فى أحد فقد مس كفار قريش ببدر با يديكم"[5]

ترجمہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر احد میں تم کسی تکلیف کا شکار ہوئے ہو تو تمہارے ہاتھوں میدان بدر میں قریش کو بھی ایسی تکلیف پہنچ چکی ہے۔

قاضی ابو السعود نے بھی یہی تفسیر کی ہے:

"والمعنى ان نالوا منكم يوم احد فقد نلتم منهم قبله يوم بدر"[6]

ترجمہ: معنی یہ کہ اگر احد میں تم کو ان سے تکلیف پہنچی ہے تو بدر میں ان کو تم سے تکلیف پہنچ چکی ہے۔

گویا اس موقع پر رنجیدہ ہونے کے بجائے انہیں تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر تم صبر اور تقویٰ کا دامن مضبوطی

1۔البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر 'باب مایکرہ من التنازع، ح3039/۔کتاب المغازی 'باب غزوۃ احد، ح4043

2۔ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،2/109-110/۔الآلوسی، **روح المعانی**،4/413-414

3۔ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص377تا379/۔ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/40تا45/۔البیہقی، **دلائل النبوۃ**،3/203تا250/۔العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**،2/378تا380/۔

Khan, **The Life of Prophet Muhammad**(ﷺ),Page,37

4۔آل عمران:140

5۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،1/513

6۔ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**،2/45

سے تھاموگے تو کامیابی پھر تمہارے مقدر چومے گی۔

3۔ آپ ﷺ کا زخمی ہونا اور حضرت حمزہ کی شہادت

اس غزوہ کا انتہائی دلخراش اور دل آزار واقعہ یہ ہے کہ اس میں آپ ﷺ زخمی ہوئے اور یہ بھی مشہور ہوا کہ آپ شہید کر دیئے گئے ہیں اور دوسرا حضرت حمزہؓ کی شہادت ہوئی ان دونوں امور پر ابن عطیہ نے یہ بحث کی ہے:

"حضرت زبیر بن عوام کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہند بنت عتبہ اپنی دوستوں کے ساتھ بھاگ رہی ہے لیکن اچانک جب تیر اندازوں نے حضرت خالد بن ولید کی کمان میں حملہ کیا تو بھگڈر مچ گئی حالات اس نہج پر چلے گئے کہ یہ مشہور کر دیا گیا کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔اور اس میں آپ ﷺ کے چچا شہید ہوئے اور آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور رخسار انور زخمی ہوئے"[1]

قاضی ابو السعود نے مذکورہ واقعہ کو بیان کرتے وقت کچھ دیگر امور پر بھی روشنی ڈالی ہے مثلاً آپ ﷺ کو زخمی کرنے والا شخص عبد اللہ بن قمیئہ تھا اور حضرت مصعب بن عمیرؓ جب آپ ﷺ کے دفاع میں آپ پر گر جاتے ہیں یہاں تک عبد اللہ بن قمیئہ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر دیا چونکہ آپؓ حضور ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے اس نے یہ سمجھا کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کو شہید کر دیا ہے اور یہ اس نے شور بھی مچانا شروع کر دیا ایسے پر خطر عالم میں بھی آپ ﷺ صحابہ کرام کو بلا رہے تھے اور حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں پہلا شخص تھا جس نے آپ ﷺ کو پہچانا تو پھر بلند آواز سے حضرات صحابہ کرامؓ کو پکارا کہ آپ ﷺ یہاں ہیں اس وقت تیس صحابہ کرامؓ نے آپ کو حفاظت کے حصار میں لیا اس طرح مشرکین کو وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔[2]

ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کا بیان کردہ واقعہ کتب سیرت میں بھی منقول ہے جن کا بطور حوالہ گزشتہ صفحات میں تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ غزوہ احد کے واقعات کو پیش نظر رکھنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ بات بھی صحیح ہے کہ اس کو کفار مکہ کی فتح نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن یہ امر بھی واضح ہے کہ اس میں مسلمانوں کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑا ستر جلیل القدر صحابہ کرامؓ بشمول سیدنا حمزہ اور مصعب بن عمیرؓ منصب شہادت پر فائز ہوئے مسلمانوں کو جو یہ صدمہ برداشت کرنا پڑا اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے سپہ سالار و رہبر اعظم ﷺ کی نادانستہ طور پر حکم عدولی کی اور اگر یہ دستہ چوٹی کو نہ چھوڑتا تو اس جنگ کے نتائج بھی غزوہ بدر جیسے ہو سکتے تھے اور مسلمانوں کیلئے یہ کربناک حالات بھی پیدا نہ ہوتے۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/525-527-538/۔ حمید اللہ، **عہد نبوی کے میدان جنگ**، ص59

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/50، 57، 71

مبحث چہارم: غزوہ حمراء الاسد[1] اسباب وواقعات

مشرکین مکہ فرحاں ونازاں حالت میں سوئے مکہ رواں دواں تھے کہ انہوں نے مقتولین بدر کا بدلہ لے لیا ہے اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے لیکن جب وہ "الروحا"[2] کے مقام پر پہنچے تو اپنی مزعومہ فتح کا خمار اترنے لگا تب احساس ہوا کہ اگرچہ انہوں نے اہم شخصیات کو قتل کیا ہے مگر باوجود اس کے کلیدی شخصیات زندہ ہیں جس سے احساس ندامت ہوتا ہے اور اپنی یہ خفت مٹانے کے لئے دوبارہ حملہ آور ہوئے ہیں اس کے علاوہ یہ سبب بھی تھا کہ عالم عرب میں مسلمانوں کی شان وشوکت میں جو اضافہ ہو رہا ہے اس کو ختم کیا جاسکے ورنہ اسلام پھیلتا رہے گا۔ جیسے حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں:

جب مشرکین احد سے واپسی پر الروحا کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ تم نے نہ حضرت محمد ﷺ کو قتل کیا اور نہ کلیدی شخصیات کا تم نے برا کیا لہذا واپس حملہ کرو جب یہ خبر آپ ﷺ کو موصول ہوئی تو آپ نے لوگوں کو جہاد کے لئے برانگیختہ کیا اور پھر حمراء الاسد کے مقام تک تشریف لے جاتے ہیں[3]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ م بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ﴾[4]

ترجمہ: جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور رسول کی دعوت پر اس کے بعد لگ چکا تھا انہیں گہرا زخم۔

اس آیت کے تحت ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

"اس آیت میں اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو قریش کے تعاقب میں آپ ﷺ کے ساتھ حمراء الاسد تک گئے تھے اور غزوہ احد کا دوسرا دن تھا جب آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ نداء دی کہ مشرکین کا پیچھا کرنا ہے اور آپ نے یہ بھی کہا کہ آج ہمارے ساتھ وہی نکلے گا جو کل یعنی احد کے دن ہمارے ساتھ تھا اور اس وقت صحابہ کرامؓ سخت گہرے زخموں سے چور تھے لیکن اس کے باوجود دوسو کی تعداد میں مومنین کا گروہ آپ کی دعوت پر چل پڑا یہاں تک کہ حمراء الاسد تک پہنچ گیا یہ مقام مدینے سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا یہاں آپ نے تین دن قیام کیا یہاں آپ کی معبد بن ابی معبد سے ملاقات کا قصہ ہے[5] اور قریش چلے گئے اور آپ ﷺ واپس مدینے تشریف لے

1۔ حمراء الاسد مدینہ المنورۃ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع وہ مقام ہے جہاں تک آپ ﷺ نے (غزوہ احد) کے بعد مشرکین کا تعاقب کیا تھا (الحموی، **معجم البلدان**، 181/3)

2۔ الروحا اور شہر مدینہ کے درمیان چھتیس میل کا فاصلہ ہے (الحموی، **معجم البلدان**،)

3۔ النسائی، **السنن الکبریٰ** ،کتاب التفسیر' باب قولہ تعالیٰ: ﴿فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل﴾، ح11017، اسنادہ صحیح (العسقلانی، **فتح الباری**، 96/9)

4۔ آل عمران: 172

5۔ معبد بن ابی معبد کا تعلق بنو خزاعہ قبیلہ سے تھا جو بنو ہاشم کا حلیف تھا ایک قول یہ ہے کہ مسلمان ہو گیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کا خیر خواہ تھا آپ نے اسے فرمایا کہ ابوسفیان کے پاس جا کر اس کی حوصلہ شکنی کرو اور اس نے ایسا ہی کیا کہ مسلمانوں کے لشکر کی جمعیت کے متعلق اس انداز میں خبر دی کہ ابوسفیان نے واپسی کی راہ لی (البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 315/3)

آئے اس آیت میں آپ کی دعوت قبول کرنے والوں کی ان کے صبر پر مدح فرمائی گئی ہے"[1]

قاضی ابوالسعود نے بھی اس مقام پر ابن عطیہ کی طرح بحث کی ہے اور اس آیت کی روشنی میں غزوہ حمراء الاسد پر تبصرہ کیا ہے[2]۔ اس آیت کی روشنی میں ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی غزوہ حمراء الاسد کو زیر بحث لایا ہے ابن عطیہ نے آپ ﷺ کی معیت میں جانے والے لشکر کی تعداد دو سو لکھی ہے جب کہ ابن کثیر نے ستر تحریر کی ہے[3] اور اس آیت کے تحت امام بخاری نے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی تعداد ستر ہے آپ نقل کرتے ہیں:

((احد کے دن آپ ﷺ کو جو تکلیف پہنچی تو جب مشرکین نے واپسی کی راہ لی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس خوف سے کہ کہیں یہ مشرکین دوبارہ نہ حملہ کر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون ان کے تعاقب میں جائے گا تو ستر لوگ تیار ہوئے جن میں ابو بکر و زبیر بھی تھے))[4]

جب کہ ابوالسعود نے تعداد پر کسی قسم کا کوئی تبصرہ نہیں کیا دونوں اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ آغاز میں تعاقب کرنے والوں کی تعداد ستر تھی لیکن بعد ازاں جب آپ ﷺ بنفس نفیس جانے لگے تو اس وقت آپ کے ساتھ جانے والوں کی تعداد دو سو ہو گئی تھی۔ مشرکین مکہ جو ان پاک طینت ہستیوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور اپنا رعب و دبدبہ قائم کرنے کی غرض سے پلٹ کر حملہ آور ہونا چاہتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اپنے جانثار صحابہ کے ساتھ سخت درد و کرب کے عالم میں ان کا تعاقب کیا اور کمال حکمت عملی سے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملایا اور ان پر اپنا رعب و دبدبہ ڈال دیا "**وانما خرج رسول اللہ ﷺ فرهبا للعدو**"[5]۔

آپ ﷺ دوشنبہ، منگل اور بدھ یعنی 9، 10 اور 11 شوال 3ھ تک وہیں مقیم رہے[6]۔ غزوہ حمراء الاسد کوئی مستقل غزوہ نہ تھا بلکہ اس کی حیثیت غزوہ احد کے تتمہ کی تھی جس نے غزوہ احد کو اپنے انجام سے دوچار کیا تھا اور مشرکین کو سال بھر کی بھرپور تیاری کے باوجود خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تھی جس کا انہیں قلق و اضطراب تھا اور اس کو دور کرنے کے لئے حمراء الاسد کا غزوہ بھی ہوا۔

پیش کردہ بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ غزوہ احد کا نتیجہ غیر فیصلہ کن رہا جس میں کسی ایک فریق کو بھی صحیح معنوں میں فتح نصیب نہ ہوئی دونوں گروہ اپنے طور پر سیخ پا تھے پہلے مرحلے میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا جب کہ دوسرے میں مشرکین کا لیکن مشرکین جنگ میں غالب آنے کے باوجود اپنے مطلوبہ اہداف کو پورا نہ کر سکے اور تیسرے حملے

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/542

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/76

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/166 / ۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 5/134

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح** 'کتاب المغازی' باب ﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ م بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾، ح4077

5۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 3/314

6۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص288

کے پیش آنے سے قبل ہی وہ میدان احد کو چھوڑ کر چلے گئے جس پر بعد ازاں وہ نادم ہوئے اور اپنی اس خفت کو مٹانے کے لئے جب دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کی تو غزوہ حمراء الاسد پیش آیا جس میں لڑائی کی نوبت آنے سے قبل ہی مشرکین نے مکہ کو جانے میں عافیت سمجھی یوں آپ ﷺ کی حکمت بالغہ نے مسلمانوں کو بڑی ہزیمت سے بچا لیا۔

فصل سوم: غزوات: بنو نضیر، بنو المصطلق المریسیع، احزاب خندق اور بنو قریظہ

یہود کی عداوت اسلام اور ذات مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ شدید ترین تھی لیکن وہ اپنی دشمنی کا اظہار عموماً میدان کارزار کے بجائے دسیسہ کاری اور سازشی عناصر کے ذریعے کرتے تھے بنو نضیر اور بنو قریظہ کو ان کی ایسی ہی فتنہ پردازیوں کے باعث آپ ﷺ نے قرار واقعی سزا دی تھی۔ عالم اسلام کی روز افزوں سطوت و طاقت کو دیکھ کر قریش نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ آپ تنہا مسلمانوں کے مدمقابلے ہونے کے بجائے اتحادی قبائل کے ایک عظیم لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونا چاہیے اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ احزاب کہا جاتا ہے اور آپ ﷺ کی نگاہ دور رس کا یہ کمال تھا کہ آپ ہمہ جہت پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے بروقت بنو مصطلق کے سردار کی مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائیوں کا ادراک کرتے ہوئے اسے ناکام ونامراد کر دیا تھا۔

مبحث اول: غزوہ بنی نضیر[1] اسباب اور واقعات

1۔ غزوہ کے اسباب

غزوہ احد میں مسلمانوں کی حالت زار کو مدنظر رکھتے ہوئے بنو نضیر کی جرات میں اضافہ ہو جاتا ہے اس سے قبل وہ مسلمانوں کے خلاف درپردہ چالیں چلتے تھے لیکن اب وہ کھلم کھلا عداوت پر اتر آئے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے چراغ زیست کو گل کرنے کی جسارت بھی کر ڈالی اس کی تفصیل یہ ہے:

> ”آپ ﷺ چند صحابہ کے ہمراہ یہود کے پاس تشریف لے گئے تاکہ عمرو بن امیہ الضمری[2] کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی دیت میں ان سے اعانت لی جائے معاہدے کی رو سے یہ اعانت واجب تھی اس پر انہوں نے کہا ابو القاسم ہم ایسا ہی کریں گے آپ تشریف رکھیں آپ ﷺ ان کے ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اس اثنا میں انہوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے پر باہمی مشورہ شروع کر دیا اور بالآخر یہ طے کیا کہ اس چکی کو اوپر لے جا کر آپ پر گرا دیا جائے ان کی اس مکروہ چال سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا آپ تیزی سے اٹھے اور مدینے کے لئے چل نکلے“[3]

مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد ہی محمد بن مسلمہ[4] کو بنی نضیر کے پاس روانہ فرمایا اور انہیں یہ نوٹس دیا کہ تم

1۔ بنو نضیر بنی اسرائیل کا ایک بڑا قبیلہ تھا جو قدر و منزلت میں بنو قریظہ کے برابر تھا ان دونوں قبیلوں کو کاہنان کہا جاتا ہے کیونکہ یہ الکاہن بن ہارون کے بیٹے تھے ان کی زمین اور قلعے مدینہ کے قریب تھے وہ کھجور کے درختوں اور بہت زیادہ مال کے مالک تھے (ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/ 283)

2۔ عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبد اللہ الضمری (متوفی 60ھ) کا تعلق بنی ضمرہ بن بکر قبیلہ سے تھا آپ کی کنیت ابو امیہ تھی (ابن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، 3/ 1162)

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/ 166/۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/ 291/۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 441، 442/۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 3/ 180

4۔ محمد بن مسلمۃ الانصاری (589ء-666ء) آپ کی کنیت ابو عبد الرحمٰن یا ابو عبد اللہ تھی۔ غزوہ بدر میں شریک تھے آپ کی وفات تینتالیس ہجری کو ہوئی اور مروان بن الحکم نے جنازہ پڑھایا (ابن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، 3/ 1377)

لوگ مدینے سے نکل جاؤ تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد جو شخص یہاں پایا جائے گا اس کی گردن مار دی جائے گی۔ اس غزوہ کا ایک یہ سبب ہے جبکہ ایک اور سبب بھی بیان کیا جاتا ہے: مروی ہے کہ غزوہ بدر سے قبل قریش مکہ نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ہمنوا حضرات کو مکتوب ارسال کیا کہ آپ ﷺ مدینہ تشریف لا چکے ہیں تم نے انہیں پناہ دے رکھی ہے اور ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آپ لوگ ان سے قتال کرو یا ان کو وہاں سے نکال دو ورنہ ہم سب مل کر تم پر حملہ کر دیں گے جب ان کے مکتوب کی خبر آپ ﷺ کو پہنچی تو اس دوران بنو نضیر نے عہد شکنی کا ارادہ کر لیا تھا انہوں نے آپ ﷺ کو کہلوا بھیجا کہ آپ تیس اصحاب کے ہمراہ تشریف لائیں اور ہمارے تیس علماء آئیں اور ایک درمیانی جگہ پر ملاقات کریں اگر ہمارے علماء نے آپ کی تصدیق کی اور ایمان لے آئے تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے جب آپ ﷺ مقررہ مقام پر پہنچے تو اب انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ صرف تین صحابہ کو لے آئیں ہمارے بھی تین علما ہوں گے ان تین یہودیوں نے خنجر چھپائے ہوئے تھے لیکن ان کی ایک عورت نے اپنے مسلمان بھائی کے سامنے راز فاش کر دیا صحابی نے فوراً آپ ﷺ کو باخبر کر دیا اس خبر کی بناء پر آپ وہاں سے واپس آ گئے اور اگلے دن آپ ﷺ وہاں لشکر لے کر گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔[1]

غزوہ بنو النضیر کا یہ دوسرا سبب بھی بیان کیا جاتا ہے جبکہ اہل سیر کے ہاں پہلا سبب ہی معروف و منقول ہے۔

2۔ غزوہ کے واقعات

راجح قول[2] کے مطابق غزوہ بنی نضیر معرکہ احد کے بعد ربیع الاول کے مہینہ میں چار ہجری 625 عیسوی کو وقوع پذیر ہوا اس غزوہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر میں کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ کا نام سورۃ بنی النضیر بھی ہے ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

"وھی سورۃ بنی النضیر' و ذلک أن رسول اللہ ﷺ کان عاھد بنی النضیر--الخ"[3]

ترجمہ: اس سورۃ کا نام بنی النضیر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بنو نضیر سے معاہدہ کیا ہوا تھا۔

امام بخاری نے بھی اس کا نام حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

حضرت سعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے سورۃ الحشر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا **"قل سورۃ بنی النضیر"** اس کو سورۃ بنی النضیر کہو[4]

1۔ ابوداؤد، **السنن** کتاب الخراج' باب ماجاء فی خبر بنی النضیر، ح3004، اسنادہ صحیح

2۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ غزوہ جنگ بدر کے چھ ماہ بعد غزوہ احد سے پہلے پیش آیا (البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی' باب حدیث بنی النضیر، ح4028۔ سے ماقبل، ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کا جائزہ لیتے ہوئے ابن اسحٰق کی روایت کہ یہ غزوہ احد کے بعد ہوا کو ترجیح دی ہے (العسقلانی، **فتح الباری**، 8/70)

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/283

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب التفسیر' سورۃ الحشر' باب 1، ح4883

سورۃ الحشر کا مرکزی مضمون غزوہ بنی النضیر اور اس کی جزئیات ہیں اسی سبب سے اس کا نام سورۃ بنی النضیر بھی ہے اس آیت میں اس کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾[1]

ترجمہ: وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت۔

اس آیت مقدسہ میں اہل کتاب کے جن کافروں کی جلاوطنی کا تذکرہ ہے وہ یہود کا قبیلہ بنو نضیر ہے ابن عطیہ تحریر پرداز ہیں:

"اس سے مراد بنو نضیر ہیں۔۔۔پس جب آپ ﷺ غزوہ احد سے واپس تشریف لاتے ہیں تو بنو نضیر کی طرف جاتے ہیں ان کا محاصرہ کرتے ہیں اور ان کو مجبور کرتے ہیں کہ وہاں سے نکل جائیں بالآخر وہ مختلف علاقوں کی طرف چلے گئے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو کہا کہ چلے جاؤ تو بنی نضیر کی اکثریت ملک شام کی طرف چلی گئی"[2]

ان کی جلاوطنی کا سبب کیا تھا اس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں مرقوم ہے ان کے قلعہ کے محاصرہ کے دوران ایسا مرحلہ بھی آیا کہ کھجور کے باغات سے درختوں کو کاٹ لیا گیا اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ان کی آڑ لے کر تیر اور پتھر برساتے تھے ان کے درختوں کو کاٹنے کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾[3]

ترجمہ: جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر تو یہ دونوں باتیں اللہ کے اذن سے تھیں۔

اللہ کے اذن کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ جب مسلمانوں نے درخت کاٹے تو انہوں نے اعتراض کیا کہ دیکھو ہرے بھرے درخت کاٹ کر زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے۔ ابن عطیہ نے بھی "اس آیت کے تحت مذکورہ موقف نقل کیا ہے[4] قاضی ابوالسعود نے مذکورہ بحث کو نقل کرتے ہوئے اس امر کا اضافہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے محمد بن مسلم الانصاری کو بھیجا انہوں نے بنو نضیر کو کہا کہ تم مدینہ سے نکل جاؤ آپ ﷺ نے تم کو دس دن کی مہلت دی ہے جب وہ جانے کی تیاری کرنے لگے تو عبد اللہ بن ابی نے ان کو ابھارا تم نہ جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر تم گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ جائیں گے اس وجہ

1۔ الحشر:2

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/283، 284

3۔ الحشر:5

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/285

سے انہوں نے اپنے آپ کو قلعہ محصور کر لیا تو آپ ﷺ نے اکیس دن تک ان کا محاصرہ کئے رکھا پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور جب منافقین کی مدد سے بھی مایوس ہو گئے تو صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن آپ ﷺ نے انکار کر دیا اور جلاوطنی کا حکم دیا اور کہا کہ تم اپنا سامان جو اٹھا کر لے جا سکتے ہو جاؤ پھر عورتوں اور بچوں کو سوار کیا اور چھ سو اونٹوں پر لد لدا کر روانہ ہو گئے بیشتر یہود اور ان کے اکابر مثلاً سلام بن ابی الحقیق اور حیی بن اخطب نے خیبر کا رخ کیا اور ایک جماعت ملک شام روانہ ہو گئی"[1]

مبارکپوری نے اس غزوہ اور سورت پر جامع انداز میں تبصرہ کیا ہے:

"غزوہ بنی نضیر ربیع الاول 4ھ اگست 625ھ میں پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس تعلق سے پوری سورہ حشر نازل فرمائی جس میں یہود کی جلاوطنی کا نقشہ کھینچتے ہوئے منافقین کے طرز عمل کا پردہ فاش کیا گیا ہے اور مال فئے کے احکام بیان کرتے ہوئے مہاجرین وانصار کی مدح وستائش کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ جنگی مصالح کے پیش نظر دشمن کے درخت کاٹے جا سکتے ہیں"[2]

اس موقع پر مسلمانوں نے جو درخت کاٹے تھے اس واقعہ کو بخاری و مسلم نے بھی نقل کیا ہے:

کہ آپ ﷺ نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو کاٹا اور جلایا[3]

آپ ﷺ نے جو ان کا محاصرہ کیا اور جلاوطن کیا اور وہ اپنا مال ومتاع اپنے اونٹوں پر لاد کر چلے گئے اس کا تذکرہ امام حاکم نے بھی کیا ہے[4]۔ ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے اس غزوہ پر جو بحث کی ہے ان کتب میں بھی ان کی رائے کے مطابق ابحاث موجود ہیں[5]۔

مذکورہ تحقیق کا لب لباب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کے خارجی اور داخلی ہر دو سطح پر استحکام کے لئے حکیمانہ تدابیر اختیار فرمائیں۔ بنو نضیر کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ان کی جلاوطنی کی صورت میں ضروری تھا لہٰذا آپ ﷺ نے اس کے لئے عملی اقدامات فرمائے اور انہیں جلاوطن کر دیا۔

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/ 237، 238/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص403

2۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص404

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر، ح4032، کتاب التفسیر، باب ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ﴾، ح4884/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب جواز قطع اشجار الکفار، ح1746

4۔ الحاکم، **المستدرک علی الصحیحین**، کتاب التفسیر، باب سورۃ الحشر، ح3797، ہذا حدیث صحیح علیٰ شرط الشیخین

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/ 56، 57/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 27/ 5، 6، 7/۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 441، 442، 443/۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 2/ 153، 154

مبحث دوم: غزوہ بنی المصطلق[1] اسباب اور واقعات

1۔ غزوہ کے اسباب

غزوہ بنی المصطلق اپنی ساخت کے اعتبار سے کوئی بہت بڑا غزوہ نہ تھا لیکن قدر و قیمت کے حوالے سے معمور و ممتاز مقام کا حامل ہے کیوں کہ یہ قریش کی تجارتی شاہراہ "مریسیع[2]" کے مقام پر ہوا تھا اسی مناسبت سے اس کا نام غزوہ مریسیع بھی ہے اور دوسرا اس غزوہ میں چند ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جن کی وجہ سے ایک طرف منافقین کی منافقت راز نہ رہی اور ایسے احکام بھی نازل ہوئے جن سے اسلامی معاشرے کو شرف و عظمت اور پاکیزگی نفس کی ایک خاص شکل عطا ہوئی[3]۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار آپ سے جنگ کرنے کی غرض سے آ رہا ہے اور اپنے قبیلے کے علاوہ دیگر عربوں کو بھی ساتھ لا رہا ہے تو آپ ﷺ نے اس خبر کی تصدیق کے لئے بریدہ بن[4] حصیب اسلمیؓ کو تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے اس قبیلے میں جا کر حارث بن ابی ضرار سے ملاقات اور بات چیت کی اور واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو حالات سے باخبر کیا۔[5]

بنو مصطلق نے حملے کی جرات غزوہ احد میں مسلمانوں کی حالت زار کے پیش نظر کی۔ دکتور علی الصلابی نے یہ سبب بھی لکھا ہے "اس قبیلے کو قریش کی تائید حاصل تھی اور یہ قبیلہ مکہ کی طرف جاتے ہوئے انتہائی اہم مقام پر مقیم تھا جو مسلمانوں کے لئے مکہ المکرمہ جانے میں رکاوٹ ڈال سکتا تھا"[6]

اس لئے ایسے حالات میں جب وہ مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے لئے منصوبہ بندی بھی کر رہا ہو تو ان کا خاتمہ اہل اسلام کے امن و سکون کے لئے ضروری تھا ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے غزوہ بنی المصطلق کے مذکورہ اسباب

1۔ میم کے ضمہ اور طا کی فتحہ کے ساتھ یہ خزیمہ بن سعد بن عمر بن ربیعہ بن حارثہ کا لقب تھا جس کا تعلق بنو خزاعہ قبیلہ سے تھا (العسقلانی، **فتح الباری**، 430/7)

2۔ میم کے ضمہ اور را کی فتح کے ساتھ یہ وہ علاقہ ہے جو قدید کی سمت میں ساحل سمندر کے قریب واقع تھا پانچ ہجری کو آپ ﷺ اس کی طرف بنو مصطلق سے قتال کے لئے گئے تھے (الحموی، **معجم البلدان**، 118/5)، اور قدید کا علاقہ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر ہے اور مکہ سے ایک سو بیس کلو میٹر دور ہے (العمری، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، 404/2)، مریسیع قدید کے نواح میں بنو خزاعہ کے ایک چشمے کا نام ہے یہ سمندر سے تقریباً اسی کلو میٹر دور جبل تہامہ (حجاز) میں واقع ہے (**معجم المعالم الجغرافیہ فی السیرۃ**، ص290)

3۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص442

4۔ بریدہ بن الحصیب بن عبد اللہ بن الحارث غزوہ بدر سے قبل اسلام لائے تھے لیکن شریک نہیں ہوئے تھے البتہ حدیبیہ میں بیعت رضوان کے وقت موجود تھے 680ء میں وفات پائی۔ (ابن عبد البر، **الاستیعاب**، 185/1)

5۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 59/2/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 405/2/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص442-443

6۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 184/2

پر روشنی نہیں ڈالی ہے جب کہ دیگر پہلوؤں کا ذکر کیا ہے جس پر بحث آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔

2۔ غزوہ کے واقعات

صحیح قول کے مطابق غزوہ بنی المصطلق ماہ شعبان سن پانچ ہجری کو واقع ہوا[1] آپ ﷺ کو جب خبر کی صحت اچھی طرح یقین ہو گیا تو آپ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا اور بہت جلد روانہ ہو گئے روانگی دو شعبان کو ہوئی اس غزوہ میں آپ کے ہمراہ منافقین کی ایک جماعت تھی[2] ابن عطیہ نے اس غزوہ پر بحث سورۃ المنافقون کے تحت کی ہے آپ ابتدائیہ میں تحریر کرتے ہیں:

"وهی مدنية باجماع و ذلک أنما نزلت فی غزوة بنی المصطلق"[3]

ترجمہ: اس سورۃ کے مدنی ہونے پر اجماع ہے اور اس کے نزول کا سبب غزوہ بنی المصطلق ہے۔

اس غزوہ میں منافقین کے سردار عبد اللہ بن ابی کی جانب سے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ایک مہلک وار کیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم و امتنان نہ ہوتا تو مسلمان شدید نقصان سے دوچار ہو جاتے۔ منافقین کے کردار پر تبصرہ کرنے سے قبل اس غزوہ میں آپ ﷺ کی دفاعی حکمت عملی پر کلام کیا جاتا ہے آپ ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ اس سے قبل کے وہ حملہ آور ہوں ان پر حملہ کر کے ان کے عزائم کو خاک میں ملایا جائے آپ ﷺ نے انتہائی رازداری اور برق رفتاری سے لشکر کی تیاری کی کہ سات سو افراد پر مشتمل لشکر تیار کر لیا آپ بذات خود بھی شریک تھے امام بخاری و مسلم نقل کرتے ہیں:

آپ ﷺ نے بنو مصطلق پر اس حال میں حملہ کیا کہ وہ بے خبر تھے ان کے جانوروں کو چشمے پر پانی پلایا جا رہا تھا آپ ﷺ نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کر ڈالا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا اس میں جویریہ ؓ بھی گرفتار ہوئیں[4]

آپ ﷺ نے بعد ازاں حضرت جویریہ ؓ کو اپنے مبارک عقد میں قبول کر لیا اور اس شادی کی وجہ سے

1۔ غزوہ بنی المصطلق کا تاریخی تعین ایک معرکۃ الاراء بحث ہے جس میں پانچ یا چھ ہجری کو واقع ہونے پر اکابر علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور چار ہجری کا بھی قول ہے جو اگرچہ کم علماء کی رائے ہے ابن عطیہ لکھتے ہیں: "آپ ﷺ حضرت عائشہ کے ساتھ غزوہ بنی المصطلق کیلئے گئے تھے جو کہ غزوہ المریسیع بھی ہے ابن اسحٰق کے نزدیک چھ ہجری اور عقبہ کے نزدیک چار ہجری تھی (ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/168) جب کہ صحیح قول شعبان 5 ہجری کا ہے اس کا استدلال صحیح بخاری کی روایت پر ہے کہ "اسی غزوہ سے واپسی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگانے کا واقعہ پیش آیا تھا اور حدیث افک (جھوٹی تہمت) کے تناظر میں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے مابین تلخ کلامی کا ذکر ہے اور معلوم ہے کہ سعد بن معاذ 5ھ کو غزوہ بنی قریظہ کو انتقال کر گئے تھے اور واقعہ افک کے وقت ان کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوہ پانچ ہجری کو ہوا کیوں کہ چھ ہجری کو وہ زندہ نہیں تھے اور مذکورہ واقعات پانچ ہجری کو رونما ہوئے ہیں (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوہ بنی المصطلق، ح 4141)

2۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/59، /۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 442

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/311

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب العتق، باب من ملک من العرب، ح 2541 /۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجهاد والسیر، باب جواز الاغارة علی الکفار، ح 1730

مسلمانوں نے بنو المصطلق کے ایک سو گھرانے جو کہ مسلمان ہو چکے تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ یہ لوگ اب آپ ﷺ کے سسرالی ہیں[1]۔ صحیحین کی روایت سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان پر اچانک حملہ کیا جس سے ان کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا اور باقاعدہ جنگ نہ ہو سکی ابن قیم نے اسی بات کو ترجیح دیتے ہوئے یہ لکھا ہے "کہ اس غزوہ میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائی نہیں ہوئی تھی"[2]۔ ابن حجر عسقلانی نے صحیحین کی روایت اور سیر نگاروں کی روایات کے مابین تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے آپ لکھتے ہیں:

"اس امر کا امکان موجود ہے کہ جب مسلمانوں نے مریسیع چشمے پر اچانک ان پر حملہ کر دیا تو وہ کچھ دیر ڈٹے رہے پھر ان کے مابین صف بندی بھی ہوئی جنگ ہوئی بالآخر مسلمان غلبہ پا گئے اور بنو مصطلق شکست کھا گئے"[3]

اس رائے پر طاہر گیلانی یوں کلام کرتے ہیں "حافظ ابن حجر کی یہ توجیہہ نہایت عمدہ ہے"[4] سیرتی مواد کو مد نظر رکھنے سے یہی رائے مناسب نظر آتی ہے ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے اس غزوہ کے مذکورہ پہلو پر بحث نہیں کی لیکن اس غزوہ کے درمیان عبد اللہ بن ابی کی اس قبیح حرکت کو ذکر کیا ہے جس میں اس نے مسلمانوں کے مابین پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور منافقین کا بالعموم یہی وطیرہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْ ضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾[5]

ترجمہ: اگر نکلتے تمہارے لشکر میں تو نہ زیادہ کرتے تم میں بجز فساد کے اور دوڑ دھوپ کر کے تمہارے درمیان فتنہ پردازی کرتے۔

غزوہ بنی المصطلق میں منافقین کے سردار عبد اللہ بن ابی کی ایسی شر انگیز فتنہ پردازی پر بحث کرتے ہوئے ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

"آپ ﷺ غزوہ بنی المصطلق سے فارغ ہو کر ابھی مریسیع کے چشمہ پر قیام فرما ہی تھے کہ کچھ لوگ پانی پینے کے لئے گئے جن میں حضرت عمر بن خطابؓ کا مزدور جہجاہ غفاری بھی تھا پانی پر ایک شخص سنان بن جہنی سے اس کی دھکم پیل ہو گئی اور دونوں لڑ پڑے تو جہنی نے انصار کے لوگوں کو پکارا اور جہجاہ نے نے مہاجرین کو پکارا آپ ﷺ اس کی خبر پا کر وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا یہ جاہلیت کی پکار ہے اسے چھوڑ دو یہ بدبودار ہے اس واقعے کی خبر جب عبد اللہ بن ابی کو ہوئی تو غصے سے بھڑک اٹھا اور بولا یہ ہمارے علاقے میں آ کر ہمارے ہی مد مقابل ہو گئے ہیں سنو خدا کی قسم اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو ہمیں میں معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی معاذ اللہ کو نکال باہر پھینک دے گا۔۔۔ الخ"[6]

1۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 300/3

2۔ ایضاً

3۔ العسقلانی، **فتح الباری**، 431/7

4۔ گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 168/7

5۔ التوبۃ: 47

6۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 313/5، /۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب، ﴿سواء علیہم استغفرت﴾ ح 4905

اور مزید انصار کے لوگوں کو بھڑکاتا رہا قاضی ابوالسعود نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے[1] غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر ایک اور دلخراش واقعہ پیش آیا جسے واقعہ افک[2] کہتے ہیں اور اس واقعہ کا سرغنہ بھی عبد اللہ بن ابی تھا اور آپ ﷺ نے صورتحال کے واضح ہونے کے بعد بھی صحابہ کے اصرار کے باوجود اس کو قتل یا کسی اور قسم کی سزا نہ دی تھی تو اس کی حکمت کیا تھی کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ "اس کے بعد جب بھی وہ کسی قسم کی خرابی کرتا تو اس کی قوم کے لوگ ہی اس کو برا بھلا کہتے تو اس وقت آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اگر تم نے اس شخص کو اس دن قتل کر دیا ہوتا تو اس کے بہت سے ہمدرد کھڑے ہو جاتے لیکن اگر آج اس کے ہمدردوں کو اس کے قتل کا حکم دیا جائے تو وہ اسے قتل کر دیں گے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ کا معاملہ میرے معاملہ سے زیادہ بابرکت ہے"[3]۔ غزوہ بنی المصطلق کو تمام تر جزئیات کے ساتھ ان کتب سیر سے بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے[4]۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ابن عطیہ اور ابوالسعود نے غزوہ بنی المصطلق کی مناسبت سے جو کلام کیا ہے وہ مستند مواد کی صورت میں موجود ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مذکور ہے غزوہ بنی المصطلق آپؐ کی بہترین دفاعی حکمت عملی کا مظہر ہے کہ اس سے قبل کہ دشمن آپ پر حملہ آور ہو اس کا سر کچل دینا چاہیے اور دوسرا اس غزوہ میں رونما ہونے والے واقعات میں چند ایسے احکام کا نزول ہوا جو نفس کی پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو فروغ بخشنے والے ہیں۔

مبحث سوم: غزوہ احزاب[5] خندق[6] اسباب اور واقعات

1۔ غزوہ کے اسباب

مدینۃ الرسول ﷺ میں آباد یہود کے قبائل سے آپ ﷺ نے معاہدہ کر لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**،6/270

2۔ افک بہتان اور جھوٹ کو کہتے ہیں واقعہ افک وہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہار کی تلاش میں ہودج سے اتر جاتی ہیں اور صحابہ یہ گمان کر کے ہودج کو لاد کر لے آتے ہیں کہ آپ اس میں موجود ہیں بعد میں صفوان بن معطل کو جب راستے میں ملتی ہیں تو وہ آپ کو لے کر آتے ہیں تو مدینہ پہنچ کر عبد اللہ بن ابی نے معاذاللہ آپ پر جھوٹی تہمت لگائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت پر سولہ آیات (النور: 11 تا 26) اتاری تھیں (ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،4/168/۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**،4/470/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**' کتاب التفسیر' باب ﴿**لولا اذ سمعتموہ**﴾، ح4750

3۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص491

4۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**،2/59/۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**،4/44/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**،3/1146/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**،2/404

5۔ اس کو غزوہ احزاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں مشرکین کے قبائل نے متحد ہو کر (جمعیت) کی صورت میں مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اور وہ قریش، غطفان، یہود اور ان کے متبعین تھے (العسقلانی، **فتح الباری**،7/393)

6۔ اس کو غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شہر کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا تھا جس کا مشورہ حضرت سلمان فارسی نے دیا تھا (العسقلانی، **فتح الباری**،7/392)

آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف عداوت کے جذبات موجزن رہتے تھے اور موقع کی تاک میں رہتے تھے کہ کس طرح اپنے اس بغض کا اظہار کریں تو غزوہ احد کے پیش نظر ان کے حوصلے بلند ہو گئے بالآخر بنو نضیر نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی عملاً ہرزہ سرائی کر ڈالی جس بنا پر آپ ﷺ نے ان کو جلاوطن کر دیا لیکن اس کے باوجود اس کی دشنام طرازیوں اور سازشوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان کے سرداروں نے مشرکین کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے ابھارا اور اس کیلئے ایسی چالیں چلیں جس کے نتیجے میں غزوہ احزاب پیش آگیا ابن عطیہ غزوہ احزاب کا سبب لکھتے ہیں:

"یہ غزوہ اس وجہ سے ہوا کہ آپ ﷺ نے بنو نضیر کو مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا تو ان میں سے ایک گروہ اور ان کے علاوہ کچھ یہود مکہ گئے اور قریش کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کیلئے ابھارا"[1]

اس غزوہ کا ایک سبب یہ ہے کہ یہود نے قریش اور ان کے حلیف قبائل کے سامنے ایسی منظر کشی کی کہ وہ جنگ کیلئے آمادہ ہو گئے اور دوسرا سبب بھی ہے کہ غزوہ احد سے واپس ہوتے وقت ابو سفیان نے آپ ﷺ کو کہا تھا کہ اگلے سال بدر کے مقام پر ملیں گے یعنی لڑائی کریں گے تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا تھا ٹھیک ہے اس لئے اس کو "البدر الموعود" بھی کہتے ہیں[2] جبکہ اگلے سال ابو سفیان نہیں آیا تھا اس لئے وہ مسلمانوں سے بار دیگر نبرد آزما ہونے کے لئے منصوبہ بندی کرتے رہتے تھے اور جب یہ بدلتا ہوا منظر نامہ دیکھا تو انہیں لگا کہ یہ نامناسب وقت ہے حملہ آور ہونے کے لئے جس سے اپنی بڑھتی ہوئی غیر مقبولیت کو کم کیا جا سکتا ہے اور غزوہ احزاب کا تیسرا سبب یہ ہے کہ مشرکین مکہ کی تجارتی شاہراہ بدستور خطرے میں تھی اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے پیش نظر ان کو اپنی اقتصادی حالت کمزور ہوتی ہوئی نظر آتی تھی اس لئے بھی وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا خاتمہ کیا جائے[3] یہ وہ اسباب تھے جن کے پیش نظر غزوہ احزاب رونما ہوا۔ ابن عطیہ نے صرف یہ سبب ذکر کیا ہے کہ بنو نضیر کے یہود نے اپنی جلاوطنی کا دکھ مٹانے کے لئے قریش اور دیگر قبائل جیسے بنو غطفان[4] اور بنو سلیم جو کہ بنو غطفان کی کی ایک شاخ ہے کو مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے جنگ پر ابھارا۔

1۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،4/371

2۔ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**،2/76/۔ النسائی، **السنن الکبری** 'کتاب التفسیر' باب قولہ تعالیٰ ﴿فانقلبوا بنعمۃ﴾،ح11017، اسنادہ صحیح /۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری** '،2/55/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**،2/401

3۔ گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**،7/261،262

4۔بنو غطفان، مدینہ کے جنوب مشرق نجد کی حدود میں آباد ایک جنگجو قبیلہ تھا (ریحان، محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ** (کراچی: المناہل ، ط ندارد)،1/286 https:m.marefa.org/

2۔ غزوہ کے واقعات

غزوہ خندق میں مسلمانوں کے خلاف بر سر پیکار تقریباً تمام طبقات مثلاً قریش، بنو غطفان اور یہود حملہ کرنے کی غرض سے جمہور سیرت نگاروں اور صحیح قول کے مطابق شوال پانچ ہجری، فروری 627ء کو نکلے[1] اس غزوہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں فرمایا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا جب حملہ آور ہو کر آگئے تھے تم پر کفار کے لشکر پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم پر کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے اس موقع پر خوب آزمالیا گیا ایمان والو کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کرم نوازی کا تذکرہ ہے جو اس نے غزوہ احزاب کے موقع پر مسلمانوں پر کی تھی اور ابن عطیہ اس سے آگے آیت نمبر اٹھائیس تک غزوہ خندق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وقوله تعالیٰ : ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ الآیات الی قوله تعالیٰ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾[3] نزلت فی شان غزوة الخندق و ما اتصل بها من امر بنی قریظه"[4]

ترجمہ: اللہ کا فرمان " یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے لے کر "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ" تک غزوہ خندق اور بنو قریظہ کے معاملے کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

ابن عطیہ مزید لکھتے ہیں: قریش مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہونا شروع ہو گئے اور یہود بنو نضیر نے دیگر قبائل جیسے بنو غطفان اور بنو اسد جو نجد[5] اور تھامہ[6] میں آباد تھے کے پاس جا کر جنگ کے لئے آمادہ کیا۔ ان قبائل نے جمع ہو کر اب مدینہ کا رخ کیا آپ ﷺ کو جب اس کی خبر موصول ہوئی تو مدینہ شہر کے گرد خندق کھود ڈالی اور یہ وہ

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/ 370/ ۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ص 453/ ۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 3/ 1054

2۔ الاحزاب: 9، 10، 11

3۔ الاحزاب: 28

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/ 371

5۔ نجد جزیرہ نما عرب کا وہ وسطی علاقہ ہے جو حدود یمامہ سے لے کر مدینہ منورہ تک کا علاقہ ہے (الحموی، **معجم البلدان**، 6/ 262)

6۔ تھامہ سے مراد عرب کے بحیرہ احمر کے ساحلی میدان ہیں (الحموی، **معجم البلدان**، 2/ 63)

کام تھا جو اس سے قبل اہل عرب نے نہ کیا تھا یہ جنگی ترتیب اہل فارس[1] اور روم اپناتے تھے سلمان فارسیؓ نے آپ کو اس کا مشورہ دیا تھا اس طرح قریش، کنانہ اور ان کے حلیف قبائل کا لشکر جو دس ہزار افراد پر مشتمل تھا مدینہ پر چڑھائی کرتا ہے اور اس کی قیادت ابو سفیان کر رہا تھا بنو غطفان اور اہل نجد جن کی قیادت عینہ بن حصن کر رہا تھا اور بنو عامر اور ان کے علاوہ جن کی قیادت عامر بن طفیل کر رہا تھا وہ بھی قریش کے لشکر میں شامل ہو گئے اور ان سب نے مدینۃ المنورہ کا محاصرہ کر لیا یہ واقعہ شوال پانچ ہجری کو رونما ہوا جس طرح ابن اسحٰق نے لکھا ہے۔ بنو قریظہ جن سے آپ ﷺ کا معاہدہ تھا کہ وہ آپ کا ساتھ دیں گے لیکن جب محاصرہ ہوا تو بنو نضیر ان کے پاس جاتے ہیں غداری پر ابھارتے ہیں پس یوں انہوں نے آپ ﷺ سے غداری کی اور معاہدہ توڑ ڈالا اور وہ بھی اس لشکر ابو سفیان کے لشکر کا حصہ بن گئے اس امر نے آپ ﷺ اور مومنین کو مزید مشکلات سے دوچار کر دیا لیکن آپ ﷺ مومنین کو بشارتیں دے رہے تھے اور ان سے مدد کا وعدہ کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں اپنا رعب ڈال دیا اور خندق کی وجہ سے اب وہ اپنی کامیابی سے ناامید ہونے لگے اور اس چیز سے بھی خوف زدہ ہو گئے کہ ان کو مومنین کے چہرے ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے اور ایسے میں قریش کا ایک شخص جس کا نام نوفل بن الحارث تھا خندق کو اپنے گھوڑے کے ساتھ عبور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو خندق میں گر جاتا ہے وہاں ہی مار دیا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے "باد صبا[2]" کو بھیجا جس نے ان کے خیموں کو اکھاڑ دیا آگ بجھا دی ہنڈیوں کو الٹ دیا جس کی بدولت اب ان کا وہاں ٹھہرنا ممکن نہ رہا۔ اس سے کافروں کے دل مرعوب ہو جاتے ہیں اور بیس سے زائد دن[3] کا محاصرہ کرنے کے بعد خائب و خاسر اپنے لشکر کو لے کر واپس لوٹ جاتے ہیں[4]۔

اس غزوہ میں ایک ایسا مرحلہ بھی آیا کہ مسلمانوں کو سخت کرب سے گزرنا پڑا جس کو قرآن نے "**زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجز**" سے تعبیر فرمایا ہے ابن عطیہ اس کیفیت پر ابو سعید خدریؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ: مومنین نے خندق کے دن کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کلیجے منہ کو آ رہے ہیں ایسے میں ہم کیا کہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تم کہو کہ اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف کو امن سے بدل دے پس جب انہوں نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے

1۔ فارس سے مراد وہ وسیع و عریض ریاست تھی جس کی حدود ایک طرف عراق سے کرمان تک اور دوسری طرف بحر ہند کے ساحل سے لے کر سندھ مکران تک ہے (الحموی، **معجم البلدان**، 4/226)

2۔ مدینہ کے شمال سے مدینہ کی جنوب کی طرف چلنے والی ہوا کو باد صبا کہتے ہیں (سعیدی، **تبیان القرآن**، 9/389)

3۔ یہ محاصرہ کتنے دن تھا اس پر اختلاف ہے قاضی ابو السعود نے قریباً ایک ماہ لکھا ہے (ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/223)، موسیٰ بن عقبہ کے بقول بیس راتیں تھا۔ واقدی کے نزدیک چوبیس دن اور امام نووی نے پندرہ دن لکھا ہے جب کہ ابن القیم نے ایک مہینہ کا قول کیا ہے تو اس میں صحیح اور راجح قول ایک ماہ ہے (خندق کی کھدائی سے لے کر محاصرے کے اختتام تک) (العازمی، **اللولؤ المکنون**، 3/153، 154، /۔ گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 7/367)

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/371، 372، 373

کافروں کے چہروں پر زور سے ہو اماری پس وہ شکست کھا گئے[1]

ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت کو امام احمد بن حنبل نے بھی نقل کیا ہے[2]۔ قاضی ابو السعود نے ان آیات کی تفسیر کا آغاز اس طرح کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

"والمراد بالجنود الاحزاب و هم قريش و غطفان و يهود قريظة و النضير وكانو ازهاء اثنى عشر الفاً فلما سمع رسول الله ﷺباقبالهم ضرب الخندق على المدينة باءشارة سلمان الفارسی"[3]

ترجمہ: اس آیت میں جنود سے مراد قریش، غطفان اور قریظہ و نضیر کے یہود کا لشکر ہے وہ تقریباً بارہ ہزار تھے جب آپ ﷺ کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے شہر مدینہ کی حفاظت کے لئے خندق کی کھدائی کی۔

قاضی ابو السعود نے لشکر کی تعداد بارہ ہزار لکھی ہے جبکہ ابن عطیہ اور دیگر سیرت نگاروں نے دس ہزار تحریر کی ہے اور جمہور سیرت نگاروں کا یہی قول ہے[4]۔ قاضی ابو السعود نے دوسرے مقام پر اس لشکر کی تعداد دس ہزار لکھی ہے جس کی قیادت ابوسفیان کر رہا تھا اور بنو غطفان، اہل نجد اور یہود کے قبائل بنو قریظہ اور نضیر ان کا ذکر تعداد لکھے بغیر یہ کہا ہے کہ یہ وہ تھے جو ﴿مِّنْ فَوْقِكُمْ مِنْكُمْ﴾ وادی کے اوپر سے آئے تھے اور ابوسفیان کا ذکر اس طبقہ میں کیا ہے جو ﴿وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ اس طرف سے آیا تھا اس کی تعداد دس ہزار لکھی ہے گویا آپ کے نزدیک دس ہزار تعداد اس گروہ کی تھی کی جس قیادت ابوسفیان کر رہا تھا اور باقی دو ہزار تھے لیکن ابن سید الناس نے قریش اور ان کے حلیف قبائل اور بنو غطفان سب کی تعداد الگ الگ لکھنے کے بعد ان سب کی کل تعداد دس ہزار لکھی ہے[5] جبکہ اس میں بنو نضیر اور بنو قریظہ وہ کتنی تعداد میں تھے اس کا ذکر نہیں کیا جبکہ ابو السعود نے سب کا نام لکھتے ہوئے تعداد بارہ ہزار لکھی ہے کتب سیر میں باقی قبائل کی تعداد کا تو تذکرہ ہے مگر بنو نضیر کا لشکر کتنے افراد پر مشتمل تھا اس کا الگ سے تذکرہ موجود نہیں ہے اور بنو قریظہ جو مدینہ میں ہی تھا لیکن مسلمانوں سے معاہدہ توڑ کر وہ بھی عملاً مشرکین کے لشکر کا حصہ بن گئے تھے ان کی تعداد جو جنگجو تھے سات سو بتائی جاتی ہے[6] اس طرح اگر عرب کے مشرک قبائل جو مسلمانوں سے معرکہ آرائی کیلئے آرہے تھے کے ساتھ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہود کی تعداد کو بھی شامل کیا جائے تو

1۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،4/ 371، 372، 373

2۔احمد بن حنبل، **المسند**، ح10996، ہذا اسنادہ صحیح (الالبانی، **سلسلہ الاحادیث الصحیحۃ**،5/ 29، ح2018)

3۔ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**،5/ 223

4۔ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص455/۔ابن سعد، **الطبقات الکبری**،2/ 62/۔البیہقی، **دلائل النبوۃ**،3/ 428/۔العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**،2/ 426

5۔ابن سید الناس، **عیون الأثر**،2/ 86/۔گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**،7/ 274

6۔ریحان، محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**،1/ 291

یہ تقریباً بارہ ہزار ہونگے اس بنا پر ابو السعود کا موقف صحت کے قریب نظر آتا ہے۔ ابن عطیہ کے برعکس قاضی ابو السعود نے ان محاربین کا ذکر کیا ہے جو خندق کی تنگ جگہ سے گھوڑوں کو لیکر خندق کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بالآخر حضرت علیؓ کی ان میں سے ایک کے ساتھ مڈ بھیڑ ہوتی ہے آپ لکھتے ہیں:

"قریش کے شہسواروں میں سے عمرو بن عبدود، عکرمۃ بن ابی جہل، ھبیرۃ بن ابی وہب، نوفل بن عبداللہ، ضرار بن الخطاب اور مرداس نے نسبتاً کم چوڑی جگہ جست لگا کر کے خندق کو عبور کر لیا اور مسلمانوں کے گروہ میں سے حضرت علیؓ ان سے پنجہ آزمائی کے لئے نکلتے ہیں اور ان میں سے عمرو بن عبدود دعوت مبارزت دے رہا ہوتا ہے حضرت علیؓ اس کی مبارزت کو قبول کرتے ہیں اولاً اسے اسلام کی دعوت دیتے ہیں وہ انکار کر دیتا ہے اور آخر کار حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا جاتا ہے عمرو بن عبدود کے مرنے کے ساتھ باقی فرار ہو جاتے ہیں جو خندق عبور کر کے آئے ہوئے تھے لیکن دو اور مشرک بھی اسی طرح کی کوشش میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں ہی جہنم واصل ہو گئے تھے"[1]

مذکورہ واقعہ کو ان ائمہ نے بھی نقل کیا ہے۔[2] قاضی ابو السعود کے نقل کردہ واقعہ کا دیگر کتب سے تجزیہ کرنے سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ آپ کا نقل کردہ واقعہ صحیح ہے۔ العازمی نے عمرو بن عبدود کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں قتل ہونے کو محل نظر بتایا ہے کہ بادی النظر میں یہ صحیح نہیں لگتا کہ حضرت علی نے عمرو بن عبدود قتل کیا ہے[3] لیکن اپنے اس موقف پر کوئی نقلی دلیل نہیں پیش کی اور اس پر اپنا گمان ہی پیش کیا لہٰذا صحیح وہی ہے جو جمہور سیر نگاروں کا موقف ہے۔

3۔ منافقین کی ہرزہ سرائی

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو غزوات میں کبھی فتح و کامرانی اور کبھی درد و ابتلا کی فراوانی سے اسی لئے ہمکنار کرتا ہے تاکہ خالص ایمان والوں اور منافقین کی پہچان ہو سکے یہی وجہ ہے کہ جب غزوہ احزاب میں اہل ایمان پر سخت ابتلا و آزمائش کا مرحلہ آیا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾[4]

ترجمہ: اس موقع پر خوب آزمالیا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔

تو اس وقت منافقین کے گروہ نے اہل ایمان پر طنز و تشنیع کا سلسلہ شروع کر دیا جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ملتا ہے:

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/223-224

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 6/284/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 21/209/۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/64/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/429 (دکتور العمری نے نوفل المخزومی کا قتل حضرت زبیر کے ہاتھوں ہونے کے حوالے سے لکھا ہے)

3۔ العازمی، **اللؤلؤ المکنون**، 3/172

4۔ الاحزاب: 11

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا﴾[1]

ترجمہ: اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے فتح کا اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے۔

ابن عطیہ اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

"روی عن یزید بن رومان أن معتب بن بشیر قال: یعدنا محمد ﷺ أن نفتتح کنوز کسریٰ و قیصر و مکه و نحن الآن لا یقدر أحدنا أن یذهب الی الغائط"[2]

ترجمہ: یزید بن رومان روایت کرتے ہیں کہ معتب بن بشیر نے کہا کہ محمد ﷺ تو ہم سے وعدے کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو فتح کریں گے اور یہاں حال یہ ہے کہ پیشاب پائخانے کے لئے جانے میں بھی خیر نہیں۔

قاضی ابو السعود نے بھی اس آیت کی روشنی میں ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت کو ہی نقل کیا ہے[3]۔ منافقین کا مذکورہ طنز کا نشتر ان کتب میں بھی منقول ہے۔[4] یہ چیز واضح کرتی ہے کہ منافق موقع شناس تھے جونہی مسلمانوں کو مشکل حالت میں دیکھا تو ان کے ساتھ یہ نازیبا رویہ اختیار کر لیا مسلمان جو خارجی محاذ پر سینہ سپر تھے داخلی محاذ پر بھی انہیں کمزور کرنے کی سر توڑ کوششیں ہو رہی تھیں جس میں بنو قریظہ کے ساتھ منافقین کا گروہ بھی پیش پیش تھا۔ اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک اور کارستانی کو بیان فرمایا ہے:

﴿وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَامُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ﴾[5]

ترجمہ: اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا اے یثرب والو اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تم واپس جاؤ اور ان کا دوسرا فریق نبی سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

اس جان گسل عالم میں منافقین اس قسم کی حیلہ طرازیاں کر رہے تھے جب کہ اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول کے وعدہ کے پیش نظر مطمئن اور ثابت قدم تھے جو ان کے ایمان میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبات کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَاوَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾[6]

1۔ الاحزاب:12

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/373

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/225

4۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 457/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 3/1063/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 420/۔ العازمی، **اللؤلؤ المکنون**، 3/163، 164

5۔ الاحزاب:13

6۔ الاحزاب:22

ترجمہ: اور جب ایمان والوں نے کفار کے لشکروں کو دیکھا تو فرط جوش سے پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے اس کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا۔

غزوہ احزاب میں آپ ﷺ کیخلاف خارجی و داخلی محاذ پر محاربت کے ساتھ لشکر میں موجود منافقوں کی صورت میں بھی مصائب و آلام کا سلسلہ جاری تھا اس طرح یہ غزوہ اپنی شدت میں منفرد نوعیت کا تھا مگر آپ ﷺ کی بصیرت آفروز حکمت عملی اور صحابہ کرام کے پائے استقلال کی ثباتی نے جنگ کے نتائج مسلمانوں کے حق میں کر دیئے تھے اور اس نے مشرکین مکہ کے رعب و دبدبہ کو خاک آلود کر دیا تھا کہ اس کے بعد وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی غرض سے نہ آسکے بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا! اب ہم ان پر چڑھائی کریں وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے ہم ان کی طرف چل کر جائیں گے [1] گویا اس غزوہ کے بعد آپؐ نے دفاعی پوزیشن لینے کی بجائے پیش قدمی کو جنگی حکمت عملی کے طور پر اختیار فرمالیا۔

4۔ یثرب پر تبصرہ

یہاں پر ایک آیت میں "یا أهل یثرب" کی ترکیب کے ساتھ نداء کی گئی ہے اور یثرب سے مراد مدینہ ہے جو آپ ﷺ کی ہجرت سے قبل اس کا نام تھا:

ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں مکہ سے اس جگہ کی طرف ہجرت کروں گا جہاں کھجوروں کے درخت ہیں میرا خیال اس طرف گیا کہ وہ جگہ یمامہ ہے پس وہ جگہ مدینہ یثرب تھی [2]

آپ ﷺ نے یہ نام اس وقت لیا تھا جب آپ نے اس کی طرف ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی اور ہجرت کے بعد اس کو یثرب کہنے سے روک دیا۔ قاضی ابو السعود نقل کرتے ہیں:

"وقد نهى النبیﷺ أن تسمى بها كراهة لها و قال "هی طیبه" أو طابة" [3]

ترجمہ: نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ اس کو یثرب کہا جائے بلکہ آپ نے کہا یہ طیبہ و طابۃ ہے یعنی پاک وصاف۔

آپ ﷺ نے دوسرے مواقع پر بھی شہر مدینہ کے خصائص کو بیان فرمایا ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا: مدینہ طیبہ ہے یہ گناہوں کو اس طرح مٹاتا ہے جس طرح آگ چاندی کے رنگ کو مٹا دیتی ہے [4]

حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح**' کتاب المغازی' باب غزوۃ الخندق، ح4109، 4110

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**' کتاب المناقب' باب ہجرۃ النبی ﷺ، ح3897 کے ماقبل

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/225/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح18519، اسنادہ ضعیف لضعف یزید بن ابی زیاد

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح**' کتاب المغازی' باب غزوہ احد، ح4050/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**' کتاب الحج' باب المدینۃ تنفی شرارہا، ح1384

کا نام "طابۃ" رکھا ہے[1]

ابن عطیہ نے یہ کلام نہیں کیا کہ انہوں نے "اہل یثرب" کی نداء کیوں کی جب کہ قاضی ابو السعود نے اس کا سبب لکھا ہے: ''کانھم ذکروھا بذلک الاسم مخالفةً له ﷺونداء ھم ایاھم بعنوان أھلیتھم''[2]

ترجمہ: گویا انہوں نے اس نام یثرب کا ذکر آپ ﷺ کی مخالفت میں کیا کیوں کہ آپ ناپسند کرتے تھے کہ اس کو یثرب کہا جائے جیسا کہ مذکورہ روایات میں ہے اور انہوں نے یہ نداء ان کی باشندگی کی وجہ سے کی ہے۔

امام آلوسی نے بھی اسی طرح کا موقف پیش کیا ہے: انہوں نے اس کے ناموں میں سے یثرب کو اس لئے اختیار کیا کہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اس کو ناپسند کرتے ہیں[3]۔

"یہ امر واقعہ ہے کہ 5ھ میں یورش کا مقابلہ آنحضرت ﷺ نے ترقی یافتہ اصول جنگ سے کیا"[4]

خلاصہ یہ ہے کہ منافقین کا یہ طبقہ اپنے الفاظ کے ذریعے بھی آپ ﷺ کی تکلیف ارزانی کا باعث بن رہا تھا لیکن یہ غزوہ ان تمام تر حشر سامانیوں کے باوجود مشرکین، منافقین اور یہود کیلئے باعث صد حیف ہی رہا۔ غزوہ احزاب در حقیقت اعصاب کا غزوہ تھا جس میں کوئی خونریز معرکہ پیش نہ آیا لیکن تاریخ اسلام میں فیصلہ کن غزوہ ثابت ہوا۔ کفار نے پوری طاقت کے ساتھ حملہ کیا جس نے مسلمانوں کو شدید کرب سے دوچار کر دیا۔ اس نازک صورتحال میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دستگیری فرمائی کفار اور ان کے اتحادیوں کے اتحاد میں رخنہ ڈال دیا علاوہ ازیں ایسی اندھی بھیجی جس نے ان کے پاؤں اکھاڑ کر رکھ دیئے اس ہوا نے خیمے، سازوسامان اور کھانوں کی ہانڈیاں تک کو الٹ دیا اور اس غزوہ میں آپ ﷺ نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے خندق کھود کر ایسی جنگی چال چلی تھی جس نے غیر مسلموں کو اور سراسیمہ کر دیا تھا یوں اہل ایمان کو نیست و نابود کی غرض سے آنے والا لشکر جرار خائب و خاسر لوٹ گیا۔

مبحث چہارم: غزوہ بنی قریظہ[5] اسباب اور واقعات

1۔ غزوہ کے اسباب

حضور ﷺ نے یہود مدینہ کے ساتھ معاہدہ[6] کیا ہوا تھا لیکن غزوہ خندق کے موقع پر بنو نضیر نے مشرکوں کو قبائل کے

1۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الحج، باب المدینۃ تنفی شرارھا، ح1385

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/225

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 21/218

4۔ حمید اللہ، **عہد نبوی کے میدان جنگ**، ص63

5۔ قریظہ جھینہ کے وزن پر یہود کے قبیلے کا نام ہے جو مدینے کے قریب تیسرا یہودیوں کا قبیلہ تھا یہ سب سے شریر اور بدزبان جماعت تھی (داناپوری، **اصح السیر**، 73)

6۔ کتب رسول اللہ ﷺ کتاباً۔ وادع فیہ یہود وعاہدھم (ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص232)

اتحاد کے ساتھ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے ترغیب دلائی تھی دوسرے لفظوں میں غزوہ احزاب کے رونماہونے میں مرکزی منصوبہ بندی اور سازشی کردار بنونضیر کا تھا کہ سردار حی بن اخطب نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو بھی اپنے جال میں پھنسالیا اس طرح آپ ﷺ کے ساتھ عہد شکنی کرتے ہوئے عملاً مشرکوں کے لشکر کا حصہ بن گئے غزوہ بنی قریظہ کا ایک سبب ان کی عہد شکنی تھا ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"هم بنو قريظه، و ذلک أنهم لما غدروا برسول الله ﷺ و ظاهروا الاحزاب عليه أراد الله النقمة منهم"[1]

ترجمہ: اس سے مراد بنو قریظہ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ سے عہد شکنی کی اور آپ کے خلاف لشکر احزاب کی مدد کر ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ "بنو قریظہ آپ ﷺ سے سب سے زیادہ بغض رکھتے تھے اور سخت ترین کافر تھے اسی وجہ سے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو ان کے بھائیوں بنو قینقاع اور بنو نضیر کے ساتھ بھی نہیں کیا گیا"[2]۔ آپ ﷺ ان کے اس قبیح کردار کو جانتے تھے اس لئے ان کی سخت گوشمالی کی گئی اور حقیقت میں وہ اسی کے سزاوار تھے۔

2۔ غزوہ کے واقعات

غزوہ احزاب کے موقع پر جس رات شدید آندھی چل رہی تھی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کہ ہے کوئی ایسا شخص جو کفار کی خبریں لے کر آئے تو بعد میں آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان[3] کا نام لے کر فرمایا کہ اے حذیفہ تم جاؤ اور کفار کی خبریں حاصل کر کے آؤ اور ان کو میرے خلاف غضب میں نہ لانا حضرت حذیفہؓ نے واپس آکر آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ کفار واپسی کی تیاری کر رہے ہیں[4]

یہ خبر سن کر آپ ﷺ اور تمام صحابہؓ خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فتح دی تمام احزاب و قبائل کو شکست نصیب ہوئی تو صبح کے وقت آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ واپس لوٹتے ہیں تو اسی روز یہ غزوہ پیش آتا ہے "پانچ ہجری ذی قعدہ کے ماہ میں یہ واقع ہوتا ہے"[5]۔ اس غزوہ کا تذکرہ ان آیات کریمہ میں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/379/۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/153

2۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/153

3۔ حذیفہ بن الیمان کبار صحابہ میں سے تھے کنیت ابوعبداللہ اور الیمان لقب تھا آپ حضور ﷺ کے رازدان تھے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد چھتیس ہجری (656ء) کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وصال فرمایا (ابن عبد البر، **الاستیعاب**، 1/334، 335)

4۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح23334، حدیث صحیح /۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ الخندق، ح1718

5۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص462/۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/70

تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا-وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَؤُهَا- وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرًا﴾[1]

ترجمہ:اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں اور انکے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عطیہ رقم طراز ہیں۔ جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

جب کفار کا لشکر چلا گیا تو ظہر کے وقت حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں حاضر ہونے اور عرض کرتے ہیں اے محمد ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیتا ہے تب آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھے۔ صحابہ کرامؓ روانہ ہوئے انہیں راستہ میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو صحابہ کی ایک جماعت عشاء کے بعد پہنچتی ہے اور اس نے عصر کی نماز آپ ﷺ کے ظاہری الفاظ کے پیش نظر ابھی تک ادا نہ کی جب کہ صحابہ کی ایک جماعت نے راستہ میں ادا کر لی ان کے پیش نظر یہ تھا کہ آپ ﷺ کی مراد وہاں جلدی پہنچنے کی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ نماز کا وقت ہو بھی جائے تو ادا نہ کرنا آپ ﷺ نے بنو قریظہ کا پچیس راتیں محاصرہ کیے رکھا پھر وہ حضرت سعد ابن معاذؓ کی حکمیت پر صلح کے لئے راضی ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ سعد بنی معاذ الاوس قبیلے سے تعلق رکھتے اور اوس اور ان کے درمیان دوستی کا معاہدہ تھا تو سعد بن معاذؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے جنگجوؤں کو قتل کیا جائے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کی جائیدادوں اور مال کو بطور غنیمت وصول کرتے ہوئے مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو ان کے فیصلہ پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے سعد تم نے ان کے متعلق وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ساتوں آسمانوں کے اوپر حکم تھا پھر آپ ﷺ نے ان کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا اور جو قتل کیے گئے ان کی تعداد آٹھ سے لے کر نو سو تک تھی اور اسی دوران حی بن اخطب کو لایا گیا جو ان کے درمیان عہد شکنی کروانے آیا تھا اس وقت اس نے ایسا جوڑا پہنا ہوا جو پھٹا ہوا تھا تا کہ مال غنیمت کے طور پر نہ لیا جا سکے اس کے ہاتھ گردن کے پیچھے باندھے ہوئے تھے اور جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہا اللہ کی قسم! اے محمد ﷺ میں اپنے نفس کو آپ کی عداوت کی وجہ سے ملامت نہیں کرتا لیکن بات یہ ہے جو اللہ سے لڑتا ہے ذلیل کر دیا جاتا ہے پھر لوگوں سے کہا اے لوگو اللہ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں یہ تو نوشتہ تقدیر ہے اس کے بعد وہ بیٹھا اور اسے قتل کر دیا گیا۔[2]

ابن عطیہ نے غزوہ بنو قریظہ میں پیش آنے والے واقعات کو تفصیلاً ذکر کیا ہے قاضی ابو السعود نے بھی ان

1۔ الاحزاب:26-27

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،4/379،380

آیات کی تفسیر کرتے وقت ابن عطیہ کے نقل کردہ واقعات کو ہی نقل کیا ہے آپ کی روایت میں فقط اتنا اضافہ ہے جو ابن عطیہ کی روایت میں موجود نہیں ہے وہ یہ کہ حضرت جبرائیلؑ نے آپ سے یہ بھی کہا:

"أتنزع لأمتک والملائکة ما وضعو السلاح"[1]

ترجمہ: کہ کیا آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں حالانکہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے۔

قاضی ابوالسعود نے ابن عطیہ کی نسبت قدرے اختصار اپنایا ہے اور مقتولین کی تعداد آٹھ سو نقل کرنے کے ساتھ قیدیوں کی تعداد بھی نقل کی ہے کہ وہ سات سو تھے"[2]۔ ان آیات کے ضمن میں ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی ان واقعات کو نقل کیا ہے[3]۔ غزوہ بنی قریظہ میں پیش آنے والے واقعات کو ان ائمہ حدیث نے بھی قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے[4]۔ جن کا مفہوم ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کی نقل کردہ روایات سے مماثلت رکھتا ہے اور بنو قریظہ سے جنگ کے احوال ان کتب سیرت سے بھی مفصلاً مطالعہ کیے جاسکتے ہیں[5]۔

خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ بنو قینقاع اور بنو نضیر نے شر انگیزیاں اور بدعہدیاں عام حالات میں کی تھیں جب کہ بنو قریظہ نے اس وقت بدعہدی اور شر انگیزی کی جب ایک قسم کا پورا عرب جو مسلمانوں کے خلاف تھا شہر مدینہ کے مضافات میں معرکہ آرائی کے لئے صف آراء ہو چکا تھا اس وجہ سے ان کے جرم کی نوعیت دوسروں سے مختلف تھی اس لئے بنو قریظہ کو سخت سزا دی گئی اور واقعتاً یہ سزا ان کے طبعی مزاج اور سرشت کے مطابق تھی جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عہد شکن قوم عبرتناک انجام کی مستحق ہوتی ہے اور آپ ﷺ کے اس اقدام سے ریاست مدینہ داخلی اور خارجی ہر دو سطح پر محفوظ ہو جاتی ہے اور یوں شہر مدینہ یہودی قبائل سے بھی خالی ہو جاتا ہے۔

1۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص462/۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/70/۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 3/428/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص426تا433

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/232

3۔ ایضاً

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 6/400/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 255تا260

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب، ح4117، 4119، 4121، 4122/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح24994، اسنادہ صحیح علی شرط مسلم/۔ الحاکم، **المستدرک**، کتاب المغازی والسرایا، باب نزول جبریل علیہ السلام فی صورۃ دحیۃ الکلبی، ح4332، ہذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین۔

باب چہارم: مدنی دور رسالت کے مباحث سیرت 6 ہجری تا 11 ہجری

فصل اول: صلح حدیبیہ اور غزوہ خیبر اسباب وواقعات

فصل دوم: فتح مکہ اور غزوہ حنین اسباب وواقعات

فصل سوم: غزوہ تبوک، حجۃ الوداع اور وصال مبارک

باب چہارم:

مدنی دور رسالت کے مباحث سیرت 6ہجری تا 11ہجری

حضور ﷺ کی ذات بابرکات جب تک مکہ میں مقیم رہی مشرکین مکہ آپ ﷺ اور آپ کی دعوت کو ختم کرنے کی سر توڑ کوششیں کر چکے مگر غائب و خاسر رہے اسلام پھیلتا گیا اسی طرح جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے تو وہاں بھی آپ کو اور آپ کی دعوت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے یکے بعد دیگرے جنگیں کیں مگر نور اسلام فزوں سے فزوں تر ہوتا گیا حتی کہ غزوہ احزاب خندق نے ان کی شوکت و سطوت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا کیوں کہ یہ وہ غزوہ تھا جس میں انہوں نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ حملہ کیا تھا اپنے اتحادیوں کو ساتھ ملایا جو بھی دشمن اسلام تھا اسے جنگ میں شریک کیا مگر اللہ تعالیٰ کی شان جتنی بڑی فوج لے کر آئے تھے اتنی بڑی ناکامی جس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی اسی وجہ سے آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ اب یہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں گے بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے بالآخر ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کیا جو ان کا مرکز عقیدت و تجارت تھا اس پر معرکہ آراء ہونے کی بجائے کوئی بڑی مزاحمت بھی نہ کر سکے اور آپ ﷺ نے بسہولت مکہ کو فتح کر لیا اس موقع پر آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر کے ان کے دلوں کو بھی تسخیر کر لیا۔

فتح مکہ کے بعد اسلام ایسا درخشندہ ستارہ بن کر جزیرۃ العرب کے افق پر طلوع ہوا تھا جس کی روشنی نے پورے عالم کو منور کرنا شروع کر دیا اور روم کی سرحد پر تبوک کے مقام پر مدینہ سے آٹھ سو کلومیٹر کی مسافت پر اپنی سے کئی گنا بڑی فوج سے لڑنے کے لئے پہنچ کر آپ نے دشمن کو مرعوب کر کے رکھ دیا جس سے اسلام کی حقانیت مزید واضح ہو گئی غزوہ تبوک آپ کا آخری غزوہ تھا اس کے بعد اپنے جانثاروں اور سرفروشوں کے روبرو 9ذی الحجہ کو خطبہ حجۃ الوداع دے کر اسلام کی آفاقیت اور عالم گیریت کو سنہرے الفاظ کے ساتھ کنندہ کر دیا۔

اس باب میں صلح حدیبیہ، غزوہ خیبر، فتح مکہ، غزوہ حنین و تبوک، حجۃ الوداع اور آپ ﷺ کے وصال مبارک کو زیر تحقیق لایا گیا ہے اور دوران تحقیق تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود سے استفادہ کرتے ہوئے مباحث سیرت کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا۔

فصل اول: صلح حدیبیہ اور غزوہ خیبر اسباب وواقعات

آپ ﷺ کو اپنی محبوب ترین سرزمین مکۃ المکرمۃ[1] سے ہجرت فرمائے چھ برس بیت چکے تھے۔ بیت اللہ شریف کا طواف اور مقدس مقامات کی زیارت کا گہرا اشتیاق تھا غزوہ احزاب کے بعد عرب کی فضا میں قدرے سکون آیا تھا آپ ﷺ کو خواب میں بھی خانہ کعبہ کی زیارت کا اشارہ مل چکا تھا اس لئے صحابہ کرام کی عظیم جماعت کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکۃ المکرمۃ کوچ فرماتے ہیں مگر مقام حدیبیہ پر حالات ایسے ناساز گار ہو جاتے ہیں کہ جنگ ہوتے ہوتے صلح حدیبیہ کی صورت میں ٹل جاتی ہے اور آپ ﷺ جب صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں قریش کی طرف سے مامون ومحفوظ ہو جاتے ہیں تو آپ نے ضروری جانا کہ خیبر جو یہود کا مسکن تھا سازشوں اور فتنہ پردازیوں کا بھی آماجگاہ بنا ہوا تھا اس کے قلع قمع کے لئے عملی اقدامات اٹھائے جائیں اس لئے غزوہ خیبر رونما ہوا آپ ﷺ کا حکمت اندوز اقدام معاہدہ صلح حدیبیہ درحقیقت فتح مکہ کا پیش خیمہ تھا اور فتح مکہ نے عالم عرب کو ششدر کر کے رکھ دیا تھا جس پر ردعمل اڑیل اور متکبر قبائل ہوازن وثقیف کے علاوہ کسی اور قبیلہ نے ظاہر نہ کیا اس لئے ان کے خلاف غزوہ حنین وطائف کی ضرورت پیش آئی اس معرکہ کے نتیجہ میں عرب کی حدود میں مصائب ومشکلات کا دور تقریباً ختم ہو جاتا ہے مگر خارجی محاذ پر سے رومی جو ایک مضبوط اور طاقتور سلطنت کے حامل تھے انہوں نے مسلمانوں کو ہراساں کرنا شروع کر دیا تھا اس لئے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کیلئے غزوہ تبوک پیش آیا آخر کار رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عالمی انسانی حقوق کا منشور پیش کرنے کے مختصر عرصہ تقریباً اسی دن کے بعد دار فنا سے دار بقا کو رحلت فرما جاتے ہیں۔

مبحث اول: صلح حدیبیہ[2] اسباب وواقعات

صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں عالم عرب میں امن وسکون کی فضا قائم ہوئی تو اسلام کی حقانیت پوری آب وتاب سے چھوٹے بڑے قبائل پر واضح ہونے لگی یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ قریش کے سخت اقدام کے باوجود جنگ سے گریزاں تھے قریش کے سفراء سے مذاکرات کئے اور ایسی شرائط کو بھی تسلیم کر لیا جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اور مسلمان اس صلح پر چیں بچیں بھی تھے مگر چند روز بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے لاریب کلام میں اسے فتح مبین قرار دیا اور

1۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے (اللہ کی قسم بے شک تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر زمین ہے اور اللہ کی زمین میں اللہ کو بھی تو ہی سب سے زیادہ محبوب ہے اگر تیرے رہنے والے مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں کبھی نہ جاتا، احمد بن حنبل، **المسند**، 18718، حدیث صحیح)

2۔ حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام تھا پھر اس ساری جگہ کو اس نام سے پکارا جانے لگا امام بخاری نقل کرتے ہیں "الحدیبیہ بئر" (البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی' باب غزوۃ الحدیبیۃ، ح 4150)؛ الحموی، **معجم البلدان**، 2/229، حدیبیہ مکہ کے مغرب میں بائیس کلومیٹر قدیم جدہ کے راستے پر واقعہ ہے (البلادی، **معجم المعالم الجغرافیۃ فی السیرۃ النبویۃ**، ص 94)۔

اس کی برکتوں سے اسلام کی دعوت کا سلسلہ جزیرہ عرب سے باہر بھی شروع ہو گیا اس کا سبب یہ بنا کہ آپ ﷺ اور مسلمانوں کو قریش نے اپنی انا اور ضد سے جب عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی جس پر حالات کشیدہ ہو جاتے ہیں مگر آپ ﷺ نے جنگ کے بجائے صلح کے معاہدہ کو ترجیح دی اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب آپ ﷺ عمرہ کرنے کی غرض سے مکۃ المکرمۃ تشریف لا رہے تھے عمرہ کا ارادہ آپ کا اس وقت بنا تھا جب آپ یہ خواب دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ صحابہ کی جماعت کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ اس آیت مقدسہ میں کیا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾[1]

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں۔

ابن عطیہ اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"أن رسول اللہ ﷺ رأى فی منامه عند خروجه الى العمرة أنه يطوف بالبيت هو واصحابه بعضهم محلقون و بعضهم مقصرون"[2]

ترجمہ: بے شک آپ ﷺ یہ خواب دیکھتے ہیں کہ آپ عمرہ کے لئے جا رہے ہیں اور اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہیں ان میں سے بعض نے سر منڈوا رکھے ہیں اور بعض نے قصر یعنی بالوں کو چھوٹا کیا ہوا ہے۔

آپ ﷺ جب یہ خواب حضرات صحابہ کرامؓ کو سناتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں کہ عرصہ ہائے دراز یعنی چھ سال بعد اپنی محبوب سرزمین کی زیارت ہو گی قاضی ابو السعود اس آیت کے تحت مذکورہ خواب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فقص الرؤيا علىٰ أصحابه ففرحوا واستبشروا"[3]

ترجمہ: آپ ﷺ یہ خواب اپنے صحابہ سے بیان کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

گویا اس خواب نے بیت اللہ شریف کی زیارت کے شوق کو جلا بخشی تھی ابن کثیر اور امام آلوسی بھی اس آیت کے تحت ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کے موافق آپ ﷺ کا یہی خواب بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ خواب دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں الخ[4]

1۔ الفتح: 27

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/139

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/114

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 7/356/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 25/300

دکتور علی الصلابی بھی عمرہ کا یہی سبب نقل کرتے ہیں[1] اور اس عمرہ کا دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے:

''وکان المھاجرون أشدھم حنیناً الیٰ مکۃ فقد ولدوا ونشؤوا فیھا''[2]

ترجمہ: مہاجرین مکۃ المکرمۃ سے شدید محبت کرتے تھے پس بلاشبہ وہ یہاں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے۔

آپ ﷺ اور مہاجرین اپنے آبائی وطن خاص طور پر بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے انتہائی رنجیدہ رہتے تھے اب غزوہ احزاب کے بعد ماحول میں اس قدر بہتری آچکی تھی کہ وہ عمرہ کی زیارت کے لئے آسکتے تھے مبارکپوری اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''جب جزیرہ نما عرب میں حالات بڑی حد تک مسلمانوں کے موافق ہوگئے تو اسلامی دعوت کی کامیابی اور فتح اعظم کے آثار رفتہ رفتہ نمایاں ہونا شروع ہوئے اور مسجد حرام میں جس کا دروازہ مشرکین نے مسلمانوں پر چھ برس سے بند کر رکھا تھا مسلمانوں کے لئے عبادت کا حق تسلیم کیے جانے کی تمہیدات شروع ہوگئیں''[3]

آپ ﷺ کے خواب نے اس پر مزید مہر تصدیق ثبت کردی آپ ﷺ مدینہ طیبہ اور اس کے نواح میں بسنے والوں میں یہ منادی کروائی کہ وہ آپ کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لئے عازم سفر ہوں لیکن بعض قبائل نے اس پر تاخیر کی ابن عطیہ اس مناسبت سے لکھتے ہیں:

﴿الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ سے مراد بقول حضرت مجاہد کے مدینہ کے اطراف میں بسنے والے جھینہ اور مزینۃ کے قبائل ہیں جب آپ ﷺ حدیبیہ کے سال عمرہ کی ادائیگی کے لئے تشریف لے جانے لگتے ہیں تو یہ قبائل تاخیری حربہ استعمال کرنے لگے اس ڈر سے کہ وہاں ان کا بڑے دشمن سے سامنا ہوگیا مثلاً قریش، ثقیف[4]، کنانۃ اور وہ دوسرے قبائل جو مکۃ کے اردگرد آباد ہیں''[5]

ان قبائل کا آپ ﷺ کی معیت میں جانے سے کترانے کا سبب یہ تھا کہ وہ قریش اور ان کے اتحادی قبائل سے خوفزدہ تھے وہ یہ تک گمان رکھتے تھے۔

''وقالوا لن یرجع محمد و لا أصحابه من هذه السفرة''[6]

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب اس سفر سے ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔

1۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 2/279

2۔ ایضاً

3۔ منصور پوری، **الرحیق المختوم**، ص459

4۔ ثقیف کا نام قسی بن البنیت تھا اور اس کا نسب یہ ہے بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن نزار بن معد بن عدنان اور عدنان جو کہ اولاد اسماعیل میں سے ہیں سے قبائل منقسم ہوئے (ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص9-26)

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/130-133

6۔ ایضاً، 5/130

قاضی ابوالسعود بھی اس مقام پر مذکورہ بحث ہی نقل کرتے ہیں [1]۔ اللہ تعالیٰ نے ان فرامین میں ان کی کیفیات اور کلام کو ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کی مذکورہ تفاسیر انہی فرامین کے تحت ہے ارشاد گرامی ہے:

﴿سَيَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْلَنَا۔ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ الخ۔ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰى اَهْلِيْهِمْ الخ﴾[2]

ترجمہ: عنقریب آپ سے عرض کریں گے وہ دیہاتی جو پیچھے چھوڑ گئے تھے ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل وعیال نے پس ہمارے لئے معافی طلب کریں اے حبیب ﷺ یہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کرلیا تھا کہ اب ہر گز لوٹ کر نہیں آئے گا یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی۔

ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی یہ بحث ذکر کی ہے [3]۔ آپ ﷺ چھ ہجری ذی القعد کے مہینہ میں پیر کے دن صحیح قول کے مطابق چودہ سو صحابہ کرام کے ہمراہ سفر کے لئے نکلتے ہیں۔ ابن عطیہ یہ تبصرہ سورت کے آغاز میں کرتے ہیں کہ یہ واقعہ کب ہوا آپ لکھتے ہیں:

"وکان رسول اللہ ﷺخرج فی تلک الوجهة لیعتمر بمکة فصده المشرکون، القصة المشهورة سنة ست من الهجرة------ خرج من المدینة فی ذی القعدة سنة ست من الهجرة یرید العمرة"[4]

ترجمہ: آپ ﷺ اس وجہ سے سفر کے لئے نکلتے ہیں تاکہ مکہ میں عمرہ کریں لیکن مشرکین نے ان کو روکا یہ مشہور قصہ چھ ہجری کو رونما ہوا۔ آپ عمرہ کے ارادہ سے ذی القعدہ سن چھ ہجری کو نکلے صحابہ کرام کی تعداد کتنی تھی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"وکان فی ألف و أربعمائة رجل"[5]

ترجمہ: ان کی تعداد چودہ سو تھی۔

قاضی ابوالسعود نے صلح حدیبیہ کی تاریخ اور ماہ پر کلام نہیں کیا ہے سورۃ الفتح کے آغاز میں یہ رقم کیا ہے:

"نزلت فی مرجع رسول اللہ ﷺمن الحدیبیة"[6]

ترجمہ: یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے۔

البتہ معتمرین کی تعداد ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

1۔ ابوالسعود، ارشاد العقل السلیم، 6/107

2۔ الفتح: 11-12

3۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 7/337/۔ الآلوسی، روح المعانی، 25/253

4۔ ابن عطیہ، المحرر الوجیز، 5/127-136

5۔ ایضاً

6۔ ابوالسعود، ارشاد العقل السلیم، 6/103

”وکانوا ألفاً و خمسائة و خمسة و عشرين و قيل ألفاًوأربعمائة“[1]

ترجمہ: ان کی تعداد پندرہ سو پچیس تھی اور یہ بھی قول ہے کہ چودہ سو تھے۔

گویا ابو السعود کے نزدیک صحیح تعداد پندرہ سو پچیس تھی اس لئے چودہ سو کا بعد میں ذکر کیا اور وہ بھی ”قیل“ کے ساتھ آپ کا موقف صحیح روایات کے تناظر میں درست نہیں ہے جیسا کہ ابن عطیہ نے بھی چودہ سو تعداد ہی لکھی ہے: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن ہم سے کہا کہ تم روئے زمین پر بہترین لوگ ہو اور ہم تعداد میں چودہ سو تھے[2]

حضرت جابرؓ سے پندرہ سو کی تعداد بھی منقول ہے: كنا خمس عشرة مئة [3]۔ ہم پندرہ سو تھے جب کہ ایک روایت میں چودہ سو اور پندرہ سو دونوں باتیں مروی ہیں[4]

بخاری کی مذکورہ روایات میں صحت کے قریب تعداد کون سی ہے اس پر ابن القیم رقم طراز ہیں:

”میں کہتا ہوں کہ حضرت جابرؓ سے دو قول مروی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ حدیبیہ کے سال ستر اونٹ ذبح کئے گئے اور ہر اونٹ میں سات حصہ دار ہوتے ہیں اس طرح آپ سے کہا گیا کہ تم کتنے تھے تو کہا کہ ہم چودہ سو تھے اور میرا دل اسی قول چودہ سو کی طرف مائل ہے“[5]

اکرم العمری تحریر پرداز ہیں: ”تمام اقوال میں جو صحیح ترین قول ہے وہ چودہ سو کا ہے“[6]

آپ ﷺ پیر کے دن یکم ذوالقعدہ سن چھ ہجری کو چودہ سو صحابہ کی معیت میں عمرہ کی ادائیگی کے لئے تشریف لے جاتے ہیں قربانی کے جانور بھی آپ کے ساتھ تھے[7]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ یکم ذوالقعدہ سن چھ ہجری کو چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

1۔ آپ ﷺ کو روکنے کی کوشش

آپ ﷺ ذی القعدہ کے مہینہ میں عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے تھے یہ وہ مہینہ تھا جس میں تمام اہل عرب

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/111

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، ح4154

3۔ ایضاً

4۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے کہا کہ مجھ تک حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ چودہ سو تھے اس پر سعید بن مسیب نے کہا پندرہ سو تھے (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، ح4153)

5۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/339

6۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/435

7۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 2/279/۔ محمد اسماعیل ریحان، **تاریخ امت مسلمۃ**، 1/307

جنگ کرنے کو نامناسب سمجھتے تھے اور دوسرا آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے اور عربوں کے ہاں کسی ایسے قافلے پر حملہ کرنا سخت معیوب سمجھا جاتا تھا جس کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں مگر اس کے باوجود جب قریش کو آپ ﷺ کے آنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ اپنی روایات کے برعکس جنگ کی تیاری شروع کر دیتے ہیں اور آپ ﷺ کو عمرہ سے روکنے کی سر توڑ کوششیں کرتے ہیں ان کے اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہے:

﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْىَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّه﴾[1]

ترجمہ: یہی وہ بدنصیب ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام میں داخل ہونے سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔

ابن عطیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ اہل مکہ تھے جنھوں نے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو حدیبیہ کے سال عمرہ کی ادائیگی سے روکا تھا آپ ﷺ ذی القعدہ چھ ہجری کو عمرہ کی ادائیگی اور بیت اللہ شریف کی تعظیم کے ارادہ سے نکلے تھے اور آپ کے ساتھ سو اونٹ تھے ستر کا بھی قول ہے پس آپ جب مکہ کے قریب پہنچتے ہیں تو اہل مکہ کہتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ ہیں جنھوں نے ہم سے جنگ کی اور ہمارے لوگوں کو قتل کیا اب وہ مکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں اللہ کی قسم ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ اپنی جان بھی دے دیں گے پس وہ آپ سے لڑنے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اپنے حلیف قبائل کو بھی مستعد کرتے ہیں پس آپ ﷺ نے اپنے لشکر کو لے کر حدیبیہ کے کنوئیں کے قریب پڑاوڈالا"[2]

قاضی ابوالسعود نے اس آیت کے تناظر میں حدیبیہ کے واقعہ کو تو بیان نہیں کیا لیکن لفظی توضیحات میں مسجد حرام سے روکنے کو ہی نقل کیا ہے[3]۔ امام بخاری بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو جاسوس نے آکر خبر دی کہ قریش وہ آپ سے لڑنا چاہتے ہیں اور آپ کو بیت اللہ سے بھی روکنا چاہتے ہیں[4]۔ ابن کثیر نے بھی اس آیت کے ضمن میں قریش کا مسلمانوں کو عمرہ کی ادائیگی سے روکنے کے احوال کو نقل کیا ہے[5]۔ آپ ﷺ چونکہ مقدس مقامات کی زیارت سے شرف یاب ہونے کے لئے تشریف لا رہے تھے اس لئے آپ ﷺ جنگ سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر فرما رہے تھے لہٰذا جب بدیل بن ورقا[6] نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ میں کعب بن لوئی کو دیکھ کر آرہا ہوں۔

1۔ الفتح: 25

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/136

3۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/112

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح** 'کتاب المغازی' باب صلح الحدیبیہ، ح 4178-4179

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 7/346

6۔ قبیلہ خزاعہ سے اس کا تعلق تھا تہامہ کے باشندوں میں یہی ایک قبیلہ (خزاعہ) رسول اللہ ﷺ کا خیر خواہ تھا (مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 461) اور خزاعہ قبیلہ کا نسب یہ ہے خزاعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ان کو خزاعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے والد عمرو بن عامر سے پیچھے رہ گئے تھے جب وہ یمن سے شام جا رہے تھے اور پھر انہوں نے مر الظہران پر جائے سکونت اختیار کر لی تھی (ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 46)

"وہ حدیبیہ کے پانی کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں ان کے ہمراہ عورتیں اور بچے بھی ہیں وہ آپ ﷺ سے لڑنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں قریش کو لڑائیوں نے تھکا دیا ہے اور اسے سخت ضرر پہنچا ہے اس لئے اگر وہ چاہیں تو ان سے ایک مدت طے کر لوں اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں۔۔۔۔۔اس پر بدیل نے کہا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں میں اسے قریش تک پہنچا دوں گا"[1]

آپ ﷺ کا یہ پیغام صلح وامن کی راہ کو ہموار کرنے کے لئے تھا آغاز میں قریش نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ تو کیا مگر بعد ازاں انہوں نے بھی اس پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا یوں مصالحت کے لئے قریش کی طرف سے سفراء کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اس طرح تقریباً چھ سال کی مدت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ قریش نے تلوار کی جگہ سفارت کاری اور بات چیت کا راستہ اختیار کیا تھا۔

2۔ بیعت رضوان

آپ ﷺ نے اسی اثنا میں قریش سے براہ راست موثر انداز میں گفت وشنید کے لئے حضرت عثمانؓ کو بھیجا کہ قریش کو جا کر بتاؤ کہ ہم عمرہ کی غرض سے آئیں ہیں حضرت عثمانؓ نے موثر پیرائے میں آپ ﷺ کا موقف قریش کے سامنے رکھا لیکن حالات بدستور سنگین ہی رہے یہاں تک کہ آپؓ کی شہادت کی خبر بھی مشہور ہو جاتی ہے تب آپ ﷺ صحابہ کرام سے جنگ کے لئے بیعت لیتے ہیں جس کا تذکرہ اللہ نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾[2]

ترجمہ: یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے۔

صحابہ کرام نے جب اپنے محبوب رسول ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام رضا پر متمکن فرما دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ انتہائی نازک مرحلہ میں انہوں نے وفاشعاری اور جذبہ جانثاری کی مثال رقم کی تھی ابن عطیہ اس بیعت کے سبب پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں:

اس بیعت کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ نے مکہ میں قریش کے پاس ایک ایسے آدمی کو بھیجنے کا ارادہ فرمایا جو یہ واضح کر سکے کہ آپ ﷺ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں پس آپ ﷺ نے ان کی طرف خراش بن امیہ الخزاعی[3] کو بھیجا تو جب خراش بن امیہ نے قریش سے اس موضوع پر کلام کیا تو انہوں نے

1۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص500 /۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/ 7439 /۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص461

2۔ الفتح:18

3۔ خراش بن امیہ بن ربیعۃ بن الفضل ابو نضلۃ آپ کی کنیت تھی بنو مخذوم کے حلیف تھے غزوہ مریسیع اور حدیبیہ میں شریک تھے آپ حجام تھے آپ ہی نے حضور ﷺ کا عمرہ کے موقع پر حلق کیا تھا (العسقلانی، احمد بن علی، **الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ 1415ھ)، 2/ 231

اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کو قتل کرنا چاہا تو اس پر قریش کے حلیف قائل نے ان کو روکا جب آپ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے عمر بن الخطابؓ کو بھیجنا چاہا جس پر انہوں نے معذرت ظاہر کی اور فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کو بھیجیں تو آپ نے حضرت عثمان کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تو حضرت عثمان نے قریش کو آکر خبر پہنچائی جس پر انہوں نے آپ کو کہا کہ اگر آپ چاہیں تو طواف کر لیں اس پیشکش پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہیں کریں گے میں طواف نہیں کروں گا اس پر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر دیا ادھر جب عثمانؓ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو یہ افواہ پھیل جاتی ہے کہ معاذاللہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے یہ چیز آپ ﷺ اور صحابہ کرام کو غمزدہ کر دیتی ہے اس پر آپ ﷺ لوگوں کو بیعت کی دعوت دیتے ہیں اور منادی نداء دیتا ہے اے لوگو! بیعت بیعت جب آپ نے لوگوں کی بیعت کر لی تو اپنے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ حضرت عثمانؓ کا ہے اور یہ عثمان کے ہاتھ سے بہتر ہے۔[1]

قاضی ابو السعود نے بھی اس سبب کو نقل کیا ہے ابن عطیہ کی نسبت اس چیز کا اضافہ کیا ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت کی گئی وہ ببول کا درخت تھا اور دوسرا اس چیز کو بھی نقل کیا کہ آپ ﷺ نے اس امر پر بیعت کی تھی کہ وہ قریش سے قتال کریں گے اور کسی صورت نہیں بھاگیں گے۔ اس پر آپ ﷺ نے ان کو کہا کہ تم آج روئے زمین پر سب سے بہتر لوگ ہو"[2]۔[3] ابن کثیر نے اور امام آلوسی نے بھی بیعت رضوان کے تناظر میں ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کے موافق بحث نقل کی ہے[4]۔

"جب صحابہ کرام نے بیعت کی تو ان کے شرف اور ان سے رضا کے اظہار کی وجہ سے اس کو بیعت رضوان کا نام دیا گیا اور اس وجہ سے بھی کہ اس میں صحابہ کرام کی شان کا بیان ہے"[5]

مسلمانوں نے جب اس جذبے اور وارفتگی کا اظہار کیا تو قریش مکہ مصالحت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اس سے قبل کی گفت وشنید میں قریش کا رویہ دھمکی آمیز ہوتا تھا لیکن اب سنجیدگی سے شرائط پر غور وفکر کرنے لگتے ہیں اور

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/134

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، ح4154/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب **الامارۃ**، باب استحباب مبایعۃ الامام، ح1856

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/110-111

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 7/339/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 25/269

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/133/۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/110/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 25/269

بڑے غور و فکر کے بعد کچھ شقیں طے کر کے سہیل بن عمرو[1] کو سفیر بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجتے ہیں ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

"آپ ﷺ نے حضرت عثمان کو مکہ بات کرنے کے لئے بھیجا جب کہ اہل مکہ نے مختلف اوقات میں عروہ بن مسعود[2]، بدیل بن ورقا کو بھیجا آپ ﷺ نے چند دن اس امر پر توقف فرمایا حتی کہ سہیل بن عمرو آیا اور یہ صلح ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ اس سال عمرہ ادا کئے بغیر واپس چلے جائیں گے اور اگلے سال عمرہ کی ادائیگی کے لئے آسکیں گے"[3]

ابن عطیہ نے اس واقعہ کو بھی نقل کیا ہے کہ جب معاہدہ تحریر کیا جانے لگا تو سہیل بن عمرو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پر اعتراض کیا اور کہا کہ **باسمک اللھم** لکھا جائے اسی طرح "محمد رسول اللہ" کے لکھے جانے پر بھی اعتراض کیا گیا کہ محمد بن عبد اللہ لکھا جائے تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ یہ جو کہہ رہا ہے اس کو مٹا دو[4]۔

مذکورہ واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بہر صورت معاہدہ امن و صلح کے خواہشمند تھے اس لئے سہیل بن عمرو کی طرف سے نامناسب رویہ کے باوجود آپ اس معاہدہ کو پایہ تکمیل پہنچانا چاہتے تھے کیوں کہ آپ کو اس صلح کے نتائج کا بھرپور اندازہ تھا۔ قاضی ابو السعود نے اس آیت:

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَه عَلٰى رَسُوْلِه----﴾[5]

ترجمہ: تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول مکرم پر اور اہل ایمان پر۔

کے تحت سہیل بن عمرو کا آپ ﷺ کے ساتھ معاہدہ امن کو تحریر کرنے کا واقعہ ابن عطیہ کے موافق نقل کیا ہے کہ قریش نے اسے بھیجا کہ آپ ﷺ کو بتائیں کہ امسال عمرہ کے بغیر چلے جائیں اگلے سال تشریف لائیں اور صرف تین دن قیام فرمائیں الخ۔ ابو السعود نے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ اہل مکہ کی شرائط کو دیکھ کر مومنین نے ارادہ کیا کہ معاہدہ کا انکار کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی جس وجہ سے انہوں نے تحمل کا مظاہرہ کیا۔[6]

صلح حدیبیہ کی مناسبت سے جس قدر ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے بحث کی ہے انہیں کے مطابق اور

1۔ سہیل بن عمرو بن عبد شمس (556ء-639ء) ابو یزید کنیت اور قریش کا خطیب تھا مکہ میں رہتا تھا پھر مدینہ میں سکونت اختیار کر لی فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ انہوں نے ہی طے کیا تھا طاعون کے مرض میں اٹھارہ ہجری کو انتقال فرمایا (العسقلانی، احمد بن علی، **الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ** (بیروت۔ لبنان: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولی، 1415ھ)، 3/177-178

2۔ عروہ بن مسعود بن معتب بن ثقیف الثقفی (متوفی 630ء) یہ مغیرہ بن شعبۃ کے والد کا چچا تھا اس کا تعلق طائف سے تھا آپ ﷺ کے غزوہ طائف سے واپسی پر یہ اسلام لے آیا تھا بنو ثقیف کے ایک شخص نے نیزہ مار کر آپ کو قتل کر دیا تھا (العسقلانی، **الاصابۃ**، 4/406-407)

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/133

4۔ ایضاً، ص 138

5۔ الفتح: 26

6۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/104

اس سے زائد مختلف الفاظ کے ساتھ امام بخاری نے اس پر مختلف روایات کو نقل کیا ہے[1] جو کہ اس واقعہ کی استنادی حیثیت کو مستند و معتمد بناتا ہے اس صلح میں ان شقوں کے تحت معاہدہ عمل میں لایا گیا" دس سال تک جنگ بندی رہے گی مسلمان اس سال عمرہ ادا کئے بغیر واپس چلے جائیں گے اگلے سال عمرہ کے لئے تشریف لائیں گے، اہل مکہ کا کوئی کافر اگر مسلمان ہو کر حضور ﷺ سے جا ملے تو اسے واپس اہل مکہ کے حوالے کیا جائے گا اگر کوئی شخص آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر مکہ والوں سے آکر مل جائے تو اسے واپس نہیں بھیجا جائے گا فریقین ایک دوسرے کے خلاف خفیہ کارروائیوں سے اجتناب کریں گے دیگر قبائل جس فریق کا حلیف بننا چاہیں تو بن سکتے ہیں۔[2]

مذکورہ چھ شقیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن ان کے نتائج اتنے دور رس تھے کہ اس صلح کو "فتح مبین" سے تعبیر فرمایا گیا:

﴿اِنَّا فَتَحْنَالَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا﴾[3]

ترجمہ: یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی۔

صحیح قول کے مطابق اس فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور یہ "الفتح الاعظم" ہے[4] اگر "فتحاًمبیناً سے مراد فتح مکہ بھی ہو تو یہ آیات غزوہ حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی تھیں جیسے قاضی ابو السعود لکھتے ہیں:"المراد به فتح مكة شرفها الله"[5]۔اس سے مراد فتح مکہ ہے اور حدیبیہ سے واپسی پر ان آیات کا نازل ہونا واضح کرتا ہے کہ اگر فتح مبین سے مراد یہاں صلح حدیبیہ نہ بھی ہو تو پھر بھی یہ فتح مبین کا پیش خیمہ ضرور ہے جبکہ صحیح قول کے مطابق صلح حدیبیہ ہے جیسا کہ ابن عطیہ کا موقف ہے جو کہ گزشتہ صفحات میں مرقوم ہے اور قاضی ابو السعود نے بھی صلح حدیبیہ کو "اعظم الفتوح" کہا ہے[6]۔ابن کثیر اس تناظر میں تحریر فرماتے ہیں:

"نزلت هذه السورة الكريمة لمار جع رسول الله ﷺ من الحديبيه"[7]

ترجمہ: یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے۔

1۔البخاری، **الجامع الصحیح**،کتاب الشرط،باب لشرط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب،ح2731-2732،کتاب المغازی،باب غزوۃ الحدیبیۃ،ح4178-4179

2۔ایضاً/۔ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**،ص504/۔العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**،2/442-443/۔
Russ,The Generalship of Muhammad, Page,189

3۔الفتح:1

4۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،5/125

5۔ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**،6/104

6۔ایضاً

7۔ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،7/325

امام بخاری نے بھی حضرت براء سے یہ روایت نقل کی ہے:

((قَالَ: تَعُدُّونَ أَنْتُمُ الْفَتْحَ فَتْحَ مَكَّةَ وَقَدْ كَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فَتْحًا، وَنَحْنُ نَعُدُّ الْفَتْحَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ)) [1]

ترجمہ: تم فتح فتح مکہ کو کہتے ہو وہ بھی فتح ہے لیکن ہم حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کو "الفتح" شمار کرتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ اپنے نتائج و ثمرات میں فتح مبین اور "الفتح الاعظم" کے پہلوؤں کو سموئے ہوئے تھی۔ امام آلوسی اس ضمن میں ابن عطیہ کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے موقف کو صحیح قرار دیتے ہیں:

﴿انا فتحنا لک﴾ اخبار من صلح الحديبية عند الجمهور-----قال ابن عطيه: وهو الصحيح" [2]

ترجمہ: یقیناً ہم نے آپ کو فتح دی یہ جمہور کے نزدیک صلح حدیبیہ سے متعلق ہے اور ابن عطیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ صحیح قول ہے۔

امام آلوسی مزید لکھتے ہیں:

"لأن ذلک الصلح صار سبباً لفتح مكة' قال الزهری:لم يكن فتح اعظم من صلح الحديبيه" [3]

ترجمہ: کیوں یہ صلح فتح مکہ کا سبب بنی تھی اور الزہری کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح اعظم نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے فضائے عرب میں امن کا ماحول قائم ہوا جس سے لوگوں کو آزادی کے ساتھ اسلام اور اہل اسلام کو دیکھنے کا موقع ملا اور یہ چیز ان کو اسلام کی قبولیت سے مشرف کرتی گئی اور اس سے اہل اسلام کو وہ شوکت وطاقت نصیب ہوئی کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے اقدامی جہاد کا بھی آغاز فرمایا اور اس کے بعد قریش کی نامور شخصیات جیسے خالد بن الولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا" [4]

"صلح حدیبیہ کی رو سے قریش کے ساتھ جنگ بندی نے آپ ﷺ کو ریاست مدینہ کے داخلی استحکام، نظم و نسق کے اجراء اور اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کا موقع ہاتھ آیا" [5]

صلح حدیبیہ جو کہ معاہدہ امن تھا آپ علیہ السلام نے جنگ کئے بغیر ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیۃ، ح4150

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 25/224

3۔ ایضاً

4۔ ابن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، 2/428

5۔ فضل ربی، ارم سلطانہ **"صلح حدیبیہ آنحضرت ﷺ کی سیاسی، معاشرتی اور دفاعی حکمت عملی"**، البصیرۃ، جلد3، شمارہ1، 2014، ص114

مبحث دوم: غزوہ خیبر[1] اسباب وواقعات

1۔ غزوہ کے اسباب

صلح حدیبیہ نے عالم اسلام کے لئے نئی جہتیں پیدا کر دی تھیں آپ ﷺ کا جب قریش سے جنگ بندی کا معاہدہ ہو جاتا ہے تو دشمنان اسلام کا سب سے مضبوط اور ہٹ دھرم گروہ قریش مسلمانوں سے متحارب ہونے کو ترک کر دیتا ہے تو دیگر مخالفین اسلام کے حوصلے بھی پست ہو جاتے ہیں مگر وہ یہودی قبائل جو مدینۃ المنورہ سے جلاوطن کر دیئے گئے تھے ان میں سے بنو نضیر کے نامی گرامی سردار سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ابی الحقیق اور حیی بن اخطب نے خیبر کو اپنا مسکن بنالیا تھا اور وہاں سے عالم اسلام کے خلاف ہرزہ سرائیوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری رکھا جن میں حیی بن اخطب غزوہ بن قریظہ میں مار دیا گیا لیکن باقیوں کی طرف سے اہل اسلام کو کسی نہ کسی طریق سے نقصان پہنچانے کی کوششیں ہوتی رہیں۔ مدینہ کے گرد و پیش آباد بدوؤں کو بھڑکاتے رہتے تھے اور مسلمانوں کے خاتمے یا کم از کم انہیں بڑے پیمانے پر زک پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ نے سب سے پہلا اور فیصلہ کن راست اقدام اسی مرکز شر وفساد کے خلاف کیا۔[2]

صحیح معنوں میں امن و سلامی کے قیام کے لئے خیبر میں آباد یہود کا قلع قمع ضروری تھا کیوں کہ ان کو کچلے بغیر امن عامہ کو برقرار رکھنا مشکل تھا اس لئے اس غزوہ کا سبب یہود کی سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے نجات کا حصول تھا اور چونکہ یہ "فوجی انگیخت کا مرکز اور لڑانے بھڑانے اور جنگ کی آگ بھڑکانے کی کان تھا اس لئے سب سے پہلے یہی مقام مسلمانوں کی نگہ التفات کا مستحق تھا"[3]

دوسرا سبب یہ تھا کہ عرب کے قبائل خیبر کے یہودیوں کے مال و دولت، شوکت وسطوت اور مضبوط قلعوں کی بدولت ان سے مرعوب تھے اس لئے ان کی شکست کا مطلب اسلام کی حقانیت کا خوب واضح ہو جانا تھا اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ یہودیوں کے رعب و دبدبہ کے تاثر کو فتح خیبر کی صورت میں زائل کر دیا جائے اس مناسبت سے بھی یہ غزوہ رونما ہوا۔

2۔ غزوہ کے واقعات

حضور ﷺ نے انتہائی رازداری سے خیبر کے یہودیوں کو گوشمالی کے لئے صحیح قول کے مطابق محرم سن

1۔ خیبر کے معنی قلعے کے ہیں اسی وجہ سے اس شہر کو خیابر کہا گیا ہے کیوں یہ بہت سے قلعوں پر مشتمل تھا یہ مدینہ منورہ کے شمال میں شام کے راستے پر 165 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے یہ نہایت سرسبز وشاداب علاقہ ہر قسم کی فصلوں اور پھلوں سے مالامال ہے یہ عرب کے بڑے نخلستانوں میں شمار ہوتا ہے (البلادی، **معجم المعالم الجغرافیۃ فی السیرۃ النبویۃ**، ص118)

2۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص475

3۔ ایضاً، ص497/۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 2/329/۔ الجازمی، **اللؤلؤ المکنون**، 3/397

سات ہجری کو کوچ فرمایا اس غزوہ میں چودہ سو صحابہ آپ کے ہمراہ تھے اور یہ وہی عالی بخت شخصیات تھیں جو حدیبیہ کے سفر میں آپ کے ساتھ تھیں آپ ﷺ نے راتوں رات سفر کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ صبح صادق کے وقت خیبر کے قلعوں کے سامنے اپنے لشکر کا پڑاؤ ڈالا[1]۔ اچانک اس منظر نے یہود کو حواس باختہ کر کے رکھ دیا اور ان کی یہ صدائیں بلند ہونے لگیں محمد لشکر لے کر آ گئے"[2] اللہ تعالیٰ نے غزوہ خیبر کا تذکرہ اشارۃً ان آیات مقدسہ میں فرمایا ہے: ﴿وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا- وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا- وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾[3] ترجمہ: اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سے غنیمتیں بھی عطا کیں جن کو وہ عنقریب حاصل کریں گے اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اصحاب رسول کی دلجوئی فرما رہا ہے کہ عمرہ کی ادائیگی نہ کرنے پر رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ عنقریب آپ کو فتح عطا فرمائیں گے اور بکثرت مال غنیمت سے بھی نوازے گا یہ خیبر کی فتح سے حاصل ہونے والے غنائم کثیرہ ہیں ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

"والفتح القریب: خیبر وذلک أن رسول اللہ ﷺ انصرف بالمؤمنین الی المدینة و قد وعده اللہ بخیبر و خرج الیها---- والمغانم الکثیرة: فتح خیبر"[4]

ترجمہ: اس آیت میں "فتح قریب" سے مراد غزوہ خیبر کی فتح ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور مومنین سے حدیبیہ سے واپس مدینہ آتے ہوئے کیا تھا اور پھر آپ ﷺ اس غزوہ کے لئے گئے تھے اور اس آیت میں **"المغانم الکثیرہ"** سے مراد خیبر کی فتح سے حاصل ہونے والا منقولہ و غیر منقولہ مال ہے۔

ابن عطیہ اس آیت **﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ﴾**[5]

ترجمہ: پس جلدی دے دی ہے تمہیں یہ (صلح) اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے۔

کے تحت لکھتے ہیں: **﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾ یرید خیبر اشارة الیٰ البیعة اوالتخلص من امر قریش"**[6]

ترجمہ: پس جلدی دے دی تمہیں اس سے مراد فتح خیبر ہے اور---- اس میں اشارہ ہے بیعت رضوان اور قریش سے نجات صلح کی صورت میں۔

ابن عطیہ غزوہ خیبر کے دیگر پہلوؤں کو زیر بحث نہیں لاتے ہیں جبکہ ابو السعود نے ان آیات کی تفسیر میں ابن عطیہ کا

1۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/ 103/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 3/ 183/۔ الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**، 2/ 328/۔ ریحان، **تاریخ امت مسلمۃ**، 1/ 319

2۔ الفتح: 18-19

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/ 131

4۔ ایضاً، ص134

5۔ الفتح: 20

6۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/ 131

موقف ہی بیان کیا ہے[1]۔ ابن کثیر بھی اس موقع پر بحث کرتے ہوئے ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کا موقف ہی نقل کرتے ہیں[2]۔ امام آلوسی لکھتے ہیں:

"قال ابن عباس و عکرمة و قتادہ و ابن أبی لیلیٰ و غیرھم: ھو فتح خیبر"[3]

امام آلوسی نے اس مقام پر "مغانم کثیرہ" کی تفسیر میں ایک روایت کا حوالہ دیا ہے جسے ابن عطیہ، قاضی ابوالسعود اور ابن کثیر نے نقل نہیں کیا ہے آپ لکھتے ہیں: "اس سے مراد خیبر کا مال غنیمت ہے جسے آپ نے یوں تقسیم فرمایا" **کما فی حدیث أحمد و أبی داؤد والحاکم و صَحّحَة**" کہ گھڑ سوار کو دو دو حصے دیئے اور وہ تعداد میں تین سو تھے جب کہ پیادہ لشکر کو ایک ایک حصہ دیا[4]۔ امام آلوسی نے ان کتب حدیث کا حوالہ دیا ہے جب کہ اس قسم کی روایت صحیح البخاری میں بھی ہے:

قَسَمَ رَسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ يومَ خَيْبَرَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ، ولِلرَّاجِلِ سَهْمًا [5]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن مال غنیمت کو اس طرح تقسیم کیا کہ گھڑ سوار کیلئے دو حصے جبکہ پیدل کیلئے ایک حصہ رکھا۔

اس غزوہ میں آپ ﷺ نے ایسی عسکری حکمت عملی اپنائی کہ اہل خیبر یہود کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا اور فوراً قلعوں کا محاصرہ شروع کر دیا اور خیبر کا جغرافیہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک حصے کے پانچ قلعے تھے 1۔ حصن ناعم، 2۔ حصن الصعب بن معاذ، 3۔ حصن قلعۃ الزبیر، 4۔ حصن ابی، 5۔ حصن النزار اور دوسرے حصے میں تین تھے: 1۔ حصن القموص، 2۔ حصن الوطیح، 3۔ حصن السلالم[6]۔ آپ ﷺ نے پہلا فوجی کیمپ نطاۃ کے بالائی طرف کھلے میدان میں ناعم قلعہ کے قریب قائم فرمایا تھا ناعم ہی خیبر کا وہ پہلا قلعہ تھا جس پر مسلمانوں نے حملہ کیا تھا[7]

ناعم قلعہ انتہائی مضبوط قلعہ تھا جس میں مسلمانوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا حضرت ابو بکر اور عمرؓ نے بھی اس کو فتح کرنے کے لئے سخت لڑائی لڑی مگر فتح نہ ملی اور نو دن تک مسلمان لڑتے رہے مگر فتح نہ ہو سکا جب دسواں دن تھا اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُفْتَحُ عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، أَيْنَ عَلِيٌّ فَقِيلَ

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/111

2- ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 7/340-341

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 25/275

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 25/275-276/ احمد بن حنبل، **المسند**، ح 15470 (اسنادہ ضعیف)/۔ ابوداؤد، **السنن**، کتاب الجھاد، باب فیمن اسھم لہ سھماً، ح2736 (اسنادہ ضعیف)

4- البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، ح4228/۔ الحاکم، **المستدرک**، کتاب قسم الفیئ، ح2593 (ہذا حدیث کبیر صحیح الاسناد)

6- ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/101/۔ الجازمی، **اللؤلؤ المکنون**، 3/6405

7- گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 8/361

يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ، وَدَعَا لَهُ فَبَرَأَ)) [1]

ترجمہ: کل میں حملے کا پرچم اسے دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ اور اس کے رسول کا بھی محبوب ہوگا وہ فتح کے بغیر نہیں لوٹے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلایا آپ سے کہا گیا کہ ان کو آشوب چشم ہے تو آپ نے ان کو اپنا لعاب دہن لگایا جس وہ ٹھیک ہوگئے اور پھر حملے کا پرچم انہیں عطا فرمایا۔

حضرت علیؓ مسلمانوں کی فوج لے کر اس قلعے کے سامنے پہنچے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے مسترد کر دی اور اپنے بادشاہ مرحب [2] کی کمان میں مسلمانوں کے مدمقابل کھڑے ہوئے میدان جنگ میں اتر کر مرحب نے دعوت مبارزت دی اور اس اثنا میں وہ اشعار بھی پڑھ رہا تھا اور حضرت علیؓ جب اس کے مقابلے کیلئے نکلتے ہیں تو وہ بھی یہ شعر پڑھ رہے تھے انا الذی سمتنی أمی حیدر الخ میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر شیر رکھا ہے اس کے بعد مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو گیا پھر حضرت علیؓ ہی کے ہاتھوں فتح حاصل ہوئی [3] محمد اسماعیل ریحان اس امر میں اختلاف کے متعلق راجح قول لکھتے ہیں کہ "صحیح یہ ہے کہ مرحب کا قتل حضرت علیؓ کا کارنامہ ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے" [4] یہی موقف صحیح بخاری کی اس روایت کے تناظر میں درست ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں یہ جھنڈا اسے عطا کروں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عطا کرے گا اور آپ نے وہ عَلَم حضرت علیؓ کو ہی دیا تھا جب یہ قلعہ ناعم فتح ہو جاتا ہے جو اپنے محل وقوع کے لحاظ سے یہود کیلئے اہم دفاعی حیثیت رکھتا تھا تو دیگر قلعے جلد ہی فتح کر لئے جاتے ہیں بالآخر چودہ دن کے محاصرے کے بعد انہوں نے درخواست کی کہ ان کی جان بخشی کر دی جائے وہ خیبر چھوڑ جائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست اس شرط کے ساتھ منظور فرمائی کہ وہ سونا، چاندی اور اسلحہ چھوڑ جائیں مگر یہودیوں کے رئیس کنانہ بن ابی الحقیق نے معاہدے کے برخلاف سازوسامان کو زیر زمین دفن کر دیا پوچھنے پر دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے انکار کر دیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے بتانے سے یہ علم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتادیا کہ اس مال کو اس نے کہاں دفن کیا ہوا ہے تو کنانہ بن ابی الحقیق کو معاہدے کی خلاف ورزی اور ایک مسلمان کے قتل کے جرم کی پاداش میں قتل کر دیا گیا ان کی خواتین باندیاں بن کر مسلمانوں میں تقسیم ہو گئیں اور پورا خیبر اپنی زرعی زمینوں، کھیتوں اور باغات سمیت مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا [5]۔

1- البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجهاد والسیر، باب فضل من اسلم علی یدی رجل، ح3009

2- قلعہ ناعم مرحب نامی اس شہزور اور جانباز یہودی کا قلعہ تھا جسے ایک ہزار مردوں کے برابر (قوت وطاقت اور جنگی مہارتوں کی وجہ سے) جانا جاتا ہے (مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص503)

3- ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/ 160/- البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 4/ 208، 209/- مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص503، 504

4- محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**، 1/ 320

5- البیہقی، **دلائل النبویۃ**، 4/ 226/- ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 3/ 1208

بحث کالب لباب یہ ہے کہ ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے غزوہ خیبر پر اختصار کے ساتھ کلام کیا ہے اور اس غزوہ کے اسباب میں یہ تھا کہ یہود خیبر کی سازشوں کا مکمل خاتمہ کیا جائے اس غزوہ میں وہی صحابہ شریک ہوئے تھے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان میں شریک تھے اس غزوہ سے حاصل ہونے والی فتح نے مسلمانوں کو دینی، سیاسی اور معاشی سطح پر استحکام بخشا۔

فصل دوم: فتح مکہ اور غزوہ حنین اسباب وواقعات

مکہ کو فتح کرنا آپ ﷺ کیلئے بہت اہم تھا کیوں کہ اب یہ آپ ﷺ کی منشاء ومرضی سے مسلمانوں کا قبلہ بھی بن چکا تھا اور دوسرا پورے عالم عرب میں مرکزی حیثیت کا حامل تھا اس کی فتح سے پورے عرب کو تسخیر کرنا آسان ہو جانا تھا اور ایسا ہی ہوا کہ جب مکہ فتح ہوا تو پورے عرب سے مزاحمت صرف ہوازن وثقیف کی طرف سے آتی ہے جس کے نتیجہ میں غزوہ حنین وطائف ہوا ہے اور ان معرکوں کے بعد تقریباً دو برس کے اندر اندر پورا عالم عرب مسلمان ہو جاتا ہے۔

مبحث اول: فتح مکہ کے اسباب وواقعات

1۔ فتح مکہ کے اسباب

غزوہ خیبر کی فتح سے جہاں یہود کے عزائم خاک میں ملے وہاں اس شاندار فتح نے عرب کے دیگر قبائل اور منافقین کو بھی مرعوب کر دیا اور قریش بھی اپنے حلیف یہودیوں کی معاونت سے محروم ہو گئے [1] اب مسلمانوں کے لئے قریش کو شکست فاش سے دوچار کرنا اور مکہ کو فتح کرنا قدرے آسان ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود حملہ معاہدہ حدیبیہ میں دس سالہ جنگ بندی کی شق کی وجہ سے نہیں کیا جا سکتا تھا مگر چند روز بعد قریش کی اپنی غلطی نے اس معاہدے کو سبوتاژ کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے معاہدے میں یہ عہد بھی تھا کہ جو کوئی قبیلہ حضور ﷺ کے عہد وپیمان میں داخل ہونا چاہتا ہے داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی قریش کے عہد وپیمان میں داخل ہونا چاہتا ہے داخل ہو سکتا ہے اور جو قبیلہ جس کا اتحادی ہو گا وہ اسی کا حصہ سمجھا جائے گا لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی حملے کا زیادتی کا شکار ہو تو یہ خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی متصور ہو گا [2]۔ معاہدہ کی اس شق کے تحت بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد وپیمان میں داخل ہو گئے اور بنو بکر قریش کے عہد وپیمان میں داخل ہو گئے ان دونوں قبائل کے باہمی معاملات کشیدہ رہتے تھے صلح حدیبیہ کی صورت میں جب امان وامان کی فضا قائم ہوئی تو بنو بکر نے اس موقع پر غنیمت جانتے ہوئے قریش کے مالی وجسمانی تعاون سے رات کی تاریکی میں بنو خزاعہ پر شب خون مارا جس سے ان کے متعدد افراد کو قتل کر ڈالا بنو خزاعہ چونکہ مسلمانوں کے حلیف تھے اس لئے ان پر حملہ دیگر الفاظ میں مسلمانوں پر بھی حملہ تھا [3] یوں

1۔ محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**، 1/320

2۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص504

3۔ ایضاً، ص538/۔ ابن القیم، **زاد المعاد**، 3/478،479/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/473/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص535

قریش نے دس سالہ جنگ بندی کے معاہدہ کو خود توڑ ڈالا اس طرح یہ واقعہ فتح مکہ کا سبب بنا کیوں کہ اب مسلمانوں کے لئے معاہدہ کی پاسداری کرنا غیر اہم ہو گیا تھا اور دوسرا بنو خزاعہ والوں نے بدیل بن ورقہ خزاعی کے گھر میں پناہ لی اور عمرو بن سالم خزاعی کو مدینہ المنورہ میں آپ ﷺ کو اس صورتحال سے آگاہ کرنے کے لئے بھیج دیا تو اس نے آکر آپ ﷺ سے مدد طلب کی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا"**نصرت یا عمرو بن سالم**"ترجمہ:اے عمرو بن سالم آپ کی مدد کی گئی"۔[1]

اس غزوہ کا جہاں یہ سبب تھا کہ مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ نے آپ ﷺ سے مدد مانگی تھی تو آپ نے فرمایا تھا"**نصرت یا عمرو بن سالم**"اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی عقیدتوں کا مرکز آپ ﷺ کی منشاء و مرضی کے مطابق بنایا جانے والا قبیلہ:

﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾[2]

ترجمہ: پس ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ ﷺ پسند کرتے ہیں۔

مکۃ المکرمہ مشرکین کے زیر تسلط تھا جس پر مسلمان چین بچیں رہتے تھے اور بے قراری کے عالم میں منتظر تھے کہ وہ موقع کب میسر آئے گا جب اس مقدس سرزمین کو فتح کیا جائے گا تو اب ایسے حالات معرض وجود میں آ چکے تھے جس بنا پر اسے فتح کیا جا سکتا تھا تو اس سبب کے پیش نظر بھی آپ ﷺ نے کمال رازداری سے مکہ کو فتح کرنے کے لئے تدابیر و تراکیب پر کام شروع کر دیا رازداری کا عالم یہ تھا کہ "آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو سفر کا سامان تیار کرنے کا حکم تو دیا مگر یہ نہ بتایا کہ یہ کہاں کا سفر ہے"[3]۔مکہ المکرمہ چونکہ مرکز رشد و ہدایت تھا اس لئے اس کی فتح عظیم بشارات کی حامل تھی ابن قیم لکھتے ہیں:

"یہ وہ فتح ہے جس سے آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی عزت و طنابیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں اور اس کی وجہ سے لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہونا شروع ہو گئے اور زمین کا چہرہ روشنی اور چمک سے جگمگا اٹھا"[4]

مکہ المکرمہ کی فتح محض کسی علاقے کی فتح نہ تھی چونکہ یہ شہر تاریخی اور دینی اعتبارات سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا اس وجہ سے اسے فتح کرنا مسلمانوں کے لئے لازمی اور ضروری تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس کی فتح کے نتائج و

1۔السہیلی،**الروض الانف**،4/147/۔ابن القیم،**زاد المعاد**،3/481۔ابن اسحٰق نے جس طریق سے اس کو نقل کیا ہے وہ سند حسن لذاتہ ہے (العمری،**السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**،2/473)

2۔البقرۃ:144

3۔ابن کثیر،**السیرۃ النبویۃ**،3/1339،1340

4۔ابن القیم،**زاد المعاد**،3/478

ثمرات بھی لافانی اور آفاقی تھے اس لئے اس کو فتح کرنے کا ایک سبب اس کے تاریخی اور دینی تشخص کی بحالی بھی تھی ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے فتح مکہ کے مذکورہ اسباب کے مطابق تبصرہ و تجزیہ نہیں کیا ہے۔

2۔ غزوہ فتح مکہ کے واقعات

آپ ﷺ دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ دس رمضان المبارک سن آٹھ ہجری کو فتح مکہ کے لئے عازم سفر ہوتے ہیں[1] آپ ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ اچانک مکہ والوں کے سروں پر جا کر پہنچیں تا کہ وہ مقابلہ نہ کر سکیں اس کے لئے مادی اسباب کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ معنوی اسباب بھی اختیار کرتے ہوئے اللہ کے حضور یہ التجا فرما رہے تھے:

((اللهم خذ على أسماعهم و أبصارهم فلا يروننا الا بغتة ولا يسمعون بنا الافجأة)) [2]

ترجمہ: اے اللہ ان قریشیوں کے کانوں اور آنکھوں یعنی جاسوسوں اور مخبروں کو روک لے وہ ہمیں اچانک ہی دیکھیں اور ہماری خبر بھی ان کو اچانک ملے۔

جب آپ ﷺ نے تیاری مکمل کر لی تو صحابہ کرام کو مطلع فرمایا کہ کس طرف جانے کا ارادہ ہے ایسے میں ایک بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ [3] نے قریش کو ایک عورت کے ذریعے اطلاعی رقعہ ارسال کیا کہ آپ ﷺ مکہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے تشریف لا رہے ہیں ابن عطیہ اس واقعہ کو اس آیت کے تحت زیر بحث لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾[4]

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اپنے جگری دوست۔

ابن عطیہ رقم طراز ہیں: ”آپ ﷺ نے جب مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کا اظہار اپنے کبار صحابہؓ کے سامنے کیا جن میں حاطب بن ابی بلتعہ بھی تھے تو حاطب بن ابی بلتعہ نے مکہ کے کفار کو ایک خط لکھا اور اس میں انہیں آپ ﷺ کے ارادہ سے آگاہ فرمایا پس آپ ﷺ اس خبر سے آگاہ ہو جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیر [5] اور حضرت مقداد بن اسودؓ کو اس عورت کے تعاقب میں بھیجا جن کو خط دیا گیا تھا تو ان تینوں

1۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 124/2

2۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 1338/3، 1339

3۔ حاطب بن ابی بلتعہ اللخمی بن عدی (586ء-650ء) ابو عبد اللہ آپ کی کنیت تھی غزوہ بدر و حدیبیہ میں شریک تھے تیس ہجری کو 65 سال کی عمر میں مدینہ میں وفات پائی حضرت عثمان نے آپ کا جنازہ پڑھایا (ابن عبد البر، **الاستیعاب**، 312/1)

4۔ الممتحنہ: 1

5۔ الزبیر بن العوام بن خویلد (594ء-656ء) آپ حضور ﷺ کی پھوپھی صفیہ کے بیٹے تھے صحیح قول کے مطابق پندرہ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا آپ کا لقب حواری رسول بھی تھا جس وقت آپ قتل کئے گئے اس وقت آپ کی عمر 67 برس تھی (ابن عبد البر، **الاستیعاب**، 510/2، 516)

حضرات نے برق رفتاری سے چلتے ہوئے "روضہ خاخ[1]" کے مقام پر جا کر اسے پکڑ لیا اس کا نام سارہ تھا جو قریش کے قبیلے بنو ہاشم کی باندی تھی انہوں نے اس سے کہا کہ تم اس خط کو نکالو اس عورت نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے اس کے سامان کی تلاشی لی گئی مگر خط بر آمد نہ ہوا تو حضرت علیؓ نے فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا خط تمہارے پاس ہے جھوٹ نہ بول اللہ کی قسم تجھ سے خط ضرور لیا جائے گا حضرت علیؓ کے اس عزم کو دیکھ کر اس عورت نے کہا کہ تم ادھر منہ پھیرو تو اس نے اپنے بالوں کی مینڈھیوں سے خط کو نکالا پس وہ اس خط کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت حاطب سے پوچھا کہ تم نے یہ مکتوب کیوں لکھا تو جواباً حاطب بن ابی بلتعہ عرض کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے یہ دین سے مرتد ہوتے ہوئے نہیں لکھا اور نہ میرا اور کوئی مقصد تھا میں صرف یہ چاہتا تھا کہ مکہ میں میرے اہل و عیال کا کوئی قرابت دار نہیں ہے میں نے چاہا کہ مکہ والوں پر احسان کروں تاکہ وہ میرے قرابت داروں کا لحاظ کریں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اس منافق کا سر قلم کروں تو حضور ﷺ نے فرمایا حاطب نے سچ کہا یہ اہل بدر میں سے ہیں اور اے عمر اللہ ان کے حالات سے باخبر تھا اس کے باوجود فرمایا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے لہٰذا حاطب کے لئے خیر کے سوا کچھ نہ کہو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی[2]۔ قاضی ابو السعود نے اس آیت:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا---الخ﴾کا سبب نزول لکھا ہے:

"نزلت فی حاطب بن ابی بلتعه و ذلک أنه لما تجهز رسول الله ﷺلغزوة الفتح کتب الی أهل مکة أن رسول الله ﷺیرید کم الخ"[3]

ترجمہ: یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ کے حوالے سے نازل ہوئی کہ جب آپ ﷺ غزوہ فتح مکہ کے لئے تیاری کر رہے تھے تو انہوں نے اہل مکہ کو یہ خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ تم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ابو السعود نے اس مقام پر ان چھ اصحاب رسول ﷺ کا تذکرہ کیا ہے جن کو آپ ﷺ نے اس خاتون کے تعاقب میں بھیجا تھا: 1۔ حضرت علی، عمار، طلحہ، الزبیر، المقداد اور ابو سرمد[4] جبکہ ابن عطیہ نے صرف تین کا ذکر کیا تھا جبکہ صحیح بخاری میں ابن عطیہ کے موافق تین صحابہ کا ذکر ہے حضرت ابو رافع روایت کرتے ہیں:

سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلَ: بَعَثَنِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺأَنا والزُّبَيْر و المِقْدَاد فَقَال: انْطَلِقُوْا الخ[5]

1۔ روضہ خاخ مدینہ سے ایک منزل دور ذوالحلیفہ کے قریب وادی عقیق کی حدود میں ہے۔(البلادی، **معجم المعالم الجغرافیة فی السیرة النبویة**، ص107)

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/293

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/249

4۔ ایضاً

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح** ،کتاب المغازی' باب غزوة الفتح وما بعث به حاطب بن ابی بلتعه الی اهل مکة، ح4274، کتاب الجهاد والسیر' باب الجاسوس، ح3007

ترجمہ: میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے الزبیر اور المقداد کو بھیجا اور کہا کہ تم جاؤ۔

باقی تمام روایت بھی وہی ہے جسے ابن عطیہ نے نقل کیا ہے قاضی ابو السعود کی نقل کردہ روایت بھی ابن عطیہ اور امام بخاری کی طرح ہے صرف آپ نے تعاقب کرنے والی شخصیات کا تذکرہ ان کے برعکس کیا ہے اس ضمن میں صحیح حدیث اور دیگر کتب سیرت [1] کے تناظر میں ابن عطیہ کا موقف صحیح نظر آتا ہے جبکہ ابو السعود کی ذکر کردہ شخصیات کا ذکر صحیح روایت میں موجود نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اس غزوہ کو مخفی رکھنے کیلئے انتہائی رازداری اور خبر گیری کے جملہ اسباب کو اختیار فرمایا جو آپ ﷺ کی بہترین جنگی حکمت عملی کی عکاسی کرتے ہیں۔ فتح مکہ کا ذکر اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرماتے ہیں:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ- وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾[2]

ترجمہ: جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح نصیب ہو جائے اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔

ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

"فی الاسلام ﴿افواجاً﴾ کان بین فتح مکة الی موته ﷺ----وفی العرب رجل کافر بل دخل الکل فی الاسلام"[3]

ترجمہ: "الفتح" سے مراد مکہ، طائف، حنین، حجاز کے شہر اور بہت سے یمن کے علاقوں کی فتح ہے اور لوگوں کے اسلام میں گروہ در گروہ داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ مکہ کی فتح سے لے کر آپ ﷺ کی موت تک عرب میں کوئی بھی کافر نہ رہا تھا بلکہ تمام کے تمام اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

قاضی ابو السعود نے ابن عطیہ کی نسبت اس موقع پر زیادہ تفصیل سے کلام کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

"فتح سے فتح مکہ ہے جو تمام فتوحات کی چابی ہے۔۔۔۔ فتح مکہ سن آٹھ ہجری ماہ رمضان کی دس تاریخ کو واقع ہوا اور آپ ﷺ کے ساتھ اس لشکر میں دس ہزار مہاجرین، انصار اور عرب قبائل کے لوگ شریک تھے آپ ﷺ نے مکہ میں پندرہ راتیں قیام فرمایا جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو باب کعبہ میں کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی پھر آپ نے فرمایا اے اہل مکہ بتاؤ میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں اس پر انہوں نے کہا کہ اچھائی کی امید کرتے ہیں آپ ایک مہربان بھائی اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں اس التجا پر آپ نے کہا جاؤ! تم سب آزاد ہو"[4]۔

1۔ البیہقی، **دلائل النبوة**، 3/17/۔ ابن کثیر، **السیرة النبویة**، 3/1341/۔ العمری، **السیرة النبویة الصحیحة**، 2/474/۔ الجازمی، **اللؤلؤ المکنون**، 4/16

2۔ النصر: 1-2

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/532

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/514

پیش کردہ بحث کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے فتح مکہ کے بعد دو سال کے اندر اندر جزیرۃ العرب اہل ایمان سے معمور ہو گیا تھا اور تمام قبائل عرب میں اسلام کی شان و شوکت کے علاوہ کوئی اور چیز نہ رہی یہ ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی تحریر کیا ہے[1]۔ مذکورہ روایات ان کتب حدیث میں بھی منقول ہیں[2]۔

آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنے جانثاران کے ہمراہ مکہ کی جانب گامزن سفر ہوتے ہیں اور لشکر کی نقل و حرکت کو خفیہ رکھنے کے ساتھ تیز رفتار بھی رکھتے ہیں یہاں تک کہ آپ نے دو ہفتوں کی مسافت ایک ہفتے میں طے کر لی اور مکہ کے قریب مرا الظہران[3] پر پہنچ کر پڑاوڈالتے ہیں یہاں یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ قریش کے دو متعصب سرداروں ابوسفیان بن الحارث اور ابوسفیان بن حرب نے اسلام قبول کر لیا اس موقع پر حضرت عباسؓ نے حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے یہ درخواست کی کہ ابوسفیان کو کوئی اعزاز دیا جائے تو آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کیوں نہیں جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ مامون ہے جو حرم شریف میں پناہ لے وہ بھی مامون ہے اور جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ بھی مامون ہے آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی اس پیشکش کا مدعا یہ تھا کہ عدم تحفظ کے ماحول کو ختم کیا جائے اور امن کی عملی صورتوں کا انتظام کر دیا تا کہ یہ مقدس اور مبارک سرزمین خونریزی سے پاک رہے آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مکہ معظمہ میں فاتح کی حیثیت سے قدم رنجہ فرمایا تو اللہ کے حضور عجز و نیاز کا پیکر بنے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ کا سر مبارک سواری کی پشت پر لگ رہا تھا اور جب بتوں کو اپنی چھڑی سے اشارہ کر رہے تھے اور وہ زمین بوس ہو رہے تھے تو آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ- اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾[4]

ترجمہ: آگیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا۔

قریش کے لوگ صحن کعبہ میں موجود تھے آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے باب کعبہ پر کھڑے ہو کر ان سے مختصراً خطاب فرمایا اور دوران خطبہ ان سے پوچھا کہ بتاؤ میں آج تم سے کیا سلوک کروں[5]۔ قاضی ابوالسعود نے بتوں کی تعداد بھی لکھی ہے کہ وہ تین سو ساٹھ تھے۔ مذکورہ واقعات ان کتب میں بھی منقول ہیں[6]

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/513/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/391-393

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی' باب 53، ح4302/۔ النسائی، السنن، کتاب القسامۃ' باب ذکر الاختلاف علی خالد الحداء، ح4799، صحیح

3۔ مرا الظہران مکہ سے ایک مرحلہ کی مسافت پر ہے یہ بھی قول ہے کہ "مر" ایک بستی کا اور "الظہران" ایک وادی کا نام ہے۔ امام الواقدی کہتے ہیں کہ مر اور مکہ کے درمیان پانچ میل کی مسافت ہے (الحموی، **معجم البلدان**، 5/104)

4۔ الاسراء: 81

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/227، 480/۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/162، 6/514

6۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی' باب غزوۃ الفتح فی رمضان، ح 4276/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الصیام' باب جواز الصوم و الفطر شہر رمضان، ح1113/۔ **کتاب الجہاد والسیر**' باب فتح مکۃ، ح1780/۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 543، 544/۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری** ۱، ص 126/۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 5/27-31/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 3/13471/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/425 تا 488

مکہ کو فتح کرنے سے پورے جزیرۃ العرب پر اسلامی نظام رائج ہو گیا یہ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت، تدبر اور یقین محکم کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے بغیر خون بہائے نہ صرف مکہ کو فتح کر لیا بلکہ اس کے نتیجہ میں پورے ملک میں اسلامی حکومت قائم کر دی[1]

فتح مکہ آپ علیہ اسلام کی اکیس سالہ حکیمانہ جدوجہد کا ثمرہ تھا جو کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے نشیب و فراز، صبر و عزم اور غلبہ پاکر عام معافی کے اعلان سے عبارت ہے اور اہم بات یہ کہ آپ ﷺ کے مدنی دور میں اہل عرب نے آپ کی کئی شانوں کو ملاحظہ کیا اور اس کے باوجود دین اسلام میں داخل ہونے کا انداز اکثر و بیشتر افرادی نوعیت کا رہا مگر جب آپ نے فتح مکہ کے دن "لا تثریب علیکم الیوم الخ" تم پر کوئی الزام نہیں کے انقلاب افرین کلمات کی صدا بلند کی تو اس کے نتیجے میں گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا یہ اس غزوہ کا انتہائی اہم پہلو ہے۔ اس سے آپ ﷺ کے حلم و عفو کے اقوام عرب پر گہرے نقوش چھوڑنے کا اثر ملتا ہے۔

مبحث دوم: غزوہ حنین[2] اسباب و واقعات

1۔ غزوہ کے اسباب

صلح حدیبیہ مسلمانوں کے حق میں اہم تبدیلیاں لے کر آئی فتح مکہ کی تمہید صلح حدیبیہ ہی تھی اور جب مسلمانوں کو فتح مکہ کا مژدہ جانفزاء ملا تو اس نے جزیرۃ العرب کے افق پر مسلمانوں کو ناقابل تسخیر قوت بنا دیا اب اقوام عرب کے روبرو یہ راستہ تھا کہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں یا خود کو صفحہ ہستی سے مٹائے جانے کے لئے تیار ہو جائیں اس حقیقت کے سامنے تمام اقوام عرب ماسوائے ہوازن[3] اور ثقیف[4] کے تمام قبائل سرنگوں کر لیتے ہیں ان قبائل کو یہ بات برداشت نہ ہو رہی تھی کہ سپر انداز ہو کر دین اسلام کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر دیں اس لئے انہوں نے جمع ہو کر یہ عزم کیا کہ مسلمانوں پر یلغار کی جائے اس کا سبب یہ تھا کہ فتح مکہ کے بعد ان کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اب مسلمان ان پر حملہ آور ہوں گے اس لئے ضروری ہے کہ ان پر حملہ کیا جائے[5]۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ کعبہ

1۔ طاہرہ بتول، "**فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا سیاسی کردار**"، خیر الامۃ، جلد 1، شمارہ 1، جولائی- دسمبر، 2021، ص 39

2۔ حنین "حن" کی تفسیر اس وادی کا نام ہے جو ذی المجاز کے پہلو میں طائف کے قریب واقع ہے اس کے اور مکہ کے درمیان دس سے کچھ زائد میل کا فاصلہ واقع ہے یہ مکہ کی مشہور وادیوں میں سے ایک وادی ہے (ابن عطیہ، المحرر الوجیز، 3/ 19/۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/ 150/۔ العسقلانی، **فتح الباری**، 8/ 343/۔ البلادی، **معجم المعالم الجغرافیۃ فی السیرۃ النبویۃ**، ص 107)

3۔ ہوازن: ھا کے فتحہ اور زا کے کسرہ کے ساتھ عرب کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی بہت سی شاخیں تھی اور اس غزوہ کو یہ نام بھی اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جو آپ ﷺ سے قتال کیلئے آئے تھے اور انہوں نے لشکر کو جمع کیا تھا (العسقلانی، **شرح المواہب اللدنیۃ**، 3/ 497)

4۔ ثقیف: یہ عدنانی قبائل میں سے ایک مشہور قبیلہ اور ہوازن کی اہم شاخ ہے منبہ بن بکر بن ہوازن کے بیٹے قسی کو ثقیف کہا جاتا تھا ثقیف کا نام قسی اس کی سنگدلی کی وجہ سے معروف تھا یہ طائف کے پہاڑوں میں رہائش پذیر تھے (ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 26/۔ گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 9/ 230)

5۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 561، 562

معظمہ کو وہ اپنے لئے مقدس سمجھتے تھے اس میں رکھے گئے بتوں کے ساتھ ان کا انتہائی عقیدت کا تعلق تھا جب آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کیا اور بیت اللہ شریف کو بتوں سے پاک کیا تو یہ چیز ان کے لئے ناقابل برداشت تھی جس پر وہ سخت سراسیمہ تھے اور دوسرا قریش مکہ کے ساتھ ان کے گہرے مراسم تھے اب وہ بھی ٹوٹ گئے اس لئے ان اسباب کے پیش نظر بھی وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں تیس افراد پر مشتمل ایک سریہ بھیجا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ العزیٰ بت کو گرادیں جو دیار ثقیف میں تھا یہ وہ بت تھا جس کی تعظیم تمام اہل عرب کرتے تھے[1]۔ یہی وجہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ اپنے مرکز عقیدت کو بچایا جاسکے اور اس جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔

2۔ غزوہ کے واقعات

رسول اللہ ﷺ مکہ کو فتح کرنے کے بعد انیس دن وہاں قیام پذیر رہے[2] اس عرصہ میں بنو ہوازن کی جنگی تیاریوں سے آپ باخبر ہوتے رہے آپ نے حضرت عبداللہ بن حدرؓ[3] کو صورتحال کا صحیح معنوں میں جائزہ لینے کے لئے بھیجا تو انہوں نے واپس آکر ان کی حملے کی تیاریوں کے حوالے سے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا جس پر آپ نے فوج کشی کے انتظامات کو بروقت تیار فرمایا اور 5 شوال سن 8 ہجری کو بارہ ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر مکہ سے جنوب مشرق کی طرف روانہ ہوتے ہیں[4]۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ حنین کا ذکر اس آیت مقدسہ میں فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴾[5]

ترجمہ: بے شک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے جنگی میدانوں میں اور حنین کے روز بھی جب کہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ فائدہ دیا تمہیں اس کثرت نے کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے پھر مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔

ابن عطیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس قصہ کا اختصار یہ ہے جب آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تو دس ہزار کا یہی لشکر جو فتح مکہ کے لئے آیا تھا اور دو ہزار مزید جنہیں فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور وہ "الطلقاء[6]" تھے اس

1۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/492

2۔ آپ ﷺ نے انیس دن مکہ میں قیام فرمایا (البخاری، **الجامع الصحیح** ، کتاب المغازی، باب مقام النبی بمکۃ من الفتح، ح 4298

3۔ عبداللہ بن حدر الاسلمی (632ء–712ء) آپ کی کنیت ابو محمد آپ کا نام عمیر بن ابی سلامۃ بن ہوازن تھا آپ کا انتقال 71ھ کو ہوا (ابن عبدالبر، **الاستیعاب**، 3/887)

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/19/۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/150/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 3/1400

5۔ التوبہ: 25

6۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والوں کو "الطلقاء" کہا جاتا ہے اور یہ ان کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے احسان فرماتے ہوئے ان کو آزاد کیا تھا (النووی، **شرح صحیح مسلم**، 12/158)

طرح بارہ ہزار کا یہ لشکر جنگ کے لئے نکلتا ہے تو ہوازن اور ثقیف تیس ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے اترتے ہیں تو ادھر آپ ﷺ حنین کے مقام پر پڑاؤ ڈالتے ہیں اور جس دشمن سے آمنا سامنا ہوتا ہے تو مشرکین گھاٹی سے اس طرح تیر اندازی کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں افراتفری پھیل جاتی ہے حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ وہ الطلقاء تھے جنہوں نے بھاگنے کا قصد کیا تھا آپ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے جس کی لگام اور رکاب حضرت عباسؓ اور آپ کے چچازاد سفیان بن الحارثؓ نے تھام رکھی تھی آپ ﷺ نے مسلمانوں میں جب افراتفری کی یہ صورتحال دیکھی تو خچر سے نیچے اترے براء بن عازب [1] فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ سے مدد طلب کی اور اپنے ہاتھ مبارک میں مٹی اور کنکر کو لیا اور ان کی طرف پھینک دیا کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں نہ پڑی ہو آسمان سے فرشتوں کا بھی نزول ہو گیا اور آپ ﷺ نے یہ نداء دی اے گروہ انصار اور آپ نے حضرت عباسؓ کو فرمایا کہ آپ یہ صدا بلند کریں کہ اصحاب شجرہ [2] اور اصحاب سورۃ بقرہ کہاں ہیں آواز سنتے ہیں صحابہ کرام آپ کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور مشرکین بھاگ جاتے ہیں [3]۔ ابن عطیہ ﴿اذاعجتکم کثرتکم﴾ کے تناظر میں لکھتے ہیں کہ جب صحابہ میں سے کسی نے مسلمانوں کا بارہ ہزار کا لشکر دیکھا تو فخریہ انداز میں کہا کہ آج ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا تو پس اللہ تعالیٰ ان کے عجز کو دکھانا چاہتا تھا اور پھر اپنی مدد و نصرت کا اظہار فرمایا اور ابن عطیہ لشکر کی تعداد چودہ ہزار تھی کے قول کے متعلق کہتے ہیں **"وھذاغلط"** یہ غلط ہے [4] گویا آپ کے نزدیک صحیح تعداد بارہ ہزار رہے۔

ابوالسعود نے اس آیت کے تحت غزوہ حنین پر ہی روشنی ڈالی ہے اور آپ نے اس صحابی کا نام لکھا ہے جس نے لشکر کی تعداد دیکھ کر کہا تھا کہ ہم آج مغلوب نہ ہوں گے:

"قال رجل من المسلمین اسمه سلمة بن سلامة الانصاری: لن تغلب الیوم من قلة" [5]

ترجمہ: سلمۃ الانصاری نے کہا کہ آج تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم مغلوب نہ ہوں گے مراد یہ تھی کہ آج ہماری تعداد کافی ہے۔

ابن عطیہ نے اس شخص کا نام نہیں لکھا تھا جس نے یہ کہا تھا اور دوسرا ابوالسعود نے ابن عطیہ کی نسبت صحیح روایت نقل کی ہے کہ جب اس غزوہ میں افراتفری پھیل گئی اور آپ اکیلے تھے اس وقت آپ کے ساتھ آپ کے

1۔ براء بن عازب بن حارث بن عدی بن الخزرج (600ء-690ء) آپ کی کنیت ابو عمارہ تھی سب سے پہلے جس غزوہ میں شریک ہوئے وہ خندق تھا آپ نے حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں شرکت کی آپ کی وفات مصعب بن الزبیرؓ کے دور میں ہوئی (ابن عبدالبر، **الاستیعاب**، 157،155/1)

2۔ اصحاب شجرہ سے مراد وہ حضرات تھے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے بیعت کی تھی جن کی تعداد چودہ سو تھی اور اس کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 19/3

4۔ ایضاً، 19-20

5۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 150/3

چچا، حضرت عباسؓ آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے اور آپ کے عم زاد ابوسفیان بن الحارث اس کی رکاب تھامے ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے انتہائی جرأت کے ساتھ خچر کا رخ مشرکین کی طرف موڑ دیا اور اس وقت آپ یہ کلمات بھی پڑھ رہے تھے:

((أنَا النبيُّ لَاكَذِبَ أَنَا ابِنْ عَبْدِالْمُطَّلَبْ)) [1]

ترجمہ: میں جھوٹا نبی نہیں اور میں عبد المطلب کی اولاد ہوں۔

علاوہ ازیں ابوالسعود نے ابن عطیہ کی نسبت کچھ زائد امور نقل کئے ہیں مثلاً حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے خچر کو روک لیا تھا تاکہ وہ تیزی سے مشرکین کی طرف نہ جائے اور اس دن میں نے آپ ﷺ کی شجاعت کی عظمت کو ملاحظہ کیا اور آپ یہ دعا بھی کر رہے تھے یَارَبَ ائتنی بماوعدتنی اے میرے رب مجھے وہ عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا اور حضرت عباس کو کہا کہ لوگوں کو بلاؤ تو آپ رضی اللہ نہ نے انصار کو ملایا پھر کہا ''یا أصحاب الشجرة يا أصحاب سورة البقرة'' تو صحابہ لبیک لبیک کہتے ہوئے آپ کے ارد گرد جمع ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی مدد کے لئے بھیجا اور جب جنگ خوب بھڑک اٹھی تو آپ نے مٹھی بھر خاک کافروں کی طرف پھینکی یہاں تک کہ کوئی بھی ان سے نہ بچا جس کی آنکھ مٹی سے بھر نہ گئی ہو پھر آپ ﷺ نے کہا:

((انْهَزَمُوا وَرَبِ الكَعبَةِ)) [2]

ترجمہ: رب کعبہ کی قسم ان کو شکست ہوگئی ہے۔

ابن عطیہ نے اس روایت کو نقل نہیں کیا ہے غزوہ حنین سے متعلقہ مذکورہ معلومات ان کتب سیرت سے بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے [3]۔ مٹی پھینکنے کے چند لمحات بعد دشمن کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑتا ہے ثقیف کے تقریباً ستر آدمی مارے گئے اور ان کے پاس جو کچھ مال، ہتھیار، عورتیں اور بچے تھے مسلمانوں کے ہاتھ آئے [4]۔ شکست کھانے کے بعد ایک گروہ خود کو طائف کی فصیلوں میں محصور کرلیتا ہے۔

2۔ طائف [5] کا محاصرہ

1-ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/150-151 /۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی' باب قول اللہ ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾، ح2930

2-ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/ 151 /۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح1775 /۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب الجہاد والسیر' ح1775

3۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص /۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری** '، 2/ 138-140 /۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 5/ 131-132 /۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 3/ 1412 /۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/ 499

4۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص566

5۔ طائف مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں ایک خوبصورت شہر ہے مکہ مکرمہ سے طائف کا سفر تقریباً 90 کلومیٹر ہے 1431ھ کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی تقریباً 10 لاکھ 11 ہزار ہے (گیلانی، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**، 9/300)

ہوازن اور اس کے اتحادیوں کو حنین میں شکست کا سامنا کرنا پڑا مگر اس جنگ کو ابھی نتیجہ کن مرحلہ نصیب نہ ہوا تھا کیوں کہ ہوازن کا سردار عوف بن مالک اپنے لشکر کے باقی ماندہ افراد کے ساتھ پسپا ہو کر "طائف" کے فصیل بند شہر میں مورچہ زن ہو گیا تھا پورے عرب میں یہ محفوظ ترین قلعہ بندی تھی پہاڑ پر ہونے کی وجہ سے اس پر حملہ کرنا خاصا مشکل تھا کیونکہ حملہ آور فصیل کے تیر اندازوں کی زد میں رہتے تھے یہ غزوہ دراصل غزوہ حنین کا ہی توسع ہے۔

"رسول اللہ ﷺ نے ابھی مفرور قبائل کی بیخ کنی کے لئے شوال 8 ہجری میں ان کا پیچھا کرنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ آئندہ کبھی بھی انہیں اسلام کے خلاف جمع ہونے کی جرأت نہ ہو۔۔۔۔نبی ﷺ نے گھڑ سوار دستے کی قیادت سیدنا خالد بن ولیدؓ کے سپرد کی اور اسلامی لشکر طائف پہنچا تو ثقیف قلعہ بند ہو چکے تھے"[1]

دشمن کو زیادہ وقت دینا مناسب نہ تھا اس لئے طائف پہنچ کر فصیل کا محاصرہ کر لیا اور اس نقطہ نظر کے تحت کہ خونریزی کم سے کم ہو یہ اعلان کروا دیا گیا کہ جو بھی قلعے سے باہر آ جائے وہ مامون ہے جو غلام ہم سے آملیں گے ان کو آزاد کر دیا جائے گا اس اعلان پر طائف کے چند غلام مسلمانوں کے لشکر میں آ گئے ان میں نقیع بن مسروق نامی ایک غلام نے چرخی پر لگی رسی سے لٹک کر نیچے اترنے میں کامیابی حاصل کی اور اسلام قبول کر لیا چونکہ چرخی کو عربی میں "بکرۃ" کہا جاتا ہے اس بنا پر اس غلام کو "ابو بکرہ" کی کنیت سے موسوم کر دیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کو آزاد بھی فرما دیا[2]

طائف کے محصورین نے مسلسل تیر اندازی کے ذریعے مسلمانوں کو آگے نہ بڑھنے دیا یہ محاصرہ صحیح قول کے مطابق بضع عشرۃ پندرہ دن تک جاری رہا[3] اور دوران محاصرہ محصورین پر منجنیق کے ذریعے بھی سنگ باری کی جاتی رہی مگر کامیابی نصیب نہ ہو سکی اور یہ منجنیق عروہ بن مسعود ثقفی لائے تھے[4] حضور ﷺ نے دشمن کی سخت مزاحمت کو دیکھتے ہوئے صحابہ کرام کو واپسی کا مشورہ دیا تھا مگر ابتدا میں وہ شہر فتح کیے بغیر لوٹنے کے لئے تیار نہ تھے تاہم جب جانی نقصانات بڑھ گئے اور ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کل انشاء اللہ تعالیٰ واپسی ہو گی سب نے بخوشی تائید کی کیوں کہ وہ محاصرے سے خود بھی تنگ آ چکے تھے[5]۔

طائف کو فتح کئے بغیر واپس جانے میں ایک حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کا مقصد اس کو فتح نہ کرنا تھا بلکہ

1۔ محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**، 1/354

2۔ العسقلانی، **فتح الباری**، 8/55

3۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/507/۔ محمد اسماعیل، تاریخ امت مسلمہ، 1/355

4۔ محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**، 1/355

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، ح 4325/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوۃ الطائف، ح 1778/۔ محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**، 1/355

ثقیف کی شان و شوکت کا خاتمہ کرنا تھا[1] اور یہ مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ دوسری حکمت ابن کثیر نے یہ لکھی ہے:

حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا اس سال فتح طائف موخر کی جائے کیوں کہ فتح کی صورت میں اہل طائف کی قتل و غارت لازمی تھی اور یہ امکان تھا کہ ثقیف والے ختم کر دیے جائیں گے حالانکہ ان کے لئے رحمت عالم ﷺ کی دعا بھی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد اہل طائف کو دعوت دین کے لئے تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے آپ کے ساتھ انتہائی نامناسب رویہ اختیار کیا تھا اور وہ وقت آپ کے لئے سخت تکلیف دہ تھا یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ سے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ پر احد کے دن سے سخت دن بھی کبھی آیا تھا تو آپ نے طائف کو پیش آنے والے اس واقعے کو تذکرہ فرمایا اور پھر فرمایا کہ اللہ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا اور اس نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے دونوں طرف کے پہاڑ ان پر لا کر ملا دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((بَلْ أَرْجُواأنْ يُخْرِجَ الله مِن أصلَابِهم مَن يَعبد الله وَحْدَهُ لَا يُشْرِكْ بِهِ شَيْاءً))[2]

ترجمہ: بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے غزوہ طائف کی مناسبت سے ضمناً بحث بھی نہ کی ہے اور غزوہ حنین سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو تمام تر اسباب جنگ اختیار کرنے کے باوجود ہمیشہ توکل اور بھروسہ اللہ پر ہی کرنا چاہیے افواج اور اسلحہ کی کثرت پر کبھی بھی اعتماد کرتے ہوئے مغرور نہیں ہونا چاہیے آپ ﷺ نے مال غنیمت جو غزوہ حنین کے مقام پر ملا تھا کو تقسیم کرنے کے بعد جعرانہ[3] سے عمرہ کا احرام باندھا عمرہ ادا کیا اور عتاب بن اسید[4] کو مکہ کا والی مقرر کر کے روانہ ہو گئے اور مدینہ واپسی ذیقعد 8ھ کو ہوئی[5]۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ غزوہ حنین و طائف کی اہمیت اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ آپ ﷺ کا یہ غزوہ مشرکین عرب کے ساتھ آخری غزوہ تھا اور قتال کے حوالے سے بھی آخری تھا کیوں کہ اس کے بعد غزوہ تبوک میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی بعد ازاں دو سال کے مختصر سے عرصہ میں جزیرۃ العرب اہل اسلام سے معمور ہو گیا۔

1۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/510

2۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، 3/1443 / ۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب بداء الخلق، باب اذا قال أحدکم آمین، ح 3231

3۔ جعرانہ مکہ سے شمال مشرق کی جانب وادی سرف کے اختتام پر وہ جگہ جہاں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں (البلادی، **معجم المعالم الجغرافیۃ فی السیرۃ النبوۃ**، ص 83) https://www.ahlanpk.org/

4۔ عتاب بن اسید بن ابی العیص (612ء-634ء) آپ کی کنیت ابو عبد الرحمٰن تھی فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور جب آپ غزوہ حنین کے لئے گئے تو انہیں مکہ کا متولی بنایا اور آپ ﷺ کے وصال تک آپ مکہ کے امیر رہے اور آپ کی وفات اسی دن ہوئی جس دن حضرت ابو بکرؓ کا وصال ہوا (ابن عبد البر، **الاستیعاب**، 3/1023-1024)

5۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 592 / ۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 573

مبحث سوم: ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرنا

آپ ﷺ نے 9ہجری کو غزوہ تبوک سے قبل ایک ماہ کے لئے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار کئے رکھی ان کے حجروں میں ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ --- اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ﴾[1]

ترجمہ: اے نبی مکرم آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کیلئے حلال کیا ہے۔۔اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرلو۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اوپر کون سی حلال چیز کو حرام قرار دیا تھا یعنی اس سے فائدہ اٹھانے سے اپنے آپ کو روک لیا تھا اس کے متعلق تین قسم کے اقوال ہیں۔ ابن عطیہ اس بابت لکھتے ہیں:

آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کی باری پر حضرت ماریہ قبطیہؓ سے مقاربت فرمائی اور ایک قول یہ ہے اس دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی اور جب حضرت حفصہؓ آتی ہیں تو حضور ﷺ اور حضرت ماریہ قبطیہ کو دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ سے کہتی ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کی ازواج میں میرا یہ مقام ہے کہ میرے گھر میں اور میرے بستر پر یہ خاتون تھی تو حضور ﷺ نے حضرت حفصہ کو راضی کرنے کے لئے کہا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ میں اس کو اپنے اوپر حرام کرلوں تو انہوں نے کہا ہاں اس پر آپ ﷺ نے کہا میں نے اسے حرام کیا بقول حضرت ابن عباسؓ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس سے کبھی بھی وطی نہیں کروں گا پھر آپ ﷺ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ تم نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرنا ہے اور ابن عطیہ "التحریم" سے متعلق دوسرا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ جب آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس ٹھہر کر شہد پیا کرتے تھے اس پر حضرت عائشہ، حفصہ اور سودہ نے یہ طے کیا کہ آپ ﷺ ہم میں سے جس کے پاس بھی آئیں گے ہم کہیں گی کہ آپ نے مغافیر[2] کھایا ہے اور آپ ﷺ اس کی بو ناپسند کرتے تھے انہوں نے ایسا ہی کیا اس پر آپ ﷺ نے کہا نہیں میں نے تو شہد پیا ہے اس پر انہوں نے کہا شاید شہد کی مکھیوں نے عروط درخت کا رس چوسا ہو یہ سن کر آپ نے کہا میں آئندہ اسے کبھی نہیں پیوں گا[3]۔ اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت حفصہ نے آپ کو شہد پلایا تھا ان تمام اقوال کو ذکر کرنے کے بعد ابن عطیہ صحیح قول کے متعلق لکھتے ہیں:

1۔ التحریم: 1-4

2۔ مغافیر ایک قسم کا گوند ہے جس کی بو آپ کو ناپسند تھی (القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، 21/68)

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/329-330

"والقول الاول ان الآية نزلت بسبب مارية أصح و أوضح "[1]

ترجمہ: پہلا قول جو ہے بے شک یہ آیت حضرت ماریہ کے حوالے سے نازل ہوئی ہے زیادہ صحیح اور واضح ہے۔

قاضی ابو السعود نے اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے:

"حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی باری پر حضرت ماریہؓ سے خلوت نشینی فرمائی جس کا علم حضرت حفصہؓ کو ہو جاتا ہے اس پر آپ ﷺ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ تم نے اس کو راز رکھنا ہے کہ میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر دیا ہے لیکن حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو بتا دیا"[2]

اس کے علاوہ ابو السعود نے ان اقوال کو بھی نقل کیا ہے جنہیں ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے اہم بات یہ ہے کہ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی متعارض روایات کے ساتھ منقول ہے ایک یہ کہ آپ ﷺ کو شہد حضرت زینب بنت جحشؓ نے پلایا تھا اور دوسری روایت یہ کہ حضرت حفصہؓ نے آپ کو شہد پلایا تھا[3]۔

علامہ قرطبی اور نووی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ آپ نے جس زوجہ کے پاس شہد پیا تھا وہ حضرت زینبؓ تھی اور آپ کے خلاف حیلہ کرنے والی حضرت عائشہ اور حفصہؓ تھیں[4]۔ یہی روایت قرآن مجید کے ان کلمات "ان تظاهر اعلیه" کی روشنی میں بھی صحیح نظر آتی ہے کیوں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیلہ کرنے والی دو تھیں جب کہ دوسری روایت میں حضرت عائشہ، صفیہ اور سودہ تین کا ذکر ہے اس لئے دو کے تذکرے والی روایت زیادہ صحیح ہے جب کہ ابن عطیہ نے حضرت ماریہ قبطیہ والی روایت کو صحیح کہا ہے جس کا تذکرہ صحیحین میں موجود نہیں ہے لیکن ابن کثیر اس روایت پر یہ تبصرہ کرتے ہیں:

"وهذا اسناد صحيح ولم يخرجه أحد من أصحاب الكتب الستة"[5]

ترجمہ: یہ سند صحیح ہے اور صحاح ستہ کے کسی امام نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

امام آلوسی تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد اپنا تبصرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"والصواب أن يشرب العسل كان عند زينب"[6]

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/530

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/286

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الطلاق، باب لم تحرم ما أحل الله، ح 5267-5268/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارة علیٰ من حرم امرأته، ح1474

4۔ القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، 21/70/۔ نووی، یحیی بن شرف (631ھ-676ھ)، **شرح النواوی علی مسلم**، (الریاض: بیت الافکار الدولیة، س ط ندارد)، ص928

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/159

6۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 21/238

ترجمہ: درست موقف زینب کے پاس شہد پینے والی روایت کا ہے۔

امام نووی نے بھی ماریہ قبطیہ والی روایت کو صحیح قرار نہیں دیا ہے آپ رقم طراز ہیں:

"ان الصحیح فی سبب نزول الآیة أنها فی قصة العسل لافی قصة ماریة المروی فی غیر الصحیحین، ولم تأت قصة ماریة من طریق صحیح قال النسائی: اسناد حدیث عائشة فی العسل جید صحیح غایة"[1]

ترجمہ: اس آیت کے سبب نزول کا صحیح واقعہ شہد والا ہے نہ کہ حضرت ماریہ قبطیہ والا جو کہ صحیحین میں مروی نہیں ہے اور حضرت ماریہ والا واقعہ صحیح طرق سے مروی بھی نہیں ہے اور امام نسائی کہتے ہیں جو شہد والی حدیث کی سند جو حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ بہت زیادہ صحیح ہے۔

امام نووی نے ماریہ قبطیہ والی روایت کو صحیح نہیں کہا ہے جب کہ ابن کثیر نے اس روایت کو بھی صحیح کہا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مرقوم ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر ابن کثیر کے بقول حضرت ماریہ قبطیہؓ والی روایت بھی درست ہے لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی شہد والی روایت متفق علیہ ہے اور زیادہ صحیح ہے تو درست یہی واقعہ ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب آپ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس شہد پیا اور اس پر حضرت عائشہ اور حفصہؓ نے مذکورہ منصوبہ بندی کیا۔ الخ۔ لہٰذا صحیحین کی روایت کے تناظر میں ابن عطیہ کا موقف ماریہ قبطیہ کے حوالے سے درست معلوم نہیں ہوتا جب کہ ابوالسعود نے دونوں طرح کے واقعات کو لکھا ہے مگر ان کے مابین ترجیح یا صحت وضعف کا قول نہیں کیا ہے اہم بات یہ ہے کہ ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود دونوں نے اس آیت مقدسہ:

﴿اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ﴾[2]

ترجمہ: اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرلو۔/ کا مصداق حضرت عائشہ اور حفصہؓ کو ٹھہرایا ہے[3]

حالانکہ اس آیت میں:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ﴾[4]

ترجمہ: اے نبی مکرم آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے۔

کے سیاق میں بات کی گئی ہے اس لئے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ وہ والی روایت اس آیت کا سبب نزول ہے جس میں یہ واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس شہد پیا۔ الخ

1۔ نووی، **شرح صحیح مسلم**، ص928

2۔ التحریم:4

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/331/۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/287

4۔ التحریم:1

فصل سوم: غزوہ تبوک[1]، العسرۃ[2]، حجۃ الوداع اور وصال مبارک

فتح مکہ نے حق و باطل کے مابین واضح لکیر کھینچ دی تھی اور حق کے ظاہر و باہر ہونے کے باوجود جب ہوازن و ثقیف نے اڑیل پن کا مظاہرہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کے عزائم کو بھی اپنی فراست و بصیرت سے خاک میں ملا دیا اب تقریباً تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیر سایہ آ چکا تھا مشرق میں فارس کی حکومت اندرونی خلفشار کی بدولت حملہ آور ہونے کی سکت نہ رکھتی تھی مگر بازنطینی[3] جزیرۃ العرب کو شام کی سرحد پر آباد نصرانیوں کی مدد سے زیر نگین کرنے کی پیش بندی فرما رہے تھے تو ادھر آپ ﷺ بھی ان کی حرکات سے برابر مطلع ہو رہے تھے اسی تناظر میں غزوہ تبوک کا واقعہ پیش آتا ہے اور یہ غزوہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا ریاست مدینہ کو داخلی اور خارجی سطح پر مستحکم کرنے کے بعد آپ ﷺ حج کی سعادت سے شرف باب ہوتے ہیں اور عرفات کے میدان میں تاریخی خطبہ حج پیش فرماتے ہیں جو عالمی سطح پر عصر حاضر میں بھی انسانی حقوق کے تحفظ کا آئینہ دار اور علمبردار ہے اور اس حج کے کچھ اسی روز بعد آپ ﷺ اپنے "رفیق اعلیٰ" کے حضور پیش ہو گئے۔

مبحث اول: غزوہ تبوک کے اسباب و واقعات

1۔ غزوہ کے اسباب

اس غزوہ کا ایک سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ خبر ملتی ہے کہ روم کا بادشاہ ہرقل ایک بہت بڑا لشکر رومیوں غسانیوں اور وہ قبائل عرب جو شام کی سرحد پر آباد تھے اور عیسائی مذہب کو قبول کیا ہوا تھا کو لے کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا ہے[4] ایسے میں آپ ﷺ کے پیش نظر یہ امر تھا کہ جنگی حکمت عملی کیا ہو مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرتے رہنا یہ ریاست کو کمزور کر سکتا تھا اور یہ بات یقینی تھی کہ جنگ سے پہلے ہی مدینہ کے شمال کے تمام علاقے دشمن کے قبضے میں آ جاتے پھر اگر غزوہ خندق کی طرح مورچہ بندی کر کے جنگ کی

1۔ تبوک: تا کے فتحہ اور با کے ضمہ کے ساتھ مکہ اور شام کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے مدینہ طیبہ اور دمشق کے بالکل وسط میں واقع ہے جو مدینہ سے تقریباً 800 کلومیٹر کی مسافت پر ہے (الحموی، **معجم البلدان**، 2/14/ ۔ الازہری، **ضیاء النبی ﷺ**، 4/585)

2۔ غزوہ تبوک کو غزوۃ العسرۃ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ سخت گرمی اور عسرت کے زمانہ میں رونما ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے متعلق فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ (التوبۃ: 117) امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں لکھا ہے "باب غزوۃ تبوک وہی غزوۃ العسرۃ" (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک وہی غزوۃ العسرۃ، ح 4415، حدیث کا باب)

3۔ مشرقی سلطنت روم چوتھی صدی عیسوی میں سلطنت روم دو حصوں میں مغربی اور مشرقی میں تقسیم ہو گئی مشرقی حصہ اپنے دارالحکومت بازنطین کے نام پر بازنطینی کہلوایا۔ 330ء میں بازنطینی شہنشاہ قسطنطین نے بازنطیم کا نام اپنے نام پر قسطنطنیہ رکھ دیا اور 1930ء میں ترکی حکومت نے نام بدل کر استنبول کر دیا (شاہدہ لطیف، **سلطان محمد فاتح**، (لاہور: سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، اپریل 2018ء)، 11-12

4۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 2/150

جاتی تب بھی یہ خطرہ بدستور تھا کہ حجاز میں داخل ہونے کے بعد دشمن چاروں طرف دور دور تک پھیل جاتا اور مدینہ پورے جزیرۃ العرب سے کٹ کر رہ جاتا پورے غور وخوض کے بعد آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمان خود شام کی سرحدوں کی طرف پیش قدمی کریں گے تاکہ دشمن پر نفسیاتی رعب بھی طاری ہو جائے اور اپنا علاقہ میدان جنگ نہ بنے[1]۔اس غرض سے آپ ﷺ تبوک کے مقام پر تشریف لے جاتے ہیں جبکہ آپ ﷺ کو یہ اطلاعات نبطیوں[2] کے ذریعے موصول ہو رہی تھیں جو کہ شام سے زیتون کا تیل لا کر حجاز میں فروخت کرتے تھے[3]۔

ابن کثیر نے اس غزوہ کا سبب یہ بھی لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ نے جزیرۃ العرب کو مسخر کر لیا اور لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو اس کے بعد آپ نے اہل روم سے قتال کرنے کی طرف توجہ دی جو جزیرۃ العرب کے لوگوں کے سب سے قریب تھے اور اہل کتاب ہونے کی بدولت دعوت کے زیادہ حقدار تھے[4]۔ابن کثیر کے بقول اس سبب کی وجہ سے یہ غزوہ پیش آیا یہ سبب بھی ہو سکتا ہے کیوں کہ آپ ﷺ تمام اقوام کے لئے رسول بن کر تشریف لائے تھے جس پیش آمدہ صورت حال کے تحت اس غزوہ کی تیاری کی گئی تھی وہ پہلا سبب ہی ہے جیسے بخاری و مسلم کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے:

حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک انصاری ساتھی تھا جب میں خدمت نبوی میں حاضر نہ ہوتا تو وہ میرے پاس خبر لاتا اور جب وہ حاضر نہ ہوتا تو میں اس کو خبریں بتاتا۔۔۔اس زمانے میں ہمیں شاہ غسان کا خطرہ لگا ہوا تھا ہمیں بتایا گیا کہ وہ ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور اس سے ہمارے سینے بھرے ہوئے تھے[5]

یہ حدیث رہنمائی کرتی ہے کہ مسلمانوں کو شاہ غسان سے حملے کا خدشہ رہتا تھا اور یہ سب ان اطلاعات پر مبنی تھا جو مسلمانوں کو ملتی تھیں وہ حملہ کرنا چاہتے ہیں اور قیصر روم[6] نے یہ مہم شام میں اپنے ماتحت غسانی نصرانیوں کے سپرد کر دی جو عرب ہونے کے ناطے صحرائی نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے اور سن 9ہجری کے وسط میں ان کی تیاری مکمل ہو گئیں اور چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل رومیوں کی ہراول فوج پیش قدمی کر کے بلقاء[7] تک پہنچ گئی[8]۔

1۔محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**،1/359

2۔نبطی نابت بن اسماعیل کی نسل سے تھے پہلے شمالی حجاز میں ان کا غلبہ تھا پھر زوال پذیر ہو کر یہ لوگ تاجر اور کاشت کار رہ گئے(مبارکپوری، **الرحیق المختوم**،حاشیہ صفحہ 581)

3۔الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**،2/462

4۔ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،4/238

5۔البخاری، **الجامع الصحیح**،کتاب النکاح'باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا،ح 5191/۔مسلم، **الجامع الصحیح**،کتاب الطلاق'باب فی الایلاء واعتزال النساء،ح 1479

6۔اس زمانہ میں روم کے بادشاہ کا لقب قیصر ہوا کرتا تھا۔

7۔یہ دمشق کے زیر انتظام ایک علاقہ تھا جس کا دار الخلافہ عمان تھا(الحموی، **معجم البلدان**،1/489)

8۔الصلابی، **السیرۃ النبویۃ**،2/462/۔محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**،1/359

یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے غزوہ تبوک پیش آیا آپ ﷺ جانتے تھے کہ ان فیصلہ کن لمحات میں اگر رومیوں کے خلاف کوئی راست قدم نہ اٹھایا گیا تو اس سے جہاں مسلمانوں کی دفاعی پوزیشن کمزور ہو جائے گی مسلمانوں کے رعب و دبدبہ پر کاری ضرب لگے گی اور اسلام کی دعوت پر بھی برے اثرات مرتب ہوں گے ان حالات کے پیش نظر آپ نے ضروری سمجھا کہ ان کی حدود میں جا کر ان سے پنجہ آزمائی کی جائے۔

2۔ غزوہ کے واقعات

غزوہ تبوک ماہ رجب سن 9 ہجری کو پیش آیا[1]۔ قاضی ابوالسعود نے دس ہجری کا قول نقل کیا ہے[2]۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ غزوہ رجب 9 ہجری کو واقع ہوا۔ اور یہ آپ ﷺ کا آخری غزوہ تھا جیسے حضرت کعب بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں:

((قَالَ كَعْبٌ لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا إِلَّا فِي غَزْوَةِ تَبُوك الخ))[3]

ترجمہ: کعب کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ سے کسی بھی غزوہ میں پیچھے نہ رہا سوائے غزوہ تبوک کہ اور وہ آپ ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔

"Tabuk was Muhammad's last major campaign" [4]

"یہ غزوہ جن حالات میں پیش آیا تھا وہ قحط سالی کا دور تھا لوگ تنگی سے دوچار تھے سخت گرمی کا زمانہ تھا لوگ زیادہ تھے سواریاں کم تھیں حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں پیاس کی شدت اور پانی کی کمی کی وجہ سے لوگ اونٹ ذبح کر کے ان کی اوجھڑیوں کو نچوڑ کر پیتے"[5]

قاضی ابوالسعود نے ابن عطیہ کی نسبت غزوہ تبوک کے موقع پر حالات کی تنگی اور عسرت کو قدرے وضاحت سے نقل کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

"غزوہ تبوک کے موقع پر سواریوں کی کمی تھی دس آدمیوں کے لئے ایک اونٹ تھا زاد راہ میں مشکلات کا عالم یہ تھا کہ ان کے پاس سڑے ہوئے جو تھے اور ایک کھجور کو دو لوگوں بلکہ بعض اوقات جماعت میں تقسیم کیا جاتا اور وہ اس کا رس چوستے اور پانی کی تنگی کا عالم یہ تھا کہ وہ اونٹ ذبح کرتے تو اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پی لیتے الخ"[6]

ابن کثیر نے مذکورہ روایت سے ملتی جلتی روایت نقل کرنے کے علاوہ ایک اور روایت بھی ذکر کی ہے:

"حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم سخت گرمیوں میں تبوک کی طرف گئے ہم ایک ایسی جگہ ٹھہرے جہاں ہمیں

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 34/3

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 183/3

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ح 4418/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب التوبۃ، باب حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ح 2769

4-Russ, **The Generalship of Muhammad**, Page230

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 93/3

6۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 220/3

سخت پیاس لگی حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ ہماری گردنیں ٹوٹ جائیں گی یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے شخص کے پاس پانی طلب کرنے جاتا تو اس حال میں واپس آتا کہ اس کی گردن ڈھلکی ہوئی ہوتی حتی کہ ایک شخص اپنے اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پیتا اور باقی ماندہ کو اپنے جگر پر ڈال لیتا"[1]

امام آلوسی نے قاضی ابوالسعود کی نقل کردہ روایت کو من وعن بیان کیا ہے[2]۔ ابن عطیہ نے مذکورہ روایت کو اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے علاوہ ازیں غزوہ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کو درپیش حالات کی نزاکت اور عسرت کو نقل کیا ہے۔ دکتور العمری نے بھی اس کیفیت کو نقل کیا ہے[3]۔ انہی سفری صعوبتوں کے پیش نظر آپ ﷺ نے اس غزوہ کو مخفی نہیں رکھا تھا ورنہ آپ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ ﷺ حملے کو پوشیدہ رکھتے تھے ابوالسعود نقل کرتے ہیں:

آپ ﷺ جب کسی بھی غزوہ کے لئے جاتے تو اسے مخفی رکھتے سوائے غزوہ تبوک کہ تاکہ صحابہ کرام اس کی تیاری کریں[4]

امام بخاری نے بھی اس روایت کو حضرت کعب بن مالک کے حوالے سے روایت کیا ہے:

((وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرَّى بِغَيْرِهَا حَتَّى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ غَزَاهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَرٍّ شَدِيدٍ، وَاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيدًا، وَمَفَازًا وَعَدُوًّا كَثِيرًا، فَجَلَّى لِلْمُسْلِمِينَ أَمْرَهُمْ لِيَتَأَهَّبُوا أُهْبَةَ غَزْوِهِمْ))[5]

ترجمہ: آپ ﷺ جب بھی کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اسے پوشیدہ رکھتے تھے سوائے غزوہ تبوک کے یہ غزوہ آپ ﷺ نے سخت گرمی میں کیا تھا جس کی مسافت طویل تھی اور دشمن بھی تعداد میں بہت زیادہ تھا آپ ﷺ نے اس غزوہ کا معاملہ لوگوں پر ظاہر فرما دیا تاکہ وہ اس کے لئے تیاری کریں۔

اس غزوہ پر پیشگی اطلاع دینے کا مقصود یہ بھی تھا کہ جب اہل روم کو اس کی خبر ہو تو وہ مرعوب ہو سکیں۔

3۔ مال خرچ کرنے کی ترغیب و تشویق

آپ ﷺ نے جونہی غزوہ تبوک میں شرکت کیلئے اعلان فرمایا تو صحابہ کرامؓ نے پورے اخلاص و تندہی کے ساتھ تیاری کا آغاز فرما دیا مسلمان بہر صورت اس غزوہ میں شریک ہونا چاہتے تھے البتہ تین مسلمان[6] شریک نہ ہو

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/228

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 10/553

3۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/524

4۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/163

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ح 4418

6۔ کعب بن مالک، ہلال بن امیۃ اور مرارۃ بن ربیع العامری یہ تین صحابہ تھے جو اس غزوہ میں بغیر کسی عذر کے شریک نہیں ہوئے تھے جس پر وہ سخت نادم ہوئے اور صدق دل سے اللہ کے حضور توبہ کی جو بالآخر اللہ نے قبول فرمائی (ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/193 /۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/221)

سکے اور جبکہ منافقین کا معاملہ اس کے برعکس تھا انہوں نے پس و پیش کیا تھا صحیح العقیدہ اہل ایمان کی حالت یہ تھی اگرچہ جو تنگ دست اور فاقہ کش تھے آپ ﷺ سے درخواست کرتے تھے کہ ان کیلئے بھی سواریوں کا بندوبست کریں وہ بھی شریک ہوں گے اس پر آپ ﷺ ان سے فرماتے کہ سواریاں دستیاب نہیں ہیں آپ کے اس ارشاد پر ان کی جو کیفیت ہوتی اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: تو فرمایا آپ نے میں نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس نہیں ہے ان کے پاس جو وہ خرچ کریں۔

اس لئے اس غزوہ میں مالی مشکلات کے پیش نظر آپ ﷺ نے صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب و تحریص دلوائی۔ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے جیش العسرۃ غزوہ تبوک کے لشکر کی تیاری میں معاونت کی اس کے لئے جنت ہے تو ایسے موقع پر حضرت عثمانؓ نے ہزار اونٹ اور ہزار دینار پیش کیے یہ بھی روایت کہ آپ ﷺ نے دنانیر کو اپنے ہاتھوں سے الٹ پلٹ کیا اور فرمایا آج کے عمل کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہ دے گا"[2]

اس موقع پر انصار کا ایک شخص سات سو وسق[3] کھجور لے کر آیا[4] آپ ﷺ کے حکم پر صحابہ کرامؓ والہانہ انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف[5] نے چار ہزار درہم صدقہ کئے اور اتنے ہی اپنے پاس رکھے تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تم نے اللہ کے راستے میں دیا اللہ تمہیں اس میں برکت دے اور جو کچھ بچا کر رکھا ہے اس میں بھی برکت دے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا نصف مال صدقہ کیا اور اس موقع پر صحابی رسول ﷺ ابو عقیل حجاب الاراشی نے ایک صاع[6] کھجور بطور صدقہ پیش کی تو منافقین نے طنز و تشنیع شروع کر دی[7] جس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

1۔ التوبۃ:92

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/93

3۔ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے (ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) بعض کے بقول ایک اونٹ کا بوجھ ایک وسق ہوتا ہے (بلیاوی، عبد الحفیظ، **مصباح اللغات**، لاہور: مکتبۃ قدوسیہ، جولائی 1999، ص905)

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/93

5۔ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ القرشی آپ کی کنیت ابو محمد تھی آپ کی والدہ کا نام الشفاء بنت عوف تھا عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے آپ ﷺ کے دار ارقم میں جانے سے قبل اسلام لا چکے تھے آپ کا شمار مہاجرین اولین اور عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے 31 ہجری میں وفات پائی (ابن عبد البر، **الاستیعاب**، 2/844-850)

6۔ صاع ایک قسم کا پیمانہ جو ساڑھے تین سیر کے مساوی ہے (بلیاوی، **مصباح اللغات**، ص463)

7۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/63

﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَ هُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ﴾[1]

ترجمہ: جو لوگ ریاکاری کا الزام لگاتے تھے خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر مومنوں سے اور جو نادار نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔

جن صحابہ نے زیادہ مال اللہ کے راستے میں پیش کیا منافقین نے ان پر یہ الزام لگایا کہ یہ ریاکار ہیں اور جو صحابی تھوڑا مال لائے تو اس پر یہ جملہ کسنا شروع کر دیا کہ ایک سیر کھجور سے لشکر کی ضیافت کا سامان کس طرح ممکن ہو گا۔ قاضی ابوالسعود رقم طراز ہیں:

مروی ہے کہ آپ ﷺ نے صدقات کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ چالیس اوقیہ[2] سونا لے کر آئے اور ایک قول ہے چار ہزار دہم لے کر آئے اور کہا کہ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے چار ہزار بطور قرض حسنہ صدقہ اللہ کو پیش کر دیا اور باقی چار اپنے گھر والوں کے لئے ہے اور عاصم بن عدی[3] نے سو وسق کھجور بطور صدقہ پیش کی اور ابو عقیل الانصاری ایک صاع کھجور لے کر آئے اور کہا کہ میں نے آج رات مزدوری کر کے دو صاع کھجور کمائی ہے ایک صاع اپنے اہل و عیال کے لئے چھوڑا ہے اور ایک صاع لے کر حاضر ہو گیا ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسے باقی صدقات پر بکھیر دو تو اس پر منافقین نے طنز کرنا شروع کر دیا جس پر اللہ نے یہ آیت اتاری[4]۔

ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے غزوہ تبوک کے موقع پر جن صحابہ نے جس انداز میں اللہ کے راستے میں صدقات پیش کئے تھے ان پر چند کا ذکر کیا ہے حضرت صدیق اکبرؓ کا تذکرہ نہیں کیا ہے جب کہ دیگر کتب میں بھی یہ کیفیات بیان ہوئی ہیں ابن کثیر نے ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کے موافق روایات کو نقل کیا ہے[5]۔ امام آلوسی نے بھی اس طرح کی روایت کو نقل کیا ہے مگر اس میں عدی بن حاتم کے حوالے سے ستر وسق کھجور صدقہ کرنے کو ذکر کیا ہے اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حوالے سے چار سو اوقیہ سونا صدقہ کرنے کو بیان کیا ہے[6]۔

امام ترمذی اور ابو داؤد نے حضرت عمرؓ سے مروی یہ روایت نقل کی ہے:

حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن ہم کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تو میں نے کہا

1۔ التوبۃ: 79

2- اوقیہ نصف رطل کا چھٹا حصہ ہوتا ہے اور رطل بارہ اوقیہ کا ایک وزن 40 تولہ کو کہتے ہیں (بلیلاوی، **مصباح اللغات**، 47-289

3- عاصم بن عدی بن الجد آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے پھر بھی مال غنیمت سے حصہ ملا تھا احد اور خندق میں شریک ہوئے تھے۔ 45 ہجری میں تقریباً 120 برس کی عمر میں وفات پائی۔ (ابن عبدالبر، **الاستیعاب**، 2/ 781-782)

4۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/ 191

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/ 186-187

6۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 10/ 438

کہ میں آج ابو بکرؓ پر سبقت لے جاؤں گا تو میں نے آدھا مال صدقہ کر دیا رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے تو میں نے کہا نصف چھوڑا ہے اسی اثناء میں ابو بکرؓ بھی اپنا مال لے کر آئے تو حضور ﷺ نے ان سے کہا ابو بکر اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے ابو بکر نے اس پر کہا کہ میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑا ہے یعنی سارا مال لے کر آیا ہوں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! میں آپ سے کسی چیز میں بھی کبھی بھی سبقت نہیں لے سکتا[1]

اس موقع پر حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار بطور صدقہ پیش کئے تھے[2]۔ غزوہ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام نے جس انداز میں مال خرچ کیا اس کا تذکرہ ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کے موافق دیگر ائمہ سیرت نے بھی کیا ہے[3]۔ اس میں اختلاف حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے حوالے سے ہے۔ ابن حجر عسقلانی رقم طراز ہیں:

"حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے تبوک کے موقع پر خرچ کرنے کے حوالے سے بہت اختلاف ہے اور اس میں جس روایت کی طرف سب سے زیادہ صحیح ہیں وہ یہ ہے کہ آپؓ نے آٹھ ہزار درہم صدقہ کے طور پر پیش کئے"[4]

دراصل غزوہ تبوک ایسے حالات میں پیش آیا جب صحابہ کرامؓ اجمعین موسمی حالات اور جانی ومالی لحاظ سے سخت ترین صورتحال سے دوچار تھے[5]

مذکورہ تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ غزوہ تبوک کو مالی، سفری مشکلات کے پیش نظر جیش العسرۃ کہا جاتا ہے آپ ﷺ نے مالی مشکلات کے ازالے کے لئے صحابہؓ کو صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب دی جس میں حضرات صحابہ کرامؓ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس موقع پر سب سے زیادہ خرچ کرنے والے ایک ہزار دینار حضرت عثمانؓ کا جہاں تذکرہ ملتا ہے وہاں ابو عقیل کے نصف صاع خرچ کرنے کا ذکر بھی ہے۔ ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود دونوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

4۔ غزوہ کے لئے روانگی

آپ ﷺ غزوہ تبوک کے لئے مدینہ المنورہ سے بروز جمعرات[6] تین رجب 9 ہجری کو تیس ہزار افراد کے

1۔ الترمذی، **الجامع** ،کتاب المناقب' باب مناقب أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، ح3675، وہذا حدیث حسن صحیح /۔ ابوداؤد، **السنن** ،کتاب الزکاۃ' باب الرخصۃ فی ذلک، ح1678، حدیث حسن

2۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح20630، اسنادہ حسن من اجل کثیر

3۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص598 /۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 4/1509-1510 /۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/552

4۔ **العسقلانی، فتح الباری**، 9/230

5۔ شاہ پرویز، "**غزوہ تبوک سے متعلق روایات سیرت کا تجزیاتی مطالعہ**" نور معرفت، جلد: 13، شمارہ 56، اپریل تا جون 2022، ص47

6۔ نبی ﷺ غزوہ تبوک کے موقع پر جمعرات کو گھر سے نکلے تھے اور آپ پسند کرتے تھے کہ جمعرات کو سفر کیلئے نکلیں (البخاری، **الجامع الصحیح** ،کتاب المغازی ،کتاب الجہاد' باب من أراد غزوۃ فوری بغیرہا۔ ومن رجب الخروج یوم الخمیس، ح2950

لشکر کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں اور یہ واقعہ محاصرہ طائف کے تقریباً چھ ماہ بعد پیش آیا[1] اس سے قبل مسلمانوں نے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ سفر نہ کیا تھا اس لئے مال خرچ کرنے کے باوجود لشکر کو پوری طرح تیار نہ کیا جاسکا تھا بلکہ سواری اور توشے کی کمی سخت تھی چنانچہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں پر ایک ایک اونٹ تھا جس پر یہ لوگ باری باری سفر کرتے تھے۔ اس لئے اس کا نام جیش عسرت تنگی کا لشکر پڑ گیا[2]۔ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت راستے میں ایک ایسی وادی سے گزرنا پڑا جسے وادی حجر[3] کہتے ہیں آپ ﷺ نے یہاں سے گزرتے وقت صحابہ کرام کو خاص قسم کی ہدایات جاری فرمائیں۔ ابن عطیہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ذی شان ہے:

﴿وَاِلٰی ثَمُوْدُ اَخَاهُمْ صٰلِحًا--الخ﴾[4]

ترجمہ: اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن عطیہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کے وادی حجر سے گزرتے وقت کی کیفیات پر روشنی ڈالی ہے آپ لکھتے ہیں:

"یہ شام اور مدینہ کے درمیان کا علاقہ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ غزوہ تبوک کے موقع پر گزرے تھے اور آپ نے کہا تھا:

((لَاتَدْخُلُوْ امَسَاکِنَ الذِیْنَ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ الَّا أَنْ تَکُوْنُوْ اَبَاکِیْن أَن یُصِیْبَکُمْ مِثلُ مَاأصابَهُمْ)) [5]

ترجمہ: تم ان کے گھروں میں داخل نہ ہونا جنہوں نے اپنی حالوں پر ظلم کیا تھا ہاں مگر تمہاری حالت رونے والوں کی سی ہو اور یہ تصور کرتے ہوئے کہ جو کچھ ان پر آیا ہے وہ تم کو پہنچ نہ جائے اور پھر آپ ﷺ تیزی کے ساتھ وہاں سے گزر گئے۔

قاضی ابوالسعود نے ابن عطیہ کی نسبت تفصیلاً روایت نقل کی ہے آپ تحریر کرتے ہیں: مروی ہے کہ جب آپ ﷺ غزوہ تبوک کو جاتے ہوئے وادی حجر سے گزرے تو آپ نے اصحاب سے فرمایا:

لَایَدْخُلَن أحد مِنْکُمْ الْقَرْیَةَ وَلَا تَشْرَبُوْا مِنْ مَائهَا وَلَا تَدْخُلُوْا عَلٰی هٰؤلَاء الْمَعذَّبِیْنَ اِلَّا ---الخ[6]

1۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص597 / ۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 4/ 1507-1508 / ۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 2/ 552

2۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص584-585

3۔ حجر (ح کسرہ کے ساتھ) اس نام سے معروف وہ وادی ہے جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی نگریاں تھیں یعنی قوم ثمود کے ساکن تھے وہاں قوم ثمود کے آثار اور عجائب ہیں۔ مدینہ منورہ کے شمال میں 322 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے (البلادی، **معجم المعالم الجغرافیۃ فی السیرۃ النبویۃ**، ص93)۔ اس قوم کا مسکن جزیرہ عرب کے شمالی مغربی جانب شام و حجاز کے درمیانی علاقہ میں تھا جس کی حدود وادی القری تک پھیلی ہوئی تھیں ان کے پایہ تخت کا نام "الحجر" تھا (الازہری، **ضیاء القرآن**، 2/ 48)

4۔ الاعراف: 73

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/ 422

6۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/ 583-584

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی ان کی بستی میں مت داخل اور نہ ہی ان کے کنوؤں سے پانی پیے اور نہ ان عذاب یافتہ لوگوں کے گھروں میں داخل ہو۔

مذکورہ روایت کو امام بخاری و مسلم دونوں نے بھی نقل کیا ہے [1]۔ آپ ﷺ کا منع کرنے کا سبب یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ ان کے مکانات کے نشانات اور کھنڈرات کا جائزہ نہ لینے لگ جائیں اور تفریح کے طور پر ان کو نہ لینے لگ جائیں بلکہ یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ یہ جائے عبرت ہے اور مقام دعوت و فکر ہے جو اس جہاں کی ناپائیداری کا درس دیتا ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کو حرزِ جان بنانے کا پیغام دیتا ہے۔

بالآخر یہ سفر پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے اور لشکر اسلام تبوک کے چشمے پر پڑاؤ ڈال لیتا ہے آپ ﷺ نے اس چشمے کا پانی اپنے پہنچنے سے قبل کسی کو بھی استعمال کرنے سے منع کر دیا تھا مگر دو لوگوں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کر دی جس پر آپ ﷺ نے ان کی سرزنش کی۔ بعد ازاں آپ علیہ السلام نے اس چشمے کے پانی سے جو برائے نام تھا اس میں اپنا چہرہ مبارک اور دست اقدس دھوئے اور پھر پانی اس پر ڈال دیا دیکھتے ہی دیکھتے چشمے میں پانی کثیر ہو جاتا ہے [2]۔ تبوک کے مقام پر پڑاؤ کرنے کے بعد جب اطراف کا جائزہ لیا گیا تو وہاں پر عرب نصرانی قبائل تو موجود تھے مگر رومی لشکر کا کہیں بھی نام و نشان تک نہ تھا گویا انہوں نے جب بنفس نفیس حضور ﷺ کی آمد کا علم ہوا تو مرعوب ہو کر حملے کا ارادہ ترک کر دیا اس طرح آپ ﷺ نے وہاں پر بیس دن قیام فرمایا اس عرصہ میں قیصر کی طرف سے کسی بھی قسم کی عسکری نقل و حرکت عمل میں نہیں لائی گئی اس صورتحال کی وجہ سے عرب نصرانی سرداروں کا رومی بادشاہت پر اعتماد ختم ہو گیا اور انہوں نے جزیہ دینے کی حامی بھرتے ہوئے ریاست مدینہ کے عظیم حکمران کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا اور یوں آپ ﷺ نے صحابہ سے پیش قدمی کا مشورہ طلب کیا جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس سال اتنا کافی ہے کہ ہم انہیں مرعوب کر کے لوٹ جائیں پھر آئندہ جو ہو گا دیکھ لیں گے اللہ تعالیٰ راستے کھول دے گا آپ ﷺ نے اس رائے کو احتیاط پر مبنی ہونے کی وجہ سے پسند فرمایا اور واپسی کا ارادہ فرمایا [3]۔

غزوہ تبوک آپ ﷺ کا آخری غزوہ تھا جس کے اثرات و نتائج نے ریاست مدینہ کو داخلی اور خارجی سطح پر استحکام بخشا اور سلطنت روم جو اس وقت اقوام عالم میں طاقتور ترین سلطنت جانی جاتی تھی مسلمانوں کے خلاف مقابلہ کیلئے نہ آ کر دیگر اقوام کے سامنے اس کی ساکھ متاثر ہوتی ہے اور یوں خریطہ عالم پر اہل اسلام کی ایک دھاک بیٹھ جاتی ہے۔

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ فی مواضع الخسف والعذاب، ح433/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الزہد، باب لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسہم، ح2980

2۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح22070، اسنادہ صحیح علی شرط مسلم /۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 5/236

3۔ محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**، 1/362-363

5۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر مسجد ضرار کا انہدام

لشکر اسلام جب شام کی سرحدوں پر اپنی عظمت کا پرچم لہرا کر واپس آتا ہے تو آپ ﷺ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ منافقین نے مدینہ منورہ کے مضافات میں ایک مسجد تعمیر کی تھی جس کا مقصد مسلمانوں کے درمیان تفریق کا بیج بونا تھا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًام بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور وہ لوگ جنھوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کیلئے، کفر کرنے کیلئے اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مومنوں کے درمیان۔

منافقین کے مسجد بنانے کا پس منظر کیا تھا اس کے متعلق ابن عطیہ لکھتے ہیں:

”جب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے اور جب وادی ذی اوان[2] میں اترے تو مسجد ضرار بنانے والے حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم نے مسجد بنائی اس ضرورت کے پیش نظر کہ جب بارش ہو تو نماز ادا کر لیا کریں اس پر آپ نے فرمایا اس وقت غزوہ تبوک کا سفر درپیش ہے واپسی پر آؤں گا اور واپسی پر جب وادی اوان میں اترے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی حقیقت کو بیان فرمایا تو آپ نے مالک بن الدخشم[3] کو بلایا اور فرمایا کہ جاؤ اس کو گرا دو اور جلا دو“[4]

اس مسجد کو بنانے کا سبب یہ تھا کہ ابو عامر جو کہ راہب کے طور پر معروف تھا اس کی ماں کا تعلق روم سے تھا یہ آپ ﷺ کی عداوت میں اہل طائف کے ساتھ رہتا تھا جب یہ اہل طائف اسلام لے آئے تو یہ شام بھاگ گیا اور قیصر روم سے رسول اللہ ﷺ کے خلاف مدد طلب کی اور اپنی قوم منافقین کو لکھا کہ تم ایک مسجد بناؤ[5]۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ عرصہ بعد اس ابو عامر کو ہلاک کر دیا اور آپ ﷺ کو ان کے عزائم سے آگاہ کر دیا اور اس کے سازشی عناصر کی وجہ سے مسجد کو گرانے کا حکم دے دیا۔

قاضی ابو السعود نے بھی اس آیت کے تحت ابن عطیہ کے موافق روایت تحریر کی ہے[6]۔ ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی مذکورہ روایت کو ہی نقل کیا ہے[7]۔

1۔ التوبۃ:107

2۔ یہ وہ جگہ تھی جو مدینہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھی (ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،3/81/۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،4/212)

3۔ مالک بن الدخشم بن مالک ابن اسحاق کے بقول بیعت عقبہ میں موجود تھے غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک تھے (ابن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**،3/1350)

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،3/81

5۔ ایضاً

6۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**،3/210-211

7۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،4/212/۔ الآلوسی، **روح المعانی**،10/505

یوں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے آگاہ کرنے سے منافقین کی اس سازش کا پردہ چاک کر دیا اور یوں وہ اپنے ارادوں میں خائب و خاسر ہو گئے اور ریاست کے داخلی استحکام کیلئے یہ ضروری تھا کہ منافقین کی سازشوں کا سدباب کیا جائے۔

مبحث دوم: غزوات رسول ﷺ کا عمومی تجزیہ

غزوہ تبوک رسول اللہ ﷺ کا آخری غزوہ تھا اس بنا پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مبارکپوری کی آراء کی روشنی میں بالا اختصار عمومی پیرائے میں ان کا تجزیہ کیا جائے۔ نبی ﷺ کے غزوات و سرایا پر ایک نظر ڈالنے کے بعد جنگ کے احوال اور نتائج کا علم رکھنے والا یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ ﷺ سب سے باکمال فوجی کمانڈر تھے آپ جس طرح نبوت ورسالت کے اوصاف میں سید الرسل تھے اسی طرح فوجی قیادت کے وصف میں بھی یگانہ روزگار تھے اس لئے جو بھی معرکہ آرائی کی اس میں فہم و فراست اور حزم و تدبر کے تحت ایسی جنگی منصوبہ بندی کی جس میں کبھی غلطی نہیں ہوئی اور اگر اُحد اور حنین میں نقصان کا سامنا کرنا پڑا تو اس کا سبب آپ ﷺ کی حکمت عملی کی خامی نہ تھی بلکہ اس کے پیچھے افراد لشکر کی کچھ کمزوریاں کارفرما تھیں۔ پھر ان دونوں غزوات میں جس کمال بصیرت سے دشمنوں کے عزائم کو خاک آلود کیا وہ اپنی مثال آپ ہے آپ دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور جنگ کا پانسہ پلٹ دیا جیسے اُحد میں دشمن کو اس کے مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دیا اور حنین میں مسلمانوں کی شکست کو فتح میں بدل دیا اور ان غزوات میں دوسرے گوشے یہ تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے ذریعے امن وامان قائم کیا، فتنے کی آگ بجھائی، دشمن کی شان و شوکت توڑ کر رکھ دی انہیں مصالحت کرنے پر مجبور کر دیا اس طرح ان جنگوں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ منافق کون ہے اور مخلص مومن کون ہے اور ایسی بہترین جماعت بھی تیار کر دی جس نے آپ کے بعد شام و عراق اور روم و فارس سے مقابلہ آرائی کی اسی طرح ان غزوات کی بدولت مسلمانوں کی معاش اور طرز معاشرت کو بہتر بنا دیا بے خانماں اور محتاج پناہ گزینوں کے مسائل حل فرمائے۔

آپ ﷺ نے ان اسباب و مقاصد کو بھی تبدیل کر ڈالا جو دور جاہلیت میں جنگ کے شعلے بھڑکایا کرتے تھے جیسے لوٹ مار، ذاتی انتقام، ظلم وتعدی وغیرہ وغیرہ آپ نے اسے ایک مقدس جہاد کا مرتبہ عطا فرمایا جسے نہایت معقول اور موزوں اسباب کے تحت شروع کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے شریفانہ مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں گویا جہاد کے اغراض و مقاصد میں ظالم کو ظلم سے روکنا اور فتنہ پروروں کو لگام ڈالنا اور مظلوم کا ساتھ دینا ہے اور آپ نے جنگی ضوابط بھی مقرر فرمائے اور اپنے فوجیوں اور کمانڈروں کو ان کی پابندی لازمی کروائی کسی بھی لشکر یا سریہ کا امیر مقرر کرتے وقت اسے تقویٰ کی اور مسلمان ساتھیوں کے بارے میں خیر کی وصیت فرماتے مثلاً اللہ کی رضا کیلئے لڑو، خیانت اور بدعہدی نہ کرو، بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور جو مقابلہ آراء نہ ہو اسے قتل مت کرو، آسانی کرو سختی نہ کرو لوگوں

کو سکون دلاؤ، نفرت نہ پھیلاؤ، کھیتی باڑی تباہ کرنے اور مویشی ہلاک کرنے سے بھی منع کیا اور یہ بھی ہدایات دیں کہ کسی سفیر کو قتل نہ کیا جائے [1]۔ نبی کریم ﷺ نے جنگی حکمت عملی میں انسانیت کی فلاح و بہبود اور اس کی بقاء کی سالمیت کو مد نظر رکھا [2]۔ آپ ﷺ نے غزوات میں دوران قتال بھی ایسی سوچ و فکر کو پروان چڑھایا جس سے لوگوں کے قلوب واذہان کو مسخر کیا جاسکے آپ کی وسعت نظری اور عالی ظرفی نے غزوہ فتح مکہ اور حنین کے موقع پر ایسی روشن مثالیں چھوڑی ہیں جسکے نتیجے میں لوگ گروہ در گروہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور یوں پورا عالم عرب اسلام کے نور سے منور ہو گیا۔

مبحث سوم: حجۃ [3] الوداع

دین اسلام دعوت و تبلیغ اور اسلام کا عملی نفوذ جب پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو اب یہ اشارے ملنا شروع ہو گئے کہ آپ ﷺ کا اس جہاں میں قیام کا دورانیہ اب مختصر رہ گیا ہے تو اب اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کو اس دعوت کے ثمرات دکھلائے جس کی راہ میں بیس برس سے زیادہ عرصہ تک قسم قسم کی صعوبتیں اور اذیتیں برداشت کی تھیں اس کی عملی صورت و ترکیب یہ ہوئی کہ حج کے موقع پر اپنے جانثاران کے ساتھ جمع ہوں اور ان سے روبرو مخاطب ہوں اور جب آپ ﷺ نے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا تو جوق در جوق لوگ پہنچنا شروع ہو گئے ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ آپ ﷺ کی اقتداء کرے [4]۔ اس غرض سے آپ ﷺ نے سن 10 ہجری ذیعقدہ کے مہینے میں ماہ ذیقعدہ کے ابھی پانچ دن باقی تھے حج کے لئے سفر شروع کیا [5]۔ ابن عطیہ نے آپ ﷺ کے حج کے متعلق بحث ان آیات کے تحت کی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [6]

ترجمہ: آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین۔

یہ آیت 9 ذی الحج سن 10 ہجری کو مقام عرفات پر بروز جمعہ آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوئی اس میں

1۔ دیکھیے: مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص 593 تا 595

2۔ شگفتہ نوید، "**غزوات و سرایا کا قیام امن میں کردار، تجزیاتی مطالعہ**"، القلم، اپریل (2017ء)، ص 54

3۔ حج کا لغوی مطلب ارادہ کہلاتا ہے جب کہ اصطلاح میں مخصوص اعمال و اقوال کے ساتھ اللہ کے گھر (بیت اللہ) کی زیارت کے ارادہ کے ساتھ خاص ہے (ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/477/۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/8/۔ الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص 73) اور اسے حجۃ الوداع کہنے کا سبب یہ ہے کہ آپ نے اس میں لوگوں کو الوداع کہا تھا اور اس کے بعد آپ نے حج نہیں کیا تھا (ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 4/1668)

4۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، ح 1218

5۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 640/۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 4/1671، وہذا اسناد جید

6۔ المائدہ: 3

یہ خبر دی گئی کہ آپ ﷺ کو جس دین کا مبلغ بنا کر مبعوث کیا گیا تھا وہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

"مروی ہے کہ یہ آیت حج اکبر کے دن نازل ہوئی۔۔۔ حضرت عمرؓ سے ایک یہودی نے کہا کہ تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے اگر وہ ہم گروہ یہود کے پاس ہوتی تو ہم اس دن کو بطور عید مناتے اس پر حضرت نے کہا کہ وہ کون سی آیت ہے تو اس نے کہا کہ ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ۔۔الخ﴾ یہ آیت ہے تو اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم جانتے ہیں یہ آیت آپ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ میدان عرفات میں کھڑے تھے"[1]

ابن عطیہ مزید لکھتے ہیں:

"وقال الدبیع بن انس نزلت سورۃ المائدہ فی مسیر رسول اللہ ﷺالیٰ حجة الوداع"[2]

ترجمہ: ربیع بن انس کہتے ہیں کہ سورۃ المائدہ رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کی طرف جاتے ہوئے نازل ہوئی۔

قاضی ابوالسعود بھی ابن عطیہ کی طرح تحریر کرتے ہیں:

﴿اَلْيَوْمَ---﴾قد نزلت بعد عصر الجمعة یوم عرفة فی حجة الوداع و النبی ﷺواقف بعرفات"[3]

ترجمہ: یہ آیت "**الیوم اکملت الخ**" حجۃ الوداع کے موقع پر یوم عرفہ کو جمعہ کے دن عصر کے بعد نازل ہوئی اور اس وقت آپ ﷺ عرفات میں کھڑے تھے۔

ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کی نقل کردہ روایات صحیحین میں بھی منقول ہیں[4]۔

علاوہ ازیں ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے آپ ﷺ کے حج کی کیفیات اور تاریخ ساز خطبہ حجۃ الوداع پر تبصرہ نہیں کیا ہے اور اس مبارک موقع پر آپ ﷺ نے جملہ عالم انسانیت کے حقوق اور عدل و انصاف کے لئے صدائے دلنواز بلند کی آپ نے فرمایا: آج کے دن اور مقام کی حرمت کی طرح تم سب پر ایک دوسرے کا خون، مال اور عزت حرام ہے خبردار! اچھی طرح آگاہ ہو جاؤ میں نے جاہلیت کی تمام قبیح رسومات کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا ہے اور ہاں عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔۔۔ اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب[5]۔ اس مقام پر آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:

((قَالَ رَسُولُ اللہ ﷺاَیّھَا اَلنَّاسْ! اِسْمَعْوا اَقولی، فَاِنّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلٰی لَا اَلْقَاکُمْ بعد عِامِی ھَذَا بِھٰذَا

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 2/154

2۔ ایضاً، 155

3۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/282

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، ح 4407/۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب التفسیر، باب مرقوم نہیں ہے، ح 3017

5۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، ح 1218

الْموَقِفِ اَبَداً))[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے کہا اے لوگو! میری بات غور سے سنو کیوں کہ میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی بھی نہ مل سکوں۔

آپ ﷺ کے یہ کلمات پیغام دے رہے تھے کہ آپ کے یہ الوداعی فرمودات ہیں۔ آپ کا یہ خطبہ حقوق انسانی کو تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور اس میں ایسا آفاقی پیغام تھا کہ جس سے رہنمائی لینا ہر دور کی ضرورت ہے یہ خطبہ ابدی اور سرمد اصولوں کا آئینہ دار ہے[2]۔ اسی اہمیت کے تناظر میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا

((فَلْيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِب))[3]

ترجمہ: پس حاضر غائب تک پہنچادے۔

یعنی آپ کا یہ فریضہ ہے کہ اس پیغام کو ان لوگوں تک بھی پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں عصر حاضر میں آپ ﷺ کے ان فرامین کو احاطہ عمل میں لانے کی اشد ضرورت ہے۔

مبحث چہارم: حضور ﷺ کا وصال مبارک

رحمت دوعالم ﷺ نے جب منصب نبوت ورسالت کا حق بتمام وکمال ادا کر دیا تو اب اس دار فناء سے دار بقاء کی جانب اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور پیش ہونے کا مرحلہ آن پہنچا اس سلسلہ میں آپ ﷺ پر سن 11 ہجری ماہ صفر کی انتیس تاریخ کو مرض الوفات کا آغاز ہوتا ہے[4]۔ راجح قول کے مطابق آپ ﷺ پر اس مرض کا دورانیہ 13 دن ہے[5]۔ ابن عطیہ نے آپ ﷺ کے وصال مبارک کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی روشنی میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾[6]

ترجمہ: جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح نصیب ہو جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن عطیہ حضرت عمر بن الخطابؓ کا کبار صحابہ کرامؓ سے حضرت ابن عباس کی موجودگی میں استفسار نقل کرتے ہیں کہ اس سورۃ کی تفسیر اور سبب کیا ہے اس سوال کا جواب بزرگ صحابہ کرام نے

1۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص 641/۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص616

2۔ فیض رسول، "خطبہ حجۃ الوداع اور عالمی وحدت امت کے مظاہر: سیرت طیبہ کی روشنی میں" **احیاء العلوم**، جلد22، شمارہ1 (جنوری۔ جون2022ء)، 14

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح** 'کتاب العلم' باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعیٰ من سامع، ح67

4۔ ابن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**، 4/1846

5۔ قول مشہور کے مطابق آپ ﷺ کا یوم وصال 12 ربیع الاول کو ہے اس لئے مرض کا آغاز 29 صفر کو متعین ہوتا ہے (محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**، حاشیہ ص382)

6۔ النصر:1

آیت کے ظاہری الفاظ کے مقتضیٰ کے مطابق جواب دیا لیکن جب ابن عباس سے پوچھا:

"ماتقول أنت یا عبداللہ فقال:ھو أجل رسول اللہﷺ"[1]

ترجمہ: اے عبداللہ آپ کیا فرماتے ہیں تو آپ نے کہا اس میں آپ ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے۔

ابن عطیہ مزید لکھتے ہیں:

"نزلت ھذہ السورۃ علی النبیﷺ بمنیٰ فی وسط أیام التشریق فی حجۃ الوداع و عاش بعدھا ثمانین یوماً أو نحوھاﷺ"[2]

ترجمہ: یہ آیت آپ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق[3] کے وسط میں منی کے مقام پر کھڑے تھے اور اس کے بعد آپ تقریباً اسی 80 دن حیات رہے۔

ابن عطیہ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ ﴾کے تحت رقم طراز ہیں:

"أن رسول اللہﷺ لم یعش بعد نزول ھذہ الآیۃ الا احدی و ثمانین لیلۃً"[4]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اکیاسی دن حیات رہے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی آپ عرفہ کے دن جب میدان عرفات میں قیام پذیر تھے اور یوم عرفہ 9 ذی الحج کو ہوتا ہے اور ایام تشریق دس سے شروع ہوتے ہیں گویا آپ ﷺ عرفہ کے دن کے بعد اکیاسی اور ایام تشریق کے بعد تقریباً اسی دن حیات رہے۔ قاضی ابوالسعود نے اس سورۃ کی تفسیر میں ابن عطیہ کی بیان کردہ روایت کے علاوہ دو اور روایات کو نقل کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

روایت کیا جاتا ہے کہ جب یہ آیت﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ ﴾نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا اور اپنی ملاقات یعنی آخرت کے درمیان اختیار دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو چنا[5]

آپ نے ایک اور روایت نقل کی ہے:

((آپ ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بلایا اور کہا کہ اے بیٹی میرے وصال کا وقت قریب ہے تو یہ سن کر

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/532/۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المغازی' باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ، ح4430

2۔ ایضاً

3۔ ایام تشریق عید الاضحیٰ کے بعد تین دن اس لئے کہ ان میں قربانی کا گوشت خشک کیا جاتا ہے (المرغینانی، علی بن ابی بکر، **الھدایہ**، (کراتشی: ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1417ھ)، 2/**حاشیہ اللکھنوی**، ص182)

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/154

5۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/516/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**' کتاب مناقب الانصار' باب ہجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ، ح 3904/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**' کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنھم' باب من فضائل ابی بکر الصدیق، ح2382

حضرت فاطمہؓ رو پڑی اس پر آپ ﷺ نے ان سے کہا اے بیٹی رو مت! میرے اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کروگی))[1]

یعنی میرے بعد آپ کا وصال بھی جلد ہو جائے گا ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے جو روایات پیش کی ہیں ان کو بخاری و مسلم دونوں نے بھی نقل کیا ہے باقی دونوں حضرات نے آپ ﷺ کے وصال مبارک کے دن اور ماہ کی نسبت مزید بحث نہیں کی ہے باقی آپ ﷺ پر آخری تین دن مرض و تکلیف کی شدت کا اتنا غلبہ رہتا ہے کہ آپ نماز پڑھانے کے لئے مسجد بھی تشریف نہ لا سکے صرف بروز ہفتہ دن ربیع الاول کو نماز ظہر کے وقت حضرت عباس اور علیؓ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے اس وقت جماعت ہو رہی تھی ابو بکرؓ نے اسے پیچھے ہٹنا چاہا تو آپ نے اشارہ سے منع فرما دیا اور حضرت ابو بکر کے بائیں طرف آپ کو بٹھایا گیا اور یوں اس کیفیت میں آپ نے جماعت کروائی اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ سے الوداعی و آخری خطاب فرمایا[2]۔

اسکے بعد آپ ﷺ مسجد تشریف نہ لا سکے آخر کار 12 ربیع الاول بروز پیر نماز فجر کے وقت طبیعت میں قدرے قرار آیا تو اپنے حجرہ مبارکہ سے پردہ ہٹایا تو اس وقت صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکرؓ کی اقتداء میں حالت نماز میں کھڑے تھے اس پر کیف منظر کو دیکھ کر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر آثار فرحت و مسرت نمودار ہوئے اسی اثناء میں صحابہ کرام بھی آپ کے رخ انور کی جانب متوجہ ہو گئے اور بعد میں آپ کے روئے زیبا کے حسن کی تابانیوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا((كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ))[3] ترجمہ: گویا آپ کا چہرہ قرآن کے اوراق کی مانند ہے۔ اور صحابہ کرام کی بے تابی کو دیکھ کر فرمایا((أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ))[4] ترجمہ: اپنی نماز مکمل کرو۔ اور پردہ نیچے گرا دیا پھر دن کے وقت طبیعت مزید خراب ہو جاتی ہے اس وقت آپ کا سر اقدس حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گود میں تھا آپؐ نے چھت کی طرف نگاہ اٹھائی ہاتھ سے اشارہ کیا اور زبان مبارک پر یہ کلمات تھے: **اللهم الرفيق الاعلى**، اور پھر یوں آپ ﷺ کی روح اقدس قفس عنصری سے پرواز کر گئی[5]۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ حجۃ الوداع کے بعد تقریباً اسی 80 دن اس عالم فانی میں حیات رہے اور مشہور قول کے مطابق 11 ہجری 632ء بروز پیر 12 ربیع الاول کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**،6/516/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**،کتاب فضائل الصحابۃ،باب فضائل فاطمۃ،ح2450

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**،کتاب الاذان،باب من قام الی جنب الامام لعلۃ،ح 683/۔ باب الرجل یأتم بالامام،ح 713/۔ محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**، 1/387-388

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**،کتاب الاذان،باب أہل العلم والفضل أحق بالامامۃ،ح680

4۔ ایضاً

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنائز،باب موت یوم الاثنین،ح 1387/۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ ،4/1894/۔ العمری، **السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ**، 555/۔ محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**،2/391-393

باب پنجم: شمائل وخصائص مبارکہ اور دلائل نبوت

فصل اول: شمائل مبارکہ

فصل دوم: خصائص مبارکہ

فصل سوم: دلائل نبوّت معجزات

باب پنجم:

شمائل وخصائص مبارکہ اور دلائل نبوت

اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو خاتم النبیین کے منصب پر فائز فرمانا تھا تو اس کا تقاضا تھا کہ شمائل میں یعنی خَلق اور خُلق میں آپ ﷺ کو نابغہ روزگار بنایا جائے کیوں کہ آپ کی دعوت کا تعلق کسی خاص قوم اور زمانہ کے ساتھ نہ تھا بلکہ تمام اقوام اور زمان ومکان آپ کے مخاطب تھے اس لئے ضرورت ایسے امر کی تھی کہ آپ اپنے اخلاق وکردار میں عظمتوں کے حامل ہوں آپ کی تعلیمات، اقوال وافعال میں ایسی شیرینی ہو جو عالمی مزاج کی ہو جو ہر طبقہ سے وابستہ افراد کو متاثر کرے کسی بھی داعی کے لئے یہ بہت ضروری ہوتا ہے کہ اس کی دعوت سے خواندہ وناخواندہ دونوں فیض پائیں اور یہ کمال آپ کے "جوامع الکلم" کی شان والے دہن مبارک کو حاصل تھا کہ آپ کی گفتگو میں ایسا اثر ہوتا جو دلوں کو موہ لیتا تھا اور مختصر سے جملے میں معانی ومفاہیم کے کئی پہلو موجود ہوتے تھے جس کا ثبوت آپ کی احادیث کی شروحات کا ملاحظہ کرنے سے خوب ملتا ہے۔

آپ کے خصائص مبارکہ کا مطالعہ آپ کی شخصیت کے اعلیٰ وارفع ہونے کا شعور دیتے ہیں آپ کی امت جب خیر الامم ہے تو آپ پھر افضل الرسل کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کی کتابوں اور شریعت کو بھی محفوظ رکھا ہوا ہے اب قیامت تک مستند انداز میں جس ذات اور اس کی تعلیمات کا تذکرہ ہوتا رہے گا وہ آپ ﷺ کی ستودہ صفات ذات ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کی صداقت پر آپ کو ایسے دلائل اور معجزات وکمالات عطا فرمائے جو اپنی مثال آپ ہیں وہ دلائل بھی آپ کی نبوت کی عالم گیریت اور آفاقیت پر روشنی ڈالتے ہیں جیسے معجزہ شق قمر آپ کی نبوت کی آفاقیت کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے آپ کو عدیم النظیر شمائل وخصائص عطا فرمائے ایسے ہی دلائل بھی عطا فرمائے کہ جن کا مطالعہ آپ کی نبوت اور مقام ومرتبہ کی تفہیم کے لئے انتہائی اہم ہے۔

اس باب میں آپ ﷺ کے شمائل وخصائص مبارکہ اور دلائل نبوت کو زیر تحقیق لایا گیا ہے اور بحث کرتے وقت تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود کو مد نظر رکھتے ہوئے مذکورہ مباحث کا تجزیہ وتحلیل کیا گیا ہے۔

فصل اول: شمائل مبارکہ

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خَلق اور خُلق میں بے مثل و بے مثال بنایا ہے آپ ﷺ کے ظاہری و صوری حسن و جمال اور باطنی و معنوی کمال و نوال میں ایسی جاذبیت اور کشش تھی کہ زبان و دل آپ کی مدح سرائی اور تعظیم و توقیر میں خود بخود مصروف کار ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کا جمال خلق ہو یا کمال خلق ہو ان کا تعلق آپ کے شمائل مبارکہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو خاتم النبیّین اور بعثت عامہ کے منصب جلیلہ پر فائز فرمایا تو آپ ﷺ کو ایسے خصائص مبارکہ سے مشرف فرمایا جس سے آپ کی عظمت و رفعت اوج ثریا سے بھی بلند اور فائق تر ہو گئی۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کو ایسے معجزات و کمالات سے بھی شرف یاب فرمایا جو اپنی مثال آپ ہیں اور آپ کی نبوت و رسالت کی حقانیت کو خوب واضح کرتے ہیں۔ اب تا قیام قیامت جن کے دامن خیر سے وابستگی و تعلق میں ہی عافیت اور دارین کی سعادت و نجات ہے وہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے اس باب میں ان امور کو زیر بحث لایا جائے گا۔

مبحث اول: شمائل کا مفہوم

شمائل کا لفظ شمال کی جمع ہے جس کا معنی ہے سیرت، عادت اور طبیعت اس طرح اخلاق و اوصاف پر بھی شمائل کا اطلاق ہوتا ہے اس کے علاوہ بطور مجاز آپ ﷺ کے حلیہ مبارک اور ظاہری صورت کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے لغت میں اس کا واحد "الشمال" ہے جس کا معنی ہے "الطبع" الخلق[1] یعنی طبیعت، عادت اور اخلاق و کردار جب کہ بقول یوسف بن اسماعیل النبہانی علماء کے نزدیک یہ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے:

"وقد استعمل علماء الحديث الشمائل فی اخلاقه الشريفة ﷺعلی أصلها و فی أوصاف صورته الظاهرية ايضاً علیٰ سبيل المجاز فاعلم ذلک"[2]

ترجمہ: علماء حدیث نے "الشمائل" کو اپنی اصل کے اعتبار سے آپ ﷺ کے اخلاق شریفانہ کے لئے استعمال کیا ہے اور بطور مجاز آپ کے ظاہری اوصاف حلیہ مبارک کے لئے بھی استعمال کیا ہے اس سے آگاہ رہیں۔

مبحث دوم: آپ ﷺ کا حلیہ مبارک

شمائل مبارکہ میں اولاً آپ ﷺ کا حلیہ مبارک اور سراپائے حسن و جمال پر بحث کی جائے گی بعد ازاں آپ کے اخلاق کریمانہ کو زیر تحقیق لایا جائے گا۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے وجود مبارک کے اعضاء کا نام لیا ہے جیسے آپ کے چہرہ انور کا تذکرہ اس آیت میں کیا:

1۔ الافریقی، **لسان العرب**، 26/2329/۔ الفیروز آبادی، **القاموس المحیط**، ص1020

2۔ النبہانی، یوسف بن اسماعیل، **وسائل الوصول الی شمائل الرسول** ﷺ (الطبعۃ الثانیۃ، 1425ھ-2004ء)، ص40

﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ﴾[1]

ترجمہ: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف۔

﴿فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[2]

ترجمہ: لو اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔

ان آیات میں آپ ﷺ کے رخ انور کا محض ذکر کیا ہے اس کے خدوخال پر روشنی نہیں ڈالی ہے آپ ﷺ کی چشم مازاغ کا تذکرہ:

﴿مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾[3]

ترجمہ: نہ درماندہ ہوئی چشم مصطفی ﷺ اور نہ حد ادب سے آگے بڑھی۔

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ﴾[4]

ترجمہ: کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔

آپ ﷺ کی زندگی کا تذکرہ قسم کے ساتھ فرمایا:

﴿لَعَمْرُکَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَکْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾[5]

ترجمہ: اے محبوب آپ کی زندگی کی قسم یہ اپنی طاقت کے نشہ میں مست ہیں۔

آپ ﷺ کے دل اقدس کا تذکرہ:

﴿مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی﴾[6]

ترجمہ: نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا چشم مصطفی ﷺ نے۔

آپ ﷺ کے دست اقدس کا تذکرہ:

﴿یَدُ اللهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ﴾[7]

ترجمہ: اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

بظاہر آپ ﷺ کا ہاتھ تھا جس طرح آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اسی طرح یہ سب اللہ کی مرضی و منشاء کے عین مطابق تھا اسی بنیاد پر آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کو اللہ سے بیعت کرنا کہا گیا ہے۔

1۔البقرۃ:144

2۔ایضاً

3۔النجم:17

4۔الانشراح:1

5۔الحجر:72

6۔النجم:11

7۔الفتح:10

تحریر کردہ آیات کے تناظر میں ابن عطیہ نے آپ ﷺ کے جسم اقدس کی صفات پر روشنی نہیں ڈالی ہے جب کہ قاضی ابو السعود نے مختصراً تذکرہ کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

"حسن الوجه حسن الشعرا كحل العينين ربعةً "[1]

ترجمہ: آپ ﷺ حسین چہرے والے، خوبصورت بالوں والے، سرمگیں آنکھوں والے اور درمیانے قد والے تھے۔

ذیل میں چند روایات آپ ﷺ کے پیکر رعنا کی مناسبت سے پیش کی جاتی ہیں حضرت انسؓ آپ کے اوصاف ظاہری ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

((قَالَ: كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، أَزْهَرَ اللَّوْنِ لَيْسَ بِأَبْيَضَ أَمْهَقَ، وَلَا آدَمَ لَيْسَ بِجَعْدٍ قَطَطٍ وَلَا سَبْطٍ رَجِلٍ)) [2]

ترجمہ: حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا نہ دراز قد اور نہ پست قامت تھے آپ کا رنگ چمک دار تھا نہ خالص سفید اور نہ نراگندمی آپ کے بال بھی درمیانے درجے کے تھے نہ زیادہ گھنگریالے اور نہ زیادہ سیدھے۔

اس روایت میں آگے آپ ﷺ کی ریش مبارک اور زلف عنبرین کے رنگ کو بھی بیان کیا ہے:

((وَقُبِضَ وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعَرَةً بَيْضَاءَ، قَالَ رَبِيعَةُ: فَرَأَيْتُ شَعَرًا مِنْ شَعَرِهِ فَإِذَا هُوَ أَحْمَرُ فَسَأَلْتُ، فَقِيلَ: احْمَرَّ مِنَ الطِّيبِ))[3]

ترجمہ: جس وقت آپ کا وصال ہوا تو آپ داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہ تھے ربیعہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے بالوں میں سے ایک بال دیکھا تو وہ سرخ تھا میں نے پوچھا تو کہا گیا کہ یہ بال خوشبو کے استعمال سے سرخ ہو گیا ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ آپ کے حسن وجمال کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺأَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَأَحْسَنَهُ خَلْقًا لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيرِ))4

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور جسمانی اعتبار سے انتہائی خوب رو متناسب الاعضاء تھے آپ نہ بہت دراز قد تھے نہ پست قامت تھے۔

حضرت براء بن عازبؓ آپ کے وجود اقدس پر مزید تبصرہ کرتے ہیں:

((قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" مَرْبُوعًا بعيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَهُ شَعَرٌ يَبْلُغُ شَحْمَةَ أُذُنِهِ رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ، لَمْ أَرَ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ، قَالَ :يُوسُفُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِيهِ إِلَى

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 179

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، ح3547، 3548/ ۔ الترمذی، **الشمائل المحمدیہ**، تحقیق وتعلیق: سید عمران، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ، ح1

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً، ح3549

مَنْكِبَيْهِ))[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم میانہ رو تھے دونوں کندھوں کے درمیان کشادگی تھی آپ کے بال کان کی لو تک پہنچتے تھے ایک دفعہ میں نے آپ کو سرخ دھاری دار جوڑا پہنے دیکھا میں نے آپ سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا اور یوسف بن اسحق کا قول ہے کہ آپ کے بال کندھوں تک تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں کی یہ دو کیفیات ہوتی تھیں کبھی کانوں تک اور کبھی کندھوں تک ایک اور روایت میں حضرت براء بن عازبؓ سے آپ کے چہرہ انور کے متعلق پوچھا جاتا ہے جس پر حضرت براء نے انتہائی محبت آمیز جواب دیا:

((سُئِلَ الْبَرَاءُ أَكَانَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ السَّيْفِ؟قَالَ:لَا بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ))[2]

ترجمہ: حضرت براءؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح لمبا اور پتلا تھا انہوں نے کہا نہیں بلکہ چاند کی طرح گول اور چمکدار تھا۔

حضرت براء بن عازبؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو شمشیر کے بجائے چاند سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ تلوار میں گولائی مفقود ہے جب کہ چاند میں گولائی بھی ہے اور چمک دمک بھی ہے حضرت کعب بن مالکؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش ہوتے وقت آپ کے چہرے کی تابانیوں کو چاند کے ٹکڑے سے تشبیہ دی ہے:

((وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتَّى كَأَنَّهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ))[3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی بات پر خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ انور روشن ہو جاتا تھا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔

حضرت جابر بن سمرةؓ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ضَلِيعَ الْفَمِ، أَشْكَلَ الْعَيْنِ، مَنْهُوسَ الْعَقِبَيْنِ)) [4]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ دہن والے منہ والے، آنکھوں میں لال ڈورے چھوٹے ہوئے اور ایڑیاں کم گوشت والی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا کے متعلق حضرت ہند بن ابی ہالہ کا بیان انتہائی ایمان افروز ہے آپ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا آپ کا قد میانہ رو تھا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا بال کسی قدر پیچ دار تھے اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے تھے جس زمانے میں حضور کے موئے مبارک زیادہ ہوتے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔ رنگ چمکدار اور جبین ناز کشادہ تھی ابرو خم دار باریک اور گھنے تھے اور

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ح3551 /۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب فضائل، باب فی صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ح2337

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ح3552 /۔ الترمذی، **الشمائل المحمدیہ**، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ح10

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ح3556

4۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب فضائل، باب فی صفۃ فم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعینیہ وعقیبہ، ح6070 /۔ الترمذی، **الشمائل المحمدیہ**، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ح8

دونوں جدا جدا تھے۔ ناک مبارک بلندی مائل تھی اس پر ایک چمک اور نور تھا۔ ریش مبارک بھرپور اور گھنی تھی اور آنکھ مبارک پتلی نہایت سیاہ تھی رخسار مبارک سیدھے اور ہلکے یعنی کم گوشت والے تھے۔ دہن اقدس اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ دندان مبارک باریک اور ان کے سامنے کے دانتوں میں ذرا بھر فاصلہ تھا۔۔۔رسول اللہ ﷺ کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پر گوشت تھے۔ پیٹ اور سینہ ہموار تھا لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا دونوں کاندھوں کے درمیان مناسب فاصلہ تھا جوڑوں کی ہڈیاں قوی تھیں ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح سے بالوں کی باریک دھاری تھی آپ ﷺ کی کلائیاں دراز تھیں اور ہتھیلیاں فراخ تھیں ہتھیلیاں اور دونوں قدم نرم اور پُر گوشت تھے جب آپ ﷺ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور آگے جھک کر تشریف لے جاتے آپ تیز رفتار تھے [1]۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ فراخ دل، راست گفتار، نرم طبیعت اور معاشرت و معاملات میں بہت کرم کرنے والے تھے"[2]

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ظاہری حسن و جمال میں بھی ایسا جاذب نظر بنایا تھا کہ جس سے دل فریفتہ اور آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتی تھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاندان اور قبیلہ کو بھی چنیدہ بنایا تھا۔ ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

﴿مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾يقتضی مدحاً لنسب النبیﷺ و أنه من صميم العرب و شرفها وينظر الی هذاالمعنی قولهﷺ إنَّ اللہ إصْطَفٰی کَنانةَ مِنْ ولدِ اسْمَاعِیْل و اصْطَفٰی قریشاً مِن کَنَانَةَ واصْطَفٰی بَنِیَ هاشمٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِی هاشمٍ[3]

ترجمہ: تمہاری ذاتوں میں سے یہ آیت آپ ﷺ کے نسب کی مدح کا تقاضا کرتی ہے اور بے شک آپ عرب کی اصل اور اس کی بزرگی ہیں اور اس کی طرف آپ ﷺ کا یہ فرمان اشارہ کرتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی آل میں سے کنانۃ کو چن لیا اور کنانۃ سے قریش کو اور قریش سے بنوہاشم کو اور بنوہاشم سے مجھے چن لیا ہے۔

قاضی ابو السعود آپ کے نسب کے متعلق لکھتے ہیں:

"ای أشرفكم و أفضلكم"[4]

ترجمہ: تم میں سب سے زیادہ شرف اور فضیلت والے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

امام آلوسی نے اس آیت **﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾**[5] کے تحت ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت

1۔ الترمذی، **الشمائل المحمدیہ**، ح7، اسنادہ ضعیف جدا

2۔ ایضاً

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/100 ۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ، ح2376

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/226

5۔ التوبۃ: 128

کو بھی نقل کیا اور اس کے علاوہ ایک اور روایت کو بھی بیان کیا ہے:

آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں کون ہوں انہوں نے جواباً عرض کی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تخلیق فرمایا تو مجھے بہترین خلق میں پیدا کیا پھر اس کے دو گروہ بنائے تو مجھے بہترین گروہ میں رکھا پھر اس کے قبائل بنائے تو مجھے بہترین قبیلے میں پیدا کیا پھر ان کے گھرانے بنائے تو مجھے بہترین گھرانہ میں پیدا کیا اور ان میں سے بہترین نسب والا بنایا[1]

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ذاتی شرف اور حسب و نسب کے اعتبار سے بھی تمام مخلوق سے افضل ہیں یہ اس لئے تھا کہ آپ نے لوگوں کو سب سے عظیم دعوت دینی تھی جس کا تعلق براہ راست سماج اور معاشرہ کی اصلاح سے تھا جس میں مزاحمت اور مخاصمت یقینی تھی تو جب آپ کا خاندانی پس منظر شرف و بزرگی والا تھا تو اس سے بھی آپ کو خاص نوعیت کی تائید و نصرت حاصل ہو گئی تھی۔

مبحث سوم: اخلاق عالیہ

آپ ﷺ کے ظاہری حسن و جمال اور عالی نسب کے تذکرہ کے بعد آپ ﷺ کے ان شمائل کا تذکرہ کیا جائے گا جس کا تعلق آپ ﷺ کے اسوہ، اخلاق و اوصاف اور سیرت و کردار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شخصیت کی جامعیت، کاملیت اور ہمہ گیریت کی بدولت آپ ﷺ کے اسوہ کو "اسوہ حسنہ" سے متصف فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2]

ترجمہ: بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

یہ آیت مقدسہ اپنے الفاظ کے تناظر میں عام ہے جو زندگی کے کسی ایک شعبہ میں رہنمائی کی تخصیص نہیں کرتی ہے گویا زندگی کے تمام شعبہ جات میں آپ ﷺ کی سیرت و اسوہ سے ضروری رہنمائی ملتی ہے۔ ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

"بأن كل مسلم و مدع فی الاسلام لقد كان يجب أن يقتدی بمحمد ﷺ"[3]

ترجمہ: بے شک ہر مسلمان اور اسلام کے دعویدار کے لئے ضروری ہے کہ وہ محمد ﷺ کی اقتداء کرے۔

ابن عطیہ نے اس آیت کے تحت انتہائی مختصر مذکور بالا تبصرہ کیا ہے اسی طرح قاضی ابو السعود نے محض یہ

1۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 10/580/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح 1788، حسن لغیرہ/۔ الترمذی، **الجامع**، کتاب المناقب، باب فی فضل النبی ﷺ، ح 360، ہذا حدیث حسن

2۔ الاحزاب: 21

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/377

کلام کیا ہے کہ اسوہ حسنہ بہترین خصلت ہے اور اس کا حق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے [1]

ابن کثیر نے اس آیت مقدسہ کو آپ ﷺ کی اقتداء بہت بڑی بنیاد قرار دیا ہے:

"ھذه الآية الكريمة أصل كبير في الناس برسول اللهﷺ في اقواله و افعاله و أحواله" [2]

ترجمہ: یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کی اتباع کے حوالے سے بہت بڑی اصل (بنیاد) ہے۔

امام آلوسی نے اس کے عام ہونے پر بحث کی ہے آپ لکھتے ہیں:

"فهي عامة في كل أفعاله اذالم يعلم من خصوصياته كنكاح مافوق اربع نسوة" [3]

ترجمہ: یہ آیت آپ ﷺ کے تمام افعال کی اقتداء کے تناظر میں عام ہے۔

جب تک یہ نہ جان لیا جائے کہ اس کا تعلق آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہے جیسے بیک وقت چار عورتوں سے زائد کے ساتھ نکاح کرنا۔ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کامل و اکمل ہے اسی وجہ سے آپ کو مطاع مطلق کے منصب جلیل پر فائز فرمایا گیا ہے یعنی آپ کی اطاعت غیر مشروط ہو گی۔ اس ضمن میں سید سلمان ندوی لکھتے ہیں:

"غرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے" [4]

آپ ﷺ کی سیرت کی جامعیت کا سبب آپ ﷺ کا انسان کامل ہونا ہے ڈاکٹر اسرار اس مناسبت سے اپنی نگارشات پیش کرتے ہیں:

"سیرت کے مطالعے سے میں مبہوت ہو جاتا ہوں اور میرے قلب پر نبی اکرم ﷺ کی شخصیت مطہرہ کا یہ گہرا تاثر ثبت ہوتا ہے کہ اس قدر جامع شخصیت تو ہمارے تصور میں بھی آنی ممکن نہیں کہاں زندگی کا کوئی گوشہ ایسا ہے جو اسوہ حسنہ کے اعتبار سے نامکمل و ناتمام اور خالی نظر آتا ہو" [5]

"Biographics of the Prophet are full of incidents of this nature, which show his life to be a perfect model for mankind." [6]

آپ ﷺ کی ذات اگر ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جامع الاوصاف اور اخلاق عظیمہ سے موصوف فرمایا ہے یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلق کو محض اچھا نہیں کہا بلکہ "عظیم" کہا ہے جو اپنے معنی کے اعتبار سے لازوال ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/228

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 6/391

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 21/236

4۔ ندوی، سید سلیمان، **خطبات مدراس** (مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع سوم، 1355ھ) ص94

5۔ اسرار احمد، **سیرت النبی ﷺ**، (لاہور: انجمن خدام القرآن، سن اشاعت 2021)، ص320

6 -Wahiduddin Khan, **Muhammad A Prophet for All Humanity**, Page,58

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾[1]

ترجمہ: اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔

اس آیت مقدسہ میں خالق کائنات خود اپنی تخلیق کے اعلیٰ شاہکار کے اخلاق حمیدہ کی توصیف فرما رہا ہے ابن عطیہ نے آپ ﷺ کی شخصیت پر بڑے نفیس انداز میں روشنی ڈالی ہے آغاز میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عائشہؓ سے آپ کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا: ''خُلُقُه الْقُرْآن''[2] آپ کا اخلاق قرآن ہے۔

مزید بر آں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف کی ہے اور پھر یہ قول نقل کیا ہے:

((بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخَلَاق))[3]

ترجمہ: مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

"سمی خلقه عظیماً اذلم تکن له همة سوی الله تعالیٰ عاشر الخلق بخلقه وزا یلهم بقلبه فکان ظاهره مع الخلق و باطنه مع الحق"[4]

ترجمہ: آپ کے خلق کو عظیم کہا گیا اور عظیم وہ ہوتا ہے جس کی انتہا اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو آپ نے مخلوق کے ساتھ اپنے اچھے خلق اور پاک دل کے ساتھ زندگی گزاری پس آپ کا ظاہر مخلوق کے ساتھ جب کہ باطن حق کے ساتھ وابستہ رہتا تھا۔

ابن عطیہ نے مزید ان ناموں کا تذکرہ کیا ہے جن کا تعلق اخلاق سے ہے:

''والعدل' والاحسان' والعفو والصلة حسن الخلق''[5]

ترجمہ: عدل، احسان، عفو اور صلہ رحمی کا تعلق اخلاق سے ہے۔

آپ ﷺ کی شخصیت مذکورہ بالا اوصاف سے معمور تھی قاضی ابو السعود ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

''لا یدرک شأوه أحد من الخلق''[6]

ترجمہ: مخلوق میں سے جس کی سرعت رفتار یا عزم بلند کو کوئی نہ پا سکے اسے عظیم کہتے ہیں۔

قاضی ابو السعود نے مزید ایک وہی روایت نقل کی ہے "خلقه القرآن"، جسے ابن عطیہ نے نقل کیا ہے۔

ابن کثیر نے اس موقع پر ان روایات کو ذکر کرنے کے علاوہ یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں:

1۔ القلم: 4

2۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل، ح 746

3۔ الالبانی، **سلسلة الاحادیث الصحیحة**، ح 2399، ہو حدیث صحیح

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/346

5۔ **ایضاً**

6۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/304

((خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا أَلَّا صَنَعْتَ---وَكَانَ ﷺ أَحْسَنَ النّاسِ خُلُقاً))[1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی آپ نے کبھی اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا جسے میں نے کیا ہو کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا اور کیوں نہ کیا۔۔۔ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔

یہ حدیث آپ ﷺ کے حلم و عفو کی بہترین عکاسی کرتی ہے اور امام آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں قاضی ابوالسعود کی اولاً یہ عبارت نقل کی "لا یدرک شأوہ احد" اور پھر یہ روایت کہ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا یہ روایت بیان کی ہے[2]۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کو عظیم کہا تو گویا مخلوقات میں کوئی بھی آپ کے اخلاق کریمانہ کی بلندی و عظمت کو چھو بھی نہیں سکے گا یہ آیت بڑی جامعیت کے ساتھ آپ کے عالی اخلاق و کردار پر روشنی ڈالتی ہے۔ مبارکپوری آپ کی بلندی کردار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"ہر حلیم و بردبار کی کوئی نہ کوئی لغزش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلندی کردار کا یہ عالم تھا کہ آپ کے خلاف دشمنوں کی ایذارسانی اور بدمعاشوں کی خودسری وزیادتی جس قدر بڑھ گئی آپ ﷺ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا"[3]

آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کی بلندی کو وحید الدین ان الفاظ میں رقم کرتے ہیں:

"In the Quran the Prophet Muhammad ﷺ is described as being of "sublime character." [4]

قرآن آپ ﷺ کی شخصیت کے کردار کو اعلیٰ وارفع گردانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان رحمت اور کرم نوازی کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[5]

ترجمہ: بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

حضور ﷺ کا اس امت کے ساتھ جو رحمت و شفقت والا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اسے انتہائی بلیغ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ ابن عطیہ نے لفظ "رَءُوْفٌ" کا صرف معنی بیان فرمایا ہے آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ اس ضمن میں دیگر پہلوؤں کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا ہے آپ لکھتے ہیں:

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/189 /۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب الادب' باب حسن الخلق والسخاء، ح6038 /۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب فضائل' باب کان رسول اللہ ﷺ احسن الناس خلقاً، ح2309 /۔ الترمذی، **الشمائل المحمدیہ**' باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ، ح330، صحیح

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 27/334

3۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص648

4 ۔Wahiduddin Khan, **Muhammad A Prophet for All Humanity**, Page,61

5۔ التوبۃ:128

﴿رَءُوْفٌ﴾معناه مبالغ فی الشفقة' قال ابو عبیدة: الرأفة أرق الرحمة[1]

ترجمہ:شفقت میں مبالغہ کو رؤف کہتے ہیں اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ الرأفۃ میں رحمت کی نسبت زیادہ رقت ہے۔

رؤف جس کا مادہ الرأفۃ ہے اس میں رحمت سے زیادہ رقت اور نرمی کا پہلو ہوتا ہے تو گویا آپ کا اس امت کے ساتھ انتہائی کرم گستری کا تعلق تھا۔ قاضی ابو السعود رقم طراز ہیں:

﴿رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ قدم الابلغ منها وهی الرأفة التی هی عبارة عن شدة الرحمة﴾[2]

ترجمہ:ان دونوں میں جو زیادہ بلیغ ہے یعنی رؤف اس کو پہلے ذکر کیا گیا اور رأفت رحمت کی شدت سے عبارت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں وصف آپ کو عطا فرمائے ہیں۔ قاضی ابو السعود نے یہاں رحمت و شفقت کے حوالے سے کوئی مثال ذکر نہیں کی ہے۔ امام آلوسی نے قاضی ابو السعود کی عبارت کو ہی نقل کیا ہے[3]۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر آپ ﷺ کی شان رحمت کی عالم گیریت اور آفاقیت کو فصاحت و بلاغت کے کمال کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[4]

ترجمہ:اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کیلئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جن صوری و معنوی اور وہبی و کسبی اعزازات اور کمالات سے شرف یاب فرمایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اس آیت مقدسہ میں جامعیت کے ساتھ آپ کے متفرق کمالات عالیہ کو یکجا کر دیا ہے جس میں آپ کے محاسن کو بکمال لطافت ظاہر فرمایا گیا ہے۔

ابن عطیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

"ایک گروہ کا موقف ہے کہ آپ فقط اہل ایمان کیلئے رحمت ہیں اور جو کافر تھا اور کفر کی حالت میں مرا نبی ﷺ اس کیلئے رحمت نہیں ہیں اور ایک گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ "العالمون" میں عموم ہے اور آپ کی رحمت اہل ایمان کیلئے تو واضح ہے جبکہ آپ کافروں کیلئے بھی رحمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح گزشتہ امتوں کو نبی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک کرنے والے عذاب میں مبتلا کیا تھا جیسے طوفان وغیرہ ان کافروں کو ہلاک نہیں کیا"[5]

یہ اقوال نقل کرنے کے بعد ابن عطیہ اس بحث کی یوں تلخیص کرتے ہیں:

"ویحتمل الکلام أن یکون معناه" وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "ای هو رحمة فی نفسه

1۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، ص100

2۔ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/226

3۔الآلوسی، **روح المعانی**، 10/581

4۔الانبیاء:107

5۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/103

وهذا بين أخذ به من اخذ و أعرض عنه من أعرض"[1]

ترجمہ: یہ کلام اس معنی کا احتمال رکھتا ہے کہ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے نہیں بھیجا مگر سراپائے رحمت بنا کر اور یہ واضح ہے کہ جس نے آپ کے وجود سے جو فیض لیا سو لیا اور جس نے اعراض کیا پس اس نے اعراض کیا۔

آپ کی تحقیق کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کا وجود سب کیلئے باعث رحمت تھا تو جس نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا فائدہ اٹھالیا اور جس نے منہ موڑ لیا وہ رحمت سے محروم ہو گیا یعنی آپ سب کیلئے رحمت تھے اگر کوئی محروم رہا تو یہ اس کا اپنا قصور تھا۔ آپ کے بحر رحمت میں کوئی کمی یا حد بندی نہ تھی آپ کی یہ بحث قابل ستائش ہے۔ قاضی ابو السعود نے آپ ﷺ کی رحمت اللعالمین کی عمومیت پر اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے آغاز میں اس آیت پر نحوی بحث کی ہے آپ لکھتے ہیں:

"کہ ہم نے آپ کو صرف اس علت و سبب سے بھیجا ہے کہ آپ تمام عوالم پر رحم کریں یا ہم نے آپ کو اس حال میں بھیجا ہے کہ آپ تمام جہانوں پر رحم کرنے والے ہیں اور کافروں کے حق میں آپ کی رحمت اس معنی میں ہے کہ وہ زمین میں دھنسا دیئے جانے، صورتیں مسخ ہونے اور ہلاک ہونے سے محفوظ ہیں"[2]

مذکورہ بحث سے قاضی ابو السعود کا یہ نقطہ نظر اخذ ہوتا ہے کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں حتیٰ کہ کفار بھی آپ کی شان رحمت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں مختلف روایات کو نقل کیا ہے:

((إنّيْ لَمْ أبْعَث لعاناً وانما بُعْثتُ رَحْمَةً))[3]

ترجمہ: بے شک مجھے لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ مجھے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہے۔

ابن کثیر نے دوسری یہ روایت ذکر کی ہے:

((إنّما أنَا رَحْمَة مهداة))[4]

ترجمہ: بے شک میں رحمت اور ہدایت دینے والا ہوں۔

ابن کثیر نے ان روایات کو نقل کرنے کے بعد اپنا یہ تجزیہ پیش کیا ہے کہ آپ کی رحمت سب کے لئے ہیں پس جو شخص ایمان لایا تو اس نے دونوں جہانوں میں آپ کی رحمت سے فائدہ اٹھایا اور جس نے ایمان قبول نہیں کیا اس کے لئے اس معنی میں رحمت ہیں کہ وہ خسف و قذف سے مامون رہے[5]

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/103

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/383

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن**، 5/385/۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب البر والصلۃ والآداب باب النہی عن لعن الدواب وغیرہا، ح2599

4۔ ایضاً، ص386/۔ الحاکم، **المستدرک علی الصحیحین** کتاب الایمان، ح100، ہذا حدیث صحیح علیٰ شرطہا

5۔ ایضاً

امام آلوسی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عطیہ کے موقف کو زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور دوسرا قاضی ابوالسعود نے اس موقع پر جو نحوی بحث کی ہے اسی کے مطابق تفسیر کی ہے آپ کی تفسیر کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور تمام جہانوں میں کفار بھی شامل ہیں لیکن کافروں نے اپنے حصہ کی رحمت کو ضائع کر دیا ہے جیسے کوئی پیاسا شخص دریا کے کنارے کھڑا ہو اور پانی کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے تو اس سے دریا کی سخاوت اور رحمت کا قصور لازم نہیں آتا میر النقطہ نظر یہ ہے کہ آپ ہر ہر فرد کے لئے رحمت ہیں خواہ وہ ملائکۃ کا عالم ہو انسانوں یا جنوں کا عالم ہو اور انسانوں میں مومنوں کافروں سب کے لئے رحمت ہیں اسی طرح جنات میں بھی سب کے لئے رحمت ہیں البتہ ہر فرد اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق آپ کی رحمت سے فیضان پاتا ہے [1]۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مقدسہ میں آپ ﷺ کے خلق کے اور پہلوؤں کا بھی تذکرہ کیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ- وَلَوْكُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾[2]

ترجمہ: پس صرف اللہ کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لئے اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے تو آپ درگزر فرمایئے ان سے۔

آپ ﷺ کی نرم خوئی، حلم وعفو اور لطف و کرم کا ہی ثمرہ تھا کہ لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوتے گئے آپ نرم مزاج ورمز شناس انسان تھے۔ ابن عطیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں یہ روایت نقل کرتے ہیں:

''وفی صفة النبیﷺ فی الکتب المنزلة: لیس بفظٍ ولا غَلِیْظٍ ولا صخاب فی الاسواق''[3]

ترجمہ: سابقہ آسمانی کتب میں آپ ﷺ کی یہ صفات مذکور ہیں کہ آپ ﷺ نہ درشت مزاج تھے اور نہ سخت دل اور نہ بازار میں شور مچانے والے۔

ابن عطیہ نے ''فی الکتب المنزلة'' کا حوالہ دیا ہے جب کہ امام بیہقی نے اس روایت کو تورات وانجیل کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''کیف تجدون صفة رسول اللہ ﷺفی التوراة قال: نجدہ محمد رسول اللہ اسمه المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ----أن رسول اللہ مکتوب فی الانجیل: لافظ الخ''[4]

ترجمہ: آپ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی کیسی صفات کا تذکرہ پاتے ہو تو اس نے کعب نے کہا کہ ہم تورات میں پاتے ہیں کہ آپ کا نام متوکل ہے آپ نہ درشت خو ہیں اور نہ سخت دل بے شک انجیل میں بھی آپ کے ان اوصاف کا تذکرہ ہے۔

1۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 17/ 219-220

2۔ آل عمران: 159

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 533

4۔ البیہقی، **دلائل النبوۃ**، 1/ 377

قاضی ابوالسعود نے اس کی تفسیر میں کوئی روایت نقل نہیں کی ہے صرف آپ کے مکارم اخلاق اور نرم مزاجی پر عمومی پیرائے میں تبصرہ کیا ہے[1]۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ اخلاقی اوصاف وشمائل سے متصف فرمایا تھا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ)) [2]

ترجمہ: آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، سخی اور بہادر تھے۔

آپ ﷺ کے حلم وعفو، جودوسخا اور شجاعت وبہادری کی مثالیں فتح مکہ کے موقع پر ''لاتثریب علیکم الیوم'' کے کلمات جان فزاء اور حنین کے موقع پر ''أنا النبی لاکذب'' کا جملہ ارشاد فرماتے ہوئے دشمن کی جانب بڑھتے چلے جانے سے ملاحظہ کی جاسکتی ہیں علاوہ ازیں آپ ہمہ صفت موصوف تھے۔ اسوہ حسنہ، خلق عظیم اور رحمۃ اللعالمین کے کلمات وتراکیب آپ کی ذات کی جامعیت اور کاملیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

آپ ﷺ کے شمائل وخصائل مبارکہ میں حیاء کا پہلو بھی انتہائی ایمان افروز ہے اور اس کا تذکرہ اس آیت مقدسہ میں ملتا ہے:

﴿فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾[3]

ترجمہ: پس وہ تم سے حیاء کرتے ہیں اور چپ رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں۔

اس آیت مقدسہ میں صحابہ کرام کو فرمایا جارہا ہے کہ بارگاہ مصطفوی کے آداب میں سے یہ ہے کہ اگر تمہیں کھانے کی دعوت دی گئی ہو تو دعوت کھانے کے بعد فوراً چلے جاؤ جب تم وہاں بیٹھ کر بات چیت میں مصروف ہو جاتے ہو تو یہ بات نبی کے مزاج گرامی کے لئے بارگراں ہوتی ہے اور وہ آپ کو حیاء کی وجہ سے یہ کہتے بھی نہیں چلے جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ پر اس امر کی تلقین کرنے سے حیاء نہیں فرماتا۔ ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

''جمہور مفسرین کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب آپ نے زینب بنت جحشؓ سے شادی کی تو ولیمہ میں صحابہ کرام کو مدعو کیا جس پر وہ دعوت میں کھانا کھانے کے بعد ان میں سے ایک گروہ وہاں ہی بیٹھ جاتا ہے اور یہ چیز آپ ﷺ کی طبیعت کو بوجھل کر دیتی ہے مگر اس کے باوجود حیاء کی وجہ سے آپ ان کو جانے کا نہیں کہتے''[4]

قاضی ابوالسعود نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت کو ذکر نہیں کیا ہے صرف یہ جملہ لکھا ہے:

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/65

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء، ح 6033

3۔ الاحزاب: 53

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/395

﴿فَيَسْتَحْيِ مِنْكُمْ﴾أی من اخراجكم[1]

ترجمہ: پس وہ تم سے حیاء کرتے ہیں یعنی تمہیں اپنے گھر سے نکالنے کیلئے۔

اس موقع پر ابن عطیہ نے ایک مشہور روایت کے ذریعے اس کے پس منظر کو واضح کیا ہے جب کہ قاضی ابو السعود نے غیر مشہور بات لکھی ہے کہ صحابہ کرام کو جب دعوت پر بلایا جاتا تو وہ وقت سے پہلے ہی آکر بیٹھ جاتے تھے اور پھر کھانا تناول فرمانے کے بعد جلدی جاتے نہیں تھے[2]۔ جبکہ ابن عطیہ نے اس روایت کو بھی لکھا ہے مگر پہلے قول کو جہاں جمہور مفسرین کا قول لکھا وہاں اس کے متعلق یہ بھی لکھا کہ "والاول مشهور"[3]

آپ ﷺ کی حیاء کے جاذب نظر انداز کو بخاری نے اس روایت میں نقل کیا ہے:

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ العَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، فَإِذَا رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ.)) 4

ترجمہ: ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے اور جب کوئی آپ ناپسند بات دیکھتے تو ہم آپ ﷺ کی ناگواری کے آثار کو آپ کے چہرہ مبارک سے پہچان لیتے تھے۔

آپ ﷺ حیادار اور نگاہیں پست رکھنے والے تھے اور یہ چیز آپ کی شخصیت کے کمالات کو چار چاند لگاتی ہے۔ ابن عطیہ نے دعوت ولیمہ کے تناظر میں آپ کی حیا پر روشنی ڈالی ہے جبکہ ابو السعود نے اس تناظر میں یہ بحث کی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس صحابہ کرامؓ کھانا تناول فرمانے کے بعد گفت و شنید میں مصروف ہو جاتے اور گھر جلدی نہیں جاتے تھے اور یہ چیز آپ کو ناگوار گزرتی تھی مگر حیا کی وجہ سے آپ ان کو جانے کا نہیں کہتے تھے۔ اس میں ابن عطیہ کا منقول واقعہ جمہور مفسرین اور قول مشہور ہونے کی وجہ سے زیادہ صحیح ہے۔ آپ ﷺ کے اداب مجلس اور نشست و برخاست کے انداز بھی لائق تحسین و آفرین اور لائق اتباع و اطاعت ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ذیل میں ابن عطیہ نے یہ بحث کی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ﴾[5]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ آنے والوں کے لئے جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لئے کشادگی فرمائے گا۔

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/248

2۔ ایضاً

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/395

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الادب، باب من لم یواجه الناس بالعتاب، ح 6102/۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب فضائل، باب کثرۃ حیائہ ﷺ، ح 2320/۔ الترمذی، **الشمائل المحمدیہ**، باب ما جاء فی حیاء رسول اللہ ﷺ، ح 343، صحیح

5۔ المجادلۃ: 11

اس آیت مقدسہ میں آداب مجلس بتائے جا رہے ہیں جن کو اپنانے سے جہاں باہمی محبت و احترام کے جذبات کو فروغ ملتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا صلہ بھی کس قدر اہم ذکر کیا ہے کہ اللہ تمہارے لئے کشادگی فرما دے گا اور یہ کشادگی دینی و دنیوی ہر دو پہلوؤں سے ہو سکتی ہے۔ ابن عطیہ نے اس کی تفسیر میں آپ ﷺ کے فرمان کو ذکر کیا ہے کہ آپ کس طرح صحابہ کو نشست و برخاست کے آداب بتاتے تھے۔ ابن عطیہ نقل کرتے ہیں:

((عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ، ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ))[1]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کو اس کو جگہ سے نہ اٹھایا جائے کہ اسے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے تو اپنی مجالس میں وسعت پیدا کرو اللہ تمہارے لئے وسعت پیدا فرما دے گا۔

ابن عطیہ نے اس کی تفسیر میں یہ اقوال بھی لکھے ہیں: کہ آپ ﷺ نے اپنے قریب بدری صحابہ کو بٹھانے کیلئے پہلے سے بیٹھے ہوئے غیر بدری صحابہ کو اٹھایا تو یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ منع فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے تو دوسرے کو اس کی جگہ پر نہیں بیٹھنا چاہیے[2]۔ ابن عطیہ نے آپ کے بیٹھنے کے مخصوص انداز کو نقل نہیں کیا۔ قاضی ابوالسعود اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام آگے بڑھ کر بیٹھنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ وہ آپ ﷺ کے قریب بیٹھیں اور آپ کی بات کو غور سے سنیں"[3]

قاضی ابوالسعود نے " فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ " کی تفسیر میں لکھا ہے:

"أی فی کل ما تریدون التفسح فیه من المکان والرزق والصدر والقبر وغیرها"[4]

ترجمہ: یعنی جس چیز میں بھی تم کشادگی کا ارادہ رکھتے ہو مکان، رزق، سینہ اور قبر وغیرہ میں اللہ کشادگی عطا فرما دے گا۔

ابن کثیر نے بھی ابن عطیہ کی نقل کردہ مرویات کو نقل کیا ہے[5]۔ امام آلوسی نے بھی ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کے موافق بحث کی ہے[6]۔ آپ ﷺ کی مجلس مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق ہوتی تھی آپ کا حسن اخلاق تمام لوگوں کیلئے وسیع اور عام ہوتا تھا اگر کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہاں ہی جلوہ فرما ہو جاتے اور مجلس میں تمام لوگوں کو پوری توجہ دیتے اگر کوئی شخص کسی غرض سے آپ کو بٹھا لیتا تو انتہائی تحمل سے اس کی بات کو سنتے آپ کی مجلس علم و معرفت حیاء و شرم والی ہوتی تھی اس میں نہ کسی کی کردار کشی ہوتی اور نہ شور شرابا

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/278/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الاستیذان، باب لا یقیم الرجل الرجل من مجلسہ، ح6269

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/278-279

3۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/231

4۔ ایضاً

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/46-47

6۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 26/516

ہو تا سب کو مساوی درجہ حاصل ہو تا صرف تقویٰ اور مرتبہ ایمان کے لحاظ سے کسی کی تعظیم واکرام زیادہ کیا جاتا[1]۔

آپ ﷺ کی مجلس کا حسن و جمال فکر و آگہی سے معمور ہو تا تھا اور آپ کی مجلس باہمی اعزاز و اکرام اور خیر خواہی و خیر اندیشی کے احساسات و جذبات سے بھی مالامال ہوتی تھی۔

"آپ ﷺ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے جس طرح بادشاہوں کے لئے ان کے خدام و حاشیہ بردار کھڑے رہتے تھے اس طرح اپنے لئے صحابہ کرام کو کھڑا ہونے سے منع فرماتے تھے مسکینوں کی عیادت کرتے فقراء کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے غلام کی دعوت کو قبول کرتے تھے صحابہ کرام میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے"[2]

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ عالی قدر شمائل و خصائل سے آراستہ و پیراستہ تھے اللہ نے آپ کے "خلق" کو عظیم کہہ کر یہ پیغام دیا ہے کہ آپ کے اخلاق واوصاف کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ ان کی حقیقت، گہرائی اور گیرائی تک رسائی کسی فرد بشر کے لئے ممکن نہیں ہے مبارکپوری نے جامع انداز میں اس حقیقت کی عقدہ کشائی کی ہے:

"بھلا عالم وجود کے اس سب سے عظیم بشر کی عظمت کی انتہا تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجد و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نشیمن بنایا اور اپنے رب کے نور سے اس طرح منور ہوا کہ کتاب الٰہی ہی کو اس کا وصف اور خلق قرار دیا گیا"[3]

حضور ﷺ کے شمائل کا تذکرہ اس نقطہ نظر سے اہم ہے کہ اس کے مطالعہ سے آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے قلبی وابستگی و تعلق استوار ہو تا ہے اور آپ کے اخلاق کریمانہ کا مطالعہ فکری و عملی تطہیر کا موجب ہے۔ شمائل مصطفیٰ ﷺ کا ذکر آپ سے محبت، ادب و تعظیم اور اطاعت واتباع کے جذبات کو فروغ بخشتا ہے اور کسی امتی کے لئے آپ سے مذکورہ تعلقات کا قائم ہونا کامل ایمان کے لئے ضروری ہے۔

1۔ الترمذی، **الشمائل المحمدیہ** 'باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ، ح316، صحیح /۔ ح 321، غریب الحدیث؛ اسماعیل ریحان، **تاریخ امت مسلمہ**، 413/1

2۔ الترمذی، **الشمائل المحمدیہ** 'باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ، ح317، ضعیف /۔ ح320، صحیح /۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص350

3۔ مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، ص653

فصل دوم: خصائص مبارکہ

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ایسے خصائص اور امتیازات رفیعہ سے نوازا ہے جو فقط آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں اور آپ کو ایسے بے پایاں اعزازات و کمالات عطا فرمائے جو آپ کی ذات ستودہ صفات کا طرہ امتیاز و خاصا ہیں آپ کی امت کو خیر الامم بنایا آپ کے سر پر رسالت عامہ اور ختم نبوت کا تاج رکھا اور آخرت میں مقام محمود پر فائز فرما کر آپ کو فضیلت اور عظمت کی معراج عطا کی جائے گی ذیل میں آپ ﷺ کے خصائص کا مطالعہ کیا جائیگا۔

مبحث اول: خصائص کا مفہوم

خصائص سے مراد ایسے امور ہیں جو ایک ذات کے ساتھ خاص ہوں اور باقی افراد ان سے عاری ہوں اور کسی بھی چیز کا خاصہ یہی ہوتا ہے جو اوروں کے اندر نہ پایا جائے خصائص خاصہ کی جمع ہے اور خاصہ کہتے ہیں:

"خاصة الشئی:مالا یوجد بدون الشئی قد یوجد بدونھا مثلاً الف ولام یوجدان بدون الاسم والاسم یوجد بدونھا کما فی زید"[1]

ترجمہ: کسی بھی چیز کے خاصہ سے مراد ایسی چیز ہے جو اس چیز کے بغیر نہ پائی جائے جب کہ وہ چیز اس کے بغیر بھی پائی جاتی ہو جس طرح الف اور لام اسم کے بغیر نہیں پائے جاتے جب کہ اسم جیسے زید الف ولام کے بغیر بھی وجود رکھتا ہے۔

اس ضمن میں آپ ﷺ کے خصائص سے یہ مراد ہے:

"الخصائص: وھی ما امتاز بہ ﷺعن بقیة الخلق"[2]

ترجمہ: خصائص سے مراد وہ امور ہیں جن کی وجہ سے آپ ﷺ باقی مخلوق سے ممتاز ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوقات میں منفرد یگانہ حیثیت عطا کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں عظمت و شرق کے حامل رسولوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت سے نوازا ہے۔

مبحث دوم: بعض رسولوں کی بعض پر فضیلت

تمام رسول اللہ کی بارگاہ میں خاص مقام و مرتبہ رکھتے ہیں اور ہر رسول صاحب شان ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍم﴾[3]

ترجمہ: یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے بعض کو بعض پر۔

1۔ الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص84

2۔ الحمیدان، **السیرة النبویة من خلال اھم کتب التفاسیر**، ص11

3۔ البقرہ:253

سب رسول نفس رسالت میں تو برابر ہیں لیکن فضائل و کمالات، مراتب و مقامات اور خصوصیات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں کسی کو ایک کمال سے متصف فرمایا اور کسی کو دوسرے شرف سے مشرف فرمایا لیکن ان تمام میں حضور ﷺ کو وہ خصائص، مراتب اور کمالات عطا کئے وہ کسی اور کا مقدر نہ بن سکے۔

ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت کو بیان کیا ہے...... جس طرح حدیث میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا((أنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ)) [1] کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ اولاد آدم میں سب سے افضل یہ رسول ہیں۔ حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد ﷺ یہ اولوالعزم رسول ہیں" [2]

گویا تمام رسولوں میں اولولعزم رسول مذکورہ پانچ عالی قدر شخصیات ہیں۔ قاضی ابو السعود لکھتے ہیں:

"فی مراتب الكمال بأن خصصناه حسبما تقتض يه مشيتنا بمأثر جليلة خلا عنها غيره" [3]

ترجمہ: ان کو فضیلت مراتب کمال کے اعتبار سے دی گئی ہے بے شک ہم نے ان کو خاص کیا جو ہماری مشیت کے تقاضوں کے موافق ہے اور یہ جلالت و عظمت کسی اور کو نہیں ملی ہے۔

قاضی ابو السعود نے اس مقام پر اولوالعزم رسولوں کو زیر بحث نہیں لایا ہے۔ ابن کثیر نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں اس آیت کو بھی نقل کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلٰى بَعْضٍ ......﴾ [4]

ترجمہ: اور بے شک ہم نے بزرگی دی ہے بعض انبیاء کو بعض پر۔

اور پھر اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے اس کی توجیہ پیش کرتے ہیں:

((لَا تُفَضِّلُونِيْ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ)) [5]

ترجمہ: تم مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔

"اس کی توجیہ ایک یہ ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے تواضعاً فرمائی اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ نہی اس وقت ہے کہ جب بحث و تکرار ہو رہی ہو کیوں کہ اس وقت یہ امکان ہوتا ہے کہ مفضول نبی کی کہیں توہین یا تنقیص نہ ہو جائے تیسری توجیہ یہ ہے کہ محض تعصب کی بنا پر نہ ہو اور چوتھی توجیہ یہ ہے کہ یہ فضیلت ان کو اللہ کی بارگاہ میں حاصل ہے تمہیں اس کو تسلیم کرنا ہے" [6]

1۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق، ح 2378

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/ 338

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/ 349

4۔ الاسراء: 55

5۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام، ح 2373

6۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 1/ 670

اس آیت کی تفسیر میں "لَا تُفَضّلُونیْ الخ" اس روایت کو ابن عطیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں اور انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور ان تمام میں حضور ﷺ کو خاص مراتب اور کمالات کی بدولت سب پر فضیلت عطا کی ہے۔

مبحث سوم: خصائص مصطفیٰ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات کریمہ کو ایسے خصائص سے مشرف فرمایا جو کسی اور نبی اور رسول کے حصہ میں نہ آئے۔ ابن عطیہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی روشنی میں آپ کے خصائص پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ارشاد پاک ہے:

﴿ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ﴾[1]

ترجمہ: اور بلند کیئے ان میں بعض کے درجے۔

اس آیت میں کس رسول کی طرف اشارہ ہے۔ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"هی اشارة الی محمدﷺ لانه بعث الی الناس كافةً الخمس التی لم یعطها أحد قبله وهو اعظم الناس امةً وختم الله به النبوات الی غیر ذٰلک من الخلق العظیم الذی اعطاه الله"[2]

ترجمہ: اس آیت میں محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا اور آپ کو پانچ ایسے خصائص عطا کئے گئے جو آپ سے قبل کسی اور کو نہیں عطا کئے گئے اور آپ کی امت لوگوں میں سب سے بڑی ہے اور اللہ نے آپ پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا ہے اس کے علاوہ خلق عظیم جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے۔

ابن عطیہ نے آپ ﷺ کے رفعت درجات میں دیگر امور کے ساتھ اس روایت "أعطی الخمس" کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اس روایت کو "بعثت عامہ" کی خصوصیت کے تحت زیر بحث لایا جائے گا۔ قاضی ابو السعود نے بھی اس مقام پر آپ ﷺ کے خصائص پر اجمالی تبصرہ کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

"ظاہر یہی ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ کا تذکرہ ہے کیوں کہ آپ کو دعوت عامہ کے ساتھ بھیجا گیا ہے"[3]۔ دونوں حضرات نے آپ کے خصائص پر علمی پیرائے میں بحث کی ہے۔ ذیل میں ان کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

1۔ خیر الامم کا اعزاز

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جہاں افضل رسول ہونے کا اعزاز عطا فرمایا وہاں آپ ﷺ کی خصوصیت میں یہ اعزاز بھی ہے کہ آپ کی امت خیر الامم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

1۔ البقرہ: 253

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/339

3۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/349

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[1]

ترجمہ: ہو تم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں کی ہدایت و بھلائی کے لئے تم حکم دیتے ہوئے نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے۔

صفحہ ہستی پر جتنی بھی امتیں ظاہر ہوئیں ان تمام میں خیر الامم کے لقب سے صرف آپ کی امت کو نوازا گیا کیوں کہ اس کے مقاصد پاکیزہ اور عظیم تر ہیں۔ ابن عطیہ اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"اس سے مر د امت محمدیہ ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہم قیامت کے دن ستر امتوں کی تکمیل کریں گے ہماری آخری اور سب سے بہتر ہے اور آپ مزید حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق لکھتے ہیں:

"ولم يبعث نبی الی الامم کافةً الا محمد ﷺ"[2]

ترجمہ: اور کوئی بھی نبی تمام امتوں کی طرف نہیں بھیجا گیا ماسوائے محمد ﷺ۔

آپ ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ صرف اپنی امت کی گواہی نہیں دیں گے بلکہ گزشتہ امتوں کی بھی گواہی دیں گے۔ ابن عطیہ کی یہی مراد ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ م بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَابِکَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا﴾[3]

ترجمہ: تو کیا حال ہو گا ان نافرمانوں کا جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور اے حبیب ﷺ ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ۔

اس آیت میں موجود "هٰؤُلَاءِ" کا کلمہ تمام امتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے تو گویا جس طرح آپ کی امت کا خیر الامم ہونا آپ کے خصائص میں سے ہے اسی طرح جمیع امتوں کا شاہد ہونا بھی آپ کے خصائص میں سے ہے۔ قاضی ابو السعود یہ روایت نقل فرماتے ہیں:

((أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قَالَ: " إِنَّكُمْ تَتِمُّونَ سَبْعِينَ أُمَّةً أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللَّهِ))[4]

ترجمہ: بھز بن حکیم اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اس قول باری تعالیٰ کی تفسیر میں "كنتم خير أمة الخ" کہ تم ستر امتوں کو مکمل کرو گے تم ان میں سب سے بہتر اور اللہ کی بارگاہ میں سب سے مکرم ہو۔

یہی روایت ابن عطیہ نے بھی نقل کی ہوئی ہے ابن کثیر نے بھی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "وهو حديث مشهور و قد حسنه الترمذی" اور آپ مزید رقم فرماہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کامل اور عظیم شرع کے ساتھ مبعوث فرمایا جو کہ آپ سے قبل کسی بھی نبی اور رسول کو نہیں دی گئی اور آپ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے جس کا

1۔ آل عمران:110

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/489

3۔ النساء:41

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/21/۔ الترمذی، **الجامع**، ابواب تفسیر القرآن، باب من سورۃ آل عمران، ح 3001، ھذا حدیث حسن

آخری جملہ یہ ہے۔

((وَجُعِلَتْ أُمَّتِیْ خَیْرَ الْاُمَمِ))[1]

ترجمہ: اور میری امت کو بہترین امت بنایا گیا ہے۔

مذکورہ بالا بحث کا لب لباب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بہترین امت عطا کی گئی ایسی امت جو نہ صرف تعداد میں کثیر ہے بلکہ اپنے مقاصد و عزائم میں بھی عظیم ہے اور ایسی امت پہلے کسی نبی کی نہیں تھی اس لئے یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔

2۔بعثت عامہ

حضور ﷺ سے قبل جن رسولوں کو مبعوث فرمایا گیا ان کی بعثت کا دائرہ کار مخصوص قوم اور علاقہ تک ہوتا تھا لیکن جب آپ ﷺ کو منصب رسالت سے شرف یاب کیا گیا تو آپکی دعوت کے مخاطبین بلا تخصیص قوم، علاقہ اور زمانہ کے تمام لوگ ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾[2]

ترجمہ: آپ فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔

اس آیت سے رہنمائی ملتی ہے کہ آپ کی رسالت عالم گیر و جہاں گیر ہے۔ ابن عطیہ آپ ﷺ کے اس بعثت عامہ کے شرف کو آپ کے خصائص میں شمار کرتے ہیں:

"هذه الآية خاصة لمحمدﷺ بین الرسل، فان محمداً ﷺبعث الی الناس کافة والی الجن-----وکل نبی انما بعث الیٰ فرقة دون العموم"[3]

ترجمہ: یہ آیت رسولوں کے مابین محمد ﷺ کے ساتھ خاص ہے بے شک آپ ﷺ تمام لوگوں اور جنوں کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں اور ہر نبی کو عموم کے بجائے ایک گروہ کی طرف بھیجا جاتا رہا ہے۔

اس آیت میں آپ ﷺ کے بہت بڑے اعزاز کا تذکرہ ہے کہ جب آپ بلا تفریق قوم اور زمان و مکان کے تمام کے رسول ہیں تو گویا آپ کی شریعت، تعلیمات اور اخلاق و کردار آفاقی نوعیت کا ہے۔ قاضی ابو السعود رقم طراز ہیں کہ اس آیت میں آپ ﷺ کی رسالت کی عمومیت کا بیان ہے جو کہ آپ کے لئے شرف ہے[4]

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ **﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾** یہ سرخ، سیاہ اور عربی و عجمی کو خطاب ہے اور **﴿اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ**

1۔ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،2/94/۔احمد بن حنبل، **المسند**، ح763، اسنادہ حسن

2۔الاعراف:158

3۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،1/465

4۔ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**،3/42

اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا﴾ أى جميعكم وهذا من شرفه و عظمته أنه خاتم النبيين وأمه مبعوث الى الناس كافةً"[1]

ترجمہ: یعنی تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں اور یہ آپ کے شرف اور عظمت پر دلالت کرتا ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور تمام لوگوں کی جانب مبعوث کئے گئے ہیں۔

آپ ﷺ کی بعثت عامہ پر دیگر آیات بھی رہنمائی کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: نہیں ہے وہ قرآن مگر نصیحت سارے جہانوں کے لئے۔

قرآن مجید آفاقی و عالمی دعوت ورہنمائی کی حامل کتاب ہدایت ہے۔

﴿هوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّه﴾[3]

ترجمہ: وہی قادر مطلق ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو کتاب ہدایت اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر۔

اس آیت میں یہ کلام " لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّه" آپ کی بعثت عامہ پر روشنی ڈالتا ہے۔

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾[4]

ترجمہ: اے حبیب فرمایئے اے لوگو! بے شک آگیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے۔

قرآن مجید میں قرآن اور آپ کی نسبت سے مذکور "الْعَالَمِيْنَ" کا کلمہ آپ ﷺ کی بعثت عامہ پر رہنمائی کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہیں:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[5]

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لئے۔

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا﴾[6]

ترجمہ: بڑی خیر و برکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے محبوب بندہ پر تا کہ وہ بن جائیں سارے جہاں والوں کو غضب الٰہی سے ڈرانے والا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں آپکی رسالت کو "كَآفَّةً لِّلنَّاسِ" کی ترکیب سے موسوم فرمایا ہے:

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 489/3

5۔ الانعام:90

3۔ التوبہ:33

4۔ یونس:108

4۔ الانبیاء:107

5۔ الفرقان:01

﴿وماارْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ﴾[1]

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف۔

آپ ﷺ کی دعوت، تبلیغ تا قیامت ہر طبقہ انسانی کیلئے ہے۔ ابن عطیہ اس آیت کے تحت وہ روایت لائے ہیں جس میں آپ ﷺ نے ان پانچ خصوصیات کو بیان کیا تھا جو آپ کے علاوہ کسی اور کو نہ ملی تھیں ابن عطیہ رقم طراز ہیں:

> حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے قبل کسی کا مقدر نہ بنیں۔ میری رعب کے ذریعے مدد کی گئی ہے میرے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے اور وہ میرے سے قبل کسی کے لئے حلال نہ تھا اور مجھے اس نے جوامع الکلم عطا فرمائے اور میرے لئے تمام زمین مسجد بنادی گئی ہے اور طہارت کا ذریعہ اور مجھے تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے[2]

ابن عطیہ نے جو روایت ذکر کی اس میں آپ ﷺ کی پانچ خصوصیات کا ذکر ہے جب کہ ایک صحیح مسلم کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے چھ کا ذکر کیا ہے:

((فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ ------- وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ))[3]

ترجمہ: آپ ﷺ نے کہا مجھے چھ چیزوں کے ذریعے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے اور مجھ پر سلسلہ نبوت کو ختم کیا گیا ہے۔

مذکورہ روایت میں باقی پانچ وہی امور فضیلت وخصائص ہیں جنہیں ابن عطیہ نے نقل کیا ہے جبکہ چھٹا امر اس روایت میں ختم نبوت کا بیان ہے جب کہ اس مقام پر ابن عطیہ نے جس روایت کو ذکر کیا ہے اس میں ختم نبوت والی خصوصیت کا تذکرہ نہیں ہے اور قاضی ابو السعود نے اس آیت ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ﴾ کی تفسیر میں آپ ﷺ کے خصائص کی مطلقاً بحث کی ہے اور نہ کوئی روایت نقل کی ہے[4]۔ ابن کثیر نے بھی پانچ خصوصیات والی روایت ابن عطیہ کے مطابق نقل کی ہے[5]۔ امام آلوسی نے اس آیت ﴿قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ------جَمِیْعًا﴾ کے تحت کسی روایت کو نقل کئے بغیر آپ ﷺ کی بعثت عامہ کا یوں ذکر کیا ہے:

---

1 -سباء:28

2-ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،4/ 420/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**،کتاب التیمم، ح335(اس روایت میں ”جوامع الکلم“ کی جگہ ”اعطت الشفاعہ“ کا ذکر ہے)، کتاب الجہاد والسیر،باب قول النبی ﷺ نصرت بالرعب، ح2977(اس میں جوامع الکلم کا ذکر ہے) مسلم، **الجامع الصحیح**،کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، ح521،

3۔ مسلم، **الجامع الصحیح**،کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب 1، ح523

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**،5/ 274

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،5/ 518

"وذٰلک ببیان عموم رسالتهﷺ وھی عامة للثقلین کما نطقت به النصوص"[1]

ترجمہ: اس میں آپ ﷺ کی رسالت عامہ کا بیان ہے اور یہ جن وانس کے لئے عام ہے جس پر نصوص روایات تصریح کرتی ہیں۔

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک "بعثت عامہ" بھی ہے جس پر مذکورہ ابحاث رہنمائی کرتی ہیں یعنی آپ ﷺ کی ذات اقدس تمام اقوام وملل کے لئے تا قیامت رسول ہے اور یہ وہ شرف واعزاز ہے جو آپ سے قبل کسی اور رسول کو نہیں عطا کیا گیا۔

3۔ رعب کے ذریعے مدد

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ خصوصیت وفضیلت بھی عطا کر رکھی تھی کہ ایک ماہ کی مسافت پر موجود آپ کا دشمن آپ سے مرعوب ہو جاتا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الرُّعْبَ﴾[2]

ترجمہ: ابھی ہم ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں رعب۔

رعب و دبدبہ بھی بعض اوقات لڑے بغیر فتح وکامرانی کا سبب بن جاتا ہے۔ ابن عطیہ نے اس آیت کے تناظر میں غزوہ حمراء الاسد کو زیر بحث لایا ہے۔[3] یہ غزوہ جو کہ غزوہ احد کے متصلاً بعد واقع ہوا تھا کہ جب مسلمان مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد تک کفار قریش کے تعاقب میں جاتے ہیں لیکن وہ مقابلے میں آئے بغیر ہی چلے جاتے ہیں اس غزوہ پر مفصلاً تحقیق باب سوم کی فصل کے تحت کر دی گئی ہے اور "نُصِرْت بالرعب" روایت پر بھی گزشتہ صفحات میں تحقیق رقم کر دی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر کفار کے دلوں پر رعب ڈالنے کو بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ﴾[4]

ترجمہ: میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب۔

یہ رعب و دبدبہ کفار کے حوصلوں کو پست کر دیتا ہے جس وجہ سے وہ شکست وہزیمت کا شکار ہو جاتے ہیں اگرچہ ظاہری اسباب جنگ اور افرادی قوت میں کسی بھی لحاظ سے وہ مسلمانوں کو وہ اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔ قاضی ابو السعود لکھتے ہیں:

1۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 9/412

2۔ آل عمران: 151

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/523

4۔ الانفال: 12

"وهو ما قذف فی قلوبهم من الخوف یوم أحد حتی ترکوا القتال ورجعوا من غیرسبب"[1]

ترجمہ: وہ جو احد میں کافروں کے دلوں میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ انہوں نے قتال کو ترک کر دیا اور بغیر کسی سبب کے لوٹ آئے۔

علاوہ ازیں دیگر غزوات میں بھی اس قسم کے واقعات ہوئے جس نے ان کو مرعوب کر کے رکھ دیا۔ ابن کثیر نے بھی آپ ﷺ کے رعب کے متعلق اس آیت کی تفسیر میں وہ روایات نقل کی ہیں[2] جن کا تذکرہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ اور ایک روایت میں چھ کا ذکر ہے کے ذریعے فضیلت دی گئی ہے ان میں ایک "نصرت بالرعب" ہے گویا آپ ﷺ کے خصائص میں سے ایک "رعب" بھی ہے۔ اس کی اہمیت اور قدروقیمت کا اندازہ غزوات النبی ﷺ کے مطالعہ سے بخوب ہوتا ہے۔

4۔ مال غنیمت کا حلال ہونا

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے جو اس سے قبل گزشتہ امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾[3]

ترجمہ: سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال اور پاکیزہ۔

ابن عطیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مال غنیمت کی اباحت پر یہ آیت کریمہ نص ہے[4]۔ قاضی ابو السعود نے بھی ابن عطیہ جیسی عبارت نقل کی ہے[5]۔ اس مقام پر دونوں حضرات نے أحلَّتْ لِیْ الغَنائم[6] والی روایت کو نقل نہیں کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے ابن عطیہ نے بعثت عامہ کے تحت ان روایات کو بیان کر دیا ہے جبکہ ابو السعود نے ایک روایت اس آیت

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾[7]

ترجمہ: ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں۔

کی تفسیر میں نقل کی ہے

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 56/2

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/132-133

3۔ الانفال: 69

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 554/2

5۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 126/3

6۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب التیمم، ح 335/۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب المساجد والصلوۃ، ح 521

7۔ البقرۃ: 136

مَاأحلَّتْ لِىْ الغَنَائم لأحدٍ-----غيْرِكُمْ[1]

ترجمہ: آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ مال غنیمت تمہارے علاوہ کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا ہے۔

گویا یہ امر بھی آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ مال غنیمت گزشتہ امتوں کے لئے حلال نہ تھا بلکہ آسمان سے ایک آگ آکر اسے کھالیتی تھی۔ امام ترمذی نقل کرتے ہیں:

لَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ سُودِ الرُّءُوسِ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانَتْ تَنْزِلُ نَارٌ مِنَ السَّمَاءِ فَتَأْكُلُهَا[2]

ترجمہ: تم سے قبل بنو آدم کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا آسمان سے ایک آگ نازل ہو کر اسے کھالیتی تھی۔

مذکورہ بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مال غنیمت کو بھی اپنے فضائل اور خصائص میں سے شمار کیا ہے اس کا سبب اموال غنیمت سے حاصل ہونے والی معاشی فوائد ہیں اور معاشی استحکام کے اثرات معاشرت پر بھی پڑتے ہیں لہٰذا اس امر نے بھی مسلمانوں کے طرز زیست پر گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔

5۔ محفوظ کتاب و شریعت

حضور ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ پر جو کتاب نازل کی اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لیا اب تا قیامت اس کا متن اور نصوص محفوظ رہیں گی کوئی بھی ان میں تغیر و تبدل نہ کرسکے گا اور چونکہ آپ کی شریعت کا اہم اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے اس بنا پر آپ کی شریعت بھی محفوظ ہے اور آپ ﷺ کی احادیث کو بھی محفوظ بنانے کا سخت اہتمام کیا گیا ہے لیکن یہ مقام اس پر بحث کرنے کا نہ ہے صرف قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق کلام کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَه لَحَافِظُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: بے شک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر قرآن مجید کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اس آیت میں جمع متکلم کی ضمائر کا استعمال اس کے نازل کرنے والی کی عظمت و کبریائی کا اظہار ہیں یعنی جب ہم اس کے محافظ ہیں تو کون ہے جو اس کو تبدیل کرسکے۔ ابن عطیہ تحریر کرتے ہیں:

﴿لَحَافِظُوْنَ ﴾من أن يبدل أو يغير كما جرى فى سائر الكتب المنزلة"[4]

ترجمہ: کون ہے جو اس میں تغیر و تبدل کرے جس طرح تمام نازل شدہ کتب کے ساتھ کیا گیا۔

ابن عطیہ نے جہاں اس آیت کی تفسیر میں قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر بات کی ہے وہاں یہ

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/241

2۔ الترمذی، **الجامع**، ابواب تفسیر القرآن، باب من سورۃ الانفال، ح3085، حسن صحیح

3۔ الحجر: 9

4۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/352

بھی لکھا ہے کہ دیگر آسمانی کتب محفوظ نہیں رہ سکی ہیں۔ قاضی ابوالسعود نے لکھا ہے کہ "اس میں ہر قسم کی کمی زیادتی اور تحریف سے حفاظت کا بیان ہے"[1]۔ باقی ابوالسعود نے اس مقام پر دیگر آسمانی کتاب کی مناسب سے تبصرہ نہیں کیا ہے۔ ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی قرآن مجید کے محفوظ ہونے کو بیان کیا ہے۔ امام آلوسی نے مزید یہ بھی لکھا ہے:

"ولم يحفظ سبحانه كتابا من الكتب كذلك"[2]

ترجمہ: اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس طرح کسی بھی کتاب کی حفاظت نہیں فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بعثت عامہ کے شرف سے مشرف فرمایا تھا یعنی آپ بلا تخصیص و تفریق اقوام اور زمان و مکان کے تا قیامت جمیع انسانوں کے لئے رسول ہیں تو اس منصب کا تقاضا تھا کہ جو کتاب و شریعت بھی آپ کو دی جائے وہ بھی قیامت تک محفوظ اور موجود رہے تا کہ لوگوں کے لئے اتمام حجت کا بندوبست کامل اور احسن طور پر برقرار رہے تو یہ امر بھی آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کو جو کتاب و شریعت عطا کی گئی وہ دائماً محفوظ ہے۔

6۔ مقام محمود پر فائز ہونا

اللہ تعالیٰ بروز محشر آپ ﷺ کو مقام محمود[3] کے منصب کریم پر فائز فرمائے گا تو اس کی جلالت شان کو ملاحظہ کرنے کے بعد زبانیں آپ کی مدحت سرائی میں مصروف کار ہو جائیں گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[4]

ترجمہ: یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر۔

مقام محمود آپ ﷺ کا وہ خاص منصب ہے جس سے جہاں آپ کی عظمت و رفعت کا اظہار ہو گا وہاں آپ کی امت اس منصب کے فیض سے نہال و شاد کام ہو گی۔ ابن عطیہ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کے لئے یہ اعزاز ہے اور یہ امر شفاعت ہے جس کا سلسلہ انبیاء سے چلتا ہوا آپ ﷺ پر آ کر ختم ہو گا جس پر طویل احادیث ہیں جنہیں بخاری اور مسلم سے روایت کیا ہے متفق علیہ روایت کو آئندہ صفحات میں نقل کیا جائے گا اس کے بعد ابن عطیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے "أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ"[5]"

ابن عطیہ نے مقام محمود پر براجمان ہونے کو آپ ﷺ کا خصوصی اعزاز فرمایا ہے۔ قاضی ابوالسعود یہ

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/10

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 4/527/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 13/409

3۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مقام محمود وہ مقام ہے جس پر میں اپنی امت کے لئے شفاعت کروں گا (ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/479/۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/161/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح9684، حسن لغیرہ، صحیح بخاری میں اس طرح روایت ہے: جس دن اللہ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الزکوۃ، باب من سال الناس تکثراً، ح1475)

4۔ الاسراء: 79

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/478/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الفضائل، باب تفضیل بنبیا علی جمیع الخلائق، ح2278

روایت نقل کرتے ہیں:

"حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ وہ مقام ہے جس پر آپ کی اولین و آخرین مدح سرائی فرمائیں گے اور آپ کو تمام مخلوقات پر شرف بخشا جائے گا پس آپ ﷺ اپنے رب سے سوال کریں گے آپ کو عطا کر دیا جائے گا آپ شفاعت فرمائیں گے شفاعت قبول کی جائے گی اور تمام آپ کے لوائے حمد کے نیچے ہوں گے"[1]

قاضی ابوالسعود نے ایک اور روایت حضرت حذیفہؓ سے نقل کی ہے:

"تمام لوگوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کیا جائے گا کسی کو بھی کلام کی اجازت نہ ہوگی سب سے پہلے آپ ﷺ کلام کریں گے آغاز میں اللہ کی حمد و ثنا کریں گے"[2]

ابن عطیہ نے اس بات میں بخاری و مسلم کے حوالے سے جو بات کی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سورج قریب آجائے گا یہاں تک کہ کانوں کی لو تک لوگ پسینہ میں ڈوب جائیں گے وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ پھر حضرت آدم سے فریاد کریں گے پھر حضرت موسیٰ سے پھر حضور ﷺ سے پھر آپ شفاعت کریں گے تا کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے پھر آپ جا کر جنت کے دروازے پر حلقے کو پکڑ لیں گے پس اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا اور تمام اہل محشر آپ کی تعریف اور توصیف فرمائیں گے[3]

مذکورہ روایت کے مفہوم کے مطابق مختلف الفاظ کے ساتھ بخاری و مسلم میں ایک اور روایت مفصلاً نقل کی گئی ہے[4]۔ ابن کثیر اور امام آلوسی نے بھی "مقام محمود" کی تفسیر میں آپ ﷺ کے مقام شفاعت پر بحث کی اور اس کے متعلق روایات نقل کی ہیں[5]۔ آپ ﷺ نے اپنی پانچ خصوصیات میں اعطیت الشفاعہ کا ذکر کیا ہے اس کی تشریح میں ابن کثیر تحریر کرتے ہیں: "اس سے مراد مقام محمود ہے جس پر اولین و آخرین فخر کریں گے۔۔۔ اور اللہ نے اپنے فضل سے اس کو آپ کے ساتھ خاص کیا ہے"[6]

مذکورہ بحث کا لب لباب یہ ہے کہ ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے "مقام محمود" کو آپ ﷺ کے خصائص اور اعزاز میں شمار کیا ہے یہی بحث دیگر ائمہ مثلاً ابن کثیر اور امام آلوسی بھی کرتے ہیں اور اس ضمن میں آپ ﷺ کے مقام شفاعت پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان اکرامات کا تذکرہ کرتے ہیں جو بروز محشر اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے گا اور اس کی شان رفیع کو دیکھ کر تمام لوگ آپ ﷺ کی تعریف و تحسین کریں گے۔

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/ 161-162

2۔ ایضاً، 162/ ۔ النسائی، **السنن الکبریٰ**، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: عسیٰ أن یبعثک ربک مقاماً محموداً، ح11294، صحیح

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الزکوٰۃ، باب من سأل الناس تکثراً، ح1474/ ۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب أدنی أہل الجنۃ منزلۃ، ح194

4۔ ایضاً، کتاب التوحید، باب کلام الرب عزوجل، ح7510/ ۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب أدنی أہل الجنۃ منزلۃ فیہا، ح193

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 5/ 103 تا 110/ ۔ الآلوسی، روح المعانی، 15/ 58 تا 63

6۔ ابن کثیر، اسماعیل بن کثیر، **الفصول فی سیرۃ الرسول ﷺ**، (بیروت: دار ابن کثیر، الطبعۃ الرابعۃ، 1405ھ۔1985ء)، ص 282

7۔انبیاء علیہم السلام کی شہادتوں کی تصدیق کرنا

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ علیہ السلام کو اس خصوصی اعزاز سے بھی مشرف فرمائیں گے کہ آپ علیہ السلام اپنی امت کے علاوہ سابقہ تمام امتوں کے احوال پر بھی گواہ ہوں گے اور انبیاء علیہم السلام کی شہادت کے درست ہونے کی توثیق فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ م بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا﴾[1]

ترجمہ: تو کیا حال ہو گا ان نافرمانوں کا جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے گواہ اور اے حبیب ﷺ ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ۔

سابقہ امتیں جب اپنے انبیاء علیہم السلام کی شہادت کی تکذیب کریں گی تو آپ علیہ السلام تشریف لا کر ہر نبی کی شہادت کی تصدیق کریں گے۔

ابن عطیہ اس آیت کی تفسیر میں روایت نقل کرتے ہیں:

''وروی أن رسول الله صلی الله علیه آله وسلم' کان اذا قراء هذه الآیه فاضت عیناه' وکذٰلک ذرفت عیناه علیه السلام حین قراءها علیه عبدالله بن مسعود فی الحدیث المشهور''[2]

ترجمہ: مروی ہے کہ بے شک جب آپ علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت کی تو آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور اسی طرح جب اس آیت کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کے سامنے پڑھا تو آپ علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور یہ بات حدیث مشہور میں منقول ہے۔

ابن عطیہ جس حدیث مشہور کا حوالہ دے رہے ہیں وہ حدیث متفق علیہ ہے:

((قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْعَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ نَعَمْ فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِحَتَّى أَتَيْتُ إِلَى هَذِهِ الْآيَةِ فَكَيْفَ إِذَاجِئْنَامِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا قَالَ حَسْبُكَ الْآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ))[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے کہا کہ مجھ پر قرآن کو پڑھو تو میں نے کہا اے رسول اللہ ﷺ میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں حالانکہ آپ پر قرآن نازل کیا گیا ہے تو آپ علیہ السلام نے کہا ہاں تو میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کر دی جب میں اس آیت ﴿فَكَيْفَ الخ﴾ تک پہنچا تو آپ نے ارشاد فرمایا بس اب کافی ہے پس میں جب

1۔النساء:41

2۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**،2/55

3۔البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل القرآن، باب قول المقری للقاری حسبک، ح5050، /۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب صلوۃ المسافرین، باب فضل استماع القرآن، ح800

آپ علیہ السلام کی جانب متوجہ ہوا تو دیکھا آپ علیہ السلام کی چشمان مقدس سے آنسوؤں رواں تھے۔

اس آیت کی سماعت پر رونے کے اسباب میں سے ایک یہ سبب بھی تھا کہ اس میں آپ علیہ السلام کے خاص اعزاز و شرف کا تذکرہ تھا اس پر بطور شکر و تواضع آپ علیہ السلام کی یہ کیفیت ہوئی۔ قاضی ابوالسعود اس کے تحت تحریر کرتے ہیں:

"یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم -----تشهد علی صدقهم لعلمک بعقائدهم لاستجماع شرعک الجامع قواعدهم"[1]

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ ان انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر گواہی دیں گے اپنے علم کی بدولت ان کے عقائد کا اور اپنی شریعت اور ان کے قواعد کا جامع ہونے کا۔

یعنی آپ ﷺ کی شریعت ان کے عقائد کے قواعد کی جامع ہے۔ قاضی ابوالسعود نے اس موقع پر ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت کو بیان نہیں کیا ہے جب کہ ابن کثیر نے ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت کو بھی نقل کیا ہے اور آپ علیہ السلام پر اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس کی توضیح میں رقم طراز ہیں:

"فانه يحتمل أن يخص نبينا بما يعرض عليه كل يوم"[2]

ترجمہ: بے شک اس میں احتمال کہ ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ پر ہر دن اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔

امام آلوسی نے قاضی ابوالسعود کی عبارت کو من و عن نقل کرنے کے بعد ابن عطیہ کی نقل کردہ روایت کو بھی ذکر کیا ہے[3]۔ بروز محشر آپ علیہ السلام کی یہ خصوصیت ہوگی کہ آپ گزشتہ نبیوں کی شہادت پر اپنی شہادت کے تصدیق کریں گے۔

8۔ خاتم النبیین ﷺ

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبین کے منصب رفیع سے بہرہ یاب فرمایا آپ پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا آپ کے بعد کسی بھی معنی میں کوئی نبی نہیں آسکتا اور ختم نبوت کا عقیدہ بنیادی عقائد میں سے ہے جس طرح آپ پر بحیثیت رسول اور نبی ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح آپ پر یہ ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ آپ آخری نبی ہیں آپ کی ختم نبوت پر متعدد آیات دلالت کرتی ہیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ "بعثت عامہ" کے عنوان کے تحت کر دیا گیا ہے سر دست اس آیت مقدسہ کو زیر بحث لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/163

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 2/306-307

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 6/34-35

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[1]

ترجمہ: نہیں ہیں محمد ﷺ کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اس آیت مقدسہ میں تین امور کا تذکرہ ہے ایک آپ ﷺ سے مردوں کی ابویت کی نفی، دوسرا آپ اللہ کے رسول ہیں اور تیسرا خاتم النبیین ہیں۔ ابن عطیہ آپ ﷺ کے مردوں میں سے کسی کے نبی نہ ہونے پر بحث کو یوں قلم بند کرتے ہیں:

"واعلم أن محمداً لم یکن فی حقیقة أمره أبا أحدٍ من رجال المعاصرین له"[2]

ترجمہ: آپ جان لو کہ محمد ﷺ امر حقیقت میں معاصرین میں سے کسی مردوں کے باپ نہیں ہیں۔

یعنی آپ کے بچے بچپن میں ہی وفات فرما گئے تھے وہ اس کلام کے وقت زندہ نہ تھے اور ابن عطیہ لفظ "خاتم" کی مختلف قرأت یعنی "تا" کی زبر یا زیر کے ساتھ بیان کرنے کے بعد اس کا معنی متعین کرتے ہیں:

یعنی اگر "تا" کی زبر کے ساتھ ہو تو معنی ہو گا کہ انہوں نے مہر لگا دی جس طرح انگوٹھی کام کرتی ہے اور آپ مزید یہ لکھتے ہیں کہ "تا" کی زیر کے ساتھ یہ جمہور کی قرأت ہے کے تحت معنی ہو گا کہ میں ان سب میں آخر میں آنے والا ہوں[3] اور آپ یہ روایت نقل کرتے ہوئے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں خاتم الانبیاء ہوں "تا" کے فتحہ کے ساتھ اور مزید یہ کہ امت میں خلف وسلف کا اجماع ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے[4]

اس آیت کے تناظر میں ابن عطیہ نے اور روایات کو نقل نہیں کیا ہے۔ قاضی ابو السعود رقم طراز ہیں:

"اس آیت مقدسہ میں آپ ﷺ کے طاہر، قاسم اور ابراہیم کے والد ہونے کی نفی نہیں ہو رہی کیوں کہ وہ بالغ نہیں ہوئے تھے اگر وہ بالغ ہوتے تو ان پر رجل مرد کا اطلاق ہوتا اور یہ سب بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے...... ﴿خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ یعنی آپ انبیاء میں سب سے آخری ہیں اور آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے اور "خاتم" کو تا کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی آپ ان کا اختتام کرنے والے ہیں اور عبد اللہ بن مسعود کی قرأت اس کی تائید کرتی ہے اور اگر آپ کا کوئی بالغ لڑکا ہوتا تو آپ ﷺ آخری نبی نہ ہوتے جس طرح مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم نے وفات پائی تو آپ نے کہا کہ اگر یہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا"[5]

آپ ﷺ کی اولاد نرینہ کا بلوغت کی عمر کو نہ پہنچنا بھی اس امر کا غماز تھا کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں ابن

1۔ الاحزاب:40

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 4/388

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً

5۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 5/240-241/۔ صحیح بخاری میں یہ روایت اس طرح ہے "اگر آپ ﷺ کے بعد کسی نے نبی ہونا ہوتا تو آپ کا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے (البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب الادب' باب من سمی باسم الانبیاء، ح6194)

عطیہ نے لفظ "خاتم" کی دونوں قرأتیں "تا" کی زیر اور فتحہ کے ساتھ بیان کی ہیں جبکہ ابوالسعود نے "تا" کے کسرہ والی قرأت کو ہی نقل کیا ہے گویا آپ کے نزدیک راجح یہی ہے اور ابن عطیہ نے بھی اس کو جمہور کی قرأت کہا ہے بہر حال ہر دو قرأت میں آپ کا آخری نبی ہونا اس آیت مقدسہ سے ثابت ہوتا ہے ابن عطیہ نے ابوالسعود کی نسبت اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر قدرے بہتر کام کیا ہے لیکن اس موضوع کی مناسبت سے صحیح روایات کا ایک ذخیرہ موجود ہے دونوں نے انہیں نقل نہیں کیا ہے جب کہ ابن کثیر نے آپ کے خاتم النبیین ہونے پر اس آیت کی تفسیر میں گیارہ احادیث تخریج و تحقیق کے ساتھ نقل کی ہیں[1] اور آغاز کلام یوں کیا ہے:

"یہ آیت ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ الخ﴾ اس باب میں نص ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تو رسول بدرجہ اولیٰ نہیں آئے گا کیونکہ منصب رسالت نبوت کی نسبت خاص ہے کیوں کہ ہر رسول نبی ہے جب کہ ہر نبی رسول نہیں ہے اور اس موضوع پر جماعت صحابہؓ سے متواتر احادیث مروی ہیں"[2]

امام آلوسی نے اس آیت کا صحیح معنوں میں تفسیری احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور چھبیس صفحات پر مشتمل بحث کی ہے[3]۔ اس موضوع کی اہمیت اسی امر کی متقاضی ہے کہ ہر ہر پہلو سے اس پر بحث کی جائے ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے اس آیت کے تناظر میں مفصلاً کلام نہیں کیا ہے۔ ذیل میں چند متفق علیہ روایات کو موقع محل کی مناسبت سے پیش کیا جارہا ہے ورنہ اس موضوع پر دو سو کے لگ بھگ احادیث ہیں جیسے مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی کتاب میں دو سو سے زائد احادیث جمع کی ہیں[4]۔ اگرچہ اس میں اکثر احادیث کو مکرراً نقل کیا ہے اس کے باوجود پچاس سے زائد احادیث صحیح اور مقبولہ ہیں جو صراحتاً آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر رہنمائی کرتی ہیں:

1۔ "حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بہت خوبصورت ایک گھر بنایا مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگ اس گھر کے گرد گھومنے لگے اور تعجب سے کہنے لگے اس نے یہ اینٹ کیوں نہ رکھی آپ نے فرمایا میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں[5]

2۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لئے ہارون تھے مگر بعد کوئی نبی نہیں ہے[6]

1۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 6/428 تا 431

2۔ ایضاً، ص 428

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 21/332 تا 358

4۔ دیوبندی، محمد شفیع، **ختم نبوت**، (کراچی: ادارۃ المعارف، 1419ھ)

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المناقب، باب ختم النبیین، ح 3535/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین، ح 2286

6۔ ایضاً، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک، ح 4416/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب من فضائل علیؓ، ح 2404

3۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کا قائم مقام دوسرا نبی ہو جاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا[1]

4۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ میرے کئی اسماء ہیں میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں۔۔۔ اور میں عاقب ہوں یعنی آخر میں مبعوث ہونے والا جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا[2]

5۔ "جب تک انسانی تمدن اس حد پر نہیں پہنچا تھا کہ کسی نبی کا پیغام عام ہو سکے۔۔۔ اس وقت تک سلسلہ نبوت جاری رہا اور مختلف قوموں اور ملکوں میں نبی بھیجے جاتے رہے مگر جب ایک طرف تو تمدن اس حد تک ترقی کر گیا کہ ایک نبی کا پیغام عالم گیر ہو سکتا تھا۔۔۔ تو نبوت کی خدمت پر کسی مزید آدمی کو مامور کرنے کی حاجت باقی نہ رہی"[3]

ختم نبوت آپ ﷺ کے خصائص مبارکہ میں انتہائی اہم خاصہ ہے کہ جس کا تعلق براہ راست ہمارے عقیدہ سے ہے اور اس کا تحفظ عصر حاضر میں بہت ضروری ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موضوع کے ہر ہر پہلو پر مفسرین اور سیر نگاروں کی آراء کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے۔

9۔ رفعت ذکر

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو اعزازات نبیلہ اور کمالات جلیلہ سے نوازا تھا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے ذکر جمیل کو رفعت شان عطا کی یہ بھی آپ ﷺ کے خصائص میں سے ایک خاصا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾[4]

ترجمہ: اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔

آپ ﷺ کے ذکر کو یہ شان اور اعزاز جہاں اس لئے دی گئی کہ آپ اونچی شان اور بلند مقام والے ہیں وہاں یہ اعزاز اس لئے بھی بخشا گیا تاکہ قیامت تک آپ ﷺ کی شریعت کے ہی حجت ہونے کو آشکار کیا جا سکے۔

ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"ورفع الذكر نعمة على الرسول"[5]

ترجمہ: رفعت ذکر رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی نعمت ہے۔

اس کے علاوہ ابن عطیہ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے:

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ح3455 / ۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الامارۃ، باب وجوب الامر بالوفا، ح1842

2۔ ایضاً، کتاب المناقب، باب ماجآء فی اسماء رسول اللہ ﷺ، ح3532 / ۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الفضائل، باب فی اسماء ﷺ، ح2354

3۔ مودودی، **سیرت سرور عالم**، 170/1

4۔ الانشراح:4

5۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 496/5

وَقَالَ تَعَالیٰ: إِذَا ذُكِرْتَ معی[1]

ترجمہ: اللہ کا قول ہے کہ جب آپ کا ذکر میرے ساتھ کیا جائے۔

قاضی ابو السعود نے آپ ﷺ کے رفعت ذکر کی کیفیات کو بیان کیا ہے:

"یہ کتنی بڑی رفعت ہے کہ آپ کے نام کو کلمہ شہادت اور اذان اور اقامت میں اپنے نام کے ساتھ ملایا آپ کی طاعت کو اپنی طاعت گردانا آپ پر درود بھیجا اور فرشتوں نے بھی اور مومنین کو حکم دیا آپ کو اللہ کا رسول اور نبی کہا"[2]

ابن عطیہ نے ایک روایت نقل کی ہے جبکہ قاضی ابو السعود نے کسی روایت کو نقل نہیں کیا۔ ابن کثیر رفعت ذکر کے متعلق روایات کو نقل کرنے کے بعد اس بحث کا احاطہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اللہ نے اولین اور آخرین میں آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔۔۔ جب تمام انبیاء سے اس بات پر میثاق لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور اپنی امتوں کو بھی حکم دیں گے اور پھر اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا"[3]

آپ ﷺ کے ذکر کے چرچے گزشتہ امتوں میں بھی ہوتے رہے اور پھر قیامت تک ہوتے رہیں گے امام آلوسی نے ابو السعود کے موافق عبارت نقل کرنے کے بعد یہ روایت ذکر کی ہے جسے ابن عطیہ نے بھی نقل کیا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریلؑ میرے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے رب نے آپ کا ذکر کیسے بلند کیا ہے میں نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تو اس نے کہا کہ جب بھی میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے گا[4]

رفعت ذکر کا تعلق بھی آپ ﷺ کے خصائص کے ساتھ اس تناظر میں ہے کہ ہر دور میں ہر نبی اپنی امت کو آپ ﷺ کا تعارف بصورت تعریف و توصیف کرواتا رہا اور یہ اعزاز آپ کے علاوہ کسی اور رسول کو نصیب نہ ہوا۔ اس بحث کا تذکرہ میثاق انبیاء علیہم السلام کے تحت مقالہ ہذا کے باب اول کی فصل سوم میں بشارات اور میثاق انبیاء علیہم السلام کے تحت مرقوم ہے۔

10۔ اعطائے کوثر

رحمت دو عالم ﷺ کے محامد و محاسن اور فضائل و کمالات کو اللہ تعالیٰ نے "الکوثر" کے کلمہ میں سمو کر رکھ دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی بے پایاں عنایات کریمانہ سے نوازا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/ 496

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/ 473

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/ 431

4۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/ 139 / ۔ ابن حبان، علی بن الفارسی، **صحیح ابن حبان**، تحقیق: شعیب الأرنوط، کتاب الزکوۃ، باب ذکر الاخبار عن اباحۃ تعداد النعم، ح 3382، اسنادہ ضعیف

﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾[1]

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو جو کچھ عطا کیا بے حد و بے حساب عطا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مقدسہ میں جمع کی ضمائر کو استعمال کیا ہے جو یہاں عظمت شان مصطفیٰ ﷺ کا اظہار کر رہی ہیں۔ ابن عطیہ لفظ "الکوثر" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قال أنس و ابن عمر و ابن عباس و جماعة من الصحابة والتابعين ﴿الْكَوْثَرَ﴾ الخير الكثير"[2]

ترجمہ: حضرت انس، ابن عمر، ابن عباس اور صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ الکوثر سے مراد جنت کی ایک نہر ہے اور ابن عباس سے یہ قول بھی منقول ہے کہ "الکوثر" سے مراد الخیر الکثیر یعنی بہت زیادہ بھلائی آپ کو عطا کی گئی ہے۔

ابن عطیہ مزید رقم طراز ہیں:

"کوثر" کثرت سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو نبوت، حکمت، علم، کامیابی، اپنی رضا اور اپنے بندوں پر شرف بہت زیادہ عطا کیا ہے یعنی "الحظ الا عظم" جو اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کو عطا کی ہے"[3]

ابن عطیہ کی نگارشات سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی بے حد و بے حساب نوازشات سے نوازا ہے اس اعتبار سے گویا یہ آپ ﷺ کے ایسے خصائص میں سے ہے جو سب کو جامع ہے۔ قاضی ابوالسعود اس پر تبصرہ یوں کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ بھلائی شرف نبوت میں سے آپ کو عطا کی ہے جو دونوں جہانوں کی بھلائی کی جامع ہے اور یہ "فوعل" کے وزن پر ہے یعنی بہت زیادہ اور یہ بھی قول ہے کہ "کوثر" جنت کی ایک نہر کا نام ہے جب آپ ﷺ نے اس سورت کو پڑھا تو پوچھا:

((أَتَدْرُوْنَ مَا الْكَوْثَرُ؟ فَقُلْنَا: اَللهُ وَرَسُوْلُه أَعْلَمُ قَالَ: فَإِنَّه نَهْرٌ وَعَدَنِيْهِ رَبِّي عَلَيْهِ خَيْرٌ كَثِيْرٌ))[4]

ترجمہ: کیا آپ جانتے ہیں کوثر کیا ہے پس ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا بے شک یہ جنت کی ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا اور اس میں خیر کثیر ہے۔

قاضی ابوالسعود نے ابن عطیہ کے نقل کردہ اقوال کو بھی نقل کیا ہے اور مزید جنت کی اس نہر کی صفات کو بیان کیا ہے جو کہ ابن عطیہ نے نہیں کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں:

"جنت کی اس نہر کی یہ صفت بیان کی جاتی ہے کہ اس میں شہد سے زیادہ مٹھاس دودھ سے زیادہ سفیدی برف سے زیادہ ٹھنڈک اور مکھن سے زیادہ نرم ہے اور اس کے برتن چاندی کے ہیں جن کی تعداد ستاروں جتنی ہے اور یہ بھی

1۔ الکوثر: 1

2۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/ 529

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/ 529/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب سورۃ انا اعطینک الکوثر، ح 4966

4۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/ 510/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الصلوۃ، باب حجۃ من قال: البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ، ح 400

مروی ہے کہ جو اس میں سے ایک مرتبہ پیئے گا اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی"[1]

الکوثر کی تفسیر میں دونوں طرح کے اقوال کا اطلاق آپ ﷺ کی ذات پر بدرجہ اتم ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خصائص آپ کو عطا کئے ہوئے ہیں۔ ابن کثیر نے الکوثر کی تفسیر میں جتنی بھی روایات نقل کی ہیں ان میں "الکوثر" کی تفسیر جنت کی نہر سے کی ہے[2] اور اکثر مفسرین نے "الکوثر" کی تفسیر میں نہر مراد لی ہے جیسے امام آلوسی لکھتے ہیں:

"فذهب اكثر المفسرين الىٰ أنه نهر فى الجنة"[3]

ترجمہ: اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔

اس کے علاوہ امام آلوسی نے اس کی تفسیر میں ابن عطیہ اور ابوالسعود کے موافق بھی کی ہے کہ یہ فوعل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کا بے انتہا ہونا[4]۔ ابن الملقن نے آپ ﷺ کے خصائص کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے 1۔ تشریعیہ، 2- تفضلیہ اور آپ ﷺ کے وہ خصائص جن کا تعلق آپ ﷺ کی فضیلت کے باب سے ہے ان تمام پر گزشتہ تحقیق کے مطابق بحث کی ہے[5]۔

حاصل کلام یہ ہے کہ "الکوثر" سے آپ کی عظمت شان کا بیان ہوتا ہے اور آپ کا افضل الرسل ہونا بھی اس امر کا متقاضی تھا جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے خصائص مبارکہ اور کمالات رفیعہ سے نوازا جو فقط آپ کا ہی طرہ امتیاز ہیں ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود دونوں نے آپ کے خصائص پر بحث کی ہے۔

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 510/6

2۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/498-499

3۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 29/360

4۔ ایضاً، 364

5۔ ابن الملقن، عمر بن علی، **غایۃ السول فی خصائص الرسول ﷺ**، تحقیق: عبداللہ بحر الدین، (بیروت: دار البشائر الاسلامیہ، الطبعۃ الاولی، 1414ھ-1993) ص 223 تا 297

فصل سوم: دلائل نبوت (معجزات وکمالات)

اللہ تعالیٰ جب کسی کو منصب نبوت رسالت عطا فرماتا ہے تو اسے نبوت و رسالت کے ثبوت طور پر دلائل بصورت معجزات سے بھی نوازتا ہے تاکہ وہ جہاں اپنی نبوت کو ثابت کرے وہاں نبی صادق اور کاذب میں بھی امتیاز ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو معجزات دیئے جانے کے متعلق فرمایا:

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ- فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ﴾[1]

ترجمہ: اور بے شک آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ اور نہ ہوا یہ کہ ایمان لاتے اس پر جس کو جھٹلا چکے تھے اس سے پہلے۔

قرآن مجید میں معجزات کی مناسبت سے ''البینات'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ''البنیۃ'' کی جمع ہے۔ مفسرین اس سے مراد معجزات کو لیتے ہیں[2]۔ اللہ تعالیٰ روشن دلائل لوگوں کے سامنے اس لئے رکھتا ہے تاکہ نبوت و رسالت کی حقانیت خوب واضح ہو اور انہیں ایمان قبول کرنے کیلئے کسی بھی قسم کا تردد باقی نہ رہے لیکن اس کے بعد جو ایمان قبول نہیں کرتے اس کا سبب حق کا واضح ہونا نہیں ہوتا وہ ان پر ظاہر ہو چکا ہوتا ہے وہ محض ضد، انانیت اور دنیاوی مفاد کے پیش نظر قبول نہیں کرتے ہیں۔ مذکورہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اسی امر کی توضیح فرمائی ہے کہ جب انہوں نے دلائل و معجزات کا مشاہدہ کرنے سے قبل نبوت کا انکار کر دیا تو ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث روشن دلائل کو دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے اور قرآن مجید میں معجزہ کیلئے بینۃ کے لفظ کے علاوہ ''آیت'' اور ''برہان'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

مبحث اول: معجزہ کا مفہوم

معجزہ ایک ایسا خارق عادت امر ہے جو اسباب کے تحت وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ عادت جاریہ کے خلاف ہوتا ہے اور اس کا صدور نبوت و رسالت کی تائید میں بطور ثبوت و تصدیق کے ہوتا ہے۔ علامہ جرجانی تحریر کرتے ہیں:

''المعجزۃ: امر خارق للعادۃ داعیۃ الی الخیر والسعادۃ مقرونۃ بدعوی النبوۃ قصد به اظهار صدق من إدعٰی أنه رسول من الله''[3]

ترجمہ: معجزہ ایسے کام کو کہتے ہیں جو عادت جاریہ کے برعکس ہو اور خیر و سعادت کا داعی ہو اور اس کا پیش کرنے والا مدعی نبوت ہو اور اس کے اس کام کا مقصد اس دعویٰ کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے کہ بے شک وہ اللہ کا رسول ہے۔

1۔ الاعراف: 101

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/ 11/۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 9/ 269

3۔ الجرجانی، **معجم التعریفات**، ص 184

گویا معجزہ عام لوگوں کو عاجز کر دیتا ہے کہ یہ جو کام اس نبی سے صادر ہوا ہے وہ ان کے بس سے باہر ہے اس کے لئے کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہے۔ قاضی ابو السعود نے بھی اسی مفہوم کے مطابق تعریف کی ہے:

"لأن حقيقة المعجزة اختصاص مدعى النبوة يتنوع من الامور الخارقة للعادات"[1]

ترجمہ: بے شک معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ نبوت کے دعویٰ کیساتھ خاص ہے اور خارق عادت امور کی نوع سے تعلق رکھتا ہے۔

معجزہ اس فعل کو کہتے ہیں جو عام انسان کی عادت اور قدرت کے خلاف ہو اور وہ فعل حقیقتاً اللہ کی قدرت سے صادر ہوتا ہے اگرچہ بظاہر نبوت کے دعویٰ کرنے والے سے صادر ہوتا ہے[2]

معجزہ کی تعریف میں "مقرون بدعوی النبوۃ" کے کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ وہ خلاف عادت کام ہو گا جو اعلان نبوت کے بعد ہو اگر پہلے ہوا ہو تو اسے ارہاص کہتے ہیں جیسے آپ ﷺ کے بچپن کے شق صدر کا واقعہ جس کا تذکرہ مقالہ ہذا کے باب اول کی فصل سوم میں گزر چکا ہے۔

مبحث دوم: معجزات مصطفیٰ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے جیسے عالم خلق میں اپنے حبیب لبیب ﷺ کو خَلق اور خُلق میں بے مثل و بے مثال بنایا اسی طرح معجزات جو بے مثل ہوتے ہیں ان میں بھی کوئی آپ کا ثانی اور ہمسر نہیں بنایا ہے۔ آپ ﷺ کا ہر ہر معجزہ آپ کی عظمت شان ورفعت آن کا آئینہ دار ہے آپ کو حسی اور معنوی دو طرح کے معجزات عطا کئے گئے حسی معجزات پر تبصرہ کرنے سے قبل معنوی معجزہ یعنی قرآن مجید کو زیر بحث لایا جائے گا جو در حقیقت آپ کا زندہ معجزہ ہے اور تا قیامت آپ کی نبوت کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرتا رہے گا اور یہ آپ کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ ہے جس کے سامنے تمام جن و انسان اپنی بے بسی کے معترف ہیں اس کی مثال کوئی نہیں لا سکتا ہے اور یہ علوم و فنون کا بحر بیکراں ہے اور اس نے اپنے معجز ہونے کو یوں بیان کیا ہے:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَاعَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِه وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[3]

ترجمہ: اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے بندے۔ پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا۔

یہ آیت مقدسہ صرف قرآن مجید کے برحق ہونے پر دلالت نہیں کر رہی بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صداقت پر بھی روشنی ڈال رہی ہے۔ قرآن کے اس چیلنج کے سامنے صرف آپ ﷺ کے زمانے کے اہل لغت و

1۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/337

2۔ الماوردی، علی بن محمد، **اعلام النبوۃ**، (بیروت: دار احیاء العلوم، 1408ھ)، ص42

3۔ البقرۃ: 23

دانشور ہی بے بس نہیں تھے بلکہ عصر حاضر کے تمام بدخواہ بھی انگشت بدنداں ہیں اس چیلنج کو قبول نہیں کرسکتے۔ ابن عطیہ اس بابت لکھتے ہیں:

"ولا یعجزهم إلا التأليف الذى خص به القرآن وبه وقع الاعجاز على قول حذاق اهل النظر"[1]

ترجمہ: اوران مشرکین مکہ کو عبارت نے عاجز کردیا تھا جو قرآن کے ساتھ خاص ہے اور ماہر اہل علم کے نزدیک اعجاز کا یہی مفہوم ہے۔

یعنی قرآن مجید کی آیت میں منتخب الفاظ جس ترتیب اور ترکیب سے آتے ہیں اور اس سے جو معنوی کمال پیدا ہوتا ہے وہ ایسی عبارت لانے سے عاجز تھے۔ قاضی ابوالسعود نے ایک اور پیرائے میں اس بابت گفتگو کی ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہورہا تھا اس پر وہ اعتراض کناں تھے حالانکہ یہی وہ چیز تھی جس نے ان کا ناطقہ بند کرکے رکھا تھا کہ اگر تم اس تھوڑے کے مثل نہیں لاسکتے تو جب یہی پورا اترتا تو تم اس کے چیلنج کا کیسے جواب دے سکتے تھے[2] اور مزید لکھتے ہیں:

"قدورد الامر التعجیزی بالاتیان بشئی فیه"[3]

ترجمہ: قرآن کی مثل کوئی بھی چیز لانے سے ان کا عاجز ہونا ثابت ہوا ہے۔

قرآن مجید اپنی شان میں معجزہ ہے اور اس کے اعجاز سے آپ ﷺ کی رسالت بھی ثابت ہوتی ہے مناع القطان رقم طراز ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب کو قرآن کے ساتھ چیلنج کیا کہ یہ ان کی زبان میں نازل ہوا تھا اور وہ فصحائے عرب تھے اس کے باوجود وہ اس کی مثل لانے یا اس کی مثل دس سورتیں یا ایک سورت بھی لانے سے عاجز آ گئے پس اس سے قرآن کا اعجاز ثابت ہوا اور اس کے اعجاز سے آپ کی رسالت بھی ثابت ہو گئی"[4]

قرآن مجید کو آپ ﷺ کا معجزہ اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر صداقت کی تاقیامت دلیل ہے:

"فصار القرآن بهٰذا معجزا للإنسانية كافة"[5]

ترجمہ: پس قرآن اس اعتبار سے تمام انسانوں کیلئے معجزہ ہے۔

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 1/106

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 1/100-101

3۔ ایضاً، 102

4۔ القطان، مناع الخلیل، **مباحث فی علوم القرآن**، (القاہرہ: مکتبۃ وہبۃ، الطبعۃ السابعۃ)، ص 13

5۔ ایضاً، 252

مولانا مودودی قرآن کو حضور کا سب سے بڑا معجزہ قرار دیتے ہیں:

"اُمّی ہونے کے باوجود تم پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا کیا بجائے خود اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے کہ تمہاری رسالت پر یقین دلانے کے لئے یہ کافی ہو کیا اس کے بعد بھی کسی معجزے کی ضرورت رہ سکتی ہے"[1]

دکتور حسن ضیاء الدین عتر نے قرآن مجید کے عظیم معجزہ ہونے پر "المعجزة الخالدة" کے عنوان سے معنون ایک اہم کتاب تالیف کی ہے جس کا دوسرا باب "دلائل المعجزة العظمیٰ" کے نام سے ہے جس کی پہلی فصل کا نام ہی یہ رکھا ہے "القرآن معجزة الرسول العظمیٰ" قرآن آپ ﷺ کا سب سے عظیم معجزہ ہے[2]

قرآن مجید ایسا کلام معجز ہے جو اپنے پڑھنے والوں کو مسحور کر کے رکھ دیتا ہے۔ عقل سلیم رکھنے والا شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اس کا ہر ہر پہلو جاذب نظر ہے جو طویل کلام کا متقاضی ہے مگر زیر تحقیق مقالہ میں صرف اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ یہ آپ ﷺ کا دائمی اور علمی معجزہ ہے۔

1۔ معراج النبی ﷺ

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عظیم الشان اسراء و معراج کا معجزہ عطا فرمایا آپ ﷺ نے جب علانیہ دعوت کا سلسلہ شروع کیا تو مصائب و آلام کا طوفان امڈ کر آیا تھا مگر آپ نے اس جانکاہ عالم میں بھی اپنی دعوتی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رکھا اور جب آپ کے چچا ابو طالب اور رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ وفات پا گئے تو کفار کی ظالمانہ کارستانیوں کا سلسلہ مزید عروج پا گیا تو آپ ﷺ نے اس وقت اہل طائف کو راہ حق کا راہی بنانے کے لئے سفر کیا مگر اس کا جواب اثبات میں ملنے کے بجائے آپ کے لئے شدید درد و کرب کا باعث بن گیا اور گزشتہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا ان حالات میں جب بظاہر حالات اتنے ناساز گار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل و رحمت سے اپنی عظمت و کبریائی کی نشانیوں کا مشاہدہ کروانے کے لئے عالم بالا کی سیاحت کے لئے بلایا جو اسراء اور معراج کے ناموں سے موسوم ہے اللہ تعالیٰ نے یہ تذکرہ اپنے اس ارشاد مبارک میں فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾[3]

ترجمہ: ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بابرکت

1۔ مودودی، **سیرت سرور عالم**، 1/400

2۔ عتر، حسن ضیاء الدین، **المعجزة الخالدة**، (بیروت، لبنان: دار البشائر الیسلامیہ، الطبعة الثالثہ 1415ھ-1994ء) ص 105 -

3۔ الاسراء: 1

بنادیا ہم نے جس کے گردو نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔

اس آیت میں آپ ﷺ کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا بیان ہے اور یہ سفر اسراء کہلاتا ہے۔ ابن عطیہ نے اس آیت کے تحت آپ ﷺ کے سفر مبارک پر کتب سیرت سے حوالہ دینے کے ساتھ ساتھ صحیح احادیث کا بھی حوالہ دیتے ہوئے مفصلاً کلام کیا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندے کو سیر کروائی وہ محمد ﷺ ہیں اور واقعہ اسراء کتب حدیث میں بھی بیان ہوا ہے اور ہر درجہ کے صحابہؓ سے متواتر منقول ہے اور نقاش نے بیس صحابہ کرام کی تعداد بیان کی ہے جن سے یہ مروی ہے اور جمہور صحابہ اور اجل علماء سے مروی ہے کہ یہ واقعہ آپ ﷺ کو جسمانی طور پر پیش آیا وہ یوں کہ آپ ﷺ براق پر سوار ہوئے مکہ سے اور بیت المقدس کو پہنچے اور وہاں نماز ادا کی اور حذیفہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ براق سے نہیں اترے اور نہ ہی بیت المقدس میں داخل ہوئے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کا قول ہے کہ آپ ﷺ کو روحانی طور پر عالم خواب میں معراج کروائی گئی اور آپ کا جسم مبارک اپنے بستر سے الگ نہ ہوا یہ خواب تھا جس میں آپ نے اپنے رب کی طرف سے حقائق دیکھے اور یہ طویل حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ مذکورہ قول کو نقل کرنے کے بعد ابن عطیہ اپنا نقطہ نظر یوں بیان کرتے ہیں کہ صحیح موقف وہ ہے جو جمہور کا ہے کہ اگر یہ خواب میں ہوا تھا تو قریش مکہ اس پر طعن و تشنیع نہ کرتے اور اس کی تصدیق کی بنا پر حضرت ابو بکرؓ کو فضیلت بھی حاصل نہ ہوتی اور نہ ہی حضرت ام ھانیؓ[1] آپ ﷺ کو کہتی کہ اس کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں وہ آپ کی تکذیب کریں گے اعتراضات اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جب یہ واقعہ عالم بیداری میں جسمانی معراج کے ساتھ ہوا ہو ورنہ خواب کی بناء پر یہ اعتراض نہ ہو سکتے تھے۔ حضرت عائشہؓ اس قول باری تعالیٰ سے دلیل پکڑتی ہیں:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾[2]

ترجمہ: اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لئے۔

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس آیت میں جس "رؤیت" کی بات ہو رہی ہے وہ "**رؤية العين**" آنکھ سے دیکھنے کی ہو رہی ہے اور اس حدیث سے بھی عالم خواب میں ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ نے کہا میں بیدار ہوا تو مسجد حرام میں تھا اس سے واضح ہوا کہ اسراء عالم خواب میں ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت عائشہؓ چھوٹی تھی خود نہیں اس واقعہ کو ملاحظہ کیا اور نہ حضور ﷺ سے روایت کیا گویا یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا اور حضرت امیر معاویہ بھی اس وقت مسلمان نہ تھے جس وقت یہ واقعہ رونما ہوا اور نہ انہوں نے اسے آپ ﷺ سے روایت کیا

1۔ فاختہ بنت ابی طالب (576ء-661ء) لقب ام ہانی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں (العسقلانی، **الاصابة فی تمیز الصحابة**، 8/256-257)

2۔ الاسراء: 60

ہے [1]۔ ابن عطیہ نے دوران بحث تجزیہ کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر بھی بیان کیا ہے اور پھر آپ اس واقعہ پر مزید تبصرہ ﴿الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ کے تحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک گروہ سے مروی ہے کہ ام ھانی کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شب اسراء کو میرے گھر میں تھے اور بعض نے یہ بات آپ ﷺ سے روایت کی ہے اور حضرت عروہ اور عائشہ کا قول ہے کہ یہ واقعہ ماہ رجب میں پیش آیا اور متحقق بات یہ ہے کہ یہ واقعہ شعب ابی طالب میں محصوری کے بعد اور بیت عقبہ اولیٰ سے پہلے ہوا [2]۔ ﴿لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس سے مراد یہ ہے کہ ہم محمد ﷺ کہ آسمانوں، فرشتوں، جنت، سدرۃ اور اس کے علاوہ اس رات کو عجائب میں سے اپنی نشانیاں دکھائیں" [3]

ابن عطیہ نے اس آیت کے تحت اتنا کلام ہی کیا ہے اس واقعہ کے دیگر پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔

قاضی ابو السعود لکھتے ہیں کہ اس امر میں اختلاف ہے کہ اسراء کا آغاز کہاں سے ہوا پھر یہ روایت نقل کی ہے:

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ میں بیت اللہ شریف کے پاس حجر میں سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھا کہ جب میرے پاس حضرت جبریلؑ براق لے کر آئے [4] اسی روایت میں حطیم کا لفظ بھی ہے کہ میں حطیم کے پاس تھا۔ [5]

بعد ازاں قاضی ابو السعود نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ایک روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ ام ھانی کے گھر میں تھے پھر ان میں یہ تطبیق پیدا کی ہے کہ مسجد حرام سے مراد اس کا حاطہ ہے کیونکہ وہ بھی حرم میں ہی آتا ہے حطیم، حجر اور ام ہانی کا گھر یہ تمام بھی حدود حرم میں آتے ہیں اس لئے ان تمام اقوال میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ حضرت ام ہانی کے گھر تھے عشاء کی نماز کے بعد یہ واقعہ ہوا آپ نے ام ہانی کو بتایا اور پھر آپ باہر تشریف لے جانے لگے تو ام ہانی نے آپ کو روکنا چاہا کہ یہ لوگوں کو نہ بتائیں وہ آپ کی تکذیب کریں گے پس آپ باہر تشریف لاتے ہیں ابو جہل کو یہ بتاتے ہیں تو اس نے یہ پکارنا شروع کر دیا "اے کعب بن لوی کے گروہ پھر انہیں یہ بتاتا ہے اور کچھ لوگ اس خبر کو سن کر مرتد بھی ہو جاتے ہیں لوگ حضرت ابو بکرؓ سے یہ کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا میں تصدیق کرتا ہوں کیوں کہ ہم نے آپ ﷺ کی اس سے بھی بعید از فہم امور میں تصدیق کی ہے ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے بیت المقدس کو دیکھا ہوا تھا وہ آکر آپ سے اس کے متعلق

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/435

2۔ ایضاً، ص 435-436

3۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 3/436

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المناقب 'باب المعراج، ح 3887/۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب الایمان 'باب الاسراء، ح 164

5۔ ابو السعود، ارشاد العقل السلیم، 4/116

پوچھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سامنے اسے منکشف کر دیا اور یوں آپ اس کے احوال بتانے لگے جس پر انہوں نے کہا کہ درست کہہ رہے ہیں[1] پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ ہمیں ہمارے قافلے کے بارے میں بتائیں تو آپ ﷺ نے ان کی تعداد بتائی اور یہ بھی بتایا کہ فلاں دن کو سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی پہنچ جائے گا اور پھر آپ کے فرمان کے عین مطابق قافلہ مکہ پہنچتا ہے لیکن وہ پھر بھی ایمان نہ لائے[2]۔ قاضی ابوالسعود اس بابت اپنا موقف پیش کرتے ہیں کہ یہ واقعہ عالم رؤیت کا ہے یا بیداری کا تو اس میں حق یہ ہے کہ بیداری کا واقعہ ہے اور اکثر اقوال اسی کے متعلق ہیں اور اس پر حرف آخر یہ لکھتے ہیں:

"والحق أنه كان جسمانية ولولم يكن مستبعدًا لم يكن معجزةً"[3]

ترجمہ: حق یہ ہے کہ یہ واقعہ جسمانی طور پر ہوا اور اگر یہ بعید از فہم نہ ہوتا تو معجزہ نہ ہوتا۔

یعنی اس واقعہ کا خواب میں ہونا معجزہ نہیں ہو سکتا اور اگر یہ معجزہ ہے تو گویا عالم بیداری میں خلاف عادت ہوا کیونکہ عادت جاریہ کے تحت ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اس آیت کے تحت ابن عطیہ اور ابوالسعود دونوں نے آسمانوں پر جانے کے حالات و واقعات کو قلم بند نہیں کیا ہے جبکہ ابن کثیر نے یہ عنوان **"ذكر الاحاديث الواردة في الاسراء"** باندھتے ہوئے متعدد احادیث نقل کی ہیں اور پھر یہ موقف پیش کیا ہے کہ عالم بیداری میں آپ ﷺ کو یہ اعزاز بخشا گیا:"

والحق أنه ﷺ أسرای به يقظة لامناماً-----فالا كثرون من العلماء علىٰ أنه أسرای ببدنه وروحه يقظةً ولامناماً---- وايضاً فان العبد عبارة عن مجموع الروح والجسد"[4]

ترجمہ: حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کو عالم بیداری میں یہ سیر کرائی گئی نہ کہ نیند میں اور اکثریت کا یہ موقف ہے کہ یہ سیر آپ نے جسم اور روح کے ساتھ جاگتے ہوئے کی اور یہ بھی ہے کہ لفظ "عبد" روح اور جسم کے مجموعہ کے نام ہے۔

ابن کثیر نے ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود کے موافق اکثریت کا حوالہ دیتے ہوئے اپنا یہ موقف بیان کیا ہے کہ یہ اسراء اور معراج خواب میں یا پھر روح کا معاملہ نہیں ہے بلکہ روح مع جسم عالم بیداری میں یہ سب ہوا آپ ﷺ کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر اسراء کہلاتا ہے اور جب کہ آسمانوں کی طرف جانا معراج کہلاتا ہے جسے ابن کثیر نے لکھا"**أسرای----من مكة الى بيت المقدس-----ثم أتى المعراج** "[5]

1۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح2819، اسنادہ صحیح

2۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/116 /۔ ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، ص185

3۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/116-117

4۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 5/6-43

5۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 5/43

ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود نے معراج مصطفی ﷺ کے حوالے سے آپ ﷺ کے مشاہدات کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ ابن عطیہ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ واقعہ تمام کتب حدیث میں منقول ہے۔ ذیل میں ایک متفق علیہ روایت پیش کی جاتی ہے:

"حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس رات کا واقعہ صحابہ کرامؓ سے یوں بیان کیا آپ نے فرمایا جس وقت میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آنے والا یعنی فرشتہ آیا اس نے میرا سینہ یہاں سے یہاں تک چاک کیا پھر میرا دل نکالا پھر سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے لبریز تھا پھر میرا دل دھویا گیا پھر اس کو ایمان اور حکمت سے لبریز کیا گیا پھر اس دل کو اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا پھر ایک سواری پر مجھے سوار کیا گیا اور وہ سواری براق تھی پھر مجھے جبریل لے کر چل پڑے یہاں تک کہ آسمان دنیا پر آئے دروازے پر دستک دی تو کہا گیا کہ کون ہے کہا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے تو جبریل نے کہا محمد ﷺ ہیں اس نے مرحبا کہا اور دروازہ کھولا اور وہاں آدمؑ تھے حضرت جبریلؑ نے کہا یہ آپ کے جد حضرت آدم ہیں ان کو سلام کریں پس میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔۔۔ صالح بیٹے اور صالح نبی کو مرحبا پھر دوسرے دروازے پر دستک دی تو یہی مذکورہ کلام ہوا وہاں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ ؑ سے ملاقات ہوئی تیسرے پہ حضرت یوسف ؑ سے چوتھے پر حضرت ادریس ؑ سے پانچویں پر حضرت ہارون ؑ سے چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ ؑ سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم ؑ سے ملاقات ہوئی اور پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ پر لے جایا گیا"[1]

مذکورہ حدیث میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ ﷺ کے صدر سینہ مبارک کو چیرا گیا اور دل نکال کر دھویا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے مالامال کر دیا گیا ذیل میں اس پر بحث پیش کی جائے گی۔

2۔ شق صدر کا واقعہ

معراج کے موقع پر حضرت جبریلؑ نے آپ کے سینہ اقدس کو چاک کیا تھا جیسا کہ گزشتہ بحث میں نقل کیا گیا قرآن مجید میں اس کا تذکرہ اشارۃً اس آیت مقدسہ میں ملتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾[2]

ترجمہ: کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر ہر گوشہ اس آیت مقدسہ کا آئینہ دار تھا کہ فرائض، نبوت کی ادائیگی میں جس عالی حوصلگی کا آپ نے مظاہرہ کیا وہ شرح صدر کا ہی نتیجہ تھا ابن عطیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح** کتاب المناقب' باب المعراج، ح3887 /۔ مسلم، **الجامع الصحیح** کتاب الایمان' باب الاسراء برسول اللہ ﷺ، ح162-163

2۔ الانشراح:01

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر اپنی نعمت کو بیان کیا کہ آپ کو شرح صدر عطا کیا اور اس کے لئے تیار کیا اور ابن عباس کا قول ہے کہ ایک جماعت کا موقف ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت جبریل ؑ نے بچپن میں آپ کا سینہ چاک کیا تھا اور دوسرا اسراء کے وقت"[1]

ابن عطیہ نے دو دفعہ آپ ﷺ کے شق صدر ہونے کو بیان کیا ہے ایک بچپن میں جس کا تذکرہ باب اول کی فصل سوم میں کر دیا گیا اور دوسری دفعہ اسراء اور معراج کے موقع پر شق صدر ہونے کو بیان کیا ہے جب کہ ابو السعود نے اس آیت کی تفسیر میں بچپن کے واقعہ پر تبصرہ تو کیا لیکن اسراء و معراج کا تذکرہ نہیں کیا[2]۔ جب کہ ابن کثیر نے شب اسرای کا حوالہ دیا ہے:

"شرح صدره ليلة الاسراء كما تقدم من رواية مالك بن صعصة"[3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ کو اسراء کی رات کو فراخی بخشی جیسا کہ یہ بات مالک بن صعصہؓ کی روایت میں گزر چکی۔

ابن کثیر نے جس روایت کا حوالہ دیا اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

"حضرت انس بن مالکؓ حضرت مالک بن صعصہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے اس رات کا تذکرہ کیا جس میں آپ کو معراج کروائی گئی آپ نے فرمایا جس وقت میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک فرشتہ آیا اس نے میرا سینہ یہاں سے یہاں تک چاک کر دیا۔۔۔ پھر میرا دل نکالا پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا میرا دل دھویا اور اسے ایمان و حکمت سے معمور کر دیا اور پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا"[4]

امام بخاری نے ایک اور مقام پر آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو چاک کیا جانا، اور تین فرشتوں کا آپ کو مسجد حرام سے اٹھا کر زم زم کے پاس لے جانا اور پھر حضرت جبریلؑ کا آپ کے قلب مبارک کو دھونا اور ایمان و حکمت سے بھر دینے کو نقل کیا ہے[5]۔ مذکورہ صحیح احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ معراج کی رات آپ کا شق صدر ہوا تھا علاوہ ازیں دیگر کتب احادیث میں بھی یہ واقعہ بڑی صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ابن عطیہ نے لکھا ہے کہ آپ کا شق صدر دو دفعہ ہوا ایک دفعہ بچپن میں اور دوسری مرتبہ معراج کو جب کہ صحیح قول کے مطابق آپ کا شق صدر چار دفعہ ہوا تھا جیسا کہ حافظ سعید الرحمٰن لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ کا شق صدر کب اور کتنی بار ہوا اس حوالے سے مختلف اقوال ہیں ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ مختلف

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/496

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/472

3۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/429

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المناقب، باب المعراج، ح 3887

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التوحید، باب ﴿وکلّم اللہ موسیٰ﴾ ماجاء فی قولہ عزوجل، ح 7517

مواقع پر آپ ﷺ کا چار بار شق صدر ہوا"[1]۔

پہلی مرتبہ چار سال کی عمر میں شق صدر ہوا اس وقت آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے[2]۔ دوسری مرتبہ دس سال کی عمر میں آپ کا صدر مبارک چاک ہوا[3]۔ تیسری مرتبہ اعلان نبوت کے وقت ایسا واقعہ رونما ہوا[4]۔ اور چوتھی دفعہ معراج کے موقع پر ہوا جس پر بحث گزشتہ صفحات میں مرقوم ہے۔

چار دفعہ آپ ﷺ کے سینہ اقدس کا چاک ہونا اگرچہ صحیح روایات سے ثابت ہے مگر مشہور دو دفعہ کا ہے پہلی دفعہ جب آپ ﷺ کی عمر اکثر اقوال کے مطابق چار برس تھی اور دوسری دفعہ معراج کے موقع پر اور ان تمام میں جو صحیح روایات ہیں وہ معراج کے موقع کی ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے جب آپ ﷺ کو اسراء و معراج کے اعزاز سے نوازنا چاہا تو اس رات اولاً آپ کے قلب کو نور معرفت اور اسراء و حکمت سے لبریز فرمایا ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے معراج کے موقع پر شق صدر کی مناسبت سے کوئی روایت نقل نہیں کی ہے۔

3۔ شق القمر (چاند کے دو ٹکڑے ہونا)

مشرکین مکہ آپ ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے اور بچشم خود مشاہدہ کرنے کے بعد بھی ایمان قبول نہیں کرتے تھے اسی طرح انہوں نے ایک دن آپ ﷺ سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کر دیا اور یہ واقعہ "نبوت کے دسویں سال کے آخری مہینوں ذوالقعدہ یا ذوالحجہ کا ہے"[5]۔

مشرکین مکہ منیٰ کے میدان میں کھڑے تھے آپ ﷺ نے انگشت مبارک کا اشارہ کیا تو چشم فلک نے بھی یہ نظارہ دیکھا کہ چاند کا ایک حصہ پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا اس طرف ہو گیا اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ملتا ہے:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾[6]

ترجمہ: قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہو گیا۔

ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"قریش نے آپ ﷺ سے کسی نشانی کا سوال کیا اور امام ثعلبی ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں چاند کے دو

1۔ سعید الرحمٰن، حافظ، شق صدر کی روایات کا تحقیقی مطالعہ، **افکار**، جلد 1، شمارہ 2، (جولائی-دسمبر 2017)، ص116

2۔ مسلم، **الجامع الصحیح** ،کتاب الایمان' باب الاسراء، ح162 / ۔ الحاکم، **المستدرک** ،کتاب تواریخ المتقدس من الانبیاء'، ح4230، ہذا حدیث صحیح

3۔ الہیثمی، علی بن ابی بکر، **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد** ،کتاب علامات النبوۃ' باب 3 اول امرہ شرح صدرہ، ح13864، رواہ عبداللہ ورجالہ ثقات

4۔ الاصفہانی، **دلائل النبوۃ**' الفصل الرابع عشرۃ' فی ذکر بدء الوحی، ح163، ص215-216 (ابن حجر نے بھی اس روایت کو ابو نعیم کی **دلائل النبوۃ** کے حوالے سے نقل کیا اور اس پر کسی قسم کا رد نہ فرمایا گویا یہ آپ کے نزدیک صحیح ہے (العسقلانی، **فتح الباری**، 7/205)

5۔ محمد اسماعیل، **تاریخ امت مسلمہ**، 1/ حاشیہ، ص200

6۔ القمر: 1

ٹکڑے کر کے دکھائے۔ تو یہ منظر آپ ﷺ، صحابہ کرام کی ایک جماعت اور کفار نے دیکھا اور مشرکین نے یہ دیکھ کر کہا کہ محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے"[1]

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس کا ایک ٹکڑا جبل حراء کی اس طرف گیا[2]۔ مشرکین مکہ نے جب یہ منظر دیکھا تو حیرت واستعجاب میں مبتلا ہو گئے تو عین اس وقت ابو جہل نے کہا کہ یہ جادو ہے تو وہ ابو جہل کی زبان بولنے لگے اتنی عظیم نشانی دیکھ کر بھی ایمان قبول نہ کیا اور ان کی اس ہٹ دھرمی کو اللہ تعالیٰ یوں بیان کرتے ہیں:

﴿وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾[3]

ترجمہ: اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔

قاضی ابوالسعود بھی ابن عطیہ کی طرح لکھتے ہیں:

"روی أن الكفار سألوا رسول اللهﷺ آيه فانشق القمر"[4]

ترجمہ: مروی ہے کہ کفار نے آپ ﷺ سے ایک نشانی معجزے کا مطالبہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود دونوں نے کسی نشانی کا مطالبہ لکھا ہے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ نہیں لکھا ہے اور صحیح بخاری میں بھی یہی روایت ہے:

((عَنْ أنس بن مالک أن أهْلَ مَكة سألوا رسولَ اللهﷺ أن يُرِيَهُمْ آيةً فَآراهُمْ الْقَمرْ شَقّتَيْنَ حَتى رأوُوْا حِراءَ بَيْنهُمَا))[5]

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ انہیں کوئی نشانی دکھائیں تو پس آپ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا یہاں تک کہ انہوں نے "جبل حرا" کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

اس حدیث میں بھی کوئی بھی نشانی دکھانے کے مطالبے کا ذکر ہے تو آپ ﷺ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے۔ ابن کثیر نے بھی شق القمر کی مناسبت سے مختلف روایات کو نقل کیا ہے اور آغاز میں یہ جملہ لکھا ہے: "سأل أهل مكة النبيﷺ آيةً"[6] ترجمہ: اہل مکہ نے نبی ﷺ سے کسی نشانی کا سوال کیا۔

امام آلوسی اولاً یہ روایت لائے ہیں کہ اہل مکہ نے آپ سے کسی نشانی معجزہ کو دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ نے

1۔ ابن عطیہ، **المحرر الوجیز**، 5/211/۔ الثعلبی، الکشف البیان، 6/3

2۔ ایضاً

3۔ القمر: 2

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 6/177

5۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المناقب الانصار، باب انشقاق القمر، ح 3868/۔ کتاب التفسیر، باب وانشق القمر، ح 4867

6۔ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 7/472

انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور محققین کا حوالہ دیتے ہوئے ایک اور روایت نقل کی ہے:

((وفی الصحیحین و غیرھما من حدیث ابن مسعود: اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلیٰ عَھْدِ رَسول الله ﷺ فِرْقَتَیْنِ، فِرْقَة علی الجبل و فرقة دونه، فَقَالَ رسولُ الله ﷺ اشْھَدُوْا))[1]

ترجمہ: بخاری و مسلم اور ان کے علاوہ میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا، پہاڑ کی ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو گواہ ہو جاؤ۔

مذکورہ حدیث میں صرف پہاڑ کا ذکر ہے جب کہ دوسری حدیث جس کا حوالہ گزر چکا ہے میں جبل حراء کا ذکر ہے۔ ابن عطیہ نے شق القمر کا تذکرہ صحیح احادیث کے حوالے سے دینے کے بجائے ثعلبی کے حوالے سے دیا ہے اسی طرح ابو السعود نے روایت کو بلا حوالہ نقل کیا ہے جو کہ اگرچہ صحیح ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ آپ ﷺ کا معجزہ شق القمر صحیح روایات سے ثابت ہے اور صحیح روایات میں یہ ہے کہ مشرکین نے آپ ﷺ سے مطلقاً کوئی بھی معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا تھا جب کہ امام آلوسی نے ایک اور روایت کا حوالہ اس انداز سے دیا ہے "عن ابن عباس من وجهٍ ضعفٍ الخ "کہ ابن عباس سے ضعیف طرق سے مروی ہے اس روایت میں ہے کہ مشرکین کے چند سرداروں الولید بن المغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل وغیرہم نے آپ سے یہ مطالبہ کیا تھا "فقالو اللبنی ﷺ: ان کنت صادقاً فشق لنا القمر فرقتین"[2]

ترجمہ: انہوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے لئے چاند کے دو ٹکڑے کر دیجئے۔

اس روایت میں جو کہ ضعیف ہے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کا ذکر ہے جب کہ صحیح میں مطلقاً کوئی بھی نشانی دکھانے کا ذکر ہے۔ بنظر غائر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا چاند کو ہی دو ٹکڑے کرنے کا اشارہ کرنا اس امکان کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ سے مطالبہ بھی یہی کیا گیا تھا اور دوسرا اتمام حجت اس طرح زیادہ ہوتا ہے جب مطالبے کے مطابق نشانی معجزہ کا ظہور ہو اس کے اثرات زیادہ ہو سکتے ہیں اس لئے اگرچہ صحیح روایات میں اس کا تذکرہ نہیں ہے مگر قیاس کی بنا پر اسے بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔

المختصر شق القمر کا معجزہ آپ ﷺ کی رفعتوں اور عظمتوں کا امین ہے اور "حدیث و سیرت کے تمام امہات المصادر میں اسے نبی اکرم ﷺ کے معجزے کے طور پر ہی ذکر کیا ہے"[3]۔ یہ آپ ﷺ کا عظیم الشان معجزہ تھا۔

1۔ الآلوسی، روح المعانی، 27/175/۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المناقب، باب سوال المشرکین أن یریهم النبی آیۃ، ح 3636- 363- 3638/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب صفۃ القیامۃ، باب انشقاق القمر، ح 2800- 2801- 2802

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، 27/176

3۔ عبد الرشید، **شق قمر سے متعلق**

مفسرین و محدثین کی آراء کا تحقیقی جائزہ، معارف اسلامی (AIOU)، جلد 19، شمارہ 1، (جنوری تا جون 2020)، ص 167

4۔چند دیگر معجزات

اللہ تعالیٰ نے دیگر رسولوں کو بھی معجزات عطا فرمائے جیسے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے حوالے سے ارشاد فرمایا:﴿وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

ترجمہ:اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں۔

حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو ان انعامات کی یاد دلا رہے ہیں جو اللہ نے ان پر کیے تھے۔اسی ضمن میں ابن عطیہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات کا تذکرہ کرتے ہیں:

"فقال مجاهد المن و السلوىٰ الحجر [البحر] والغمام' وقال غيره كثرة الانبياء"[2]

ترجمہ:مجاہد نے کہا من وسلویٰ اور سمندر کا پھٹ جانا اور بادل کا سایہ اور آپ کے علاوہ بھی کسی کا قول ہے کہ آپ میں بہت انبیاء بھیجے۔

اسی آیت کے تحت ابن عطیہ آپ ﷺ کے معجزات کا بھی ذکر کرتے ہیں:

" لأن أمةمحمدقدأو تيت من آيات محمدﷺأكثرمن ذٰلک قد ظلل رسول الله ﷺبغمامة قبل مبعثه وكلمته الحجارة والبهائم وأقبلت اليه الشجرة وحن الجذع و نبع الماء من بين أصابعه وشبع كثيرمن الناس من قليل الطعام ببركته وانشق له القمر"[3]

ترجمہ:بے شک امت محمدیہ کا یہ بھی اعزاز ہے کہ محمد ﷺ کو اس سے زیادہ نشانیاں عطا کی گئیں بعثت سے قبل آپ ﷺ پر بادل سایہ فگن ہوتا تھا۔[4] آپ ﷺ سے پتھروں[5] اور جانوروں نے کلام کیا[6]۔درخت آپ کی طرف چل کر آئے[7]۔کھجور کا تنا آپ کی

1۔المائدہ:20

2۔ابن عطیہ،**المحرر الوجیز**،2/173

3۔ایضاً

5 -واقعے کی استنادی حیثیت درست نہیں ہے(صابر اللہ،**بعثت نبوی سے قبل کے بعض واقعات کا تجزیاتی مطالعہ**،فکر و نظر۔۔۔اسلام آباد،جلد:57،شمارہ 2-14،ص122)

5۔حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک مکہ میں ایک پتھر ہے جو مجھے بعثت کی راتوں میں سلام کرتا تھا میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں (الترمذی،**السنن**،کتاب المناقب'باب فی آیات اثبات نبوۃ النبی ﷺ،ح3624،حدیث حسن)/۔اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ہم مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ مکہ کے گردونواح میں گئے تو راستے میں جو پتھر اور درخت آپ کے سامنے آتا تو وہ کہتا" السلام علیک یا رسول اللہ (الترمذی،**السنن**،کتاب المناقب'باب فی آیات اثبات نبوۃ النبی ﷺ،ح3626،حدیث غریب)

6۔آپ ﷺ ایک دفعہ انصاری کے گھر تشریف لے گئے تو وہاں اونٹ نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو رو پڑا تو آپ ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا پھر آپ نے اس کے مالک کو بلایا اور کہا کہ اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور بہت زیادہ کام لیتے ہو (ابو داؤد،**السنن**،کتاب الجہاد'باب مایؤمر بہ من القیام علی الدواب،ح2549،اسنادہ صحیح)

7۔مروی ہے کہ ایک غزوہ میں آپ ﷺ رفع حاجت کے لئے گئے تو کشادہ جگہ میں پردے کا انتظام نہ پایا تو وادی کے کنارے پر دو درخت تھے آپ نے انہیں کہا کہ اللہ کے اذن سے جڑ جاؤ اور وہ جڑ گئے تو وہ دونوں اپنے سابقہ مقام پر جا کر کھڑے ہو گئے(مسلم،**الجامع الصحیح**،کتاب الزہد والرقائق'باب حدیث جابر الطویل،ح3012)

جدائی کے فراق میں رویا[1] اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جاری ہوا[2]۔ آپ کی برکت سے تھوڑا سا کھانا بہت سے لوگوں نے سیر ہو کر کھایا[3] اور آپ کے لئے چاند دو ٹکڑے ہوا۔

ابن عطیہ نے ایک ہی پیرائے میں آپ ﷺ کے ایسے عظیم الشان معجزات کا تذکرہ کیا جو آپ سے پہلے کسی اور نبی کو نہیں عطا کئے گئے۔ قاضی ابو السعود نے مذکورہ آیت کے تحت ابن عطیہ کے بیان کردہ معجزات کے مطابق کوئی بھی روایت نقل نہیں کی ہے لیکن عمومی انداز میں آپ ﷺ کو معجزات عطا کئے جانے پر مختلف مقامات پر ان کو قلم بند کیا ہے:

''ولم یذکر معجزتهؑ فی القرآن العظیم کما لم یذکر اکثر معجزات النبی ﷺ''[4]

ترجمہ: شعیبؑ کے معجزہ قرآن عظیم میں ذکر نہیں کیا گیا جس طرح نبی ﷺ کے اکثر معجزات قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔

جیسے ابن عطیہ نے آپ ﷺ کے معجزات کی جس فہرست کو بیان کیا ہے وہ قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔ اس آیت:

﴿قَدْ جَآءَ تْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾[5]

ترجمہ: بے شک آگئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔

اس آیت میں یہ تو بیان ہوا ہے کہ حضرت شعیبؑ کو معجزہ دیا گیا مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ معجزہ کون سا تھا اور ابو السعود کے بقول ایسے ہی آپ ﷺ کے اکثر معجزات کا تذکرہ قرآن میں مرقوم نہیں ہے ابو السعود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کو بہت معجزات دیئے گئے ہیں۔

ابو السعود اس آیت:

1۔ آپ ﷺ جمعہ کے دن جب منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کا وہ تنا جس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے رو پڑا یہاں تک کہ پھٹنے کے قریب ہو گیا یہ دیکھ کر آپ ﷺ منبر سے اترے اسے گلے سے لگایا تھپکی دے کر چپ کرایا یہاں تک کہ اسے سکون آ گیا (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب البیوع، باب النجار، ح 1989/۔ کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، ح 3391-3392

2۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ نے پانی کی کمی کے حوالے سے عرض کیا تو آپ نے چھاگل منگوا کر اس کے اندر ہاتھ رکھا تو پانی انگلیوں کے درمیان سے جوش مار کر نکلنے لگا اور اس سے چودہ سو صحابہ نے وضو کیا اور وہ ختم نہ ہوا (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، ح 3383/۔ کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیہ، ح 3921-3923

3۔ غزوہ خندق کے موقع پر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے گھر یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ تھوڑا سا کھانا ایک ہزار کی تعداد میں صحابہ نے تناول فرمایا تھا (البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق، ح 4102/۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الاشربة، باب جواز استتباعه، ح 2039/۔ احمد بن حنبل، **المسند**، ح 15028، حدیث صحیح

4۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 2/589

5۔ الاعراف: 85

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ﴾[1]

ترجمہ: یہ وہ ہیں جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے۔

کی تفسیر کرتے ہوئے لفظ "النبی" کے تحت لکھتے ہیں:

"ای صاحب المعجزة"[2]

ترجمہ: یعنی آپ ﷺ صاحب معجزہ ہیں"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"والحال أنهم لا يبصرونک حق الابصار تنبيهاً علىٰ أن ما فيهﷺ من شواهد النبوة ودلائل الرسالة من الجلا"[3]

ترجمہ: حقیقت حال یہ ہے کہ وہ مشرکین آپ کو حق کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات میں شواہد نبوت اور رسالت کے دلائل معجزات واضح ہیں۔

قاضی ابو السعود نے یہاں معجزات کے لئے "دلائل" کا لفظ استعمال کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ معجزہ نبوت ورسالت کی صداقت پر ہی دلالت کرتا ہے اسی طرح شاہد سے مراد آپ کے دست حق پرست پر ظاہر ہونے والے معجزات ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّه وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾[4]

ترجمہ: تو کیا وہ شخص انکار کر سکتا ہے جس کے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس کے پیچھے ایک سچا گواہ بھی آگیا ہو۔

اس آیت میں لفظ شاہد کی تفسیر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"أن يراد بالشاهد المعجزات الظاهرة على يدى رسول اللهﷺ"[5]

ترجمہ: شاہد سے مراد وہ معجزات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے ہیں۔

﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾[6]

ترجمہ: وہ پہنچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو۔

مذکورہ آیت میں نعمت اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے آپ تحریر کرتے ہیں:

1۔ الاعراف: 157

2۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/41

3۔ ایضا، 76

4۔ ھود: 17

5۔ ابو السعود، **ارشاد العقل السلیم**، 3/329

6۔ النحل: 83

"نعمة اللہ تعالیٰ نبوۃ محمد ﷺعرفوھا بالمعجزات"[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نعمت محمد ﷺ کی نبوت ہے انہوں (مشرکین) نے آپ کی نبوت کو معجزات کے ذریعے سے پہچان لیا تھا۔

گویا نبوت کی معرفت کروانے میں معجزہ کا کردار بہت اہم ہوتا ہے ایک اعتبار سے حقیقت نبوت کا مظہر معجزہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بعض لوگ ایمان نہیں لاتے تو ان کے انکار کا سبب محض بغض وعناد ہوتا ہے۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ قاضی ابوالسعود نے معجزہ کا نام ذکر کئے بغیر ایک اور پہلو سے معجزات کی اہمیت کو بیان کیا ہے جب کہ ابن عطیہ نے ایک مقام پر جامع انداز میں آپ سے ظاہر ہونے والے چند معجزات کے نام گنوائے ہیں اور سیرت کے باب میں معجزات پر بحث اس لئے اہم ہے کہ صاحب سیرت آپ ﷺ نبوت ورسالت کی بنیاد پر لائق اطاعت واتباع ہیں اور آپ کی نبوت ورسالت پر معجزہ دلالت ورہنمائی کرتا ہے آپ کے وجود اقدس سے ظاہر ہونے والے معجزات کی ایک طویل فہرست ہے مگر چند معجزات کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا کہ تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود میں صرف اس نوعیت کا تذکرہ ہے اسی لئے ان کو بنیاد بنا کر یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ دلائل ومعجزات کا تعلق سیرت کی تفہیم میں اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ سیرت کا تعلق آپ ﷺ کی نبوت ورسالت سے ہے اور معجزات آپ کی نبوت کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں اس لئے معجزات کے مطالعہ سے آپ کی سیرت کے ساتھ گہری وابستگی اور عملی پیرائیگی آسان ہو جاتی ہے اور اس وقت آپ کی سیرت اور اسوہ کی خوشہ چینی از حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے دامن سے کامل وابستگی نصیب فرمائے آمین۔

1۔ ابوالسعود، **ارشاد العقل السلیم**، 4/89

خاتمۃ البحث

خلاصہ بحث

نتائج بحث

سفارشات

حاصلات

فہارس

خلاصۃ البحث

مقالہ ہذا مقدمہ، پانچ ابواب، خلاصۃ البحث، نتائج و سفاشات اور فہارس پر مشتمل ہے۔ باب اول میں ابن عطیہ اور قاضی ابو السعود کے احوال و آثار، ان کی تفاسیر کے مقام و مرتبہ اور ان کے اصول و مناہج پر بحث کی گئی ہے۔ ابن عطیہ شہرہ آفاق تفسیر "المحرر الوجیز" کے مؤلف ہیں جو کہ صحیح قول کے مطابق 488ھ 1088ء اندلس کے شہر غرناطہ میں پیدا ہوئے اور 541ھ 1147ء کو وفات پائی۔ آپ کا فقہی مذہب مالکی تھا آپ کی تفسیر روایت و درایت کو جامع ہے اور تفسیر بالماثور رجحان کی نمائندہ ہے اور اس میں سیرت مصطفیٰ ﷺ پر لائق تحقیق مواد موجود ہے اور تفسیر بالروایۃ و الدرایۃ کے اصول و مناہج تفسیر مذکور میں موجود ہیں۔ دوران تفسیر سبب نزول لغت و نحو اور ناسخ و منسوخ کے علوم سے بھی استفادہ کیا ہے۔

قاضی ابو السعود تفسیر "ارشاد العقل السلیم" کے مؤلف ہیں آپ کی تاریخ ولادت صحیح قول کے مطابق 898ھ 1490ء اور وفات 982ھ 1574ء کو ہوئی۔ جلالت علمی کے باعث شیخ الاسلام اور خطیب المفسرین جیسے القابات جلیلہ سے موسوم ہوئے آپ کی تفسیر بلاغی اسرار و موز اور دیگر علوم کی جامع تفسیر ہے اور آپ کا اسلوب تحریر عمیق و دقیق ہے۔ آپ نے مباحث سیرت کے اصول و مناہج میں دیگر مفسرین کا ہی تتبع کیا ہے مختلف روایات کو نقل کرتے وقت ان کے ماخذ کا تذکرہ اور ان کی صحت و ضعف پر حکم اس سے آپ کی تفسیر تقریباً تہی دست ہے اور اسی طرح مختلف اقوال کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے اور باہم تجزیہ کرنے میں بھی آپ کا رجحان کم تھا۔

مقالہ ہذا کے باب دوم کی فصل اول میں ولادت تا بعثت مباحث مصطفیٰ ﷺ سیرت کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ قرآن مجید یہ واضح کرتا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کی بشارات سابقہ الہامی کتب میں مذکور ہیں۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت صحیح قول کے مطابق عام الفیل ماہ ربیع الاول بروز پیر کو ہوئی۔ آپ ﷺ کی ولادت عالی قدر نسب میں ہوئی۔ آپ ﷺ نے یتیمی کی حالت میں اس جہان فانی میں آنکھیں کھولیں۔ آپ ﷺ نے کسب معاش میں گلہ بانی اور تجارت کی۔ آپ ﷺ کا کردار قبل از بعثت بھی گناہ سے معصوم اور پاکیزہ تھا۔

فصل دوم میں حضور ﷺ کے اعلان نبوت سے لے کر خفیہ دعوت تک کے دور کو زیر بحث لایا گیا ہے قرآن مجید کے نزول سے چھ ماہ پہلے آپ ﷺ کو سچے خوابوں کے ذریعے پیغام حق دیا جانے لگا۔ جبریلؑ قرآن مجید کی پہلی وحی سورۃ اقراء کی پانچ آیات لے کر نازل ہوئے اور صحیح قول کے مطابق اس وقت رمضان المبارک کی 21 تاریخ تھی۔ اور جب یہ منصب ملا تو آپ ﷺ نے تین سال تک خفیہ طریق سے دعوت حق کو پہنچایا۔

تیسری فصل میں اعلانیہ دعوت کے دور سے لے کر ہجرت حبشہ تک کے مباحث کو زیر تحقیق لایا گیا ہے آپ ﷺ کو جب اللہ تعالی کی طرف سے یہ اذن ملا کہ علی الاعلان لوگوں کو دعوت حق دیں تو آپ نے اس سلسلہ کا

آغاز اپنے قرابت داروں سے کیا پھر کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی قوم کے دیگر افراد کو یہ دعوت دی جہاں سے پھر مصائب و آلام کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوا اور جب آپ کے متبعین پر مصائب کے پہاڑ توڑے جانے لگے تو آپ نے انہیں حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی کیوں کہ حبشہ کا فرمانرواشاہ نجاشی ایک عادل اور منصف مزاج حکمران تھا۔

چوتھی فصل میں سماجی مقاطعہ سے لے کر بیعت عقبہ ثانیہ تک کے مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے تین سال آپ ﷺ نے اپنے خاندان اور اہل ایمان کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصوری کی صورت میں گزارے۔ نبوت کے دسویں سال کے بعد آپ نے دعوت حق کا سلسلہ دیگر قبائل تک پہنچانے کا بھی آغاز کیا جس کا ایک اظہار حج کے موسم میں دور دراز سے تشریف لانے والوں کو بھی دعوت حق دینے سے ہوتا ہے جس میں انتہائی اہم بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ کے موقع پر مدینہ سے تشریف لانے والے انصار کو دعوت دینے اور ان کا اسے قبول کرنا ہے۔

باب سوم تین فصول پر مشتمل ہے اور اس باب میں مدنی دور رسالت کے مباحث سیرت 1 ہجری تا 5 ہجری کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ جب اہل مکہ کا جور وجفا اس نہج کو پہنچ گیا کہ وہ آپ ﷺ کی زندگی کے چراغ کو گل کرنے کی منصوبہ بندی کرنے لگے تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوئے مدینۃ المنورۃ ہجرت کا اذن مل گیا۔ مدینۃ طیبہ میں تشریف آوری کے بعد مہاجرین وانصار کو سلسلہ اخوت میں جوڑ کر تاریخ انسانیت میں عدیم النظیر مبارک کام سرانجام دیا جو کہ مؤاخات مدینہ کے نام سے معروف ہے۔ آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کی لئے عبد اللہ بن جحش کو آٹھ افراد کے ساتھ بھیجا اس سفر کو سریہ عبد اللہ بن جحشؓ کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس کے بعد ہجرت کے دوسرے سال ماہ رجب کے نصف میں تحویل قبلہ یعنی کعبہ معظمہ کو قبلہ بنائے جانے کا حکم صادر ہوا۔

فصل دوم میں غزوات: بدر، قینقاع، احد اور حمراء الاسد کو زیر بحث لایا گیاہے۔ غزوہ بدر یہ معرکہ حق وباطل سترہ رمضان دو ہجری کو پیش آیا اس کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو "یوم الفرقان" کہا ہے۔ اسی اثنا میں یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کی بدعہدی کی وجہ سے آپ ﷺ نے ہجرت کے دوسرے سال نصف شوال کو بنو قینقاع کا محاصرہ کیا جو پندرہ روز تک جاری رہا آخر کار انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور ان کو جلاوطن کر دیا گیا اس کے بعد غزوہ احد تین ہجری کو رونما ہوتا ہے جس کی تاریخ اسلام میں انتہائی اہمیت ہے۔ جنگ کے دوسرے مرحلہ میں مسلمان تیر اندازوں کی چوٹی سے ہٹنے کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ ہار جاتے ہیں اور ستر مسلمان شہید ہو جاتے ہیں۔ اور غزوہ حمراء الاسد بنیادی طور پر غزوہ احد کا ہی تتمہ ہے۔

فصل سوم میں غزوات: بنو نضیر، بنو المصطلق المریسیع، احزاب خندق اور بنو قریظہ کو زیر بحث لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ فرمادیا بنو نضیر نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی منصوبہ بندی کی ان کو اس مذموم حرکت

پر سزا دینے کیلئے ربیع الاول چار ہجری اگست 625ء کو آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا جو اکیس دن تک جاری رہا اور آخر کار وہ صلح پر آمادہ ہو گئے اور ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔ بعد ازاں صحیح قول کے مطابق شعبان پانچ ہجری کو غزوہ بنی المصطلق المریسیع کے مقام پر پیش آیا۔ اس کے بعد پانچ ہجری میں ہی غزوہ احزاب خندق پیش آیا جس میں جلاوطن بنو نضیر کے سرداروں نے قریش اور ان کے حلیف قبائل کو متحد کر کے بارہ ہزار افراد پر مشتمل پوری جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا لیکن آپ ﷺ نے خندق کھود کر ان کے عزائم کو خاک آلود کر دیا۔

باب چہارم تین فصول پر مشتمل ہے فصل اول میں صلح حدیبیہ اور غزوہ خیبر کے اسباب و واقعات کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے کہ جب آپ ﷺ کا قافلہ عمرہ کے ارادہ سے حدود حرم کے پاس حدیبیہ کے مقام پر پہنچتا ہے تو قریش کی طرف سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ آپ عمرہ نہیں کر سکتے اس بناء پر جنگ کا ماحول بن جاتا ہے قریش کو جب یہ خبر ملتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ جنگ کیلئے تیار ہو گئے ہیں تو وہ نرم پڑ جاتے ہیں اور اب فضا ایسی ساز گار ہو جاتی ہے کہ قریش جو کہ اس سے قبل مصالحت کیلئے تیار نہیں تھے تیار ہو جاتے ہیں اس طرح سہیل بن عمرو کے ساتھ ایسی شرائط پر صلح ہو جاتی ہے جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف نظر آتی ہیں لیکن بعد ازاں دس سالہ جنگ بندی کے معاہدہ کے دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ادھر جب قریش سے معاہدہ جنگ بندی ہو جاتا ہے تو آپ نے خیبر کو فتح کرنا چاہا جو کہ یہودی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے انتہائی رازداری کے ساتھ اچانک یہود خیبر پر حملہ کر دیا جس سے وہ حواس باختہ ہو جاتے ہیں چودہ دن کے محاصرے کے بعد یہود نے جان بخشی کی درخواست کی کہ وہ خیبر چھوڑ کر چلے جائیں گے آپ نے اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ وہ سونا، چاندی اور اسلحہ چھوڑ کر جائیں گے اور اس طرح خیبر کا علاقہ زرعی زمینوں اور باغات کے ساتھ آپ ﷺ کے زیر دست آجاتا ہے۔

فصل دوم میں فتح مکہ اور غزوہ حنین کے اسباب و واقعات کو زیر تحقیق لایا گیا ہے صلح حدیبیہ کے موقع پر دس سال کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا۔ لیکن قریش نے دس سالہ جنگ کا معاہدہ خود توڑ دیا جس پر بعد میں وہ پچھتاتے بھی ہیں تو یوں مکہ پر حملہ کرنے کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ دس ہزار افراد کا لشکر لے کر آٹھ ہجری کو ماہ رمضان میں عازم سفر ہوتے ہیں اور سترہ رمضان المبارک کو مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتے ہیں قریش آپ سے معرکہ آراء ہونے کی جرأت نہ کر سکے اس موقع پر آپ ﷺ نے تاریخ ساز کلمات ''آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے'' کے ذریعے ان کے دلوں کو بھی تسخیر کر لیا۔

فصل سوم میں غزوہ تبوک، حجۃ الوداع اور آپ ﷺ کے وصال مبارک پر بحث کی گئی ہے غزوہ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے یہ جنگی حکمت عملی اپنائی کہ مدینہ میں رہ کر لڑنے کی بجائے شام کی سرحد پر جا کر ان سے لڑا جائے اس سلسلہ میں سن 9 ہجری ماہ رجب کو تیس ہزار افراد کا لشکر لے کر تبوک کی جانب روانہ ہوتے ہیں اس غزوہ

کی اہم بات یہ بھی تھی کہ یہ تنگی اور عسرت کے دور میں واقع ہوا اس وجہ سے اس غزوہ کا ایک نام "غزوۃ العسرۃ" بھی ہے۔ یہ جو آپ ﷺ کا آخری غزوہ تھا اس میں باضابطہ جنگ کی نوبت نہ آسکی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کی جمعیت کا مشاہدہ کروایا تاکہ آپ اپنی کوشش کے ثمرات کو بچشم خود ملاحظہ کرسکیں اور آپ نے عرفات کے میدان میں اس موقع پر تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے آپ ﷺ 12 ربیع الاول 632ء بروز پیر کو اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور پیش ہوگئے۔

باب پنجم تین فصول پر مشتمل ہے فصل اول میں آپ ﷺ کے شمائل مبارکہ خَلق وخُلق کی عظمتوں کا بیان ہے شمائل کا اطلاق عادت، طبیعت اور سیرت کے علاوہ بطور مجاز آپ ﷺ کے حلیہ مبارک پر بھی ہوتا ہے آپ ﷺ سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت قدوقامت کے مالک تھے آپ جب کسی بات پر خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک چاند کا ٹکڑا لگتا آپ ذاتی شرف اور حسب ونسب میں بلند تر مقام کے حامل تھے۔ آپ کی ذات بابرکات کا اسوہ زندگی کی تمام شعبہ جات میں رہنمائی کرتا ہے۔ آپ کی شان رحمت عالم گیر و آفاقیت کی حامل ہے۔ آپ کے شمائل کا تذکرہ آپ سے محبت وعقیدت، تعظیم وتوقیر اور اطاعت واتباع کے جذبات کو جلا بخشتا ہے۔

فصل دوم میں آپ ﷺ کے خصائص کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امتیازی اوصاف اور خصائص مبارکہ عطا فرمائے ہیں جن کی بدولت آپ ﷺ تمام مخلوقات میں منفرد مقام رکھتے ہیں آپ افضل الرسل ہیں قرآن مجید نے جہاں آپ کے خصائص کو بیان کیا ہے وہاں آپ ﷺ نے بذات خود ان چھ امور کا تذکرہ کیا جو فقط آپ کا خاصہ ہیں مثلاً بعثت عامہ، ختم نبوت، مال غنیمت کی حلت، تمام روئے زمین کا مسجد ہونا علاوہ ازیں "خیر الامم" امت عطا کی رعب کے ذریعے آپ ﷺ کی مدد کی گئی۔ محفوظ کتاب وشریعت، مقام محمود پر فائز ہونا اور رفعت ذکر اور اعطائے کوثر جیسے خصائص مبارکہ سے بھی نوازا گیا۔

فصل سوم میں آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت پر دلائل اور معجزات عطا فرمائے جانے کو قلم بند کیا گیا ہے۔ معجزہ ایسے خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جو کسی نبی کی سچائی پر صداقت کی مہر ثبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات بھی عظیم الشان عطا فرمائے۔ قرآن آپ کا ایسا علمی اور دائمی معجزہ ہے جو تاقیام قیامت آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتا رہے گا۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کے معجزات کی عالی شان قدر کا اجمالی تذکرہ ہے۔ آپ کے معجزات میں سے معراج النبی ﷺ اور شق صدر کا واقعہ مرقوم ہے۔ علاوہ ازیں چند دیگر معجزات بھی عطا فرمائے مثلاً کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، درختوں کا آپ کی بات ماننا، کھجور کے تنے کا آپ کے فراق میں رونا اور تھوڑا سا کھانا صحابہ کی کثیر تعداد کو کافی ہونا وغیرہ وغیرہ۔

نتائج Conclusions

1. تفسیر المحرر الوجیز اور تفسیر ابی السعود مشہور و معروف اور علماء کے مابین متداول تفاسیر ہیں۔
2. تفسیر المحرر الوجیز تفاسیر بالماثورہ (روایتی) رجحان کی نمائندہ اور متداول تفسیر ہے۔ ابن عطیہ نے مباحث سیرت کی تفسیر کرتے وقت جمہور مفسرین کے اصول و مناہج کو مد نظر رکھا ہے. آپ دوران **تفسیر "وعليه الجمهور"** ان کلمات کے ذریعے اپنی بات کی توثیق کرتے ہیں۔
3. تفسیر ابی السعود کتب تفاسیر میں اہم مقام رکھتی ہے جس کی شہرت بلاغت قرآنی کی مناسبت سے تفسیر کی ہے کلامی مباحث پر بھی علمی بحثیں کی ہیں مگر اس کے باوجود اس میں روایات و مباحث سیرت کا لائق تحقیق مواد موجود ہے آپ نے بالعموم جمہور علماء کے مطابق بحث کی ہے۔
4. ابن عطیہ روایات کو نقل کرتے وقت بعض اوقات ماخذ کا حوالہ اس پر صحت و ضعف کا حکم بھی لگاتے ہیں جیسے آپ اس بات کی توضیح میں لکھتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں نے پہلے پانی کی جگہ پر پڑاؤ ڈال لیا تھا"**والصحیح من القول وهو الذى فى سيرة ابن اسحٰق**"اور اس موقف پر کہ فرشتوں نے بدر میں بالفعل جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا تبصرہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں"**وهذا ضعيف**"اس کے علاوہ یہ اسلوب آپ اپناتے ہیں''**ومما يضعف هذا أن فى صحيح البخارى و مسلم**'' **وهو مروى فى البخارى و مسلم**''و **فى كتاب التفسير من صحيح البخارى**''**ثبت فى صحيح البخارى**''اوراس کے علاوہ کئی جگہوں پر''**وفى صحيح البخارى**''اور بعض اوقات صحاح ستہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں''**وفى هذا المعنى احاديث صحاح**''**وهى مشهورة فى الكتب الصحاح**'' جبکہ قاضی ابوالسعود عموماً تحکیم و تخریج سے گریز کرتے ہیں لیکن آپ نے دوران تفسیر صحیح روایات و آثار کو نقل کرنے کا خوب اہتمام کیا ہے۔
5. ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود نے سابقہ الہامی کتب میں آپ ﷺ کے تذکار جمیل کے منقول ہونے پر علمی بحثیں کی ہیں۔
6. ابن عطیہ نے آپ ﷺ کا کوہ صفاء پر دعوت دینے سے قبل اپنے گھر میں دو مرتبہ اہل خاندان کو ضیافت کا اہتمام کرتے ہوئے دعوت دینے کی حکمت عملی کو بیان کیا ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے کوہ صفاء پر دعوت دی اور ابو السعود نے صرف کوہ صفاء کی دعوت کا ہی ذکر کیا ہے جب کہ صحیح بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اعلان عام کرنے سے قبل گھر میں ضیافت کا اہتمام کرتے ہوئے دعوت پیش کی تھی۔
7. بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ پر ابن عطیہ نے قاضی ابو السعود کی نسبت زیادہ بحث کی ہے۔

8۔ سریہ عبداللہ بن جحش خبر گیری کے نظام کو مستعد رکھنے کا پیغام دیتا ہے جیسے قاضی ابوالسعود کہتے ہیں کہ اس سریہ کا مقصد قریش کے حالات سے باخبر رہنا تھا۔

9۔ غزوہ بدر کے مختلف پہلوؤں پر ابن عطیہ اور قاضی ابوالسعود دونوں نے جمہور علماء کے مطابق بحثیں کرتے ہوئے صحیح روایات کو رقم فرمایا ہے۔

10۔ جنگی اور دیگر مہمات میں اطاعت امیر اور نظم و نسق کی پابندی لازمی ہے ورنہ نقصان ہو سکتا ہے جیسے غزوہ احد میں ہوا۔ ابوالسعود اس موقع پر فرشتوں کی مدد کو "ان تصبرو و تتقوا" سے مشروط کرتے ہیں جو اس غزوہ میں بعض حضرات میں مفقود تھی جس وجہ سے مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا تھا اگرچہ دیگر صحابہ کرام کی جانب سے خوب داد شجاعت دی گئی اور جذبہ جانثاری کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

11۔ غزوہ احزاب اپنی نوعیت کا منفرد غزوہ تھا جس نے قریش مکہ کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا جس کے بعد وہ حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ابن عطیہ نے آپ ﷺ کی جدید جنگی حکمت عملی خندق کھودنے کو قریش اور ان کے حلیف قبائل کی شکست کا سبب قرار دیا ہے۔

12۔ آپ ﷺ کی تعلیمات بہر صورت معاہدہ امن و صلح کو ترجیح دینے کا سبق دیتی ہیں جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر بظاہر سخت شرائط کے باوجود آپ نے معاہدہ امن کو قائم کیا۔ اس معاہدہ کے دوررس نتائج کی وجہ سے ابن عطیہ نے اسے "**الفتح الاعظم**" اور ابوالسعود نے "**اعظم الفتوح**" سے موسوم فرمایا۔

13۔ ابن عطیہ کے نزدیک فتح مکہ کے بعد دو سال کے اندر اندر پورا جزیرۃ العرب اسلام کی دولت سے معمور ہو گیا تھا اور آپ ﷺ کے ان کلمات "**لا تثریب علیکم الیوم**" نے ان کے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا۔

14۔ غزوہ تبوک حالات کی ناسازگاری کے باوجود دشمن کے سامنے سینہ سپر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور یہ غزوہ انتہائی ناسازگار ماحول اور عسرت کے زمانہ میں پیش آیا تھا اسی وجہ سے ابوالسعود لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس مہم کو پوشیدہ نہیں رکھا تھا اور اس تناظر میں ایک صحیح روایت بھی صحیح بخاری میں مروی ہے۔

15۔ شمائل مصطفیٰ ﷺ کا مطالعہ انسانی کردار کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ابن عطیہ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ذات کریم ہر مسلمان کے لئے مقتداء کی شان رکھتی ہے ابن عطیہ اور ابوالسعود دونوں نے اس موقع پر "**کان خلقه القرآن**" کی روایت نقل کی ہے۔

16 ۔ ابن عطیہ نے آپ ﷺ کے معجزات کا موازنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے کرتے ہوئے آپ ﷺ کے معجزات کو عظیم کہا ہے جب کہ قاضی ابوالسعود یہ کہتے ہیں کہ آپ کو کثیر معجزات سے نوازا گیا ہے لیکن قرآن میں ان کا تذکرہ کم ہوا ہے۔

سفارشات Recommendations

1۔ ابن عطیہ دوران تفسیر فقہی مباحث پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اس لئے آپ کے تفسیری افادات سے فقہ السیرۃ اوراس کے عصری تطبیقات پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

2۔ابن عطیہ وقائع سیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے اسباب نزول کا بھی حوالہ دیتے ہیں اس لئے اس پہلو پر اسباب نزول کے تحت وقائع سیرت کا تجزیاتی مطالعہ پر کام کی ضرورت ہے۔

3۔ قاضی ابوالسعود قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت بلاغت اور نظم وسیاق قرآنی کے مباحث کو بھی زیر تحقیق لاتے ہیں جو آپ کی بہترین کاوش ہے۔اس لئے اس امر پر بھی کام کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے دوران تفسیر مباحث سیرت کو نقل کرتے وقت جو بلاغت اور نظم قرآنی کو موضوع بنایا ہے کا تفسیر کشاف سے تقابلی و تجزیاتی مطالعہ کیا جائے۔

4-موجودہ دور میں بین الاقوامی تعلقات عامہ کے تناظر میں سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس لیے تفاسیر کی روشنی میں موضوعاتی اعتبار سے کام کیا جاسکتا ہے۔

فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست دیگر الہامی کتب

فہرست اصطلاحات

فہرست مصادر و مراجع

فہرست قرآنی آیات

نمبر شمار	آیات	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	﴿أُولٰۤئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾	البقرہ	5	90
2	﴿وَاِذَالَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا---﴾	البقرہ	14	82
3	﴿وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَاعَلٰی عَبْدِنَا---﴾	البقرة	23	360
4	﴿وَ لَا تَلْبِسُو ا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا ---﴾	البقرة	42	112
5	﴿اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ﴾	البقرہ	44	96
6	﴿اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ------﴾	البقرة	46	25
7	﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ ---﴾	البقرة	75	113
8	﴿فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ﴾	البقرة	79	113
9	﴿وَلَمَّا جَآءَ هُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ ------﴾	البقرہ	89	115-86-83
10	﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْنُنْسِهَا نَأْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ﴾	البقرة	106	69
11	﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾	البقرة	109	99
12	﴿وَاِذْیَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ الخ﴾	البقرة	127	129-121
13	﴿وَاِذْقَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾	البقرة	126	54
14	﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ---﴾	البقرة	128	128
15	﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾	البقرة	129	128-121-50
16	﴿لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾	البقرة	136	347
17	﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ﴾	البقرہ	143	80-78
18	﴿فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾	البقرہ	144	290-218-79
19	﴿وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ﴾	البقرة	149	50
20	﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾	البقرة	185	141
21	﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ ---﴾	البقرة	190	221
22	﴿کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ کُرْهٌ لَّکُمْ﴾	البقرہ	216	87
23	﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ﴾	البقرة	217	214-85-58
24	﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا﴾	البقرہ	218	198

80	238	البقرة	﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾	25
341-339	253	البقرہ	﴿تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍم ﴾	26
52	255	البقرة	﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ-اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ-----﴾	27
25-24	261	البقرة	﴿وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾	28
81	2	آل عمران	﴿اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾	29
241	12	آل عمران	﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْاسَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ --- ﴾	30
76-51	31	آل عمران	﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾﴾	31
129	33	آل عمران	﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ -﴾	32
94	71	آل عمران	﴿یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾	33
119-118	81	آل عمران	﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ ---﴾	34
328	110	آل عمران	﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ --- ﴾	35
245	121	آل عمران	﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِکَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ --- ﴾	36
247	122	آل عمران	﴿اِذْهَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا ---﴾	37
235	123	آل عمران	﴿وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾	38
91	124	آل عمران	﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ ----﴾	39
91-4	125	آل عمران	﴿بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ ----- ﴾	40
97	128	آل عمران	﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ﴾	41
247	140	آل عمران	﴿اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُه﴾	42
127-83-56	144	آل عمران	﴿وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ﴾	43
51	145	آل عمران	﴿وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ﴾	44
346-65	151	آل عمران	﴿سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْاالرُّعْبَ ﴾	45
334-93	159	آل عمران	﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾	46
50	161	آل عمران	﴿وَمَاکَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ--الخ﴾	47
60	166	آل عمران	﴿وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ ----﴾	48
66	169	آل عمران	﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾	49
249	172	آل عمران	﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنم بَعْدِ ---﴾	50

51	﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾	آل عمران	179	51
52	﴿هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا----﴾	آل عمران	195	199-198
53	﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾	النساء	33	210
54	﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ م بِشَهِيْدٍ ---﴾	النساء	41	351-342-77
55	﴿فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ﴾	النساء	69	97
56	﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾	النساء	80	78
57	﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْکَ مِنْ قَبْلُ﴾	النساء	164	90
58	﴿لَا تُحِلُّوْا ----- وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ ﴾	المائدۃ	2	100-71
59	﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾	المائدہ	3	314-84
60	﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ﴾	المائدہ	4	88
61	﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَاللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِىْ ----﴾	المائدۃ	7	191-84-57
62	﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْبًا﴾	المائدۃ	12	193-191
63	﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُااللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُه﴾	المائدۃ	18	76-52
64	﴿وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾	المائدہ	20	371
65	﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ ---﴾	المائدۃ	42	101-71
66	﴿اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾	المائدۃ	49	101-71
67	﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَالَّذِيْنَ ----﴾	المائدۃ	55	53
68	﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ﴾	المائدہ	67	175
69	﴿وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ ﴾	المائدۃ	90	209
70	﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ﴾	المائدہ	117	77
71	﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا -----﴾	الانعام	20	111
72	﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ﴾	الانعام	26	189
73	﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَکَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ -----﴾	الانعام	33	78
74	﴿وَكَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا ---﴾	الانعام	53	170
75	﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾	الانعام	90	344
76	﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا--الخ ﴾	الاعراف	73	311

77	﴿قَدْ جَآءَ تْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾	الاعراف	85	372
78	﴿وَلَقَدْ جَآءَ تْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ---- ﴾	الاعراف	101	359
79	﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾	الاعراف	157	373-107-89
80	﴿قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾	الاعراف	158	343
81	﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ﴾	الاعراف	172	117
82	﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ م بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ---﴾	الانفال	5	225
83	﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ---﴾	الانفال	7	227-223
84	﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ --- ﴾	الانفال	9	235-61
85	﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ ---﴾	الانفال	11	230
86	﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ ---﴾	الانفال	12	346-235
87	﴿وَاِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ ---- ﴾	الانفال	30	200
88	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ---- ﴾	الانفال	36	243
89	﴿وَاعْلَمُوْآ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾	الانفال	41	144-72
90	﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ --﴾	الانفال	42	232-94-63
91	﴿اِذْيُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا وَّلَوْ --﴾	الانفال	43	232
92	﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَه اَسْرٰى ---﴾	الانفال	67	239
93	﴿وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾	الانفال	69	347
94	﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ --﴾	الانفال	75	210
95	﴿فَاقْتُلُواالْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَ جَدْ تُّمُوْهُمْ ﴾	التوبۃ	5	215-85-73-58
96	﴿قَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ ---﴾	التوبہ	25	296
97	﴿قَاتِلُواالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾	التوبۃ	29	100
98	﴿هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰى وَدِيْنِ ----﴾	التوبہ	33	344
99	﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾	التوبۃ	36	58
100	﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ --﴾	التوبۃ	40	204
101	﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا--﴾	التوبۃ	47	259

102	﴿اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ --﴾	التوبۃ	79	310
103	﴿قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُکُمْ عَلَیْهِ تَوَلَّوْا ---﴾	التوبۃ	92	309
104	﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ --﴾	التوبۃ	111	193-192
105	﴿وَمَاکَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًام بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ ﴾	التوبۃ	115	51
106	﴿لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ﴾	التوبۃ	129	93-63
107	﴿قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ﴾	یونس	2	173
108	﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِه اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾	یونس	16	136
109	﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ ﴾	یونس	26	23
110	﴿قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ﴾	یونس	108	344
111	﴿اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّه وَیَتْلُوْهُ----﴾	هود	17	373
112	﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰ نًا عَرَبِیًّا ﴾	یوسف	2	60
113	﴿مَاکَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾	یوسف	38	51
114	﴿مَا کَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ ---﴾	یوسف	76	51
115	﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَه لَحٰفِظُوْنَ﴾	الحجر	9	348
116	﴿لَعَمْرُکَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَکْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴾	الحجر	72	324
117	﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ﴾	الحجر	94	169-160
118	﴿اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِءِ یْنَ ﴾	الحجر	95	169-168
119	﴿وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْ م بَعْدِ ---﴾	النحل	41	175
120	﴿لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾	النحل	44	30
121	﴿یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ﴾	النحل	83	373
122	﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ--﴾	النحل	125	56
123	﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا --- ﴾	الاسراء	1	362
124	﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیِّنَ عَلٰی بَعْضٍ ---﴾	الاسراء	55	339
125	﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً---﴾	الاسراء	60	363
126	﴿وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ --﴾	الاسراء	76	182

127	﴿عَسٰى اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾	الاسراء	79	349
128	﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ- اِنَّ الْبَاطِلَ --﴾	الاسراء	81	294
129	﴿سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی﴾	طٰہٰ	21	45
130	﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴾	الانبیاء	107	344-331
131	﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ﴾	الحج	19	234-68
132	﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا---﴾	الحج	39	213
133	﴿اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآئَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾	المؤمنون	68	130
134	﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ--﴾	الفرقان	01	344
135	﴿وَاِنَّه لَفِیْ زُبُرِالْاَوَّلِیْنَ ﴾	الشعراء	196	110
136	﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾	الشعراء	214	160-157-156
137	﴿اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾	القصص	56	188-187
138	﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیِّنَ مِیْثَاقَهُمْ ---﴾	الاحزاب	7	117
139	﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ ---﴾	الاحزاب	9	262
140	﴿اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ ---﴾	الاحزاب	10	262
141	﴿هُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا ---﴾	الاحزاب	11	265-262
142	﴿وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ---﴾	الاحزاب	12	266
143	﴿وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰاَهْلَ یَثْرِبَ ---﴾	الاحزاب	13	266
144	﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾	الاحزاب	21	328
145	﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا -- ﴾	الاحزاب	22	265
146	﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا ---﴾	الاحزاب	23	193-192
147	﴿وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ --﴾	الاحزاب	26	268-64
148	﴿وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ --﴾	الاحزاب	27	268
149	﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ ﴾	الاحزاب	28	261
150	﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ ﴾	الاحزاب	40	353-127
151	﴿فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ﴾	الاحزاب	53	334
152	﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾	سباء	28	345
153	﴿وَیَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِکُوْآ اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴾	الصافات	36	173

173	4	صٓ	﴿وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾	154
77	3	الزمر	﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾	155
176	10	الزمر	﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ- ---﴾	156
29	22	الزخرف	﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى --﴾	157
180	79	الزخرف	﴿اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ﴾	158
167	10	الدخان	﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾	159
282	1	الفتح	﴿اِنَّا فَتَحْنَالَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾	160
324-78	10	الفتح	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَکَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾	161
27	11	الفتح	﴿سَيَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ --﴾	162
286-280	18	الفتح	﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ---﴾	163
286	20	الفتح	﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِیَ﴾	164
279	25	الفتح	﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ ---﴾	165
282	26	الفتح	﴿اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَه عَلٰى رَسُوْلِه وَعَلٰى﴾	166
275	27	الفتح	﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ---﴾	167
127	29	الفتح	﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾	168
210	10	الحجرات	﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾	169
74	2	الطور	﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ ---﴾	170
174	29	الطور	﴿فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ بِكَاهِنٍ ---﴾	171
203-173	30	الطور	﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِه رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾	172
324	11	النجم	﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى﴾	173
74	39	النجم	﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾	174
368	1	القمر	﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾	175
369	2	القمر	﴿وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾	176
238-238	45	القمر	﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾	177
336	11	المجادلة	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا -﴾	178
255	2	الحشر	﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ ---﴾	179

255	5	الحشر	﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً --﴾	180
292	1	الممتحنہ	﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ --﴾	181
104	6	الصف	﴿وَمُبَشِّرًۢابِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْ م بَعْدِ اسْمُه---﴾	182
304-302	1	التحریم	﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾	183
304-302	4	التحریم	﴿اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ ﴾	184
330	4	القلم	﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾	185
173	41	الحاقۃ	﴿وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ- قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴾	186
174	42	الحاقۃ	﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ- قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾	187
145	5	المزمل	﴿اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴾	188
154-147	1	المدثر	﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾	189
154	2	المدثر	﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾	190
171	29	المطففین	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ ---﴾	191
152	3	الضحیٰ	﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴾	192
131	6	الضحیٰ	﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴾	193
134	8	الضحیٰ	﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴾	194
366-323-133	1	انشراح	﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾	195
139	1	العلق	﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ﴾	196
139	2	العلق	﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ---﴾	197
140-139	5	العلق	﴿مَالَمْ يَعْلَمْ ﴾	198
164	6	العلق	﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ﴾	199
165	9	العلق	﴿اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ﴾	200
165	10	العلق	﴿عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴾	201
165	17	العلق	﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَه ﴾	202
144-141	1	القدر	﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾	203
318-294	1	النصر	﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾	204
294	2	النصر	﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾	205

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتاب	صفحہ نمبر
1	أتد رُوْنَ مَا الْكَوثَرُ إنَّه نَهْرٌ	مسلم	357
2	أتِمُّوْ صَلَاتَكُمْ	البخاری	320
3	أحْسَنُ النَّاسِ وَجْهاً	البخاری/مسلم	325
4	أحلَّتْ لِيْ الغنَائمُ	البخاری	345
5	أنَا سَيّدُ وُلَدِ آدمَ وَلَا فَخرَ	مسلم	340
6	انَا أمة لَانحسبُ ولَانَكْتُبُ	البخاری	89
7	أنَا النبيُّ لَا كَذِبَ أنا ابنُ عَبْدِالمطَّلِب	البخاری/مسلم	299-130
8	أنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى	المسند	121
9	أنَّ أهْلَ مَكَّة سَألُوا رَسُوْلَ الله ﷺ	البخاری	369
10	أنَّ رَسُوْلَ اللهﷺسُئلَ عَنْ صَوْم الْاثْنينِ	مسلم	123
11	أنَّ لِيْ أسْماء	البخاری	105
12	أنَّ النَبِيَّ ﷺقَال: لَا يُقيمُ أحَدٌ	البخاری	337
13	أنّه سَمِعَ النَبِيَّ ﷺيَقُولُ ------أنْتُمْ تُتِمُّوْنَ	الترمذی	342
14	إنّيْ لَمْ أبْعَث لعاناً	مسلم	333
15	بُعِثْتُ لِأتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخَلَاق	سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ	330
16	وَجُعِلَتْ أمّتِيْ خَيْرَالْامَمِ	المسند	343
17	خَدَّمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشر سِنِيْنَ	البخاری/مسلم	331
18	فَخَزِنَ رَسُوْلَ الله ﷺو جَعَلَ يَعْلُوْا	البخاری	147
19	خُلُقه الْقُرْآنُ	مسلم	330
20	سُئِلَ الْبَرَاءُ أَكَانَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ السَّيْفِ	البخاری	325
21	صَلّٰى رَسُوْلَ الله ﷺو أصْحَابُهُ اِلٰى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ	المسند	219
22	فُضِّلْتُ عَلَى الْانْبياءِ بِستٍّ	مسلم	345

23	قَالَ ﷺ--فَالْتَمِسُوهَا فِى الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ	البخاری	142
24	قَالَ ﷺ-- انْطَلِقُوْا	البخاری	293
25	قَالَ ﷺ-- تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ	البخاری	142
26	قَالَ ﷺ--جُعِلَ رِزْقِىْ تَحْتَ ظِلِ رُمْحِىْ	البخاری	134
27	قَالَ ﷺ-- شَغَلُونَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى	البخاری	80
28	قَالَ ﷺ--قد أُرِيْتُ دَارَهِجْرَ تِكُمْ	البخاری	204
29	قَالَ ﷺ-- لَأُعْطِيَنَّ الرأيَةَ	البخاری	287
30	قَالَ رَسُوْلُ الله ﷺاَيّهَا اَلنَّاسْ! اِسْمَعُوا اَقولی	مسلم	317
31	قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ	البخاری	146
32	قَدْ نهى النبیﷺأَنْ تُسمَّى بِـها كَرَاهةً	المسند	267
33	قَسَّم رَسُوْلَ الله ﷺيَوْمَ خَيْبَرَ	المسند	287
34	كَاَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ	البخاری	320
35	كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْم	البخاری	325
36	كَانَ رَسُولُ اللّٰهِﷺاذ سُرَّ إِسْتَنَار وَجْهُهُ	البخاری	326
37	كَانَ رَسُولُ اللّٰهِﷺ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ--- شَهْرًا	البخاری	219
38	كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ	البخاری	335
39	كَانَ النَبی ﷺإِشتَدَّ حياءً	البخاری	336
40	كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ أَصَابُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ بَدْرٍ	البخاری	239
41	كَانَ النبیُّ ﷺمَرْبُوعاً	البخاری/مسلم	325
42	كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَصْحَاب بَدْرٍ	البخاری	229
43	لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُفْتَحُ عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ	البخاری	287
44	لَاتَدْخُلُوْ امَسَاكِنَ الذِيْنَ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ	البخاری ومسلم	312
45	لَا تُفَضّلُو نِيَ عَلَى الْأَنبياءِ	مسلم	340
46	لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ	البخاری	307
47	لَمْ يَحِلَّ الْغَنَائِمُ	الترمذی	348

48	لَايَدْخُلَنَّ أحَد مِنْكُمْ القَرْيَةَ	البخاری	311
49	لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرَّى بِغَيْرِهَا	البخاری	308
50	لَمَّا كانَ يَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ إلى المُشْرِكِينَ وَهُمْ أَلْفٌ	مسلم	229
51	فَلْيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَايْب	البخاری	318

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
1	اصول	48-47
2	ارہاص	133
3	افک	260
4	اوقیہ	244
5	اَیام تشریق	319
6	بلاغت	90
7	تبعیۃ	90
8	تشبیہ	91
9	حج	316
10	خصائص	339
11	ذبیحین	131
12	سریہ	213
13	سیرت	45
14	شاذ	63
15	شمائل	322
16	عام الفیل	122
17	عسرۃ	305
18	غزوۃ	221
19	فترت	146
20	کاہن	174
21	مباحث	44
22	متواتر	63
23	محکم	73
24	معتزلہ	23
25	معجزہ	359
26	مقدمۃ الجیش	38
27	مناہج	48
28	موقوف	108
29	ناسخ ومنسوخ	69
30	نظم قرآنی	90
31	وسق	297
32	وصل	39

فہرست مصادر و مراجع

مقدس کتب

القرآن المجید

کتاب مقدس

عربی مصادر

ابن الجوزی، عبد الرحمٰن بن علی بن محمد، زاد المسیر فی علم التفسیر (بیروت: المکتب الاسلامی، الطبعۃ الاولیٰ الجدیدہ، 1423ھ)

ابن الخطیب، لسان الدین، اللمحۃ البدریۃ (بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، ط3، 1980م)

ابن العماد، عبد الحی بن احمد بن محمد، شذرات الذھب فی أخبار من ذھب (دمشق: دار ابن کثیر، الطبعۃ الاولیٰ 1414ھ)

ابن القیم، محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، تحقیق: محمد اجمل الاصلاحی (مکۃ المکرمۃ: دار العلم الفوائد، الطبعۃ الاولیٰ، 1489ھ)

ابن تیمیہ، احمد عبد الحلیم، مجموعہ فتاویٰ التیمیۃ، (الرباط: مکتبۃ المعارف)

ابن حبان، علاؤ الدین علی بن الفارسی، صحیح ابن حبان، تحقیق: شعیب الأرنوط)

ابن خالویہ، القراءات الشاذہ ((القاہرہ: مکتبۃ المتنبی، س ط ندارد)

ابن خلدون، عبد الرحمٰن، مقدمۃ ابن خلدون (بیروت، لبنان: دار الفکر، 1421ھ۔2001م)

ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد، تاریخ ابن خلدون (السعودیۃ: بیت الافکار الدولیۃ، س ط ندارد)

ابن سید الناس، محمد بن محمد، عیون الأثر (المدینۃ المنورۃ: مکتبۃ دار التراث، س ط ندارد)

ابن عطیہ، عبد الحق بن غالب، المحرر الوجیز، تحقیق: عبد السلام عبد الشافی، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1422ھ)

ابن عمیرہ، احمد بن یحییٰ بن عمیرہ الضبی، بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس (مطبعۃ روخس، 1914م)

ابن فرحون، ابراہیم بن علی المالکی، الدیباج المذھب فی معرفۃ أعیان المذاھب، تحقیق: محمد الاحمدی (القاہرۃ:

مکتبۃ دارالتراث، س ط ندارد)

ابن کثیر، محمد بن اسماعیل، الفصول فی سیرۃ الرسولﷺ، تحقیق: محمد العید، (بیروت: دارابن کثیر، 1405ھ)

ابن کثیر، محمد بن اسماعیل بن عمر، السیرۃ النبویۃ، (بیروت: دارالمعرفۃ، س ط ندارد)

ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد (الریاض: دار طیبہ، الطبعۃ الثانیۃ، 1420ھ-1999م)

ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، (دارالتاصیل، 1435ھ-2014م)

ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب (القاہرہ: دارالمعارف، س ط ندارد)

ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ' (بیروت: دارابن حزم، الطبعۃ الثانیۃ، 1430ھ)

ابوالسعود، محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی (متوفی 982ھ)، ارشاد العقل السلیم، تحقیق: محمد بن علی جیلانی، (القاہرۃ: المکتبۃ التوفیقیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 2013م)

ابوشہبۃ، محمد محمد، الاسرائیلیات و الموضوعات فی کتب التفسیر (القاہرۃ: مکتبۃ السنۃ، ط4، 1421ھ)

ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، (دمشق: دارالرسالۃ العالمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1430ھ-2009م)

ابوزہرۃ، محمد، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دارالفکر العربی، س ط ندارد)

ابوشہبہ، محمد محمد، الدکتور، المدخل لدراسۃ القرآن الکریم (الریاض: دارااللواء، الطبعۃ الثالثۃ، 1407ھ)

احمد بن حنبل، المسند، تحقیق: شعیب الأرنؤط (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1413ھ)

الادنروی، احمد بن محمد، طبقات المفسرین، تحقیق: سلیمان بن صالح (المدینۃ المنورۃ، مکتبۃ العلوم والحکم، الطبعۃ الاولیٰ 1417ھ)

الاصفہانی، محمد حسین الراغب، مفردات الفاظ القرآن (دمشق: دارالقلم، الطبعۃ الرابعۃ 1430ھ-2009)

الاندلسی، ابوحیان محمد بن یوسف، البحر المحیط (بیروت: دارالفکر، 1432ھ-1983م)

الآلوسی، محمود بن عبداللہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم تحقیق: ماہر حبوش (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1431ھ)

الآیدینی، المولی علی بن بالی، العقد النظوم فی ذکر أفاضل الروم (تہران: مرکز اسناد مجلس شوریٰ اسلامی، طبع اول، 1389ھ)

البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (بیروت: دار ابن کثیر، الطبعۃ الاولیٰ، 1423ھ)
بلاذری، احمد بن یحییٰ، انسان الاشراف، تحقیق: الدکتور سہیل، الدکتور ریاض (بیروت: دار الفکر، الطبعۃ الاولیٰ، 1417ھ)

بن یاسین، حکمت بن بشیر، التفسیر الصحیح، (المدینۃ النبویۃ: (دار المآثر، الطبعۃ الاولیٰ، 1419ھ)

البیہقی، احمد بن الحسین، دلائل النبوۃ، تحقیق: عبد المعطی (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1409ھ)

الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، (الریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، 1999ء)

الترمذی، الشمائل المحمدیہ، تحقیق وتعلیق: سید عمران (بیروت: دار الحدیث، 1408ھ-1988ء)

الجرجانی، علی بن محمد السید الشریف، معجم التعریفات، تحقیق: محمد صدیق المنشاوی (القاہرہ: دار الفصیلۃ، س ط ندارد)

الجوہری، ابونصر اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ (بیروت: دار العلم، الطبعۃ الرابعۃ، 1987م)
حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون (بیروت: لبنان: داراحیاء التراث العربی، ط ندارد)
الحاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، س ط ندارد)
الحموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، (بیروت: دار صادر 1397ھ-1977م)
الحمیدان، عصام بن عبد المحسن، الصحیح من اسباب النزول (بیروت: مؤسسۃ الریان، الطبعۃ الاولیٰ 1420ھ)
الخطیب البغدادی،، الجامع لاخلاق الراوی، تحقیق: محمد عجاج، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1416ھ)

الداوودی، محمد بن علی بن احمد، طبقات المفسرین (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ط1، 1403ھ-1983م)

الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، تحقیق: شعیب الارناؤط (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ 1405ھ--1984م)

الزرکشی، بدرالدین محمد بن عبداللہ، البرہان فی علوم القرآن، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم (القاہرہ: دار التراث، الطبعۃ الثالثۃ، 1404ھ-1984م)

الزرکلی، خیر الدین، الاعلام، (بیروت: دار العلم، الطبعۃ الخامسۃ عشر 2002)

الزمخشری، جاراللہ محمود بن عمر، تفسیر الکشاف (بیروت: دار المعرفۃ، الطبعۃ الثالثۃ، 1430ھ)

سلیمان، اسلام فرخ الخلیفہ، ابن عطیة و منهجه فی تفسیره المحرر الوجیز (مقالہ برائے ایم اے جامعۃ الخرطوم، 2007م)

السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، لباب النقول فی اسباب النزول (بیروت: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، الطبعۃ الاولیٰ 122ھ)

السیوطی، عبدالرحمٰن ابن ابی بکر، طبقات المفسرین (الکویت: دارالنوادر، ۱۴۳۱ھ)

الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی أصول الشریعة (بیروت: دارالکتب العلمیۃ 1423ھ)

شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی أصول التفسیر' (کراتشی: بیت العلم، الطبعۃ الثالثہ، 1426ھ)

شعبان عبد العاطی و آخرون، المعجم الوسیط (جمہوریہ مصر: مجمع اللغۃ العربیۃ، الطبعۃ الرابعۃ، 1415ھ۔2004م)

الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، البدر الطالع (القاہرہ: دارالکتاب الاسلامی، س ط ندارد)

الصابونی، محمد علی، البیان فی علوم القرآن (کراتشی: مکتبۃ البشریٰ، الطبعۃ الجدیدہ، 1432ھ)

الصفدی، صلاح الدین خلیل بن ایبک، الوافی بالوفیات، تحقیق: احمد الأرناؤط (بیروت، لبنان: داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ 1420ھ۔2000م)

الصلابی، علی محمد محمد، الدولة العثمانية، (القاہرہ: دارالتوزیع والنشر، ط ا، 1421ھ)

الصلابی، علی محمد محمد، السیرة النبویة (دروس و عبر) (بیروت: دارابن کثیر، الطبعۃ السابعۃ، 1436ھ-2015ء)

الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (القاہرہ: دارہجر، الطبعۃ الاولیٰ، 1422ھ۔2001م)

عبدالرحمٰن بن مخلوف، الجواهر الحسان (بیروت: دارالکتاب العلمیہ، ط1، 1416ھ۔۔1996م)

عبدالفتاح صلاح، تعریف الدارسین، (دمشق: دارالقلم، الطبعۃ الثالثۃ، 1429ھ)

عرجون، محمد الصادق ابراہیم، محمد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم (دمشق: دارالقلم، الطبعۃ الثانیۃ، 1415ھ)

عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی (المکتبۃ السلفیۃ، س ط ندارد)

عمر رضا کحالۃ، معجم المؤلفین (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ 1414ھ۔1993م)

العمری، اکرم ضیاء، السیرة النبوءة الصحیحة' (المدینۃ المنورۃ، مکتبۃ العلوم الحکم، الطبعۃ السادسۃ، 1415ھ)

الفتح بن خاقان،قلائد العقبان، تحقیق: محمد صالح اکرم (بولاق (مصر: المطبعۃ الخدیویہ، ط 1283ھ)

قاضی عیاض، عیاض بن موسیٰ،الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)،(الامارات العربیۃ المتحدۃ: جائزۃ دبی الدولیۃ، الطبعۃ الاولیٰ،1434ھ)

القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع الاحکام القرآن، تحقیق: الدکتور، عبداللہ بن عبدالمحسن(بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ،1427ھ۔2006م)

قسطلانی، احمد بن محمد، المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، تحقیق: صالح احمد شامی (بیروت: المکتب الاسلامی، الطبعۃ الثالثۃ 1425ھ)

القطان، مناع الخلیل، مباحث فی علوم القرآن،(القاہرہ: مکتبۃ وہبۃ، الطبعۃ السابعۃ)

اللکھنوی، محمد عبدالحیی الہندی، الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنیفۃ(مصر: السعادۃ، س ط ندارد)

مالک بن انس، الموطا، (کراتشی: مکتبۃ البشریٰ، الطبعۃ الاولیٰ،1432ھ۔2011م)

المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایۃ،(کراتشی: ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1417ھ)، 2/ حاشیہ اللکھنوی)

مسلم بن الحجاج، الامام، الجامع الصحیح،(الریاض: دار طیبۃ للنشر والتوزریخ،2006م)

النبہانی، یوسف بن اسماعیل، وسائل الوصول الیٰ شمائل الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ**وسلم**(الطبعۃ الثانیۃ، 1425ھ-2004م)

ہرماس، ڈاکٹر، عبدالرزاق، مصادر السیرۃ النبویۃ بین المحدثین و المؤرخین(السعودیۃ: کلیۃ الآداب جامعۃ بن زہر، الطبعۃ الاولیٰ1428ھ)

الہیثمی، احمد شہاب الدین، ابن حجر، الفتاویٰ الہیثیمۃ(بیروت: دار المعرفۃ، س ط ندارد)

الواحدی، ابوالحسن علی بن احمد، اسباب النزول، تحقیق: عصام بن عبدالمحسن (الدمام: دار الاصلاح، الطبعۃ الثالثۃ، 1412ھ)

اردو مصادر

الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**(لاہور:ضیاء القرآن پبلی کیشنز1420ھ)
اسرار احمد، **سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**،(لاہور:انجمن خدام القرآن، سن اشاعت 2021)
حمید اللہ، **عہد نبوی کے میدان جنگ**،(لاہور۔کراچی:ادارہ اسلامیات،اکتوبر،1982ء)
داناپوری، عبد الرؤف، **اصح السیر**،(کراچی: مجلس نشریات اسلام،1979ء)
دیوبندی، محمد شفیع، **ختم نبوت**،(کراچی:ادارۃ المعارف،1419ھ)
سلفی، محمد لقمان، **الصادق الامین**،(مظفر گڑھ:الفرقان ٹرسٹ،ت ندارد)
شبلی نعمانی، **سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**'(لاہور:ادارہ اسلامیات، اشاعت اول،1423ھ)
صدیقی، محمد یٰسین مظہر، ڈاکٹر، **مکی اسوہ نبوی**،(کراچی:اسلامک ریسرچ اکیڈمی، دسمبر 2010ء)
صدیقی، یٰسین مظہر، **خطبات سیرت**،(اسلام آباد:ادارہ تحقیقات اسلامی، طبع 1،2017ء)
صدیقی، یٰسین مظہر، **معاش نبوی** ﷺ،(کراچی،(لاہور: کتب خانہ سیرت،2015ء)
صدیقی، یٰسین مظہر، **مصادر سیرت**(لاہور: دار النوادر،2016)
غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، **محاضرات سیرت**(لاہور:الفیصل ناشران، جنوری 2017)
قاسمی، وحید الزمان، **القاموس الجدید**(لاہور،(کراچی:ادارہ اسلامیات، س ط ندارد)
کاندھلوی، محمد ادریس، سیرۃ **المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**(کراچی:الطاف اینڈ سنز، ت ط ندارد)
کیرانوی، رحمت اللہ، **اظہار الحق**، تحقیق: محمد احمد محمد(الریاض:الادارۃ العامۃ للطبع والترجمۃ،1410ھ)
گیلانی، محسن طاہر (مدیر)، **سیرت انسائیکلوپیڈیا**(الریاض: دار السلام،1433ھ)
مبارکپوری، صفی الرحمٰن، **الرحیق المختوم**،(لاہور:المکتبۃ السلفیۃ، مئی 2002ء)
محمد اسماعیل، تاریخ امت مسلمہ(کراچی:المناہل ت ط ندارد)
منصورپوری، محمد سلیمان، **رحمۃ للعالمین**'(فیصل آباد: مرکز الحرمین، اکتوبر 2007)
مودودی، ابو الاعلی، **سیرت سرور عالم**،(لاہور:ادارہ ترجمان القرآن،1989ء)
ندوی، سید سلیمان، **خطبات مدراس**(اعظم گڑھ: مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع سوم،1355ھ)

English Sources:

Abdul Muhamin, *Modern Approaches in SIRAH writing with Special Reference :A Comparative and analytical study* .Islamabad, AIOU, 2016.

Al Tuwaijiri, Muhammad A. Mohrim, *Prophet Muhammad A Blessing for Mankind* .Saudi Arabia: International Islamic Publishing House. 2019.

Al-Qahtan, Saeed ibn Ali, A Mercy To The Universe. Riyadh: Darussalam, 2010.

As Sibaai, Mustafa, *The Life of Muhammad*, London: International Islamic, Publishing House ,2003.

Khan, Abdul Waheed, *The life of Prophet Muhammad*. Riyadh: International Islamic Publishing House ,2002.

Madni, Abdul Hassan, *Muhammad(ﷺ) The Last Prophet* . Bareli: Syyed Ahmad Shaheed Acadamy, 1999.

R.C Repp, *The Mufti of Istanmbul*. Oxford: Oxford University Press , 1986.

Ramazan, Tariq, *In the footsteps of the Prophet*. Oxford University Press, 2007.

Russ, Rodgers, *The Generalship of Muhammad*. Florida: University Press, 2012.

Websites:

http://uralomayme.com

https://marefa.org

https://www.ahlanpx.org